فوائدِ سعدیہ

انتخابِ مجمع السلوک

تالیف
قاضی محمد ارتضا علی صفوی گوپاموی
(۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء)

ترجمہ
مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی

شاہ صفی اکیڈمی
SHAH SAFI ACADEMY
A centre for research on Islamic studies and Sufism

فوائد سعدیہ

انتخابِ مجمع السلوک

تالیف
قاضی محمد ارتضا علی صفوی گوپاموی
(۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء)

ترجمہ
مولانا محمد ضیاء الرحمن علیمی

شاہ صفی اکیڈمی، خانقاہ عارفیہ، سید سراواں شریف

سلسلۂ مطبوعات شاہ صفی اکیڈمی نمبر (۲۷)

©جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

کتاب: فوائد سعدیہ

تالیف: قاضی محمد ارتضا علی صفوی گوپاموی

ترجمہ: محمد ضیاء الرحمن علیمی

تخریج و تعلیق: غلام مصطفی ازہری (انعام صفی)

اشاعت اول: ۱۴۴۳ھ/۲۰۲۱ء

قیمت: ۵۰۰/روپئے

تعداد: ۵۰۰

ناشر: شاہ صفی اکیڈمی، خانقاہ عالیہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی (یوپی)

Fawaed-e-Sadiya
By: **Qazi Mohammad Irteza Ali Safavi Gopamavi**
Translated by: **Mohammad Ziyaur Rahman Alimi**
Published by: **Shah Safi Academy**, Khanqah-e- Arifia
Saiyed Sarawan, Kaushambi, U.P. (India) 212213
Web: www.shahsafimemorialtrust.com
E-mail: shahsafiacademy@gmail.com

قد أفلح من تزكى

انتساب

وارث الانبیاء والمرسلین، مخدوم کبیر حضرت

شیخ سعدالدین خیرآبادی قدس اللہ سرہ

(۹۲۲ھ/۱۵۱۶ء)

کے نام

جنھوں نے شرح رسالہ مکیہ **مجمع السلوک** تصنیف کر کے اپنے عہد میں تجدید واحیاے تصوف کا عظیم کارنامہ انجام دیا اور طالبین وسالکین کے لیے شریعت وطریقت کا دائرۃ المعارف اور دستور العمل تیار کر دیا۔

فہرست

حرفِ آغاز ۲۸

پیشِ لفظ ۳۰

تعارف کتاب ۳۰

ترجمۂ کتاب کی تیاری ۳۰

شکر گزاری ۳۳

قاضی ابو علی محمد ارتضا صفوی گوپاموی ۳۴

نام و نسب، تعلیم و تربیت: ۳۵

بیعت و خلافت: ۳۵

مرشد سے تعلق خاطر: ۳۶

مدراس کا سفر اور تدریس کا آغاز: ۳۷

معروف تلامذہ: ۳۷

اخلاق و اوصاف: ۳۹

علمی مقام اور خدمات: ۴۰

شعر و سخن سے تعلق: ۴۳

انتقال: ۴۵

فوائد سعدیہ ۴۶

مقدمہ ۴۷

فوائد سعدیہ کی تالیف کا پس منظر ۴۷

اشارہ باطنی ۴۸
احوال حاجی الحرمین شیخ قوام الدین قدس اللہ سرہ ۵۰
بیعتِ تلقین، صحبت و اجازت ۵۱
شانِ تجرید و تفرید ۵۱
وطن و سکونت ۵۲
کرامت ۵۳
وصال ۵۴
احوال مخدوم شیخ سارنگ قدس اللہ سرہ ۵۵
ابتدائی حالات ۵۶
خدا طلبی اور بیعت و ارادت ۵۶
تجرید و تفرید ۵۶
سیر و سلوک اور خرقۂ خلافت ۵۷
خلفا ۵۸
پاسِ شریعت ۵۸
احوال قطب العالم مخدوم شیخ مینا قدس اللہ سرہ ۵۹
ابتدائی احوال ۶۰
تعلیم و تربیت ۶۰
مقامِ قطبیت ۶۱
بیعت اور ریاضت و مجاہدہ ۶۲
حلم و بردباری ۶۴
حبِ شیخ ۶۵
کرامات ۶۵
خلفا ۶۷

وصال ۶۷

احوال مخدوم شیخ سعد قدس اللہ سرہ ۶۸

ابتدائی زندگی ۶۹

علمی مقام ۶۹

بیعت وخلافت ۶۹

اتباعِ شیخ ۶۹

خیرآباد میں استقامت ۷۰

آپ کی دعا سے بارش کا نزول ۷۰

توکل واستغنا ۷۱

سکندر لودھی کی بدنیتی ۷۲

ورع وتقوی ۷۲

علمائے فنون کی روحوں سے مخدوم شاہ صفی کی امداد ۷۳

نمونۂ شاعری ۷۴

احوال مخدوم شاہ صفی قدس اللہ سرہ ۷۵

بیعت وخلافت ۷۶

اوصاف وکمالات ۷۶

حضرت طٰہٰ بلگرامی کے سید ہونے پر دلیل ۷۷

حضرت شاہ حسین اور تلاش مرشد ۷۷

اگال دان سے آگ لگ جانا اور زمین کا دھنس جانا ۷۸

جوگی کی گدڑی میں آگ ۷۹

کھارا کنواں شیریں ہوگیا ۸۰

وصال ۸۰

وِردِ سیفی ۸۰

شیخ سراج سوختہ اور شاہ مدار ۸۰

احوال مخدوم سید نظام الدین شیخ الہدیہ قدس اللہ سرہ ۸۳

مخدوم شیخ سعد کی خدمت میں ۸۴

مخدوم شاہ صفی کی بارگاہ میں ۸۴

اکبر بادشاہ کے دربار میں ۸۵

فیضی کی دعوت ۸۶

وصال ۸۷

سید ابوالفتح خیر آبادی ۸۷

انتخابِ مجمع السلوک ۸۸

دیباچہ ۸۹

ملفوظات مشائخ کی اہمیت ۹۰

توحید باری تعالیٰ ۹۲

امام رازی اور ایک عارفہ ۹۲

توحید کی علامت ۹۲

فائدہ: احدیت حقیقی کے نور کے اعتبارات ۹۲

فائدہ: مرید صادق کون؟ ۹۵

خواب غفلت سے بیداری ۹۶

گناہ صغیرہ کو حقیر نہ سمجھو ۹۸

نفس امارہ کی مثال ۹۹

دنیا دل لگی کے لائق نہیں ۱۰۰

نجاست ظاہری و باطنی ۱۰۲

طہارتِ باطنی پر ایک نکتہ ۱۰۴

محب کو ملامت کی پروا نہیں ۱۰۶

حضرت رابعہ کا واقعہ ۱۰۷

حضرت ابراہیم بن ادہم کی توبہ ۱۰۸

حضرت بلال کا وجد ۱۱۱

ہدایت اللہ کا خاص انعام ۱۱۲

ایمان ابوطالب کی بحث ۱۱۲

حضرت فضیل بن عیاض کی توبہ اور اس کی برکت ۱۱۳

قاضی شہاب الدین سے ایک کنیز کی ملاقات ۱۱۵

بشر حافی کی توبہ کی برکت ۱۱۶

جذب و سلوک و عروج ۱۱۷

جذب و سلوک کے اعتبار سے طالبین کی قسمیں ۱۱۷

شیخ کون ہو سکتا ہے؟ ۱۱۹

سجادہ کی وجہ تسمیہ: ۱۲۰

سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ ۱۲۰

دردِ محبت ضروری ہے ۱۲۱

درد ہی اصل ہے ۱۲۲

دردِ محبت کی علامت ۱۲۲

مولانا عمدہ بدایونی کا واقعہ ۱۲۴

صاحبِ کشف نہیں، دردِ دل رکھنے والا چاہیے ۱۲۴

دردِ محبت کیسے حاصل ہو؟ ۱۲۴

فائدہ: عشق و محبت میں فرق اور ان کے درجات ۱۲۵

راہ سلوک کے حجابات اور لغزشیں ۱۲۸

وصال و مشاہدہ ۱۳۰

مشاہدے اور مکاشفے کی بحث ۱۳۰

درجات مکاشفہ ۱۳۱
رب تعالیٰ کی بندوں سے محبت ۱۳۳
ایک کافر اور حضرت ابراہیم کا واقعہ ۱۳۵
فتح موصلی اور ایک بچے کا واقعہ ۱۳۵
رب و بندہ محبوب و محب اور شیطان فضولی ۱۳۶
حضرت جنید بغدادی کا واقعہ ۱۳۷
رب تعالیٰ کی مغفرت عامہ کے نمونے ۱۳۸
فقرا کی فضیلت اور ثبوتِ سماع ۱۳۹
دیدارِ مولیٰ کی طلب ۱۴۱
خواب میں کا دیدار مولیٰ ۱۴۴
رویت قلبی رویت عینی نہیں ہے ۱۴۴
تجلی روحی ۱۴۵
تجلی روحانی اور تجلی ربانی میں فرق ۱۴۵
تجلی ربانی کی اقسام ۱۴۵
فائدہ: مقامِ حریت ۱۴۷
آزادی کا معنی اور باطنیہ کا رد ۱۴۹
حضرت شبلی کا اتباع شریعت ۱۵۰
شریعت مقدم ہے ۱۵۰
شریعت، طریقت کی کنجی ہے ۱۵۱
سالک کے لیے علم و عمل کی اہمیت ۱۵۱
ابتدائے طریقت: احکام شرع میں احتیاط ۱۵۳
صوفی کا مسلک احتیاط ہے ۱۵۳
حضرت مخدوم شاہ مینا کے مجاہدات ۱۵۶

حضرت جنید بغدادی کی نفس کشی ۱۵۷
اسلاف امت کے چند اور واقعات ۱۵۸
امام اعظم کی عبادت ۱۵۸
حضرت زکریا ملتانی کی عبادت ۱۵۹
نفس کی تلوینی کا ذکر ۱۶۰
حبیبہ عدویہ کا واقعہ ۱۶۰
حضرت رابعہ بصریہ کا واقعہ ۱۶۱
عشق کا مقام ۱۶۲
کم خوردنی ۱۶۳
ایام بیض ۱۶۴
نفل روزہ توڑنے کا مسئلہ ۱۶۵
مولانا وجیہ الدین پائلی کا واقعہ ۱۶۵
مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا واقعہ ۱۶۶
مسئلہ ۱۶۶
ایام بیض کے روزوں کے ترک کی ابتدا کب اور کیسے؟ ۱۶۷
فائدہ: روزے کے درجات ۱۶۷
افطار کے لیے دو روٹی بھی رکھنا بخل ہے ۱۶۸
روزے کا شمار اصول طریقت میں کب ہوگا؟ ۱۶۸
حضرت مخدوم شاہ مینا کا معمول ۱۶۹
فائدہ: شب بیداری کے فضائل ۱۶۹
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی ۱۷۰
شب بیداری میں معاون اسباب ۱۷۱
توکل و اخلاص ۱۷۶

حقیقت توکل ۱۷۶
امام داؤد طائی کی خلق سے عزلت ۱۷۷
امام داؤد طائی اور خلیفہ ہارون رشید ۱۷۸
فائدہ: اخلاص کے درجات ۱۸۲
فائدہ: ارشادات سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا ۱۸۵
رزق کی قسمیں ۱۸۶
صوفیہ کے لیے نذر و نیاز لینا کب درست ہے؟ ۱۸۶
ذخیرہ اندوزی کی ممانعت کس کے لیے ہے؟ ۱۸۷
متوکل، چور کو بد دعا نہیں دیتا ۱۸۸
متوکل کے لیے علاج کی رخصت ہے ۱۸۹
ازالۂ ضرر کے تین اسباب ۱۹۰
کون لوگ ترک علاج کرتے ہیں؟ ۱۹۰
فائدہ: ایک نوجوان کی حکایت ۱۹۱
ایک سالک اور ایک ابدال کا واقعہ ۱۹۲
حضرت وہب کا بے مثال تقویٰ ۱۹۳
عشق ۱۹۵
حضرت داؤد طائی کا زہد ۱۹۶
حضرت مخدوم شاہ مینا کی تشریح ۱۹۶
تزکیہ، ارادت اور آداب مرشد ۱۹۹
فضیلت صرف باعمل علما کے لیے ہے ۱۹۹
بدبختی کی علامت ۲۰۰
امام اعظم اور حضرت ابراہیم ادہم ۲۰۰
طلبِ علم ۲۰۱

کون سا علم ضروری ہے؟ ۲۰۱
حقیقت بندگی: تسلیم ورضا ۲۰۲
ریاضت کی انتہا ۲۰۲
مرشد کے بغیر چارہ نہیں ۲۰۳
بے پیر سالک کی مثال: ۲۰۴
شیخ کا قلب تجلیات ربانی کا آئینہ ہے ۲۰۴
مثال: دو نقاشوں کا واقعہ ۲۰۴
صرف کتب تصوف کا مطالعہ ناکافی ہے ۲۰۵
مرید کی تدریجی تربیت ۲۰۶
بے علم سالک، شیخ کے لیے بھی باعث رنج ہے ۲۰۷
غلبۂ حال کی پیروی نہیں کی جائے گی ۲۰۸
طریقت کے پردے میں خواہش پرستی ۲۰۹
اخلاص کی علامتیں ۲۰۹
صوفی، ملامتی سے افضل ہے ۲۱۰
بسط زمان اور طی مکان ۲۱۰
حضرت آدم کا ادب ۲۱۱
ادب معرفت کی بنیاد ہے ۲۱۲
قیامت کی علامت ۲۱۳
مردان حق کون؟ ۲۱۴
دل تجلّی حق کا مقام ہے: ۲۱۵
دل در حقیقت دل کب ہوتا ہے؟ ۲۱۶
فائدہ: ۲۱۶
صفت موسوی کی مثال ۲۱۶

اصطلاحات صوفیہ کا پس منظر ۲۱۷

فائدہ: ارشاد و سلوک ۲۱۷

فائدہ: شیخ کامل مشاطہ ہوتا ہے........ ۲۱۸

پیرزادگی و جانشینی معیار بزرگی نہیں ! ۲۱۹

چند دنوں کی صحبت کافی نہیں ! ۲۲۰

شیخ کی تعریف ۲۲۲

مرشد فانی ہوتا ہے ۲۲۳

تلاش واجب ہے ۲۲۳

ائمۂ اربعہ دین کے محافظ ہیں........ ۲۲۴

امرد پرستی کا انجام ۲۲۴

مرید کے اوصاف ۲۲۶

ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے ۲۲۸

توحید صوفیہ ۲۲۹

بے خودی ضروری ہے........ ۲۳۰

ایک حکایت ۲۳۰

فائدہ: خرقۂ تبرک اور خرقۂ ارادت ۲۳۱

حضرت موسیٰ کا وظیفہ........ ۲۳۲

کشوفاتِ سالک ۲۳۲

فائدہ: خواب اور واقعہ میں فرق........ ۲۳۳

صالح خواب کی قسمیں ۲۳۴

انوار کے مختلف انواع ۲۳۵

انوار و الوان کی حکمت ۲۳۸

فائدہ: اہل مشاہدہ اور اہل مجاہدہ........ ۲۳۹

خواجہ ابوسعید کے دو واقعات ۲۴۰
شیخ محمد سے شیخ محمد معشوق ۲۴۲
دنیا: احادیث واقوال کی روشنی میں ۲۴۵
سالک کامل: باہمہ و بے ہمہ ۲۴۷
ذکر کے درجات ۲۴۹
راہِ سلوک ۲۵۰
لا مطلوب الا ھو ۲۵۱
عشق وہبی اور عشق کسبی ۲۵۱
پہلی شرط: دوامِ طہارت ۲۵۳
حضرت مخدوم شاہ مینا کا فکر و معمول ۲۵۳
پانی اور مٹی کی حکمت ۲۵۴
حضرت مخدوم شاہ مینا کا فکر و معمول ۲۵۴
فائدہ: باطن کی طہارت ندامت و پشیمانی اور خوف و حیا کے پانی سے ۲۵۵
حضرت مخدوم شاہ مینا کا قول و عمل ۲۵۵
حکایت ۲۵۶
فرض، واجب اور مستحب وضو ۲۵۷
وضو کا نور ۲۵۸
دوسری شرط دوامِ صوم ۲۵۹
بھوکے رہنے کے فوائد ۲۵۹
رزق حلال، رزق طیب ۲۶۲
تیسری شرط: دوامِ سکوت ۲۶۳
خاموشی زبان کے ساتھ خاص نہیں ۲۶۳
گویائی ذکر الٰہی ہو ۲۶۳

خاموش رہنے کا مجاہدہ ۲۶۴

صدیقِ اکبر کا انداز سکوت ۲۶۴

نگاہ بے عبرت کی نحوست ۲۶۵

چوتھی شرط: دوامِ خلوت ۲۶۶

خلوت خانہ کیسا ہو؟ ۲۶۷

حضرتِ شبلی اور ایک چور ۲۶۷

فائدہ: سالک کے ضروری اوصاف ۲۶۹

نفس کی ایک اچھی خصلت ۲۶۹

حب جاہ کی مذمت ۲۷۰

فائدہ: خلوت سے قبل ریاضت ۲۷۱

خلوت کے بغیر مقام ارشاد ممکن نہیں ۲۷۲

فائدہ: تلاوت قرآن بھی ذکر ہے ۲۷۵

صاحبِ خلوت کے لیے جماعت کی اہمیت ۲۷۵

پانچویں شرط: دوام ذکر ۲۸۰

ذکر کلمہ طیبہ کا طریقہ ۲۸۰

فائدہ: ذکر کے لیے چار ضروری چیزیں ۲۸۳

فائدہ: ۲۸۶

طریقۂ ذکر جہری ۲۸۸

ذکر جہری و سرّی پر مخدوم صاحب کی رائے ۲۸۸

دوران ذکر تصور شیخ ۲۸۹

تصور شیخ کی ضرورت ۲۸۹

شرائط ذکر ۲۹۰

لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم ۲۹۱

کیفیتِ ذکر ۲۹۱
حضوری قلب ۲۹۲
فائدہ: کلمۂ طیبہ کے علاوہ دیگر اذکار ۲۹۴
قطب عالم مخدوم شاہ مینا کے معمولات ۲۹۴
اجتماعی ذکر کا استحباب ۲۹۶
شارح کی تلقین ذکر کی سند ۲۹۶
مخدوم شیخ سارنگ کی تلقین ذکر ۲۹۷
صاحب رسالہ مکیہ سے تلقین ذکر ۲۹۸
فائدہ: موتوا قبل اَن تموتوا کا مفہوم ۳۰۱
فائدہ: صفاتِ شیخ ۳۰۱
شیخ کے امین ہونے کا مطلب ۳۰۲
شیخ کے اوصاف ۳۰۲
مرید کے لیے صفت موسوی کی مثال ۳۰۳
خواجہ یوسف چشتی کا واقعہ ۳۰۳
مرید کی تدریجی تربیت ۳۰۴
لقمۂ حلال ضروری ہے ۳۰۵
فائدہ: کسب حلال کی فرضیت ۳۰۵
فائدہ: معرفت و تادیبِ نفس ۳۰۶
نفسانی خواہش اور شیطانی خواہش کا فرق ۳۰۶
درویشی رخصت پر نہیں عزیمت پر عمل سے ہے ۳۰۷
مخدوم صاحب کی تلقین ذکر حاصل کرنے کی کیفیت ۳۰۸
خواجہ فریدالدین گنج شکر کی حکایت ۳۰۸
مقصود ذکر استغراق حق ۳۱۰

ذاکر کے درجات ۳۱۱
فنا کی مختلف تعریف اور اس کے اسباب ۳۱۳
یہ معنی محبت ذاتی کے صدق کی علامت ہے۔ ۳۱۳
فنائے مطلق کی قسمیں ۳۱۴
فنا کے سلسلے میں شیخ الشیوخ کا سوال اور مسلم بن سیار کی حکایت ۳۱۴
فائدہ: فنا حلول نہیں ۳۱۵
قول منصور حلاج کی ایک انوکھی تاویل ۳۱۶
بایزید بسطامی کے قول کی تاویل ۳۱۷
فائدہ: ذکر کلمۂ طیبہ کے ضروری اوصاف ۳۱۷
پہلا وصف: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا فہم ۳۱۷
خواہش کی اقسام ۳۱۷
فہم ذکر کی صورت ۳۱۸
دوسرا وصف: عظمت الٰہی کا احساس ۳۱۹
تیسرا وصف: صدق ارادت ۳۱۹
چوتھا وصف: ذکر کا ادب و احترام ۳۲۰
پانچواں وصف: مراقبہ ۳۲۱
فائدہ: مراقبہ کی تعریف ۳۲۱
لمحہ، لمعہ، وجد اور وجود ۳۲۲
فائدہ: نفس اور بلاؤں پر صبر ۳۲۴
فائدہ: عالم قلب ۳۲۵
شیخ کلیب سنجاری کا بے مثال صبر ۳۲۵
فائدہ: ممشاد دینوری کا قابل رشک حال ۳۲۶
لوح محفوظ کا پہلا لفظ ۳۲۷

امتحانِ یعقوبی ۳۲۸

آزمائشِ موسی ۳۳۳

ایک عاشق کی بلا سے لذت اندوزی ۳۳۵

محبت میں درد کا شکوہ ۳۳۶

ایک صوفیانہ تفسیر ۳۳۶

لوحِ محفوظ کی پہلی تحریر ۳۳۷

کمال رضا ۳۳۷

حضرت بایزید بسطامی کا واقعہ ۳۳۸

بلا کی تین قسمیں ۳۳۸

چھٹی شرط: نفی خواطر ۳۴۰

خاطر اور وارد کے مابین فرق ۳۴۰

خاطر حقانی کی پہچان ۳۴۱

خاطر ربانی کی ایک مثال ۳۴۳

خیر کی راہ سے مکر شیطانی کی ایک مثال ۳۴۳

غوث پاک کا ایک مرید مبتدی ۳۴۴

فائدہ: رخصت پر عمل ۳۴۵

دو عارفین باللہ کا واقعہ ۳۴۵

ارشاد حضرت خواجہ قوام الدین عباسی قدس سرہ ۳۴۶

ساتویں شرط: شیخ کے ساتھ قلبی ارادت ۳۴۸

توحید مطلب ۳۴۸

شیخ کی بارگاہ کے آداب: ۳۵۰

پہلا ادب ۳۵۰

فائدہ: شیخ تربیت کی حاجت ۳۵۱

شیخ اگر بدعتی ہو تو تجدید ارادت ضروری ہے ۳۵۲
صدق ارادت ضروری ہے ۳۵۳
فائدہ: شیخ پر اعتراض نہ کرے ۳۵۳
مردود یکے مردود ہمہ ۳۵۴
خواجہ قوام الدین عباسی کا ایک استفسار اور اس کا جواب ۳۵۴
دوسرا ادب: شیخ کی موجودگی میں مصلی پر نہ بیٹھے اور نہ نوافل پڑھے ۳۵۵
تیسرا ادب: حکم شیخ کی بقدر استطاعت پیروی ۳۵۶
فائدہ: خواب میں زیارت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۳۵۷
فائدہ: مخدوم جہانیاں کا روحانی کمال ۳۵۹
فائدہ: شیخ سے استفادہ کے لیے رابطۂ قلبی ضروری ہے ۳۵۹
ایک بادشاہ اور غلام کا واقعہ ۳۶۰
شیخ سے عقیدت اور اس کی پیروی کا ذکر ۳۶۱
قطب عالم شیخ نور اور خواجہ کریم الدین کا واقعہ ۳۶۲
ایک قلندر کی اپنے پیر سے عقیدت ۳۶۳
اولیاے صادقین اور مدعیان کاذبین ۳۶۵
حالت خواب کی خلافت ناقابل قبول ۳۶۷
جاہ و مرتبہ حجاب راہ ہیں ۳۶۷
عزیمت اور ہمت مطلوب ہے ۳۶۸
اتباع شیخ ۳۶۹
فائدہ: شیخ بننے کے لائق کون؟ ۳۷۰
مشیخت کے ارکان خمسہ ۳۷۰
اولیا کی شناخت مشکل ہے ۳۷۳
مشائخ کی عظمت ۳۷۳

شیخ رموز تربیت سے آشنا ہو ۳۷۴
شطحات کی تعریف اور اس کا حکم ۳۷۵
فائدہ: حضرت خضر سلطان المشائخ کی بارگاہ میں ۳۷۶
خضر ملنے آگئے ۳۷۷
آٹھویں شرط: ترک اعتراض ۳۷۹
ایک اشکال اور اس کا جواب ۳۸۰
حضرت ام سلیم کا واقعہ ۳۸۰
فائدہ: کاملین کا خوف ۳۸۲
فائدہ: انس و ہیبت کی اقسام ۳۸۴
فائدہ: محبت عام اور محبت خاص ۳۸۵
فائدہ: معیت کا مفہوم ۳۸۷
فائدہ: توبہ فرض ہے ۳۸۸
توبۂ نصوح کی حقیقت اور علامت ۳۸۸
توبہ کی تعریف میں دو اقوال ۳۸۹
مخدوم شاہ مینا کی تطبیق ۳۸۹
قبولیت توبہ کی شرط ۳۸۹
فضولیات سے گریز ۳۹۰
لایعنی کا معنی و مفہوم ۳۹۱
بادشاہوں اور دنیا دار علما و فقرا کی صحبت سے پرہیز ۳۹۱
فائدہ: ارکان توبہ ۳۹۱
فائدہ: ورع کی قسمیں ۳۹۲
زہد کا بیان ۳۹۶
فائدہ: تنگ دست فقیر کے احوال ۴۰۰

اقسامِ فقر ۴۰۴
منتسبین تصوف کی اقسام ۴۰۴
ارادت اور خرقہ پوشی ۴۰۸
شیخ کا قلب آئینہ ہوتا ہے ۴۰۸
فائدہ: مرید و مراد کے دو معنی ۴۰۹
مرید کی قسمیں ۴۱۰
فائدہ: خرقہ، اجازت اور مثال ۴۱۱
فائدہ: صوفیہ کے چودہ خانوادے ۴۱۳
فائدہ: حضرت مخدوم شاہ مینا کا طریقۂ بیعت ۴۱۴
مقراض رانی کی حقیقت ۴۱۵
مقراض رانی کا طریقہ ۴۱۶
درویش کی مثال ۴۱۷
فائدہ: اوراد سے واردات تک ۴۲۰
فقیر کی عبادت نفی خواطر ہے ۴۲۲
مرید مبتدی کا کذب ۴۲۲
نفس کے دس اوصاف ۴۲۳
نفس کی بلائیں زیادہ ہلاکت خیز ہیں ۴۲۴
خواجہ بایزید کا واقعہ ۴۲۴
ایک عابد کا واقعہ ۴۲۵
شرورِ نفس ۴۲۵
لباس صوفیہ ۴۳۰
نااہلوں سے خرقہ واپس لینا ۴۳۰
فائدہ: خرقۂ مشائخ کی اقسام اور ان کے لطائف ۴۳۱

فائدہ: سنت عمامہ ۴۳۴
فائدہ: متبرک ملبوسات ۴۳۴
فائدہ: ۴۳۵
روح کالباس ۴۳۵
روحِ خفی کالباس ۴۳۶
اتباعِ رسول اور صدق واخلاص کے واقعات ۴۳۶
صوفی اور تصوف کی مختلف تعریفات ۴۳۷
اخلاقِ صوفیہ ۴۴۰
حضرت مخدوم شاہ مینا کاحلم ۴۴۰
فائدہ: خواجہ چراغ دہلی کاحلم اور واقعۂ وصال ۴۴۰
فائدہ: مخدوم شاہ میناکی والدہ کاایثار ۴۴۱
اہل بیت اطہار کاایثار ۴۴۲
فائدہ: صوفیہ کاایثار ۴۴۴
فائدہ: فتوت ترک تکلف کانام ہے ۴۴۵
فائدہ: امام احمد بن حنبل کاواقعہ ۴۴۶
فائدہ: رسول اللہ ﷺ کامزاح ۴۴۶
فائدہ: حقیقت ومعرفت ۴۴۷
فائدہ: معرفت دل کی زندگی ہے ۴۴۹
ایک سوال ۴۵۱
پہلاجواب ۴۵۱
دوسراجواب ۴۵۲
اصول دین کی بصیرت کے بغیر معرفت نہیں ۴۵۳
فائدہ: علم کے درجات ۴۵۴

فائدہ: حضرت مخدوم شاہ میناقدس سرہ کا ایک وظیفہ ۴۵۵
فائدہ: مولانا حسن کا واقعہ ۴۵۵
ایک اور واقعہ ۴۵۶
فائدہ: معرفت کسے کہتے ہیں؟ ۴۵۶
فائدہ: توحید کے درجات ۴۵۷
ایک درویش کا واقعہ ۴۵۸
توحید کے بارے میں حضرت علی کا فرمان ۴۵۹
فائدہ: دین خیر خواہی کا نام ہے ۴۶۲
فائدہ: تقویٰ کی اہمیت ۴۶۲
تمام اعمال صالحہ کے ساتھ تقوی ۴۶۳
فائدہ: اثر کے لیے طویل صحبت چاہیے ۴۶۳
منامات، انوار ولوامع ۴۶۶
خواب کی تعبیر کون کرے گا؟ ۴۶۶
فائدہ: خواب کی تعبیر کس سے پوچھے؟ ۴۶۸
حکایت ۴۶۸
فائدہ: مشائخ کرام کے غیبی واقعات ۴۶۹
مولانا محمود کا واقعہ ۴۷۰
ایک جوان کا واقعہ ۴۷۱
کرامات حضرت مخدوم شاہ مینا ۴۷۳
شیخ شہاب الدین سہروردی اور ایک فلسفی ۴۷۵
فائدہ: ایک فقیہ ہزار جاہل عابد سے افضل ہوتا ہے ۴۷۶
ایک جاہل صوفی اور ایک عالم ۴۷۷
فائدہ: احکام شریعت کبھی ساقط نہیں ہوتے ۴۷۸

سقوط احکام کی ایک تاویل ۴۷۸
ابوحامد دوستاں کا واقعہ ۴۷۹
سقوط احکام کی دوسری تاویل ۴۸۰
نوافل، اوراد اور دعائیں ۴۸۱
نماز اشراق کا وقت اور رکعتیں ۴۸۱
صلاۃ الحرز ۴۸۲
مسبعات عشر ۴۸۳
شیخ عبداللہ یافعی کی روایت ۴۸۴
قطب عالم مخدوم شاہ مینا کی تطبیق ۴۸۵
صلاۃ التسبیح ۴۸۵
چاشت کا وقت اور رکعتیں ۴۸۹
نماز زوال ۴۸۹
نماز برائے دفع عسرت ۴۹۰
صلاۃ الخضر ۴۹۱
صلاۃ الفتح ۴۹۳
سنت عصر ۴۹۴
وظیفہ مابین عصر و مغرب ۴۹۴
عصر، مغرب اور عشا میں وصل ۴۹۵
مخدوم شاہ مینا کا معمول ۴۹۷
صلاۃ المعرفۃ ۴۹۷
صلاۃ الحرز ۴۹۸
صلاۃ ہلاہل ۴۹۸
فائدہ: صلاۃِ خمسہ کے فضائل ۴۹۹

حضرتِ مصنف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ۵۰۰
خوابوں اور بشارتوں کے بیان کی حکمت ۵۰۰
امام احمد بن حنبل کا واقعہ ۵۰۱
حضرت جنید کا واقعہ ۵۰۱
صاحب ہدایہ کا واقعہ ۵۰۲
امام اعظم کا واقعہ ۵۰۲
حضرت ممشاد دینوری کا واقعہ ۵۰۳
طالبِ صادق کا معمول کیسا ہو؟ ۵۰۴
تہجد کے وقت کی دعا ۵۰۴
صلاۃ الوتر ۵۰۴
فجر کی نماز کے بعد کا وظیفہ ۵۰۶
صلاۃ تُنجینا ۵۰۷
ایک کفن چور کا واقعہ ۵۰۸
فائدہ: تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو ۵۰۸
فائدہ: مہینوں کی مشغولیت ۵۱۰
فائدہ: محرم کا کھچڑا ۵۱۰
فائدہ: عاشورا کی نوافل و دعا ۵۱۰
فائدہ: ماہِ رجب کی نوافل ۵۱۲
صلاۃ الرغائب کی جماعت ۵۱۲
فائدہ: شب معراج ۵۱۳
فائدہ: ۵۱۳
فائدہ: ماہ رمضان کی فضیلت ۵۱۴
شب قدر ۵۱۴

فائدہ: نمازِ عرفہ ۵۱۴
حضرت مخدوم شاہ مینا کا معمول ۵۱۵
ولی کی پہنچان ۵۱۶
ولایت کے تین درجات ۵۱۶
کیا ولی کو اپنی ولایت کا علم ہوتا ہے؟ ۵۱۷
فائدہ: ابدال کی جماعت میں شامل کرنے کا طریقہ ۵۱۷
خاتمہ ۵۱۸

حرف آغاز

ابو سعد حسن سعید صفوی
ولی عہد خانقاہ عالیہ عارفیہ، سید سراواں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجمع السلوک والفوائد کا دو ضخیم جلدوں پر مشتمل اردو ترجمہ ۱۴۳۸ھ / ۲۰۱۶ء میں شائع ہوا اور تقریباً سال بھر کے اندر ہی اس کی تمام کاپیاں ختم ہو گئیں، اس کی اشاعت ثانی کا تقاضا شدت سے ہو رہا ہے لیکن مجمع السلوک کے فارسی متن کی تدوین کی وجہ سے اردو ترجمے کی دوسری اشاعت کو ملتوی کیا جاتا رہا، اب بفضلہٖ تعالیٰ اس کا فارسی متن بھی مدوّن ہو گیا ہے، جو ان شاء اللہ عنقریب تحقیقی لوازمات کی انجام دہی کے بعد زیور طبع سے آراستہ ہو گا، اس کے بعد ہی اردو ترجمہ بھی دوبارہ شائع کیا جائے گا- تب تک صاحبانِ ذوق کی خدمت میں مجمع السلوک کے اس انتخاب کو جو کئی لحاظ سے بہت مفید اور اہم ہے، پیش کیا جا رہا ہے-

اس انتخاب کو اپنے وقت کے جید عالم دین، بلند پایہ صوفی اور مدراس کے قاضی القضاۃ افضل العلماء علامہ قاضی ابو علی محمد ارتضا عمری صفوی گوپاموی (۱۱۹۸—۱۲۷۰ھ / ۱۷۸۴-۱۸۵۴ء) نے ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۶ء میں فوائد سعدیہ کے نام سے مرتب کیا تھا، ساتھ ہی آپ نے اس کے مقدمے کے طور پر حضرت مخدوم حاجی الحرمین شیخ قوام الدین عباسی (۸۰۶ھ / ۱۴۰۴ء)، حضرت مخدوم شیخ سارنگ (۸۵۵ھ / ۱۴۵۱ء)، حضرت مخدوم شاہ مینا لکھنوی (۸۸۴ھ / ۱۴۷۹ء)، حضرت مخدوم شیخ سعد خیر آبادی (۹۲۲ھ / ۱۵۱۶ء)، حضرت مخدوم شاہ صفی (۹۴۵ھ / ۱۵۳۸ء) اور

مخدوم سید نظام الدین معروف بہ شیخ الہدیہ خیر آبادی (۹۹۳ھ / ۱۵۸۵ء) قدّس اللہ اسرارھم کے مختصر احوال قلم بند فرما کر شامل کتاب کیے۔ اس کتاب کو اہل علم کے یہاں بہت مقبولیت حاصل ہوئی، بالخصوص اہلِ سلسلہ نے اسے سر آنکھوں پر رکھا۔ مجمع السلوک اس وقت تک صرف کتب خانوں کی زینت تھی، جس سے عام لوگ تو کیا خواص بھی کم ہی آگاہ تھے، لہٰذا ایسی صورت میں « بوئے گل راز کہ جوئیم از گلاب » والی صورت فوائد سعدیہ کے ساتھ پیش آئی۔

قاضی صاحب نے یہ انتخاب خاص ابواب کی ترتیب پر تو مرتب نہیں کیا لیکن اس بات کا اہتمام ضرور کیا ہے کہ اصل کتاب کے مختلف مقامات سے ایک دوسرے سے مناسبت رکھنے والی گفتگو کو یکجا ایک فائدہ یا متعدد فوائد کے ضمن میں درج کر دیا، ساتھ ہی اصل کتاب میں وارد شدہ قطب العالم مخدوم شاہ مینا لکھنوی قدس سرہ کے جملہ ملفوظات کو بھی اس میں شامل کر لیا۔ اس طرح تصوف کے نظریاتی اور عملی ہر دو پہلوؤں پر دونوں مخدوموں (حضرت مخدوم شاہ مینا اور آپ کے جلیل القدر مرید و خلیفہ صاحبِ مجمع السلوک) کے ارشادات کا ایک حسین مجموعہ تیار ہو گیا، جو اختصار و جامعیت کے ساتھ سالکین و طالبین کے کشادِ کار کے لیے بہت معاون ثابت ہوا۔

رب کریم کے فضل و کرم سے شاہ صفی اکیڈمی کی جانب اس کا اردو ترجمہ تحقیق و تخریج کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے، رب کریم ہماری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا کرے اور طالبین صادقین کے لیے اسے مفید بنائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین ﷺ

فقیر ابوسعد حسن سعید صفوی محمدی کان اللہ لہ

۹، ربیع الاول ۱۴۴۳ھ / ۱۶، اکتوبر ۲۰۲۱ء

پیشِ لفظ

تعارف کتاب

شریعت و طریقت کا انسائیکلوپیڈیا مجمع السلوک ایک عظیم کتاب ہونے کے ساتھ ایک ضخیم کتاب بھی ہے جسے سفر و حضر ہر حال میں ساتھ رکھنا دشوار ہے لیکن کتاب ایسی جامع ہے کہ سالک کے لیے اسے ساتھ لیے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں، اس لیے اپنے وقت کے مشہور متبحر فاضل افضل العلما قاضی ابو علی محمد ارتضا صفوی گوپاموی رحمہ اللہ (۱۱۹۸-۱۲۷۰ھ) نے حضرت مخدوم شیخ سعد قدس سرہ کا اشارۂ منامی پاکر فوائد سعدیہ کے نام سے مجمع السلوک کا ایک انتخاب تیار کیا جسے ہر حال میں سالک اپنے ساتھ رکھ سکے اور اس کے نکات و لطائف سے مسلسل اصلاح نفس اور تطہیر باطن کے عمل میں لگا رہے۔

ان کا ایک دوسرا مقصد یہ بھی تھا کہ مجمع السلوک جہاں ضخیم ہے وہیں اس کی زبان اور اس کے مباحث بہت عالمانہ ہونے کی وجہ سے خواص ہی اس سے کماحقہ استفادہ کرپاتے ہیں اور عام لوگ اس کے لطائف و معارف سے محروم رہ جاتے ہیں اب اس انتخاب سے عام لوگ بھی استفادہ کرسکیں گے۔

قاضی صاحب رحمہ اللہ کا یہ انتخاب حضرت مخدوم شاہ مینا قدس سرہ کے ملفوظات، مخدوم شیخ سعد قدس سرہ کے افادات اور کتاب کے اندر موجود مباحث طریقت کی ایک جامع تلخیص ہے۔

ترجمۂ کتاب کی تیاری

مخدوم گرامی حضرت مولانا حسن سعید صفوی زید معالیہ سے نجی مجالس میں بارہا فوائد

سعدیہ کی خوبیوں کا تذکرہ اور اس کی جامعیت پر گفتگو ہوا کرتی تھی، ۲۰۱۹ کے ابتدائی زمانے کی بات ہے مخدوم گرامی نے فرمایا کہ فوائد سعدیہ تو کسی ردوبدل کے بغیر مجمع السلوک کا ہی انتخاب ہے اور مجمع السلوک کا آپ ترجمہ کر چکے ہیں، اب اگر کوئی اتنی محنت کر دے کہ مجمع السلوک اردو سے فوائد سعدیہ کے مباحث والے ترجمے کو سرچ کر کے کاپی کر کے یکجا کر دے تو فوائد سعدیہ کا اردو ترجمہ خود بخود تیار ہو جائے، آپ کی یہ بات مجھے پسند آئی اور میں نے عرض کی کہ مولانا رکن الدین صاحب کو فارسی کا ذوق ہے، مجمع السلوک کے اردو ترجمے کو انھوں نے ٹائپ بھی کیا ہے اسی طرح مجمع السلوک کے مشمولات سے ان کو اچھی آشنائی بھی ہے اور کمپیوٹر پر کام کا تجربہ بھی رکھتے ہیں اس لیے میری نظر میں اس کام کے لیے ان سے بہتر کوئی اور نہیں ہو سکتا، چنانچہ ۲۰۱۹ کے آخری مہینوں میں آپ نے یہ کام مولانا رکن الدین کے حوالے کر دیا اور مولانا جان و دل سے اس کام میں لگ گئے اور یہ کام مکمل ہی ہونے والا تھا کہ مرشد گرامی وقار حضور داعی اسلام دام ظلہ العالی کے حکم سے وہ اپنی فارسی زبان کو بہتر بنانے کے لیے یک ماہی تدریبی دورے پر ایران چلے گئے، اسی زمانے میں پوری دنیا کورونا وبا سے متاثر ہوئی اور تمام تر وسائل سفر بند ہو گئے۔ ایران پہنچ کر مولانا کی رپورٹ بھی پازیٹو آ گئی اور مجبوراً ان کو ایران میں تین ماہ رکنا پڑا اور اس طرح فوائد سعدیہ کے ترجمے کی تیاری کا کام رکا رہا، ایران سے واپسی کے بعد مولانا نے اس کو حسن و خوبی کے ساتھ مکمل کر دیا۔

اس دوران مخدوم گرامی حسن میاں صاحب نے مجھے توجہ دلائی کہ فوائد سعدیہ میں دو حصے ہیں: ایک حصے میں مجمع السلوک کا انتخاب ہے جب کہ شروع میں جامع فوائد کا ایک مقدمہ اور سلسلۂ صفویہ کے بعض مشائخ کے مختصر احوال بھی ہیں، جب تک مولانا مجمع السلوک سے ترجمہ نکال کر جمع کرتے ہیں تب تک آپ دوسرے حصے کا اردو ترجمہ کر دیں، حسب حکم میں اس کام میں لگ گیا اور چند روز میں اس کے ترجمے اور تصحیح سے فارغ ہو گیا۔ ادھر مولانا رکن الدین بھی مجمع السلوک سے ترجمہ کاپی کرنے کے کام سے فارغ ہو گئے ساتھ ہی انھوں نے مجمع السلوک سے مولانا غلام مصطفی ازہری صاحب کی تخریجات کو بھی کاپی کر کے شامل کر دیا اور اس طرح فوائد سعدیہ کا اردو ترجمہ تخریجات کے ساتھ کتابی شکل میں تیار ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے پورے

ترجمے کا فوائد سعدیہ کے منشی نول کشور والے مطبوعہ فارسی متن سے مراجعہ کیا، اس دوران جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی مجمع السلوک کے فارسی متن سے بھی مقابلہ کرتا رہا اور جہاں دونوں کے متن میں کوئی بڑا اختلاف نظر آیا تو اسے تدوین متن کے ترجیحی اصول کی رعایت کرتے ہوئے راجح کو اصل مان کر اسی کے مطابق ترجمہ رکھا گیا اور مرجوح کو حاشیے میں درج کر دیا۔ پوری کتاب عنوانات اور ذیلی عنوانات سے خالی تھی اس لیے عنوانات کا اضافہ بھی کیا گیا۔

تصحیحات کے بعد اس کی ایک کاپی مخدوم گرامی کی خدمت میں نظر ثانی کے لیے پیش کر دی گئی، برادر گرامی مولانا غلام مصطفی ازہری نے بھی پوری کتاب آن اسکرین پڑھی اور تصحیحات سے نوازا۔ بعد میں مخدوم گرامی کے حکم پر ہی قاضی ارتضا علی صفوی گوپاموی پر ایک مختصر سوانحی تحریر بھی تیار کی، محب گرامی ڈاکٹر مجیب الرحمن علیمی: مساهمة الشيخ إرتضا علي الجوفاموي في الدراسات الإسلامية والآداب العربية کے زیر عنوان الہ آباد یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں، امید ہے کہ جلد ہی قاضی صاحب رحمہ اللہ کی تفصیلی سوانح و خدمات پر آپ کی تحقیقی کتاب ہمارے ہاتھوں میں ہوگی۔ مخدوم گرامی سے میں نے کتاب پر ایک مقدمہ لکھنے کی درخواست کی جسے آپ نے اپنی فطرت کریمہ کے مطابق قبول فرمایا۔ اب یہی ترجمہ بشمول تخریجات و حواشی شاہ صفی اکیڈمی سے دیدہ زیب ٹائٹل اور پر کشش طباعت کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

فوائد سعدیہ سب پہلے مطبع منشی نول کشور لکھنو سے رمضان/۱۳۰۲ھ مطابق جون/ ۱۸۸۵ء میں طباعت آشنا ہوئی۔ میری معلومات کی حد تک منشی نول کشور کا مطبوعہ فارسی نسخہ ہی اب عموماً لائبریریوں میں اور اہل علم کے پاس ہارڈ کاپی یا سافٹ کاپی کی شکل میں محفوظ ہے۔ فوائد سعدیہ کا ایک خطی نسخہ خدابخش لائبریری، پٹنہ میں بھی محفوظ ہے۔

فوائد سعدیہ کا اولین اردو ترجمہ از مولوی ابوالحسن مطبع نول کشور سے صفر/۱۳۰۴ھ مطابق نومبر/۱۸۸۶ء میں شائع ہوا۔ اسی ترجمہ کو مخدومی حضرت ضیاء علوی حفظہ اللہ نے سنہ ۲۰۰۲ء میں دوبارہ شائع کیا۔

فوائد سعدیہ پر ایک تیسرا کام خود مجمع السلوک کے اردو ترجمے کی اشاعت کو بھی قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس کے توسط سے اولا تو مجمع السلوک کے ضمن میں انتخاب والا حصہ ایسے محفوظ ہو گیا جیسے کل کے ضمن میں جز محفوظ ہوتا ہے اور ثانیاً مجمع السلوک کا یہی اردو ترجمہ فوائد سعدیہ کے جدید اردو ترجمے کے وجود میں آنے کا محرک بنا۔ فوائد سعدیہ کا یہ جدید ترجمہ اس پر چوتھا کام ہے۔

شکر گزاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللهَ [1] جو انسانوں کا شکر گزار نہیں ہوتا، وہ رب تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا۔ اس لیے میں اپنی طرف سے اور اکیڈمی کی پوری ٹیم کی طرف سیدی و مرشدی حضور داعی اسلام مد ظلہ کی بارگاہ میں سراپا سپاس ہوں جن کے دم قدم سے زندگی کی ساری بہاریں قائم ہیں، آپ کی توجہات کے بغیر تو کوئی بھی کام انجام نہیں پا سکتا۔ مخدوم گرامی حضرت حسن میاں صاحب کا شکر گزار ہوں کہ فوائد سعدیہ کے اس ترجمے کے آپ ہی محرک بنے، مولانا رکن الدین صاحب تو خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہی کی کوششوں سے یہ ترجمہ تیار ہو سکا، محب گرامی ڈاکٹر مجیب الرحمن علیمی کا بھی شکر گزار ہوں کہ آپ نے حضرت قاضی صاحب کے حوالے سے قیمتی مصادر و مراجع عطا کیے، یوں ہی مولانا غلام مصطفی ازہری صاحب اور وہ تمام افراد شکریے کے حق دار ہیں جنھوں نے کسی بھی طرح اس کام میں تعاون کیا۔ مولی تعالیٰ ہم سب کو مشائخ کی توجہات سے حصہ عطا فرمائے اور ان کے توسل سے اپنی راہ کا مسافر بنائے۔ آمین یا رب العالمین

ضیاء الرحمن علیمی

گدائے آستانہ عالیہ عارفیہ

سید سراواں شریف، کوشامبی یوپی

۱۲/ستمبر ۲۰۲۱ء

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الشکر لمن احسن الیک (۱۹۵۴)

قاضی ابو علی محمد ارتضا صفوی گوپاموی

سرزمین ہندولایت چشت ہے اور چشتی مشائخ کا ہمارے ملک ہندوستان پر قدیم احسان ہے، سلسلۂ چشتیہ کی مختلف شاخوں نے اہل ہند کو اپنے روحانی فیضان سے خوب خوب مالا مال کیا اور ان چشتی شاخوں میں صفوی مینائی نظامی شاخ نے خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کے مختلف خطوں کو اپنے ابر کرم سے خوب سیراب کیا۔ صفوی مینائی سلسلے میں پابندی شریعت کے ساتھ محبوب کے لیے عشق و محبت کی شدت، دل گدازی، جاں نثاری، پیر و مرشد کے ساتھ قلبی لگاؤ، توحید مطلب اور وحدت خیال کا جو چوکھا رنگ ہے اس نے ہمیشہ سے خلق خدا کے ہر طبقے کو اسیر بنائے رکھا اور اسی وجہ سے بڑے بڑے صاحبان علم و فضل اس سلسلے سے وابستہ ہوئے اور انھوں نے اپنی اس وابستگی کو اپنے لیے سرمایۂ سعادت تصور کیا۔ مینائی ساغر میں چشتی شراب معرفت سے سرشار ہونے والی اولین اہل علم شخصیات میں مشہور نحوی واصولی شخصیت مخدوم شیخ سعد خیرآبادی (۹۲۲ھ) حضرت مخدوم شاہ صفی (۹۴۵ھ) مخدوم ابوالفتح خیرآبادی (۱۰۱۱ھ/۱۶۰۲ء) میر عبدالواحد بلگرامی (۱۰۱۷ھ/۱۶۰۸ء) اور حضرت شیخ محمد بن فضل اللہ برہان پوری (۱۰۲۹ھ/۱۶۲۰ء) کے نام بہت مشہور ہیں۔ بعد کے ادوار میں مولانا فضل امام خیرآبادی (۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء)، مولانا شاہ اکبر علی سنڈیلوی (۱۲۲۰ھ/۱۸۰۵ء)، مولانا شاہ حیدر علی سنڈیلوی (۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) کے اسمائے گرامی بہت نمایاں ہیں۔

ہندوستانی خطوں میں جس خطے کے صاحبان علم و فضل سب سے زیادہ صفوی مینائی نسبت سے سرفراز ہوئے ان میں گوپامئو کا خطہ سرفہرست ہے۔ اس خطے سے قاضی القضات، مدراس

مصطفیٰ علی خان (۱۱۹۸ھ/۸۴-۱۷ء)، قاضی احمد مجتبیٰ خوشدل (۱۲۳۴ھ/۱۸۱۹ء)، مولانا شاہ صلاح الدین صفوی (۱۲۲۶ھ/ ۱۸۱۲ء) اور مولانا شاہ عبدالحق کے نام قابل ذکر ہیں۔انہی سرفرازان عشق و معرفت میں ایک نمایاں نام قاضی ابوعلی محمد ارتضا صفوی گوپاموی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

نام ونسب، تعلیم وتربیت:

افضل العلما قاضی ابوعلی محمد ارتضا بن احمد مجتبیٰ معروف بہ قاضی مصطفیٰ علی خان بن مصطفی علی خان بن خیر الدین بن خیر اللہ فاروقی صفوی گوپاموی ثم مدراسی ۱۱۹۸ھ/۸۴-۱۷ء میں گوپاموکی مردم خیز سرزمین کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔علوم عقلیہ ونقلیہ اپنے والد ماجد اور علامہ حیدر علی سنڈیلوی سے حاصل کیا۔ فن ادب اور حدیث مولانا محمد ابراہیم سے پڑھا۔ بحرالعلوم علامہ عبدالعلی فرنگی محلی (۱۲۲۵ھ) سے مدراس میں علم تصوف کے علاوہ چند کتابیں پڑھیں اور مولانا فضل امام خیرآبادی سے بھی استفادہ کیا۔ مشہور محدث و فقیہ محمد عابد سندی مدنی (۱۲۵۷ھ) اور علامہ عمر بن عبدالکریم مکی (۱۲۴۹ھ) سے مرویات حدیث کی اجازت حاصل کی۔

بیعت وخلافت:

گوپامو، لکھنو، سنڈیلہ اور بلگرام کے کبار علما سے اکتساب فیض کرتے ہوئے عارف باللہ سید شاہ غلام نصیر الدین سعدی بلگرامی قدس سرہٗ السامی (۱۲۴۱ھ/۱۸۲۶ء) خلیفۂ حضرت شاہ قدرت اللہ غوث الدہر قدس سرہٗ (۱۱۸۳ھ/۶۹-۱۷ء) کے دست اقدس پر بیعت کی اور سات سال تک ان کی صحبت و تربیت سے مستفیض ہوتے رہے بالآخر ۱۲۲۵ھ کی ابتدا میں ریاضات ومجاہدات کے مراحل سے گزرنے کے بعد سلسلۂ صفویہ کے تمام سلاسل کی اجازت وخلافت سے سرفراز ہوکر گوپامو واپس ہوئے پھر مدراس اپنے والد کے پاس روانہ ہوگئے[1]

قاضی صاحب رحمہ اللہ نے خود اپنی بیعت وخلافت کا تذکرہ کچھ اس طرح کیا ہے:

”در جناب قدوۃ العارفین حضرت مولوی سید شاہ نصیر الدین سعدی بلگرامی کہ در زمان

---

(۱) نزہۃ الخواطر، ج:۷، ص ۱۰۴۰

خود نظیر نداشتند بیعت و ارادت در سلسلہ صفویہ شدہ بقدر حوصلہ خود مشقت و ریاضت کشید و خرقہ خلافت سلسلہ چشتیہ و قادریہ و سہروردیہ، نقشبندیہ از دست مبارک ایشاں پوشیدہ در اوائل سنہ یک ہزار و دو صد و بیست و پنج ہجری۔ (۱)

(قدرۃ العارفین حضرت مولوی سید شاہ نصیر الدین سعدی بلگرامی جن کی ذات اپنے عہد میں بے نظیر تھی کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سلسلہ صفویہ میں مرید ہوا، اپنی ہمت کے مطابق مجاہدات و ریاضات کیے اور ۱۲۲۵ھ کی ابتدا میں آپ کے مبارک ہاتھوں سے سلسلہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ میں خرقۂ خلافت پہنا۔)

مرشد سے تعلق خاطر:

آپ کو اپنے پیر و مرشد سے قوی نسبت اور گہری عقیدت تھی، اس کا اظہار نظم و نثر میں آپ کے یہاں جابجا پایا جاتا ہے۔ ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں: رباعی

دستم بگرفت فیض عام سعدی   مستم از جرعہ ز جام سعدی
گم نامم و نیست غیر سعدی نامم   زان روز کہ حرز جان است نام سعدی (۲)

(سعدی کے فیض عام نے میری دستگیری کی، میں سعدی کے جام کے ایک گھونٹ سے مست ہوں۔)

میں گم نام ہوں اور اسی دن سے سعدی کی نسبت کے علاوہ اور کوئی نام نہیں جس دن سے ان کا نام نامی میرے لیے حرز جاں ہے۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: رباعی

از بس کہ بہ دل بود ہوای سعدی   نآید نظرم بجز لقای سعدی
خوشنود ز فخر سر کشیدم بہ فلک   سودم چو جبین خود بہ پای سعدی (۳)

---

(۱) نتائج الافکار، ص:۲۴۱
(۲) تذکرہ مینائیہ، ص:۲۵۴
(۳) نتائج الافکار، ص:۲۴۱

چونکہ میرے دل میں سعدی کی محبت بہت زیادہ تھی اس لیے میری نگاہوں میں سعدی کی صورت کے علاوہ کوئی صورت نہیں آتی۔

خوشنود! میرا سر فخر سے آسمان تک بلند ہو گیا جب میں نے اپنی جبیں سعدی کے قدموں میں رکھ دی۔

مدراس کا سفر اور تدریس کا آغاز:

علوم متداولہ میں کمال حاصل کرنے اور حضرت سعدی بلگرامی کی روحانی نعمتوں سے مالامال ہونے کے بعد ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء میں مدراس تشریف لے گئے جہاں آپ کے والد ماجد قاضی القضات کے منصب پر فائز تھے۔ والد ماجد کے بعد آپ اس اہم منصب پر فائز ہوئے۔ منصبی مصروفیات کے علاوہ آپ درس وتدریس سے وابستہ رہے اور تلامذہ کی ایک عظیم جماعت یادگار چھوڑی، صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کے بارے میں یوں تحریر کیا ہے:

كان رحمه الله من كبار العلماء، انتهت إليه رئاسة العلم و التدريس بمدراس، انتفع به جمع كثير من العلماء، وله مصنفات مفيدة ممتعة[۱]

آپ رحمہ اللہ کبار علما میں سے تھے۔ مدراس میں مجلس علم وتدریس کی صدارت آپ پر ختم ہوگئی۔ علما کی کثیر جماعت نے آپ سے فیض اٹھایا۔ آپ کی متعدّد مفید ونفع بخش کتابیں بھی ہیں۔

معروف تلامذہ:

آپ کے بعض تلامذہ جو اپنے وقت کے مشاہیر علما میں شمار کیے جاتے ہیں ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ شیخ قاضی یعقوب علی بن فضل علی عثمانی سنڈیلوی ثم گوپاموی، (۱۲۸۳ھ/۱۸۶۷ء)۔ آپ ملیبار (کیرلا) کے مفتی اور مچھلی بندر/مچھلی پٹنم (آندھرا پردیش) کے قاضی ہوئے۔[۲]

---

(۱) نزہۃ الخواطر، ج/۷، ص: ۱۰۴۰

(۲) تذکرہ علمائے ہند، ص: ۴۲۲

۲۔شیخ عبداللہ بن صبغۃ اللہ شافعی مدراسی (۱۲۳۶-۱۲۸۸ھ) الفوائد الغوثیہ فی فقہ الشافعیۃ۔ تحفۃ المحبین لمولد حبیب رب العالمین۔ کتاب الزجر الی منکر شق القمر وغیرہ آپ کی تصانیف ہیں۔[۱]

۳۔شیخ غلام غوث فاروقی گوپاموی، ۱۲۲۳ھ/۱۸۱۶ء میں آپ کا وصال ہوا اور حیدرآباد میں مدفون ہوئے۔[۲]

۴۔شیخ قدرت اللہ بن محمد کامل صدیقی گوپاموی، (ولادت:۱۱۹۸ھ) آپ نے قاضی صاحب رحمہ اللہ سے علم الحساب اور علم المیراث حاصل کیا۔ ۱۲۵۶ھ میں آپ نے ''نتائج الافکار'' نامی کتاب تحریر کی۔[۳]

۵۔مولانا محمد حسین بن نجم الدین قادری مدراسی۔ (۱۲۳۳ھ-مابعد ۱۲۹۶ھ)

''مشکاۃ المصابیح''، ''مقامات حریری'' اور ''لوائح'' وغیرہ کی تعلیم آپ نے قاضی صاحب رحمہ اللہ سے حاصل کی۔[۴]

۶۔علامہ قاضی محمد معروف بن عبداللہ مدراسی (۱۲۷۴ھ)۔ آپ نے مروجہ علوم وفنون قاضی صاحب رحمہ اللہ سے حاصل کیا، خود بھی قاضی کے منصب پر فائز ہوئے۔[۵]

۷۔علامہ وجیہ الدین بن احسن اللہ نیلوری مدراسی ثم حیدرآبادی (۱۲۳۸ھ-۱۳۱۰ھ)۔ آپ نے اعلی تعلیم قاضی صاحب رحمہ اللہ سے حاصل کی، حیدرآباد کے مدرسہ نظامیہ میں تاحیات تدریسی خدمات انجام دی۔[۶]

---

(۱) نزہۃ الخواطر، ج:۷، ص:۱۰۳۰

(۲) تذکرہ علمائے ہند، ص:۳۱۷

(۳) نزہۃ الخواطر، ج/۷، ص:۱۰۶۹

(۴) ایضًا، ص:۱۰۹۲

(۵) ایضًا، ص:۱۱۰۵

(۶) مساہمۃ الشیخ ارتضا علی الجوفاموی فی الدراسات الاسلامیۃ والآداب العربیۃ، ص:۱۵۷

۸۔ علامہ شیخ زین العابدین صدر مدرس دار العلوم حیدر آباد۔
۹۔ آپ کے خواہر زادہ علامہ شیخ علی احمد فاروقی۔
۱۰۔ علامہ سید قادر بادشاہ قادری۔ (۱)

اس کے علاوہ عالمِ اسلام کے نامور فقیہ و محدث علامہ سید احمد زینی دحلان مکی (۱۳۰۴ھ) اور علامہ سید عبداللہ بن محمد کوچک بخاری (۱۲۹۷ھ) کو آپ سے اجازت حدیث حاصل تھی۔ (۲)

اخلاق واوصاف:

قاضی صاحب رحمہ اللہ کی ذات علم و عرفان اور زہد و تقوی میں یکتا تھی، آپ اپنی تمام تر علمی مصروفیات کے ساتھ اوراد و وظائف کی پابندی کرتے، علما، طلبہ اور سالکین و طالبین کی تربیت و تعلیم فرماتے اور اپنے مشائخ کی روش کے مطابق خلق خدا کی خدمت میں لگے رہتے، صاحب نتائج الافکار آپ کی سیرت واخلاق کو بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں:

”وبہ حسن خلق و طریقہ پسندیدہ مقبول برنا و پیر، امروز ذات بابرکاتش نادر الوجود است، بہ فیوض نامتناہی خزینۂ مقصود، اللھم متع الطالبین بطول حیاتہ وافض علینا من حسناتہ وبرکاتہ، طبع ہمایونش کہ از بدو فطرت میلان بہ تواضع وانکسار دارد، این ہمہ مرتبت واعتبارات دنیوی را ہیچ می پندارد، باوجود اشغال لاحقہ ہمگی ہمت او متوجہ بہ درس و تدریس است، وخاطر مبارکش بہ مطالعہ کتب تصوف واقوال صوفیہ کرام انیس دل، صفا منزلش بہ اشغال اوراد معمولی سلسلہ صفویہ مصروف، وبہ احیای لیل در ذکر وفکر بہ روش حضرات مرشدین قدست اسرارہم مشغوف، صاحب جمعیت صوری و معنوی واہلیت ظاہری و باطنی است۔“ (۳)

(آپ ہر پیر و جواں کے درمیان حسن اخلاق اور حسن سیرت کی بنیاد پر مقبول ہیں، آپ کی ذات بابرکات آج کے زمانے میں نادر ہے اور آپ کے پاس لامتناہی خزانۂ مقصود موجود ہے،

---

(۱) النفائس الارتضیۃ ص: ۸۶، ۸۵
(۲) فہرس الفہارس والاثبات، سید عبد الحی الکتانی: ۱/ ۴۲۳-۴۲۴
(۳) نتائج الافکار، ص: ۲۴۱، ۲۴۲

اے اللہ! طالبین کوان کی درازی عمر سے مستفیض فرمااور ہم کوان کے حسنات وبرکات کا فیض عطا فرما۔ آپ کے اندر فطری طور پر تواضع و انکساری پائی جاتی ہے، آپ اِن تمام دنیاوی مناصب و مراتب کوکچھ نہیں سمجھتے، منصبی مصروفیات کے باوجود آپ کی پوری توجہ درس وتدریس پر رہتی ہے، آپ کے قلب مبارک کوکتب تصوف اوراقوال صوفیہ کے مطالعے سے انس حاصل ہوتا ہے، آپ سلسلۂ صفویہ میں رائج اشغال واوراد میں مصروف رہتے ہیں اور پیروں کی روش کے مطابق راتوں کو ذکر وفکر میں لگے رہتے ہیں، آپ صوری اور معنوی طور پر قلبی جمعیت رکھتے ہیں اور ظاہری و باطنی صلاحیتوں سے آراستہ ہیں۔)

علمی مقام اور خدمات:

قاضی ارتضیٰ علی خان صفوی علیہ الرحمہ علوم عقلیہ و نقلیہ مثلاً: حکمت، منطق، ریاضی، بلاغت، کلام، عقیدہ، حدیث، تفسیر، فقہ وفتاوی، سلوک وتصوف، فرائض ومیراث میں مہارت کے ساتھ عربی وفارسی زبان میں شعر وسخن، انشا پردازی اور نثر نگاری پر کامل قدرت رکھتے تھے۔ صاحب نتائج الافکار آپ کے کمالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بہ اشتغال درس و تدریس کما ینبغی پر داخت، ذات والاصفاتش گنجینہ علوم معقول ومسموع است، و شرایف او قاتش مصروف کشف حقایق و دقایق اصول وفروع، در ساحت فضیلت بہ عقل سلیم یکہ تاز، وبہ فضل وکمال در علمای عصر ممتاز، بہ کمالات عجیبہ وحید عصر وفنون غریبہ فرید دہر، مجمع محاسن ومکارم اخلاق، وبہ لطف کلام شہرہ آفاق، تصنیفات شریفش در اطراف واکناف دایر وسایر، و تالیفات منیفش در مدارس متداول ومشتہر۔"(۱)

(شایان شان طریقے سے درس و تدریس میں مشغول رہے، آپ کی ذات والا صفات علوم عقلیہ ونقلیہ کا گنجینہ ہے، آپ کے بابرکت اوقات اصول و فروع کے دقائق و حقائق کے انکشاف میں صرف ہوتے ہیں، میدان فضلیت وخوبی میں عقل سلیم کی بنیاد پر یکتا اور فضل وکمال

---

(۱) نتائج الافکار، ص: ۲۴۲، ۲۴۱

میں علمائے زمانہ کے درمیان ممتاز ہیں، اپنے زمانے میں عجیب وغریب کمالات اور نادر فنون میں منفرد اور بے مثال ہیں۔ محاسن و مکارم اخلاق کے جامع اور اپنے لطائف کلام کی وجہ سے آفاق میں مشہور ہیں، آپ کی تصنیفات شریفہ اطراف واکناف عالم میں معروف اور آپ کی تالیفات مبارکہ مدارس میں متداول و مشہور ہیں۔)

مختلف اسلامی علوم فنون پر عربی و فارسی زبانوں میں آپ کی دو درجن سے زائد تصانیف موجود ہیں، آپ نے میرزاہد، صدرا اور ملا جلال جیسی ادق کتابوں پر فاضلانہ حواشی قلم بند فرمائے۔ آپ کے فتاوی کا ایک مجموعہ بھی مکتبہ آصفیہ، حیدرآباد میں محفوظ ہے ذیل میں آپ کے چند کتب و رسائل کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱. ازاحہ الاوھام عن مسئلۃ الکلام (علم الکلام، عربی)(۱)
۲. اہتداء الناسک لاداء المناسک (فقہ، فارسی)
۳. التحفۃ المرضیۃ والصلاۃ الارتضائیہ علی خیر البریۃ
۴. تصریح المنطق (منطق، عربی، یہ رسالہ ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء اور ۱۳۲۳ھ میں مدراس سے شائع ہوچکا ہے۔ اور کیرالہ کے مدارس میں آج بھی داخل نصاب ہے متعدّد بار کیرالہ میں شائع ہوچکی ہے۔
۵. التعلیقات علی ''شرح السلم'' لملا حمد اللہ السندیلوی (علم المنطق، عربی)
۶. تنبیہ الغفول فی اثبات ایمان آباء الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
۷. حاشیہ علی التھذیب (علم منطق، عربی)
۸. حاشیہ علی مقدمہ میرزاھد ملا جلال (عربی، ۱۲۴۴ھ اور ۱۲۶۶ھ میں یہ طبع ہوچکی ہے۔)
۹. رسالہ طریقہ بیعت (تصوف، فارسی)
۱۰. شرح اسماء اللہ الحسنیٰ مسمّٰی بہ ''منحۃ السراء فی شرح الدعاء المسمی بکاشف الضراء'' یہ عربی

---

(۱) تذکرہ مینائیہ، ص: ۲۶۴ تا ۲۶۷

رسالہ ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ءاور ۱۳۴۳ھ دائرۃ المعارف، حیدرآباد سے اور ۲۰۰۷ء میں دار الکتب العلمیہ، بیروت سے شائع ہوا۔

۱۱. شرح الزاھدیہ علی الرسالۃ القطبیہ

۱۲. شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور المسمی ب ''تیسیر المعسور''(عقیدہ، عربی)

۱۳. شرح چہل کاف (اورادواذکار، فارسی)

۱۴. شرح قصیدہ بردہ ''المراصد الارتضیہ فی الکوکب المضیہ''(ادب، فارسی)

۱۵. شرح ''شرح ہدایہ الحکمہ ''للصدر الشیرازي (فلسفہ، عربی)

۱۶. فرائض ارتضائیہ (میراث، فارسی)

۱۷. فوائد سعدیہ (تصوف، فارسی جس کا اردو ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے)

۱۸. مجمع الاعمال (تصوف، عربی)

۱۹. مجموعہ فتاوی ارتضائیہ، اس کو آپ کے شاگردنے جمع کیا ہے جو مختلف موضوعات پر لکھے گئے چالیس سے زائد فتاوی ورسائل پر مشتمل ہے۔

۲۰. مدارج الاسناد (اسناد حدیث، عربی، اس رسالہ میں قاضی صاحب نے حدیث کی ان سندوں کو جمع کیا ہے جس کو انہوں نے اپنے استاد حضرت محدث عبد الکریم مکی قدس سرہ سے حاصل کیا ہے۔

۲۱. مقدمہ حاشیہ شرح المواقف = حاشیہ میر زاھد (علم منطق، عربی)

۲۲. مواہب سعدیہ (فارسی، آپ نے اپنے شیخ کے ملفوظات کو جمع کیا ہے۔)

۲۳. نفائس ارتضائیہ، (بلاغت، فارسی)

۲۴. النفائس الارتضیہ علی الرسالۃ العزیزیہ المعروف بمیزان البلاغۃ للشاہ عبد العزیز الدہلوی، (بلاغت، عربی، یہ رسالہ ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں دائرۃ المعارف، حیدرآباد سے شائع ہوچکا ہے اس کے علاوہ کیرالہ سے متعدّد بار شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب آج بھی کیرالہ کے مدارس کے نصاب تعلیم میں شامل ہے۔)

۲۵. نقود الحساب (ریاضی، فارسی)

شعروسخن سے تعلق:

آپ کا سینہ آتش عشق سے سوزاں اور آپ کی طبیعت موزونیت سے پر تھی جس کی وجہ سے آپ کے اندر کا عاشق اپنے مواجید و احوال کا اظہار فارسی، عربی اور ہندی زبان میں کبھی کبھی کیا کرتا تھا، تخلص "خوشنود" استعمال کرتے تھے۔

آپ کے باقیات و آثار میں فارسی، عربی اور ہندی تینوں قسم کی شاعری کے نمونے ملتے ہیں، ذیل میں آپ کی فارسی شاعری سے کچھ اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

فارسی سلام

السلام ای رسول عربی　　السلام ای دلیل حق طلبی
السلام ای مہ سپہر جلال　　السلام ای شہ سریر کمال
السلام ای فدای روی تو ماہ　　السلام ای گدای کوی تو شاہ
ارتضا با خضوع و عجز تمام　　می فریسد ز ہند بر تو سلام[۱]

فارسی غزل

محو دیدار باش تا باشی　　نقش دیوار باش تا باشی
خاک بر فرق خواب غفلت ریز　　چشم بیدار باش تا باشی
سنگ راہ شب کار و بار جہاں　　فارغ از کار باش تا باشی
ارتضا دل بیارد شب بہ کار　　دار و ہوشیار باش تا باشی[۲]

ایک شعر:

---

(۱) مجموعۂ اوراد و وظائف، مطلا، قلمی ص:۱۰۹ تا ۱۱۱

(۲) مرجع سابق

دانۂ سبحہ مگردان زاہد إنما الله إله واحد[۱]

عربی سلام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آپ کا ایک مفصل سلام جو ۱۵۰/ اشعار پر مشتمل ہے اس کے دو شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

سَلَامٌ عَلَى أَحْمَدَ الْمُرْسَلِ سَلَامٌ عَلَى الأَجْمَلِ الْأَكْمَلِ
أنا عبدك المزدرى يا رسول تقبل سلامي بحسن القبول[۲]

....

رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أيا خير الوري روحى فداكا بحقك لا و لا أهوى سواكا
إلام يهيم في كسب المناهى بقلب مستهام إرتضاكا
أعن عبدا ذليلا مستعينا وليس له معين من عداكا
أغثني يا شفيع المذنبينا بخلاق كريم إجتباكا[۳]

حضرت قاضی صاحب نے اپنے مرشد کے وصال پر ایک عربی قصیدے میں رنج وغم کا اظہار کیا جس کے چند شعر پیش کیے جاتے ہیں:

إن نجم الهدى نصير الدين مظهر الحق سيد العرفا
ذو المعالي بقية السلف لا ترى العين مثله خلفا
غاب عن بصرنا وفارقنا في غمام الفناء لاستخفى
قلت تاريخ موته حزنا مات قطب الرشاد يا أسفاً(۱۲۴۱ھ)
روَّح الله روحه العالى ساكنا عند عرشه زلفا[۴]

---

(۱) صبح وطن:۶۸
(۲) مجموعۂ اوراد و وظائف مطلا، قلمی
(۳) تذکرہ اعلام گوپامو، ص:۱۲۵
(۴) مجموعۂ اوراد و وظائف مطلا، قلمی

بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی قدس سرہ کے وصال کے بعد آپ نے ان کی تاریخ وصال یوں نظم کی:

شَيْخُنَاْ وَأَسْتَاْذُنَاْ عَبْدُ الْعَلِيْ صَاْرَ مُرْتَحِلًا إِلَىٰ دَاْرِ الْجِنَاْنِ

اِهْتَدَىٰ عَقْلِيْ إِلَىٰ تَاْرِيْخِهِ مِثْلُه بِاللهِ لَاْ يَأْتِي الزَّمَانُ(۱۲۲۵ھ)[۱]

انتقال:

۷/ شعبان المعظم ۱۲۷۰ھ/۵/ مئی ۱۸۵۴ء کو حج بیت اللہ سے واپسی کے وقت جہاز ہی میں ۷۲ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے شاگرد رشید علامہ سید قادر بادشاہ قادری نے نماز جنازہ پڑھائی اور جہاز کا سارا عملہ اور سارے مسافر جنازے میں شریک ہوئے پھر آپ کی نعش مبارک کو سمندر کے حوالے کر دیا گیا۔

کچھ دنوں کے بعد آپ کی نعش حدیدہ (قریب جدّہ) کے پاس سمندر کے کنارے ظاہر ہوئی، جو بالکل تر و تازہ تھی، جس کو دیکھنے کے لیے جزیرہ کے عوام و خواص، مرد و زن سب جمع ہو گئے۔ نہایت ادب و احترام کے ساتھ آپ کی نعش مبارک کو قبرستان لے جایا گیا، وہاں دوبارہ نماز جنازہ ادا کی گئی اور حدیدہ کے قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا اس طرح علوم و معارف کا یہ گنج گراں مایہ ہمیشہ کے لیے زیر زمین چلا گیا[۲]۔ پاک ہے وہ عظیم ذات جو سارے جہان کی وارث ہے۔

---

(۱) عربی ادب میں اودھ کا حصہ، ص:۹۹

(۲) مساہمۃ الشیخ ارتضا علی الجوفاموی فی الدراسات الاسلامیۃ والآداب العربیۃ، ص:۱۰۶۔۱۰۸

فوائد سعدیہ

قاضی ابوعلی محمد ارتضا صفوی گوپاموی

(۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء)

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بے انتہا حمد اس حکیم مطلق کے لیے جس نے عارفوں کے سینوں کو اپنے جمال باکمال سے مزین فرمایا اور مخلصین کے دلوں کو اپنی تجلیات کی موسلا دھار بارش سے سرسبز و شادابی عطا کی۔ لامتناہی شکر اس ذات قدیم کے لیے جس نے یحبھم ویحبونہ کی شمع سے کاشانۂ عشاق کو منور کیا اور کاملین کے قلوب کو جلال لن ترانی سے خاکستر کر دیا۔ اس کے اسما تمام عیوب سے پاک اور اس کی کبریائی بہت بلند ہے۔

تاجدار لولاک کی روح پاک پر مسلسل درود نازل ہو جن کے بافیض وجود کے نور سے عرش تا فرش پردۂ عدم سے منصہ شہود میں آئے اور ان کے لطف عمیم سے آدم و عالم، وادی عدم سے وجود میں آئے۔ مملکتِ محبت کے بادشاہ کی ذات مقدس پر بکثرت سلام نازل ہو جنھوں نے میدانِ عدل میں عَلَمِ رسالت کو بلند کیا اور منکرات و ملاہی کے بتوں کو تائید ربانی سے ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا۔ ان کی برہان کامل ہے، ان کا دبدبہ ساری مخلوق پر قائم رہے۔

صلات و سلام نازل ہو اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام پر جو اوجِ ولایت کے ستارے اور اصحاب ہدایت کے قائد و نقیب ہیں۔

فوائد سعدیہ کی تالیف کا پس منظر

یہ فقیر سراپا تقصیر ابو علی ملقب بہ ارتضا صفوی گوپاموی جو خطرات نفسانی کی بیڑیوں میں

جکڑا ہوا ہے، وساوس شیطانی کے دام میں گرفتار ہے، غافل و مدہوش اور خود فروش و عاقبت فراموش ہے اور بدکرداری کے صحرا میں سرگرداں ہے۔ بدل الله تعالی حاله واحسن مآله (اللہ تعالیٰ اس کے حال کو بدل دے اور اس کا انجام بہتر فرمائے۔) کہتا ہے کہ جب ان بابرکت ایام میں توفیق ایزدی کی دستگیری اور عنایت ربانی کی مدد سے قطب الاقطاب وارث الانبیاء والمرسلین مخدوم سعد الملۃ والدین قدس اللہ روحہ وافاض علینا فتوحہ کی کتابِ مستطاب اور نصابِ ہدایت ”مجمع السلوک“ کے مطالعے کا اتفاق ہوا تو یہ خواہش ہوئی کہ معارف و اسرار کے اس بحر ذخار سے کچھ آبدار موتیاں چن کر سلک تحریر میں پرو دی جائیں تاکہ ہجر و فراق کی وادی میں سرگشتہ، مایوسی اور محرومی کے گوشے میں شکستہ پا پڑے ہوئے اس بندے کے ساتھ یہ کتاب سفر و حضر میں رہے تو شاید ان معانی کے مطالعے سے اس بندے کے خوں گشتہ دل کو چین و سکون حاصل ہو، تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی تفرقۂ باطنی سے نجات پائے، ان تحریروں کی صورتوں کے مشاہدے سے اس کی خون آلود نگاہوں کو تسلی ملے، عمدہ احوال اور لطیف اقوال کی سماعت سے دل کا زنگ دور ہو، جو لوگ عربی عبارات اور دقیق علمی نکات ہونے کی وجہ سے اصل کتاب کے مطالعے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں، وہ اس منتخب مجموعے سے فائدہ حاصل کریں اور ناکامی و نامرادی کی وادی میں سرگشتہ، زمانے سے برگشتہ اس بندے کو دعائے خیر میں یاد رکھیں۔

اشارہ باطنی

اس عزم کے باوجود میرے اندر اس کتاب کے اختصار کی جرأت نہ ہو سکی۔ آخر ایک رات خواب میں حضرت مخدوم شیخ سعد قدس سرہ کو دیکھا کہ اس عظیم کتاب کو اس عقیدت مند کے سامنے رکھ کر فرما رہے ہیں کہ اس مقام کو اس جگہ سے لکھ لو اور ان سطروں کو اس صفحہ سے لے لو۔ جب بیدار ہوا تو انتخاب کی ہمت بندھ گئی اور ہر جگہ سے مناسب عبارات اور اعلیٰ اشارات بلفظہٖ لے لیے، ساتھ ہی اس کتاب کے اندر قطب العالم حضرت مخدوم شیخ مینا قدس سرہ کے جتنے ملفوظات درج تھے انھیں بھی شامل کر دیے، نہ عبارت میں بالکلیہ کوئی تبدیلی کی اور نہ ہی کہیں اپنی

طرف سے کسی طرح کے اضافے کیے۔ البتہ مختلف مقامات کی مشکل عبارتوں میں سیاق وسباق کی رعایت کے لیے تقدیم و تاخیر کی اور ماسبق کو مابعد سے جوڑنے کے لیے لفظ **"فائدہ"** کی سرخی لگائی۔ اس طریقے سے میں نے اس لطیف مجموعہ کو ترتیب دیا اور اس کا نام **"فوائد سعدیہ"** رکھا۔

جمع و ترتیب کے بعد دل میں خیال آیا کہ حضرت مخدوم شیخ سعد قدس سرہ کے احوال و کرامات ،یوں ہی آپ کے بعض مشائخ و مریدین کے احوال و کرامات جو کسی کتاب میں یک جا مذکور نہیں ہیں ،ان کو سبع سنابل [میر عبد الواحد بلگرامی] اور معارج الولایۃ [غلام معین الدین عبداللہ خویشگی چشتی] وغیرہ کتابوں سے جمع کر کے لکھ دیا جائے ،اسی طرح ثقہ حضرات کی زبان سے ان کے جو احوال و کرامات سننے میں آئیں ہیں ان کا بھی اضافہ کر دیا جائے تاکہ فائدہ مکمل ہو جائے اور عوام و خواص کی عقیدت میں اضافہ کا سبب بنے۔ اللہ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

احوال حاجی الحرمین شیخ قوام الدین قدس اللہ سرہ

سیاح صحرائے طریقت، غواص دریائے حقیقت، بادشاہ سریر فقر و فنا، معتکف آستانۂ توکل و استغنا، مستغرق بحر تفرید، شیر بیشۂ تجرید، عنقائے کوہِ قناعت، خورشید آسمان طاعت، محرم حریم خاص الخاص، مشرف بشرف خلعت اختصاص۔ شعر

ذاتِ پاکش مظہرِ اسرارِ غیب	سینۂ او مصدرِ انوارِ غیب
عارفِ باللہ شیخِ باکمال	موردِ افضالِ ربّ ذوالجلال
شاہِ والا منزلت عالی مقام	آستانش مرجعِ ہر خاص و عام
چشمِ او با خلق و دل در کارِ دوست	بے خبر از عالم و ہوشیارِ دوست
دل ز تیغ عشق بودش چاک چاک	ہم نوایش بودہ آہ دردناک
آفتابِ مطلع او اوج قدس	بادشاہی لشکر او فوج قدس
با خیال یار از خود بے خبر	جلوۂ دل دار در پیشِ نظر
بود لطف عام او فقرا نواز	طبع والایش ز شاہان بی نیاز

(۱) ان کی ذات پاک مظہر اسرار غیب اور ان کا سینہ مصدر انوار غیب ہے۔

(۲) وہ عارف باللہ، شیخ باکمال اور مہبط افضال ربانی ہیں

(۳) وہ عالی مقام بادشاہ ہیں، جن کا آستانہ ہر خاص و عام کا آشیانہ ہے۔

(۴) جن کا ظاہر مخلوق کے ساتھ اور جن کا دل محبوب کے ساتھ رہتا ہے۔ جو دنیا سے بے خبر اور اپنے محبوب کے لیے چاک و چوبند رہتے ہیں۔

(۵) جن کا دامنِ دل تیغِ عشق سے چاک چاک ہو چکا ہے۔ جن کی صدا آہ و بکا ہوتی ہے۔

(۶) وہ ایسے آفتاب ہیں جن کا مطلع اوجِ قدس ہے اور ایسے بادشاہ ہیں جن کے فوجی ملائکۂ قدس ہیں۔

(۷) جو خیالِ یار میں خود سے بھی بے خبر رہتے ہیں۔ جن کی نگاہوں میں ہر دم محبوب کا جلوہ ہوتا ہے۔

(۸) جو اپنے لطفِ عام سے فقر انواز اور جن کی طبیعت عالی بادشاہوں سے بے نیاز ہے۔

بیعتِ تلقین، صحبت واجازت

قدوۃ العارفین حضرت حاجی شاہ قوام الدین بن ظہیر الدین عباسی قدس اللہ اسرارہ وافاض علینا انوارہ خواجہ نصیر الدین چراغِ دہلی کے مرید اور سید السادات مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاری قدس سرہ کے خلیفہ تھے۔ مریدوں کی تربیت میں اعلیٰ شان رکھتے تھے۔ کئی سال تک حضرت سید السادات مخدوم جہانیاں کی صحبت میں رہے، حرمین شریفین زادھما اللہ شرفا وتعظیما کی زیارت سے سرفراز ہوئے اور وہاں کے اکثر مشائخ زمانہ سے ملاقات کی، دمشق میں رسالہ مکیہ کے مصنف شیخ قطب الدین دمشقی قدس سرہ [۷۸۰ھ] سے تلقین ذکر حاصل کیا۔

شانِ تجرید وتفرید

حاجی الحرمین قدس سرہ کی تجرید وتفرید کمال تک پہنچی ہوئی تھی۔ ایک دن آپ کو سماع میں ذوق حاصل نہیں ہوا تو فرمایا کہ شاید گھر میں کوئی دنیاوی چیز رکھی ہوئی ہے، اچھی طرح تلاش کیا تو گڑ کا ایک ٹکڑا نظر آیا جو کہ آپ کی اہلیہ کے لیے رکھا ہوا تھا، ان دنوں وہ حمل سے تھیں، پھر آپ نے جب تک اس کو خرچ نہیں کر دیا تب تک آپ کو سکون میسر نہیں آیا۔

منقول ہے کہ ایک دن آپ نے ایک کتے کو بھوکا دیکھا تو آواز لگائی کہ کوئی ہے جو مجھے دو روٹی دے دے؟ میں اس کو بدلے میں سات حج دے دوں گا۔ ایک آدمی آیا اور اس نے چند روٹی دے دی، آپ نے ان روٹیوں سے کتے کو پیٹ بھر کھلایا۔

جب حضرت سید السادات مخدوم جہانیاں قدس سرہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں

نے خواجہ قوام الدین سے پوچھا کہ سجادگی کی نعمت اور مرشدوں کی امانت میں کس کے حوالے کروں؟ توآپ نے عرض کیا کہ سید صدرالدین راجو قتال کو یہ نعمت عطا فرمادیں کہ ان سے بہتر دوسرا کوئی نہیں۔ چناں چہ حضرت سید السادات نے سید راجو قتال کو اپنا جانشین بنایا اور ایک خرقۂ خلافت اپنے صاحبزادے سید ناصرالدین محمود کو بھی عطا فرمایا، جب حضرت سید السادات کی زوجہ محترمہ کو یہ خبر ملی توآپ نے فرمایا کہ جس نے ان کو یہ مشورہ دیا ہے اس کے بیٹے کو بھی اس کی نعمت نہیں حاصل ہوگی۔ یہ بات سنتے ہی حضرت خواجہ قوام الدین خوشی سے جھوم اٹھے اور بولے الحمدللہ مخدومہ نے میرے ایمان کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا؛ کیوں کہ میری نعمت اگر میرے فرزندان ظاہری کو نہ پہنچے تو کوئی بات نہیں، میرے لیے میرے فرزندان معنوی کافی ہیں۔

حضرت خواجہ قوام الدین کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام نظام الدین تھا، جب وہ دہلی گئے تو سلطان محمد بن فیروز شاہ کے پاس نوکری میں لگ گئے، بادشاہ کو خواجہ قوام الدین کی ذات والا سے جو عقیدت تھی اس کی بنا پر صاحب زادے کے حق میں اس نے بڑے الطاف و عنایات کا مظاہرہ کیا اور ان کو نوبت و نقارہ عطا کیا، اس کی وجہ سے حضرت خواجہ قوام الدین کو بڑی تکلیف ہوئی، صاحب زادے نے بڑی معافی چاہی لیکن آپ نے ان کی معافی قبول نہیں کی۔ یہاں تک کہ وہ ایک دن گھوڑے پر سوار ہوکر نقارہ کے ساتھ خانقاہ کے صحن میں آئے توآپ نے پیچھے کی جانب جاکر فرمایا: یہ نالائق قوام الدین کے گھر میں گھوڑا کہاں سے لے کر آیا، دوسرے روز جب وہ صاحبزادے گھوڑے پر سوار ہوکر شکار کے لیے گئے تو گھوڑے سے گر گئے اور اس طرح ان کی موت ہوگئی۔

وطن وسکونت

آپ کا وطن عزیز دہلی ہے، شیخ مبارک بجنوری [1] سے قلبی تعلق کی بنا پر لکھنؤ آکر مقیم ہو

---

(۱) شیخ مبارک بجنوری: آپ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہ کے مرید حضرت فخرالدین بجنوری (۷۵۹ھ) کے دوسرے صاحب زادے اور قاضی سماء الدین بجنوری (۷۷۶ھ) کے بھائی تھے، صاحب کرامت بزرگ ہیں، آپ کی اولاد میں اکثر بزرگ ہوئے ہیں۔ دیکھیں: مرآۃ الاسرار (اردو) ص:۹۱۸، تذکرہ: فخرالدین بجنوری۔

گئے، بعض مریدوں نے یہاں آپ کے لیے خانقاہ اور گھر تعمیر کیا، آپ کی وفات کے بعد آپ کے قبر شریف پر گنبد بنوایا، ایک عرصہ گزرنے کے بعد تیرہویں صدی ہجری کے اوائل میں وہاں کے حاکم نے آپ کے روضہ و خانقاہ کو منہدم کر کے اس جگہ کو اپنے گھر کی حدود میں داخل کر لیا۔ اس وجہ سے آپ کا مرقد مبارک دیوان خانے کے چبوترے کے نیچے آگیا، اس جگہ کے معماروں نے چبوترے کے پاس نشان متعیّن کر دیا ہے، آج اس ظالم بد طینت کے گھر پر خاندانی ریاست کی بقا کے باوجود اُلّو اور کوّے بول رہے ہیں اور اس کا گھر تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔

کرامت

ایک معتبر شخص سے میں نے سنا ہے کہ اس زمانے میں ایک شخص رات میں آپ کے روضہ مبارک کے قریب سویا ہوا تھا۔ جب وہ صبح کو اٹھ کر وضو کر کے مصلے پر بیٹھا تو کیا دیکھتا ہے کہ آسمان سے نورانی شکل والے چار لوگ آئے، روضے کا دروازہ کھولا، اندر داخل ہوئے، اور تھوڑی دیر کے بعد ایک نعش کو ایک تابوت میں رکھ کر آسمان کی طرف لے گئے، اسی دن آپ کا روضہ مبارک منہدم ہوا۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ (الشعراء: ۲۲۷) (ظالموں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس طرف رجوع کرنے والے ہیں۔)

ایسے ہی اس ناپاک ظالم نے جب قطب العالم شیخ محمد مینا قدس سرہ کے روضۂ مبارک پر آپ کی مسجد و خانقاہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ آپ ننگی تلوار ہاتھ میں لیے کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ شیخ قوام الدین زندگی میں بھی گمنامی چاہتے تھے اس لیے آپ نے وصال کے بعد بھی گمنامی کو پسند فرمایا، اگر تم نے میرے مکان کو ڈھانے کا ارادہ کیا تو لکھنو کی سرزمین کو پلٹ کر اسے جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا (ھود: ۸۲) (ہم نے ان کی بستی کو زمین دوز کر دیا) کا نمونہ بنا دوں گا اور تم کو تمھارے سارے اعوان و انصار کے ساتھ نیست و نابود کر دوں گا۔ جب وہ بیدار ہوا تو اس نے اس ناپاک ارادے سے توبہ و استغفار کیا۔

وصال

آپ کی تاریخ وفات ۲۰/شعبان المعظم اوائل نویں صدی ہجری ہے۔[۱]

رسالہ معیار التصوف، کتاب ارشاد المریدین اور اساس الطریقۃ آپ کی تصانیف ہیں۔

آپ کا شعری نمونہ یہ ہے:

نادیدہ رخ یار مزن لاف تجلی — پرتو نبود عین تو ایں نکتہ نگہدار

بے نور رخش حسن و جمالش نتواں دید — بے تابش خور می نتوان دید رخ یار

(۱) جمال یار کو دیکھے بغیر صرف تجلی پر ڈینگیں مت مارو اور یہ حقیقت ذہن نشین کر لو کہ تجلی عین ذات نہیں ہوتی۔

(۲) اس کے حسن و جمال کو اس کے نورِ جمال کے بغیر نہیں دیکھا جاسکتا اور خورشید حقیقی کی تابشوں کے بغیر محبوب کا مشاہدہ نہیں کیا جاسکتا۔

ایں کار کسی ہست کہ خیزد ز سر جاں — ایں خانہ خرابی رہ ہر بوالہوسی نیست

سیمرغ تواند کہ کند خانہ بکوہ قاف — ایں شیوہ ہمون داند کارے مگسی نیست

(۱) یہ اس شخص کا کام ہے جو خود سے بھی بے پروا ہو جائے، گھر بار لٹا دینا ہر بوالہوس کا کام نہیں ہے۔

(۲) سیمرغ[۲] ہی کوہ قاف میں گھر بنا سکتا ہے، یہ شان وہی رکھتا ہے، یہ مکھی کے بس کا کام نہیں ہے۔

---

(۱) آپ کا وصال ۸۰۶ھ/۱۴۰۴ء میں ہوا۔ دیکھیں: تذکرہ مینائیہ، ص: ۵۱

(۲) سیمرغ ایرانی و فارسی ادب کا ایک افسانوی پرندہ ہے اس کا گھونسلا افسانوی پہاڑ قاف ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عقلمند اور ہوشیار ہے اور رازوں کو جانتا ہے۔

احوال مخدوم شیخ سارنگ قدس اللہ سرہ

سالک مسالک طریقت، صاحب معارج حقیقت، شمع بزم ہدایت، چشم و چراغ کاشانۂ ولایت، سلالۂ اولیاے کرام، عطر مشائخ عظام، پیشواے لشکر تحقیق، مجاہد معرکۂ تصدیق، مطلع انوار فتوحات غیبی، مہبط اسرار عطیات لاریبی:

آں مہِ رخشندۂ چرخ کمال — اختری تابندۂ اوج جلال
چارۂ درد دل بی چارگاں — سرور دین ہادیِ آوارگاں
داروی دردِ دلِ ہر درد مند — سایۂ او بر سر ہر مستمند
در رہ حق صوفی ثابت قدم — رہبر دین معدنِ لعل کرم
نور حق از چہرۂ او جلوہ گر — خلعتِ لطف ازل او ببر
عارف کامل شہِ نیکو خصال — صاحبِ بخشایش و بحر نوال

(۱) چرخ کمال کے درخشاں ماہتاب، اوج جلال کے درخشندہ ستارے

(۲) بے چارہ دلوں کے درد کے مداوا، دین کے سردار اور گمراہوں کے ہادی

(۳) ہر درد مند دل کے درد کی دوا، ان کا سایہ ہر حاجت مند کے سر پر ہے

(۴) راہ حق میں صاحب استقامت صوفی، رہبر دین، معدن لعل کرم

(۵) نورِ حق جن کے چہرے سے جلوہ گر ہے، لطف ازلی کی خلعت جن کے دوش پر ہے۔

(۶) عارفِ کامل، بادشاہِ خوش خصال، صاحبِ جود و عطا، بحرِ فیض و سخا

قدوۃ المشائخ حاجی الحرمین حضرت مخدوم شیخ سارنگ طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ (اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو طیب و پاکیزہ فرمائے اور آپ کو جنت نشین بنائے۔)

ابتدائی حالات

آپ ہندوستان کے شرفا میں سے ہیں، شروع میں آپ سلطان فیروز شاہ کے نامور امرا میں سے تھے، چوں کہ آپ کی بہن سلطان محمد بن فیروز شاہ کے عقد میں تھیں اس وجہ سے بادشاہ کی بارگاہ میں آپ کو بہت عزت اور بڑا مقام و اعتبار حاصل تھا۔ چنانچہ سارنگ پور جو کہ ہندوستان کا ایک مشہور علاقہ ہے، آپ ہی کا آباد کردہ ہے۔ آپ کو مَلِک سارنگ کہا جاتا تھا۔

خداطلبی اور بیعت وارادت

جس زمانے میں حضرت مخدوم جہانیاں اور حضرت سید راجو قتال قدست اسرارہما دہلی تشریف لائے اس زمانے میں ملک سارنگ خوبرو نوجوان تھے۔ بادشاہ اکثر کھانے پینے کی چیزیں اور دیگر اشیا انھیں کے معرفت ان دونوں بزرگوں کی خدمت میں بھیجتا۔ ایک دن سید راجو قتال قدس سرہ نے فرمایا کہ اگر نماز پنج وقتہ کی پابندی کرو تو میں تم کو حضرت مخدوم جہانیاں کا پس خوردہ کھلاؤں گا، آپ نے فورا بغیر کسی توقف کے قبول کر لیا، دوسرے دن سید راجو قتال نے فرمایا اگر تم نماز اشراق کی پابندی کرو تو ہم لوگ تمھارے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ انھوں نے اس پر بھی عمل کیا، چنانچہ اس وقت مخدوم جہانیاں اور سید راجو دونوں حضرات نے آپ کے ساتھ ایک ہی طبق میں کھانا کھایا، اس طرح نور معرفت ان کے باطن میں چمک اٹھا اور کچھ دنوں کے بعد حضرت شیخ قوام الدین کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے، وہ ابھی اہل دنیا ہی کے لباس میں تھے کہ شیخ نے ان کو پیران چشت کے طریقے کے مطابق شغل باطن کی تلقین فرمائی اور وہ احسن طریقے سے اس پر عمل پیرا ہو گئے۔

تجرید وتفرید

جب دہلی کی سلطنت سلطان محمود بن سلطان محمد کو منتقل ہوئی تو عنایات الٰہی سے آپ پر جذب وکیف کی حالت طاری ہوئی، آپ نے سارا ساز و سامان اور جاہ و حشمت سب کچھ یکبارگی ترک کر دیا، میدان تجرید میں قدم رکھا اور اہل و عیال کے ساتھ ایک قافلے کی معیت میں پیدل حرمین شریفین کی زیارت کے لیے روانہ ہو گئے، چوں کہ آپ کو پیدل چلنے کی عادت نہیں تھی اس لیے

پاؤں میں آبلے پڑ گئے اور حاجیوں کے قافلے سے الگ ہو گئے، تیسرے روز رات کے آخری حصے میں اٹھے اور اپنے اہل وعیال سے فرمایا کہ آنکھ بند کر کے تین قدم میرے پیچھے تم سب چلو، سب نے ایسا ہی کیا جب آنکھ کھلی تو خود کو قافلے میں پایا۔

سیر و سلوک اور خرقۂ خلافت

اس کے بعد ایک زمانے تک مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ میں مقیم رہے اور ریاضت و مجاہدہ میں زندگی گزاری، پھر بارگاہ نبوی سے اجازت لے کر ہندوستان لوٹے اور قصبہ ایرچ میں مخدوم جہانیاں قدس سرہ کے ایک خلیفہ حضرت یوسف ایرچی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچے، سالوں ان کی صحبت میں رہے، اور تمام مراتب سلوک طے کر کے ان سے خرقۂ خلافت پہنا، اور ان کی ہی خدمت میں رہ کر رسالہ مکیہ بھی پڑھا۔

جب شیخ قوام الدین قدس سرہ کی وفات کا وقت آیا تو اس وقت شیخ سارنگ آپ کے پاس نہیں تھے، حضرت خواجہ قوام الدین نے افسوس کیا اور فرمایا کہ سارنگ یہاں موجود نہیں ہیں کہ میں خود ان کو خرقہ دے سکوں، فی الوقت میں اسے اپنے ساتھ قبر میں لے جا رہا ہوں مگر بغیر آستین کا ایک کفن حاضرین کے سپرد کر دیا کہ ان تک پہنچا دیں، لوگوں نے آپ کی تشریف آوری کے بعد وہ امانت آپ کے حوالے کر دی، آپ نے اس کو بحفاظت رکھا اور وصیت کی کہ اسے ان کے آخرت کا لباس بنایا جائے۔

جب لوگوں کا ازدحام آپ کو پسند نہیں آیا تو لکھنؤ سے دس بارہ کوس کی دوری پر پرگنہ فتح پور کے ایک مقام مجھگواں [1] میں جو اس زمانے میں ویران تھا، جا کر مقیم ہو گئے، اور وہاں پر ریاضت و مجاہدہ اور ذکر و شغل میں مشغول ہو گئے۔ اس زمانے میں حضرت سید راجو قتال بخاری نے خرقۂ خلافت اور دیگر تبرکات جو ان کو ان کے پیران طریقت سے حاصل ہوئی تھیں بغیر کسی طلب کے آپ کو بھجوائی لیکن آپ نے قبول نہیں کیا، واپس کروا دیا اور یہ عرض کیا کہ میں اسلام میں نیا نیا

---

(۱) موجودہ ضلع بارہ بنکی کا ایک قصبہ

داخل ہوا ہوں، اس لائق کہاں کہ اولیاء اللہ کا لباس پہن سکوں، سید راجو قدس سرہ نے دوبارہ ان کو وہ نعمتیں یہ کہہ کر بھجوادیں کہ میں نے خود سے یہ نعمتیں نہیں بھیجی ہیں بلکہ اللہ و رسول اور مرشدان طریقت کا یہی حکم ہے، اس لیے دل میں کوئی تردد نہ رکھو، اور اسے پہن لو، یہ تمھارے لیے بابرکت ہے۔ تب انھوں نے اسے قبول کر لیا۔ اس تاریخ کے بعد سے جو بھی توبہ و بیعت کے لیے حضرت سید راجو قتال کی خدمت میں لکھنؤ کے علاقہ سے آجاتا تو آپ اسے واپس فرمادیتے اور حکم دیتے کہ وہاں میں نے شیخ سارنگ کو اس کام کے لیے متعیّن کیا ہے، تم کو اتنی لمبی مسافت طے کر کے آنے کی ضرورت نہیں، وہیں چلے جاؤ اور ان سے بیعت و ارادت حاصل کرو۔

خلفا

حضرت شیخ سارنگ کے دو خلیفہ تھے: پہلے حضرت قطب العالم شیخ مینا، دوسرے آپ کے نبیرہ مخدوم حسام الدین صوفی جو آپ کے بعد آپ کے جانشین اور صاحب سجادہ ہوئے۔

پاسِ شریعت

منقول ہے کہ ایک روز شرعی عذر کی بنا پر آپ رمضان کے مہینے میں کھانا تناول فرما رہے تھے، اس وقت قطب عالم حضرت شاہ مینا آپ کی بارگاہ میں کھڑے تھے، ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر شیخ مجھے اپنا پس خوردہ عطا فرمادیں تو میں بھی کھا لوں اور اس کے کفارے میں ساٹھ روزے رکھ لوں گا۔ یہ خیال آتے ہی حضرت شیخ سارنگ نے سر اٹھا کر فرمایا کہ مجھ کو شریعت نے کھانے کی اجازت دی ہے، لیکن یہ کیسے مناسب ہے کہ تمھیں مرتبۂ قطبیت کے باوجود ایک ایسے کام کی اجازت دے دوں جو شرعاً جائز نہیں ہے، اگر رات میں کچھ کھاؤں گا تو میں تم کو اپنا پس خوردہ دے دوں گا۔

آپ نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی اور ۱۶/ شوال نویں صدی ہجری کے نصف میں جنت الفردوس کی جانب روانہ ہوئے۔[1] آپ کا مزار مجھگواں میں ہے، وہاں لوگ آپ کی زیارت کو آتے ہیں اور تبرک حاصل کرتے ہیں۔

---

(۱) ۱۶/ شوال ۸۵۵ھ/ ۱۱/ نومبر ۱۴۵۱ء میں آپ کا وصال ہوا۔ دیکھیں: تذکرہ مینائیہ در احوالِ مشائخ صفویہ، ص: ۵۵

احوال قطب العالم مخدوم شیخ مینا قدس اللہ سرہ

کاشف حقائق طریقت، واقف دقائق حقیقت، اوج قدس کے شہباز تیز پرواز، گلشن انس کے عندلیب نغمہ طراز، شمع ایوان تحقیق، نخل بوستان تصدیق، خلاصۂ اولیاے کبار، زبدۂ اتقیاے اخیار، محرم اسرار ربانی، مظہر انوار یزدانی، شعر

شہریارِ ممالکِ عرفان   شہسوارِ مسالکِ عرفان
سرورے مقتدائے اہل صفا   دیدۂ فقر را فروغ و ضیا
سرو سرخیل طالبان خدا   عارف دستگیر ہر دوسرا
دُرِ یکتائے بحر جود و نوال   آفتابِ سپہر فضل و کمال
وارثِ انبیا بہ علم و عمل   قدوۂ اولیا ز روز ازل
رہبر خلق سوی راہ یقیں   بادشاہِ انام، سرور دیں
گلِ باغ خلافت کبریٰ   ثمر نخل بوستان ہُدیٰ
منبعِ فیض و مخزنِ اسرار   مصدرِ لطف و معدنِ انوار

(۱) مملکتِ عرفان کے شہریار، مسالک معرفت کے شہسوار
(۲) صاحبان صفا کے سردار، فقرا کی آنکھوں کے نور اور ان کی تابانی
(۳) طالبان مولی کے سرخیل، عارف حق اور دونوں عالم کے دستگیر
(۴) دریائے جود و سخا کے در یکتا، آسمان فضل و کمال کے آفتاب
(۴) علم و عمل میں انبیا کے وارث، روز ازل سے اولیا کے قائد
(۵) راہ یقین کی طرف مخلوق کے رہبر، خلق کے بادشاہ، دین کے سرور

(۶)باغ خلافت کبری کے پھول، نخل بوستان ہدایت کے ثمر

(۷)مصدر فیض ومخزن اسرار، منبع لطف ومعدن انوار

ابتدائی احوال

غوث الانام قطب العالم حضرت مخدوم شیخ محمد عرف شیخ مینا ادام اللہ برکاتہ فینا مادر زاد ولی تھے، چنانچہ مشہور ہے کہ حمل کے زمانے میں لوگ آپ کی والدہ ماجدہ کے شکم سے ذکر و تلاوت قرآن مجید کی آواز سنا کرتے اور تعجب کرتے، شیر خوارگی کے زمانے میں ماہ رمضان میں آپ دن میں دودھ نہیں پیتے تھے، ایسے ہی اگر آپ کی والدہ بے وضو ہوتیں تب بھی ایام رضاعت میں کبھی بھی والدہ کا دودھ نہیں پیتے۔ رات میں آپ کی والدہ آپ کو اپنے بغل میں سلا دیتیں، رات میں وہ جب بھی بیدار ہوتیں تو آپ کو پلنگ کے نیچے سجدہ کی حالت میں پاتیں۔

کہتے ہیں کہ آپ کی ولادت سے قبل آپ کے عم محترم حضرت مخدوم شیخ قوام الدین قدس سرہ نے بشارت دی کہ میرے بھائی شیخ قطب الدین کے گھر میں ایک فرزند کی ولادت ہوگی جو ہمارے خاندان کا چراغ ہوگا، اس سے ہمارے خانوادے کا نام روشن ہوگا، جب آپ کی ولادت کی خبر حضرت شیخ قوام الدین کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے ہندی زبان میں فرمایا ’’آؤ مورے مینا‘‘ اسی وجہ سے آپ کی عرفیت ’’مینا‘‘ ہوئی۔ جب آپ دو تین سال کے ہوئے تو والد ماجد سے فرمایا کہ یہ پرندے جو اڑ رہے ہیں، مجھے دے دیجیے۔ آپ کے والد ان پرندوں سے فرماتے: اے پرندو! تم کو مینا بلا رہے ہیں، وہ آکر آپ کے سامنے بیٹھ جاتے اور جب تک آپ اجازت نہ دیتے ان کے اندر اڑنے کی طاقت نہ ہوتی۔

تعلیم وتربیت

پانچ سال کی عمر میں جب مکتب پہنچے تو استاذ نے کہا، بولو: الف، آپ نے فرمایا: الف، جب معلم نے کہا بولو: ’’بِ‘‘ آپ نے فرمایا: ’دوجا کہ؟‘ (دوسرا کون؟) اس کے بعد آپ نے لفظ ’’الف‘‘ کے بارے میں ایسے حقائق و معارف بیان فرمائے کہ آپ کے استاذ اور دیگر حاضرین بے

خود ہو گئے۔ چوں کہ استاذ کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ یہ بچہ پیدائشی ولی ہے، اس لیے وہ آپ کی تعلیم کے سلسلے میں زیادہ کوشش نہیں کرتے اور مکتب میں آپ کی آمد کو ہی اپنے لیے غنیمت سمجھتے۔ آپ مکتب پہنچتے ہی مستقل آنکھیں بند کیے ذکر میں مشغول رہتے، چھٹی کے وقت دیگر بچوں کے شور و شغف سے آپ کو ہوش آتا اور پھر استاذ کو سلام عرض کر کے گھر چلے جاتے۔

دس سال کی عمر تک حضرت شاہ قوام الدین کے سایۂ تربیت اور ظل عاطفت میں رہے، اس کے بعد حضرت سید راجو قتال کے بعض خدام سے تلقین ذکر حاصل کیا اور اس پر عامل رہے، شیخ اعظم ثانی جو اپنے زمانے کے مشہور عالم تھے ان سے درس کے دوران شرح وقایہ کی عبارتوں میں ایسے دقائق و نکات بیان فرمائے کہ شیخ اعظم اپنے تمام فضل و کمال کے باوجود انتہائی ادب کے ساتھ ان کے سامنے بیٹھے رہے اور ہر مسئلہ میں نئے نکات حاصل کیے۔ عبادات کی بحث مکمل ہونے کے بعد شیخ مینا نے فرمایا کہ: مجھے دوسرا معاملہ درپیش ہے، اس لیے معاملات کی بحث سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔ آپ نے عوارف المعارف پوری پڑھی، بالآخر کم وقت میں آپ اس مقام پر فائز ہو گئے کہ بڑے بڑے علمائے زمانہ، علوم عقلیہ و نقلیہ کے اکثر مقامات کی تحقیق آپ سے کراتے۔

مقامِ قطبیت

جب آپ کی عمر شریف بارہ سال کی ہوئی تو قطبیت کے مقام پر فائز ہو گئے، آپ کی قطبیت کا اعلان حضرت شاہ بدیع الدین مدار کے مرید قاضی شہاب الدین آتش پر کالہ ساکن چتلائی نے کیا۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ قاضی شہاب الدین اپنے پیر کی قدم بوسی کی نیت سے نکلے، جب لکھنؤ پہنچے تو اکثر لوگ اپنی حاجتیں لے کر ان کی خدمت میں آئے، قاضی صاحب نے ان سب کی حاجتوں کو لکھ لیا اور روانہ ہو گئے، چلتے وقت ان تمام حاجتوں کو اپنے پیر کی خدمت میں پیش کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان حاجت مندوں سے کہیں کہ وہ لوگ شیخ مینا کی بارگاہ میں رجوع کریں، کیوں کہ قطبیت ان کے حوالے ہو گئی ہے۔ اس وقت ان کی عمر بہت کم ہے، بارہ یا تیرہ سال کے ہیں۔ پھر انھوں نے آپ کا پورا حلیہ مبارک بیان کر دیا اور بولے: ان کو معلوم ہے کہ وہ قطب ہیں لیکن وہاں کے لوگ اس بات سے ناواقف ہیں۔ تم جا کر میری طرف سے

ان کو سلام پیش کرنا اور حاجت مندوں کی سفارش کرنا۔ ایک اونی مصلی ان کو دیا کہ اسے میری طرف سے بطور ہدیہ ان کی خدمت میں نذر کر دینا۔ چنانچہ وہ مصلی ابھی بھی حضرت مخدوم شیخ الہدیہ کی اولاد میں موجود ہے۔ قاضی صاحب وہاں سے روانہ ہوئے، پھر واپس لکھنؤ پہنچے، حاجت مندوں کو اپنے ساتھ لے کر قطب العالم شیخ مینا کی خدمت میں حاضر ہوئے، اپنے پیر کی طرف سے آپ کی خدمت میں تحفۂ سلام پیش کیا اور مصلی نذر کیا۔ حضرت قطب العالم شیخ مینا نے سب کو تعویذ دی اور ان کے لیے دعا کی، صرف ایک شخص رہ گیا، اس نے اپنے لڑکے کی شفایابی کے لیے درخواست کی تھی، وہ اسی طرح کھڑا رہا، تھوڑی دیر بعد جب اس نے پھر عرضی لگائی تو فرمایا: بابا جاؤ صبر کرو، تمھارے لڑکے کی شفایابی کے لیے بارگاہ الٰہی میں بہت دعا کی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا اور حکم ربانی آیا ہے کہ اس کی عمر اتنی ہی ہے۔ اور پھر آپ نے ایک دوہا پڑھا جس کا مفہوم یہ ہے:

رسن گسستہ ز بالا نمی توانم بست   کہ دوست دشمنی انگیخت دوستی بشکست

(اوپر سے توڑی ہوئی رسی کو میں جوڑ نہیں سکتا، کیوں کہ دوست نے دشمنی کا اظہار کیا اور دوستی توڑ دی۔)

بیعت اور ریاضت و مجاہدہ

آپ کا حال یوں ہی روز فزوں رہا یہاں تک کہ پندرہ سال کی عمر میں حضرت مخدوم شیخ سارنگ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور وہبی ولایت کے باوجود ایسی پُر مشقت ریاضتیں کیں جو انسان کے بس کے باہر ہیں۔

حضرت مخدوم شیخ سعد قدس سرہ لکھتے ہیں:

”اگر جاڑے کی راتوں میں پیر دستگیر قطب العالم پر نیند کا غلبہ ہوتا تو کبھی اپنے کپڑے کو اور کبھی اپنی کلاہ کو ٹھنڈے پانی میں بھگو کر پہنتے اور حضرت شاہ قوام الدین کی خانقاہ کے صحن میں جا کر بیٹھتے یہاں تک کہ سردی کی شدت اور ٹھنڈی ہواؤں کی وجہ سے آپ کی نیند ختم ہو جاتی اور پھر پوری

رات ذکر الٰہی میں لگے رہتے، بعض اوقات وضو کے لیے پانی گرم کرتے، اگر آگ کی گرمی سے نفس کو تھوڑا سکون ملتا یا اس کے اندر سستی پیدا ہوتی تو فوراً ہی اٹھ جاتے، گرم پانی چھوڑ کر رات میں ہی ٹھنڈے پانی سے غسل واجب نہ ہونے کے باوجود غسل فرماتے، اور کئی کئی راتیں صلاتِ معکوس (۱) میں مشغول رہتے، کبھی زمین پر کنکریاں بچھا کر بیٹھ کر اذکار و اشغال میں لگے رہتے اور اگر نیند کا غلبہ ہوتا تو اسی پر لیٹ جاتے اور پھر اس خوف سے اٹھ جاتے کہ کیا پتا کنکریوں پر ہی نیند آ جائے، کبھی کبھی کئی کئی راتیں اونچی دیوار پر بیٹھتے تاکہ گرنے کے خوف سے نیند دور ہو جائے، اکثر صوم طی (۲) رکھتے، چلے میں بیٹھتے، جب چلہ مکمل ہونے کے قریب ہوتا اور کوئی دوست یا مسافر آپ سے کھانے کے لیے اصرار کرتا تو اس کی دلجوئی کے لیے آپ روزہ توڑ دیتے اور اس کو یہ نہ بتاتے کہ میں روزے سے ہوں، اس لیے کہ آپ کا مقصد شہرت کا حصول نہیں تھا، اس کے بعد آپ پھر سے نیا چلہ شروع کر دیتے اور اسی طرح زمانے تک یہ سلسلہ چلتا رہتا لیکن آپ چلہ مکمل ہونے کی پرواہ نہ کرتے تاکہ نفس اس کی وجہ سے مغرور و متکبر نہ ہو۔ اکثر اوقات کھڑاؤں پہنتے، اپنے پیر کی زیارت کے لیے پیدل گیارہ بارہ کوس چل کر جاتے، اور ہر طرح سے نفس کو مشقت و تکلیف میں ڈالتے، اس طرح آپ کامل و مکمل ہوئے اور نور حقیقت تک رسائی ہوئی۔ شعر

مرداں بہ سعی و رنج بجائے رسیدہ اند   تو بے خبر کجا رسی از نفس پروری

(لوگ تکلیف و مشقت اٹھا کر اور مجاہدہ و ریاضت کے ذریعے کسی مقام تک پہنچے ہیں،

---

(۱) **نمازِ معکوس:** یہ ایک قسم کا مجاہدہ ہے، جس میں اپنے پاؤں باندھ کر کنویں میں خود کو راتوں کے اوقات الٹا لٹکا لیا جاتا ہے اور اسی حالت میں رکوع و سجود کیا جاتا ہے اسی کو "نمازِ معکوس" کا نام دیا گیا۔ صوفیہ کرام کے یہاں ملنے والے اس طرح کے اعمال واشغال نفس کو مقہور کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف رغبت کے لیے نفسِ امارہ کو مقہور و مغلوب کرنا ایک محمود عمل ہے اگرچہ بنفسہ ایسے طریقے سنت سے ثابت نہیں ہوتے ہیں لیکن اس قسم کے عبادات کے واقعات سابقہ امتوں سے بغیر کسی انکار ورد کے احادیث میں درج ہیں جن سے جواز ثابت ہوتا ہے۔ (ضیا صفی/ مطالعۂ تصوف کے رہنما اصول)

(۲) **صوم طی:** اصطلاح تصوف میں صومِ وصال رکھنے کو طی کہتے ہیں۔ چناں چہ حضرت سہل بن عبد اللہ فرماتے ہیں: من طوی اربعین یوما ظھرت لہ القدرۃ علی الملکوت۔ جو چالیس دن تک خود کو بھوکا رکھے گا، عالم ملکوت کے اسرار اس پر منکشف ہو جائیں گے۔ (حاشیہ: مرج البحرین، مولانا حماد رضا مصباحی)

اے بے خبر انسان !تم نفس پروری کرتے ہوئے کسی مقام تک کیسے پہنچو گے ؟)

حلم وبردباری

آپ کا عفو وکرم اور حلم وبردباری مشہور ومعروف ہے۔چنانچہ ایک روز شراب کے نشے میں مخمور ایک حجام آکر آپ کو گالی دینے لگا،آپ نے اس کو کچھ دے کر مکمل لطف ونرمی کے ساتھ واپس کیا اور اس سے معذرت خواہی کی۔

اگر کسی شخص سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچتی تو معاف فرمادیتے اور مکمل خندہ پیشانی کے ساتھ اس کو دعا دیتے اور یہ اشعار اپنی زبان مبارک سے پڑھتے:

هر که ما را یار نبود ایزد او را یار باد   هر که مارا رنج داده راحتش بسیار باد

هر که اندر راه ما خاری نهد از دشمنی   هر گلی کز باغ عمرش بشگفد بی خار باد

(۱)جو میرا دوست نہ ہو حق تعالی اس کا یار ومددگار ہو،جس نے مجھ کو تکلیف پہنچائی اس کو بہت راحت وسکون ملے۔

(۲)جو میرے راستے میں دشمنی کی وجہ کانٹے بچھائے اس کی باغ زندگانی میں جو پھول کھلے اس میں کانٹے نہ آئیں۔

حضرت مخدوم شیخ سعد مزید لکھتے ہیں:

حضرت قطب عالم کی صحبت میں میں بیس سال رہا،کبھی بھی پاؤں پھیلا کر یا پاؤں کھڑا کر کے بیٹھا ہوا نہیں پایا،آپ ہمیشہ قبلہ رو ہوکر نماز کی طرح بیٹھتے،کبھی بھی سمت قبلہ سے ہٹ کر نہ جوتیاں رکھتے اور نہ ہی اتارتے،ہمیشہ جوتیاں قبلہ رو رکھتے تھے،اسی سمت اتارتے اور اسی سمت سے پہنتے۔اسی طرح آپ نے نہ اپنے لیے کبھی کسی خاص قسم کے کھانے کی طلب کی اور نہ اپنی خواہش سے کوئی کپڑا سلوایا۔آپ ارشاد فرماتے کہ جو صوفی اپنی خواہش سے کھانا پینا کھاتا ہے یا اپنی پسند کا کپڑا پہنتا ہے وہ ہرگز ہرگز صوفی نہیں ہے،بلکہ حضرت مصطفیٰ ﷺ کے دین کا رہزن ہے۔

آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ باوضو ہونے کے باوجود ایک دو گھنٹے کے بعد تجدید وضو فرماتے

اور دو رکعت تحیت الوضوادا فرماتے ، وضو سے فارغ ہو کر اگلے وضو کی نیت سے وضو کے برتن میں پانی بھر کر رکھ دیتے، کھانا تناول کرتے وقت اور کھانے سے فارغ ہو کر از سر نو وضو کرتے اور فرماتے کہ جو کھانا باوضو ہو کر کھایا جاتا ہے وہ کھانا باطن میں تسبیح میں مشغول ہوتا ہے اور کھانے کے بعد کی گرانی کو دور کر دیتا ہے اور نور میں اضافہ کرتا ہے۔ آپ نے نہ کبھی بے وضو گفتگو فرمائی اور نہ کبھی بے وضو سوئے، جب سو جاتے تو کبھی بھی وضو اور دو رکعت نماز ادا کیے بغیر پہلو نہ بدلتے، نیند سے بیدار ہوتے ہی تیمم فرماتے اس کے بعد وضو کی تیاری کرتے اور فرماتے کہ انسان کی خلقت کی اصل پانی مٹی ہے ان ہی دونوں چیزوں سے طلب دنیا کی آگ بجھائی جاتی ہے، بہت امید ہے کہ آخرت کی آگ بھی اسی سے بجھ جائے۔

حبِ شیخ

منقول ہے کہ حضرت شیخ سارنگ نے آپ کو ایک بار کسی شہر کی جانب کسی اہم کام کے لیے بھیجا، آپ وہاں گئے اور اس کام کو انجام دینے کے بعد لوٹ کر شیخ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت مخدوم نے فرمایا: وہاں ایک عارف تھے ان سے تم نے ملاقات کی؟ آپ نے فرمایا نہیں، شیخ نے فرمایا جس شہر میں جاؤ اگر وہاں کوئی درویش ہو تو ان سے ملاقات کرنا چاہیے، یہ سن کر فوراً ہی بے اختیار آپ کی زبان مبارک پر یہ شعر جاری ہو گیا:

همه شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہی چہ کنم کہ چشم بد خو نکند بہ کس نگاہی

(پورا شہر حسینوں سے بھرا ہے لیکن میں اپنے ہی خیال میں مگن ہوں، کیا کروں کہ میری بد خصلت نگاہ کسی اور کی جانب دیکھتی ہی نہیں)

میرے لیے اپنے شیخ کی محبت کافی ہے، اب میں دوسروں سے محبت نہیں کر سکتا۔ تب شیخ نے آپ کو خرقۂ خلافت سے نواز کر رخصت کیا اور حکم دیا کہ اپنے مقام پر جا کر مشغول ہو جاؤ۔

کرامات

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص سفر کی حالت میں فوت ہو گیا، اس کا سر جنبش کر رہا تھا، کسی حال میں پُر سکون نہیں ہوتا تھا، اس کا تابوت دوران سفر جہاں بھی پہنچا وہاں کے علما و مشائخ سے

اس عجیب و غریب واقعے کے بارے میں لوگوں نے استفسار کیا لیکن تشفی بخش جواب نہیں مل سکا، جب وہ لوگ لکھنؤ پہنچے تو حضرت قطب عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا راز جاننا چاہا تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ یہ شخص کسی کا مرید نہیں ہے، یہ کلاہ اور شجرہ طلب کر رہا ہے، پھر آپ نے اپنے سر مبارک سے کلاہ اتار کر اس کے سر پر رکھ دیا اور شجرہ لکھ کر عنایت فرمایا کہ اس کے سینے پر رکھ دیں، جیسے ہی کلاہ اس مردے کے سر پہ پہنچی فوراً اس کے سر کی حرکت بند ہوگئی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا سر بظاہر جنبش میں تھا لیکن باطنی جنبش تمام سروں کے اندر ہے، پیروں کی کلاہ کے بغیر چین و سکون نہیں ہے۔

حضرت مخدوم شیخ سعد قدس سرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز بارش کے زمانے میں والدین کی قدم بوسی اور رشتہ داروں سے ملاقات کے لیے حضرت قطب العالم قدس سرہ کی بارگاہ سے رخصت ہوکر اپنے وطن ''انام'' (اُناؤ) کے لیے روانہ ہوا۔ جب قصبہ موہان کے قریب پہنچا تو سیلاب کی طغیانی اور پانی کی کثرت کی وجہ سے گھوڑے سے گر گیا۔ فوراً پیر دست گیر قطب عالم کو یاد کیا، یاد کرتے ہی میں نے دیکھا کہ پیر دست گیر حاضر ہیں اور انھوں نے مجھ کو پکڑ کر پانی کے کنارے ڈال دیا اور پھر دوسرے شناسا لوگ جو تیرنا جانتے تھے انھوں نے مجھے میرے گھوڑے پر روانہ کر دیا۔

[حضرت مخدوم شیخ سعد قدس سرہ فرماتے ہیں کہ] ایک مرتبہ اس فقیر کو ایسا شدید بخار آیا کہ اٹھنے بیٹھنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی، حضرت قطب عالم کی بارگاہ میں ایک شخص کے ذریعے اپنی پریشانی کی عرضی بھجوائی۔ حضرت قطب عالم اس وقت قطب المشائخ نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہ کے عرس کے موقع پر کھانے کی تقسیم میں مصروف تھے، آپ نے میرے احوال سن کر چند روٹیاں جو روغن اور شکر تر کر کے مجلس میں آئی ہوئی تھیں انہی میں سے ایک روٹی میرے پاس یہ کہہ کر بھیج دی کہ میں پوری روٹی کھالوں۔ ایک لقمہ بھی کھانے کی طاقت نہیں تھی، لیکن حسب حکم آہستہ آہستہ پوری روٹی کھالی، کھانے سے فارغ ہوتے ہی فوراً نیند آگئی۔ نیند سے بیدار ہوا تو مجھے شفائے کلی حاصل ہو چکی تھی۔

آپ کی دیگر کرامات وتصرفات اتنے ہیں کہ سب تحریر میں نہیں لائے جاسکتے۔

ایشاں ہمہ روح پاک دارند　　نسبت نہ بہ آب و خاک دارند
از بود و نبود چشم بستہ　　و ز ننگ وجود خویش رستہ
فانی ز خود و بہ دوست باقی　　بیگانہ ز تن و بہ جان ملاقی
با حق جمع و ز خود پریشاں　　لا یعرفھم شعار ایشاں

(۱)ان بزرگوں کی روحیں مکمل طور سے پاک ہیں، ان کو پانی مٹی سے کوئی نسبت نہیں

(۲)یہ وجود وعدم سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں، اور اپنے ننگ وجود سے خلاصی پا چکے ہیں۔

(۳)یہ خود سے فانی اور اپنے دوست کے ساتھ باقی ہیں، جسم سے جدا اور اپنی جان سے اپنے دوست سے متّصل ہیں۔

(۴)حق کے ساتھ جمعیت خاطر رکھتے ہیں اور خود سے بہ ظاہر پریشاں رہتے ہیں، لا یعرفھم (انھیں حق تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں پہچانتا) ان کا شعار ہے۔

خلفا

آپ نے تجرد کی زندگی بسر کی اور مجرد رہے۔ صرف دو حضرات کو خلعت خلافت سے نوازا ایک مخدوم شیخ سعد اور دوسرے شیخ قطب الدین جو کہ آپ کے بھتیجے اور صاحب سجادہ تھے۔

وصال

حضرت قطب عالم کا انتقال ۲۳؍ صفر ۸۸۴ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار شہر لکھنؤ میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

ہر کہ خواہد چشم را بینا کند　　سرمۂ خاکِ در مینا کند

جو اپنی آنکھ کو پرنور بنانا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ شیخ مینا کے در کی خاک کا سرمہ اپنی آنکھوں میں لگائے۔

احوال مخدوم شیخ سعد قدس اللہ سرہ

حامی شریعت غراء، مروّج قوانین ملت بیضاء، محافظ دین متین، ناصر حدود شرع مبین، قدوۂ ارباب فضل و کمال، زبدۂ سالکان وصاحبان حال، حامل لوائے ہدایت وارشاد، شیخ العالم قطب الافراد، شعر

آن نو گل گلشن طریقت — آن بلبل گلبن حقیقت
آن بادشاہ ممالک دین — خورشید سپہر عز و تمکین
آن قطب زمان و دین پناہی — در کشور فقر بادشاہی
آن صدر نشین محفل جود — آن ہادی شاہراہ مقصود
آن حاکم ملک رہنمائی — مقبول جناب کبریائی
آن جوہر تیغ دین و ایمان — آن گوہر تاج اہل ایقان
در یکتائی بحر تجرید — سرو رعنائی باغ تفرید

(۱) وہ گلشن طریقت کے گل تازہ، وہ گلزار طریقت کے بلبل
(۲) وہ سلطنت دین کے بادشاہ، آسمانِ عزت وتمکین کے خورشید
(۳) وہ قطب زماں، محافظ دین اور بادشاہِ کشور فقر
(۴) وہ مجلس جود وسخا کے صدر نشین، شاہراہ مقصود کے ہادی
(۵) وہ جوہر تیغ دین وایماں، وہ گوہر تاج اہل ایقاں

(۶) بحر تجرید کے دریکتا، باغ تفرید کے سرو رعنا

ابتدائی زندگی

وارث الانبیاء والمرسلین حضرت مخدوم سعد الملۃ والدین روح اللہ روحہ وأوصل إلینا فتوحہ قاضی قدوہ کی اولاد امجاد سے ہیں، آپ کے آبا و اجداد قصبہ انام (اناؤ) میں رہتے تھے۔ آپ کے والد ماجد قاضی بڈھن بن شیخ محمد نے جب آپ کو مکتب بھیجا تو ہر روز آپ اپنی تختی لکھتے اور ہر رات اسے ایک ہزار مرتبہ پڑھتے، اس طرح تختی در تختی قرآن مجید حفظ کیا، چند سالوں کے اندر علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر علماے کبار میں شامل ہو گئے، اکثر درسی کتابوں کی شروح اور حواشی لکھی، چناں چہ نحو میں مصباح و کافیہ کی شرح، اصول میں حسامی اور بزدوی کی شرح، تصوف میں رسالہ مکیہ کی شرح مجمع السلوک آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

علمی مقام

علوم شرعیہ میں آپ کو اس قدر تبحر حاصل تھا کہ ایک عارف نے عالم معاملہ میں ایک شب بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی کہ علما کے درمیان شیخ سعد کا کیا مرتبہ ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اجتہاد میں امام احمد ابن حنبل کا درجہ رکھتے ہیں۔

بیعت و خلافت

آپ عہد شباب میں ہی قطب العالم شیخ مینا قدس اللہ سرہ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، ۲۰/سال آپ کی خدمت بابرکت میں رہ کر پر مشقت ریاضات و مجاہدات کیے، مرتبۂ کمال و تکمیل تک پہنچے اور خلعت خلافت سے مشرف ہوئے۔

اتباعِ شیخ

آپ اپنے شیخ کی طرح حصور و مجرد، متورع و متوکل اور وجد و سماع کے شوقین رہے، آپ نے پوری زندگی اپنے شیخ کی طرح ہی اپنے شیخ کے معمولات و عبادات کی پیروی سے سر مو انحراف نہیں کیا۔ مرشدِ گرامی قطب العالم کے ارشاد کے مطابق عوارف المعارف کا درس لینے

کے لیے روزانہ مولانا اعظم ثانی کے پاس جاتے، ایک دن آپ نے عرض کی: حضور آپ کو معلوم ہے کہ یہ خادم کتاب کے الفاظ کو صحیح پڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور معانی کا ادراک خود حضور کے احوال شریفہ کا خاصہ ہے پھر دوسروں کے درس کی پابندی کا حکم کس لیے ہے؟ حضرت شیخ مینا نے فرمایا: بابا یہ دیانت کی بات نہیں ہے کہ علما کی موجودگی کے باوجود حصول علم کو ترک کر کے خود اپنے علم پر اکتفا کیا جائے۔

خیرآباد میں استقامت

بیان کرتے ہیں کہ جب قطب العالم شیخ مینا کا وصال ہو گیا تو لکھنؤ میں حضرت مخدوم شیخ سعد کی موجودگی کی وجہ سے کوئی بھی صاحب سجادہ کی جانب رجوع نہ کرتا، اس لیے قطب العالم شیخ مینا نے خواب میں آپ سے فرمایا کہ تم خیرآباد جا کر طالبان مولیٰ کی ہدایت کا فریضہ انجام دو۔ حضرت مخدوم شیخ سعد حکمِ مرشد کے مطابق خیرآباد روانہ ہو گئے اور قطب العالم شیخ مینا کے ایک مرید شیخ سلیم چودھری کے گھر مقیم ہوئے۔

آپ کی دعا سے بارش کا نزول

اس زمانے میں پوری ولایت خیرآباد راجی موسی نام کے ایک شخص کے سپرد تھی، اس وقت شیخ سلیم، راجی موسی کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے، جیسے ہی انھوں نے مخدوم شیخ سعد کی آمد کی خبر سنی تو وہ بڑی جلدی سے اٹھے، راجی موسی نے وجہ پوچھی تو شیخ سلیم نے کہا کہ میرے پیر کے خلیفہ تشریف لائے ہیں انھیں کی قدم بوسی کے لیے جا رہا ہوں۔ چوں کہ اس سال بارش نہیں ہوئی تھی اس لیے راجی موسی نے کہا کہ اتنے مشائخ کو ہم نے دیکھا لیکن کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس کی دعا سے بارش ہو جائے، شیخ سلیم نے کہا کہ اس طرح کے گستاخانہ کلمات نہ کہو، ہمارے مخدوم ایسے نہیں ہے کہ کسی کو ان کی شان میں گستاخی کی جرأت ہو سکے، اگر ان کی دعا سے بارش ہو جائے تو تم کیا کرو گے؟ اس نے کہا: میں برہنہ پا حاضر ہو کر ان کا مرید ہو جاؤں گا۔

جب شیخ سلیم اس جگہ سے آکر قدم بوسی کی سعادت سے مشرف ہوئے تو حضرت مخدوم

کے ساتھ دو چار صوفی اور دو تین قوال تھے ان سب کے لیے کھانا بنوایا اور مکمل عقیدت کے ساتھ ایک مقام پر ٹھہرایا، عشا کی نماز کے بعد شیخ سلیم نے آپ کی خدمت میں راجی موسی والی گفتگو دہرائی اور عرض کی کہ راجی موسی ایک صالح شخص ہے اور مکارم اخلاق کا جامع ہے، لیکن آج میرے ساتھ اس کی یہ گفتگو ہوئی ہے، حضرت مخدوم نے فرمایا وہ صحیح کہہ رہا ہے، میرے اندر یہ صلاحیت کہاں ہے کہ میری دعا سے کوئی کام بن جائے یا بارش ہو جائے، تم نے اس سے کیوں بحث کی؟ شیخ سلیم اٹھے اور قدم بوسی کرتے ہوئے عرض کی: میری آبرو مخدوم کے ہاتھ میں ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ رؤوف و رحیم ہے، اگر وہ بارش نازل فرمادے تو محض اس کا لطف و کرم ہوگا۔ یہ جملہ مخدوم کی زبان سے ادا ہوتے ہی ہر طرف سے بادل اٹھنے لگا اور پھر پوری رات ولایت خیر آباد میں اس قدر بارش ہوئی کہ ہر طرف پانی بھر گیا۔ نماز فجر کے بعد شیخ سلیم، راجی موسیٰ کے گھر گئے اور کہلایا کہ ان کو بتادیں کہ شیخ سلیم آئے ہیں۔ خبر سنتے ہی راجی موسیٰ گھر سے باہر نکل آئے اور کئی ہزار تنکا نقد، کپڑے اور بہت سارے تحفے نذر کے لیے بھیجے، ساتھ میں جاگیر کا حکم نامہ لیے ہوئے اپنے تمام فرزندوں اور قرابت داروں کے ساتھ ننگے پاؤں حضرت مخدوم کی بارگاہ میں گئے، قدم بوسی کا شرف حاصل کیا، نذر و نیاز پیش کی اور حضرت مخدوم کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے، جاگیر کا فرمان خدمت میں پیش کر کے عرض کی کہ جسے چاہیں یہ جاگیر نامہ آپ عنایت فرمادیں۔ حضرت مخدوم نے جاگیر نامہ پڑھنے کے بعد انھیں کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ یہ تمھارے ساتھ ہی رہے گا جس کو بھی مجھے کوئی چیز دلوانی ہوگی اسے میں تمھارے پاس خط لکھ کر بھیج دوں گا، انھوں نے قبول کرتے ہوئے وہ رقعہ لے لیا۔

توکل واستغنا

اطراف و اکناف سے جو لوگ تحصیل علم اور طلب مولیٰ کے لیے حاضر ہوتے وہ سب آپ کو ملنے والی نذر و نیاز پر گزر بسر کرتے اور آنے والوں کے لیے خاص لنگر خانے میں ڈھیر سارا کھانا بنتا۔ روزانہ جتنی فتوحات اور نذر و نیاز حاصل ہوتے سب اسی روز خرچ ہو جاتے، کل کے لیے باقی نہ رہتا۔ جس دن آپ کا انتقال ہوا گھر سے کفن کے لیے بھی کچھ برآمد نہیں ہوا۔

جملہ درباز و فروکش پای راست　　گر کفن را ہیچ نگزاری رواست

سب کچھ قربان کردو اور مضبوطی کے ساتھ قدم جمادو، اگر کفن کے لیے بھی کچھ نہ چھوڑو تو یہ بھی جائز ہے۔

سکندر لودھی کی بدنیتی

منقول ہے کہ سلطان سکندر لودھی نے حضرت مخدوم کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ آپ کی صحبت میں رہنے کی بڑی خواہش ہے لیکن اس خوف کی وجہ سے کہ میرے ساتھ لشکر زیادہ ہوگا اور اس کی وجہ سے کھیتیاں برباد ہوں گی، میں حاضر خدمت نہیں ہو پارہا ہوں، اگر حضور قدم رنجہ فرمائیں تو میرے لیے عزت و سرفرازی کا باعث ہوگا۔ حضرت مخدوم خط پڑھ کر بادشاہ کی جانب روانہ ہوگئے، بادشاہ نے اپنے لوگوں کو تاکید کردی کہ سواری والی کشتی میں سوراخ کرکے اس میں لوہے کی کیلیں مضبوطی کے ساتھ لگادیں، جب حضرت مخدوم اپنے رفقا کے ساتھ اس کشتی پر سوار ہوں اور دریائے گنگا میں ڈوبنے کے مقام پر پہنچ جائیں تو آہستہ سے کیلیں نکال دیں تاکہ یہ لوگ اپنے اصحاب کے ساتھ ڈوب جائیں، ان کوتاہ نظروں نے ایسا ہی کیا لیکن عنایات الٰہی اور حضرت مخدوم کے تصرفات کی وجہ سے وہ کشتی ڈوبنے کی بجائے کنارے تک پہنچ گئی، دریا کا پانی خشک ہوگیا اور سب لوگ سلامتی کے ساتھ کشتی سے اتر آئے۔ یہ بات ملاحوں اور بادشاہ کے لوگوں کے لیے بڑی حیرت کا سبب بنی، جس روز آپ کو اس دریا میں پہنچنا تھا، اس روز اس روسیاہ بادشاہ نے راجی موسیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: سنا ہے کہ تمھارے پیر کی کشتی ڈوب گئی ہے۔ راجی موسیٰ نے کہا: یہ خبر غلط ہوگی، میرے پیر ایسے مرد خدا ہیں کہ کروڑوں لوگ ان کی کشتی میں بیٹھ کر ساحل نجات تک پہنچ جائیں گے۔ اسی اثنا میں خبر آئی کہ حضرت مخدوم شہر کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ بادشاہ اس ناشائستہ حرکت کی وجہ سے بہت شرمندہ ہوا اور ملاقات کے وقت مکمل تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آیا۔

ورع و تقویٰ

ان ایام میں مسلمانوں کے تابع ایک گاؤں کو لوٹا گیا، وہاں کی چیزیں لشکر میں فروخت

ہوتی تھیں اور آپ کی اقامت گاہ میں بھی کھانے پینے کی چیزیں بازار سے آتی تھیں، حضرت مخدوم نے حرام ہونے کے شبہے کی وجہ سے کچھ بھی تناول نہیں فرمایا اور مکمل بارہ روز تک صرف پانی پر اکتفا فرمایا اور اس بات کو اپنے اور غیر سب سے آپ نے پوشیدہ رکھا، آخر کار قاضی محمد من اللہ ساکن کاکوری جو آپ کے ہمراہ تھے وہ اس حال سے آگاہ ہو گئے اور ایک امیر جو کھانے پینے کے سلسلے میں مکمل محتاط تھا اس کو اس واقعے سے باخبر کیا، اس دن سے اس کے گھر سے آپ کے لیے کھانا آنے لگا۔ اس درمیان جو تکلیفیں آپ کو پہنچیں، اسے برداشت کیا۔

جب بادشاہ کے پاس سے رخصت ہونے کا وقت آیا تو اس نے آپ کو خلوت میں بلایا، اس وقت وہاں پر بادشاہ اور شیخ جمال لکھنوی جو کہ جاہ و منزلت والا شخص تھا اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص موجود نہیں تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ مخدوم نے نکاح کی سنت کیوں ترک فرمائی؟ ابھی آپ نے لب کشائی نہیں کی تھی کہ شیخ جمال بول پڑا: شاید ان کے اندر قوت مردانگی کم ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا: تمھارے اندر زیادہ ہوگی ۔ بادشاہ اس سوال پر نادم ہوا، اور بولا کہ حضرت مخدوم کی بات بے کار نہیں جائے گی، تم لوگ اس سے ہوشیار رہو۔ آخر کار شیخ جمال پر اس قدر شہوت غالب ہوئی کہ حلال و حرام اور محرم و غیر محرم کی تمیز بھی باقی نہ رہی اور تاحیات ذلت و رسوائی میں مبتلا رہا اور اس کو جو عزت و اعتبار حاصل تھا، سب جاتا رہا۔

اسی طرح وہ بادشاہ بھی تباہ و برباد ہو گیا جس نے آپ کی کشتی کے سلسلے میں غلط منصوبے بنائے تھے۔ اس کی سلطنت پر مغل غالب آگئے اور اب تک دوبارہ افغانوں کے ہاتھ میں حکومت نہیں آسکی۔

علماے فنون کی روحوں سے مخدوم شاہ صفی کی امداد

بعض ثقہ لوگوں سے مروی ہے کہ جب آپ کے کانوں تک یہ خبر پہنچی کہ دہلی کا صدر الصدور آپ کی شرح کافیہ کا رد لکھ رہا ہے تو آپ نے مخدوم شاہ صفی سے فرمایا کہ تم دہلی جا کر اس سے مباحثہ کرو۔ حضرت مخدوم شاہ صفی نے فرمایا کہ وہ بڑا متبحر عالم ہے، میں اس سے مباحثہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت مخدوم شیخ سعد نے فرمایا کہ میں صرف و نحو و معانی میں سیبویہ، اخفش، عبد

القاہر جرجانی اور علامہ زمخشری کو تمھارے ساتھ بھیج رہاہوں، تفسیر و حدیث و فقہ واصول میں حضرت عبداللہ بن عباس، محمد بن اسماعیل بخاری، امام ابوحنیفہ اور شافعی تمھارے ساتھ ہیں اور علوم عقلیہ میں ارسطواور افلاطون تمھاری مدد کریں گے۔ ہر علم وفن میں اس کے ائمہ تمھارے معین و مددگار ہوں گے، یہ بات سن کر حضرت مخدوم شاہ صفی دہلی روانہ ہوگئے ،اس صدر الصدور سے ملاقات کی، وہ نام سنتے ہی قدموں پر گر گیا اور اپنی غلطی کے لیے معافی کا خواستگار ہوا، بڑی معذرت پیش کی اور بولا:گزشتہ رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرمارہے ہیں: ہمارے سعد کا دل نہ دکھاؤ، اس نے تم کو پھاڑنے کے لیے ہر فن کے علما کے ساتھ ایک شیر بھیجا ہے جس کی شکل وصورت ایسی ہے، وہ شیر تمھارے پاس پہنچنے والا ہے۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو اس خیال سے توبہ کرلو، میں فورا خواب سے بیدار ہوا اور رد میں لکھے گئے ان اوراق کو ضائع کردیا، اور اپنے اوپر یہ لازم کرلیا کہ جب تک زندہ رہوں گا خود اس کتاب کو تلاوت کی طرح پڑھتا رہوں گا۔ میرا قصور معاف کردیں اور حضرت مخدوم سے بھی معافی دلوادیں۔

نمونۂ شاعری

آپ کے کلام کرامت نظام میں سے درج ذیل شعر ہے:

برو اے عقل نامحرم کہ امشب در خیال او
چناں خوش خلوتی دارم کہ من ہم نیستم محرم

(اے عقل نامحرم! تو جا کہ آج کی شب اس کے خیال و تصور میں مجھے ایسی یکسوئی حاصل ہے کہ میں خود اپنا محرم نہیں ہوں۔)

۱۶/ربیع الاول اوائل دسویں صدی ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔(۱) آپ کا مرقد مبارک خیر آباد میں خلق خدا کی زیارت گاہ ہے۔

---

(۱) آپ کا وصال ۹۲۲ھ میں ہوا۔ دیکھیں: تذکرۂ مینائیہ، ص:۷۶

احوال مخدوم شاہ صفی قدس اللہ سرہ

صدر نشین مسند ہدایت، جامع خصائص ولایت، اختر برج کرامت، گوہر درج شہامت، مست شراب وحدت، مخمور بادۂ مودت، جرعہ نوش خم خانۂ فقر و فنا، مرقع پوش میخانۂ قناعت واستغنا، مصباح کاشانۂ صفات لاریب، مفتاح قفل باب غیب الغیب۔

جنید زمان شبلی روزگار — بملک حقیقت شہ نامدار
گل تازۂ گلشن اتقا — مہ روشن چرخ عز وعلا
خوشا سرور صدر ایوان دین — کہ زیر نگین داشت ملک یقین
بہ علم و عمل شاہ ذو الاحترام — وحید زمان افتخار انام
محب خدا بود ومنظور او — دلی داشت گنجینۂ نور او
تنش زینت خلعت مہتری — سرش رونق افسر سروری
عیاں نور عرفاں ز سیمای او — سریر ولایت بود جای او
قدش سرو از بوستان صفا — رخش آفتاب سپہر ہدیٰ
منور ز اسرار حق سینہ اش — دل صاف و خوشتر ز آئینہ اش
نبودش مقالی بجز ذکر حق — نبودش خیالی بجز فکر حق

(۱) جنید زماں، شبلی روزگار، ملک حقیقت کے بادشاہ نامدار

(۲) گلشن اتقا کے گل تازہ، آسمان عزت وبلندی کے ماہ روشن

(۳) ایوان دین کے کتنے اچھے سردار جو اپنے قبضے میں ملک یقین رکھتے تھے۔

(۴) علم وعمل کے میدان میں آپ محترم بادشاہ ہیں، آپ یکتائے زمانہ فخر انام ہیں۔

(۵)آپ محب خدا اور اس کے منظور نظر تھے، آپ کا دل اس کے نور کا گنجینہ تھا۔
(۶)آپ کا بدن لباس بزرگی کے لیے زینت اور آپ کا سر تاج شاہی کو رونق بخشنے والا ہے۔
(۷)نور معرفت آپ کے چہرے سے عیاں ہے، آپ کا مقام تخت ولایت تھا۔
(۸)آپ کا قد بوستانِ صفا کا سرو، آپ کا رخ زیبا آسمان ہدایت کا آفتاب
(۹)آپ کا سینہ اسرار حق سے منور، آپ کا دل آئینے سے بھی زیادصاف و خوشتر
(۱۰)نہ ذکر حق کے سوا آپ کی کوئی گفتگو اور نہ فکر حق کے علاوہ آپ کا کوئی خیال

بیعت وخلافت

شیخ المشائخ، قطب العرفاء الواصلین، غوث الاسلام والمسلمین، پیر دستگیر شاہ عبد الصمد صفی بن شیخ علم الدین[۱] قدس اللہ ذاتہ وأفاض علینا برکاتہ عہد شباب میں طلب صادق اور جذبۂ الٰہی کے ساتھ حضرت مخدوم شیخ سعد قدس سرہ کی بافیض بارگاہ میں پہنچے، علوم شرعیہ کی تحصیل کی اور آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے، طویل عرصے تک شیخ کی خدمت میں رہے، وہاں پُر مشقت ریاضتیں، چلّے اور مجاہدات کیے، مرتبۂ کمال تک پہنچے اور خلعت خلافت سے مشرف ہوئے۔ اپنے شیخِ طریقت مخدوم سعد کی طرح زندگی بھر حصور ومجرد رہے۔

اوصاف وکمالات

آپ کے اندر ذوق وشوق اپنے پورے کمال کے ساتھ موجود تھا، آپ کی شخصیت پر جلال غالب تھا، جس پر آپ کی نگاہ پڑ جاتی وہ بے خود ہو کر دیر تک بے ہوش پڑا رہتا، مرتبہ قطبیت پانے کے باوجود آپ نے اپنا لباس تبدیل نہیں کیا، آپ فرماتے کہ یہ لباس مردان حق کا لباس ہے، میں ابھی مردان حق کے مقام تک نہیں پہنچا ہوں کہ لباس بدل لوں۔ جلال کے باوجود آپ کے اندر اس قدر انکسار تھا کہ حضرت مخدوم شیخ سعد قدس سرہ کی خانقاہ میں ”صفیا“ نام کا ایک نو عمر لڑکا تھا، جب بھی کوئی اس لڑکے کو آواز دیتا تو آپ خود جواب دیتے اور بلانے والے کے پاس حاضر ہو

---

(۱)طباعت کی خطا سے فارسی نسخہ میں ”علیم الدین“ ہو گیا ہے۔ کتبِ عامہ کے مطابق صحیح وہی ہے جو درج ہوا ہے۔

جاتے، اور آپ کے دل میں یہ خیال بالکل نہ پیدا ہوتا کہ کوئی مجھ کو صفیا کہ کر نہیں بلا سکتا ہے۔

حضرت طٰہٰ بلگرامی کے سید ہونے پر دلیل

منقول ہے کہ بابر بادشاہ کے زمانے میں چند مغل حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، صحیح النسب سیدوں کے بارے میں گفتگو ہوئی تو میں نے کہا کہ ہندوستان میں کوئی صحیح النسب سید نہیں ہے، حضرت مخدوم نے بہت فرمایا کہ یہاں بھی سادات ہیں، لیکن وہ لوگ نہیں مانے۔ بہت بحث کے بعد بولے کہ ہمارے علاقے میں ایسے سادات ہیں کہ اگر ان کے بال تراش کر آگ میں ڈال دیے جائیں تو نہ جلیں، حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہاں بھی ایسے سادات ہیں اور پھر سید طٰہٰ بلگرامی[۱] کو بلا کر ان کے بال ترشوائے اور دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا ایک بال بھی نہیں جلا، اور جب اس بال کو اٹھایا تو وہ بال برف کی طرح ٹھنڈا تھا، یہ دیکھ کر اپنے بے جا دعوے سے مغل حضرات ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کبھی اپنے سر حضرت مخدوم کے پاؤں پر رکھتے اور کبھی سید طٰہٰ بلگرامی کے قدموں پر رکھتے۔

حضرت شاہ حسین[۲] اور تلاش مرشد

بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ حسین جو اوّلاً ایک رند مشرب شخص تھے مرشد کی تلاش میں ہندوستان کے اکثر علاقوں میں گئے لیکن طبیعت کے مطابق کوئی مرشد نہیں پایا۔ آخر کار دہلی پہنچے، ایک رات قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ کے مرقد مبارک کے احاطے میں خواجہ کی جانب متوجہ ہو کر سوئے، خواب میں خواجہ قطب نے فرمایا کہ میں تم کو شیخ مینا کے فرزندوں کے حوالے کرتا ہوں، وہاں سے روانہ ہو کر قنوج پہنچے، لوگوں سے پوچھا کہ قطب العالم شیخ مینا کے خلفا میں کون لوگ ہیں؟ ایک طالب علم نے بتایا کہ سائیں پور (صفی پور)

---

(۱) سید طہ، صاحب سبع سنابل میر سید عبد الواحد بلگرامی کے حقیقی چچا اور مخدوم صاحب کے مرید و خلیفہ ہیں، آپ کا مزار صفی پور میں آپ کے پیر و مرشد کے مزارِ مبارک کے بائیں جانب ہے۔

(۲) حضرت شاہ حسین سکندر آبادی، میر سید عبد الواحد بلگرامی کے پیرِ خلافت ہیں، آپ کے احوال میر صاحب نے سبع سنابل میں ذکر کیے ہیں۔

میں مخدوم شاہ صفی کی کرامتیں اور ان کے تصرفات ظاہر وباہر ہیں، وہ طالبان مولیٰ کے ارشاد و ہدایت میں مشغول رہتے ہیں، شاہ حسین وہاں سے فتح پور آئے، غسل کیا، پاک کپڑا پہنا، تمام گناہوں سے توبہ کی اور اپنے دل میں تین نیتیں لے کر حضرت مخدوم کی صحبت میں رہنے کے لیے سائیں پور روانہ ہوگئے۔ پہلی نیت یہ تھی کہ حضرت مخدوم کی خدمت میں چند بیڑہ پان پیش کروں گا، ایک وہ خود تناول فرمالیں، دوسرا مجھ کو دے دیں اور باقی دوسروں کو دے دیں۔ دوسری نیت یہ تھی کہ میں بد معاش کی حیثیت سے مشہور ہوں اور جہاں جاتا ہوں لوگ مجھے چور سمجھتے ہیں لہٰذا میرے بارے میں حضرت مخدوم ایسی بات فرمادیں کہ خانقاہ کے لوگوں کا وہم دور ہو جائے۔ تیسری نیت یہ تھی کہ بغیر طلب کے مجھ کو کلاہ ارادت عطا کردیں۔ جب سائیں پور (جو اِس وقت صفی پور سے مشہور ہے) پہنچے اور یہ سوچا کہ پان کی پتیاں خریدنا کیا ضروری ہے کچھ شیرنی خرید کرلے جاتا ہوں، اب حلوائی کی دوکان بہت تلاش کی کہ میٹھائی خریدلیں لیکن پان کی دوکان کے علاوہ کوئی دوکان نہیں مل سکی، آخر کار چند بیڑہ پان خرید کر قدم بوسی کا شرف حاصل کیا اور پان کے بیڑے حضرت مخدوم کے سامنے رکھ دیے، حضرت مخدوم نے اس میں سے ایک پان خود تناول فرمایا، دوسرا ان کو دیا اور باقی اہل خانقاہ میں تقسیم فرمادیا اور اٹھتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنا مصلی اور اپنی نعلین چھوڑے جارہا ہوں تم حفاظت کرتے رہنا پھر تھوڑی دیر کے بعد تشریف لائے اور بن مانگے ان کے سر پر کلاہ رکھ دی اور مرید بنالیا۔

اگال دان سے آگ لگ جانا اور زمین کا دھنس جانا

منقول ہے کہ ایک بوڑھی عورت جو حضرت مخدوم شاہ صفی سے عقیدت رکھتی تھی، ایک حاکم نے ظلم کرتے ہوئے اس کا گھر اجاڑ دیا اور اسے اپنے گھر کے احاطے میں شامل کرلیا، اس بوڑھی عورت نے آپ کی خدمت میں فریاد کی، حضرت مخدوم نے تین بار اس حاکم کو خبر بھیجوائی کہ اس کا گھر خالی کردے، لیکن سر پر حکومت کا نشہ سوار ہونے کی وجہ سے اس نے حضرت مخدوم کی سفارش پر کوئی توجہ نہیں دی، آپ غضب ناک ہوگئے، پان کا اگالدان اس ضعیف عورت کو دیا کہ لے جاکر اس حاکم کے گھر پر ڈال دے۔ حضرت مخدوم شیخ سعد قدس سرہ نے اس واقعہ کو اپنے نور

باطن سے جان لیا، اس ضعیف عورت کو بلوا کر وہ اگالدان اس سے لے لیا اور خود اس حاکم کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم نے صفی کی سفارش نہیں سنی، اس نے تمھارے گھر کو جلانے کے لیے یہ اگالدان اس ضعیفہ کو دے دیا ہے۔ پھر حضرت مخدوم شیخ سعد نے اس حاکم کی موجودگی میں اپنے ہاتھوں سے اس اگال دان کو گھاس پر انڈیل دیا، اگال دان پلٹتے ہی ساری گھاس جل کر خاکستر ہوگئی اور زمین دھنس گئی، آپ نے فرمایا کہ اگر میں نے اس عورت کے ہاتھ سے اگال دان نہ لیا ہوتا اور اس نے تمھارے گھر پر اسے ڈال دیا ہوتا تو سارے لوگ اور سارا ساز و سامان جل جاتا اور گھر زمین میں دھنس جاتا۔ لہٰذا تمھارے لیے بھلائی یہ ہے کہ اس کا گھر چھوڑ دو اور جس طرح اس کا گھر تھا اسی طرح تعمیر کر دو، اس گاؤں کا حاکم نہایت خوف زدہ ہو گیا اور جیسا مخدوم شیخ سعد نے فرمایا تھا ویسا ہی کیا اور اپنی غلطیوں کی معافی چاہی۔

جوگی کی گدڑی میں آگ

یہ بھی مروی ہے کہ ایک دن حضرت مخدوم شاہ صفی دریا کے کنارے غسل کر رہے تھے کہ ایک جوگی آکر بولا: میں شیخ سعد سے ملاقات کے لیے جا رہا ہوں، دیکھتا ہوں کہ ان کے پاس آگ ہے یا نہیں؟ یہ کہہ کر وہاں سے روانہ ہو گیا، خیر آباد پہنچا، اس نے پہلے اپنی استدراجی قوت سے پورے شہر کی آگ بجھا دی، پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر آگ مانگی، حضرت مخدوم نے ایک مرید سے فرمایا کہ اس کو آگ لا کر دے دو، وہ مرید دو تین گھر گھوم کر آیا اور عرض کی کہ آگ نہیں ہے، وہ جوگی لوٹ کر پھر حضرت مخدوم شاہ صفی کے پاس آیا، آپ نے اس سے پوچھا کہ میرے سعد کو دیکھ لیا؟ اس نے کہا: ہاں دیکھ لیا، میں نے ان کو ٹھنڈا پایا، آپ نے فرمایا: تو میرے شیخ کو ٹھنڈا کہتا ہے؟ تیری تو گدڑی میں آگ لگی ہے۔ یہ کہتے ہی اس کا لباس جل گیا اور بدن بھی جلنے لگا، اس نے شور مچانا شروع کیا، حضرت مخدوم شیخ سعد قدس سرہ نے اس بات کو اپنی نور باطن سے جان لیا، بے اختیار دوڑے، اس کی آگ بجھائی اور حضرت مخدوم شاہ صفی کو تنبیہ کی کہ میں اس جوگی کے ارادے سے واقف تھا اور میں اس کو آگ دکھا سکتا تھا، لیکن اس کے یہ جاننے سے کہ میری آگ سرد ہے مجھے کوئی نقصان نہیں، فقیر کے اندر اس قدر جلال نہیں ہونا چاہیے۔

کھارا کنواں شیریں ہوگیا

یہ بھی مشہور ہے کہ سائیں پور کے لوگوں نے ایک دن آپ کی خدمت میں آکر شکایت کی کہ یہاں کنویں کا پانی کھارا ہے، آپ نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا تو وہ کنواں شیریں اور خوش مزہ ہوگیا، وہ کچا کنواں آج بھی موجود ہے۔ ان کے علاوہ آپ کی اور بھی دوسری بے شمار کرامات و تصرفات ہیں۔

وصال

آپ کی وفات ۱۸ر محرم الحرم ۹۳۳ھ کو ہوئی۔[1] مزار مبارک سائیں پور (صفی پور، اناؤ، یوپی) میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ آپ کی قبر مبارک پر اس قدر ہیبت وجلال ہے کہ اب بھی زیارت کے وقت جسم پر رعشہ طاری ہوجاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ گزشتہ زمانے میں ایک عورت گنبد کے اندر قبر کی زیارت کے لیے چلی گئی تو اس کے بدن پر آبلے پڑ گئے، چنانچہ اسی زمانے سے عورتیں روضے کے باہر سے ہی زیارت کرتی ہیں۔

وِرد سیفی

"صفی سعد مینا، مینا سعد صفی" مشکلات ومہمات کے حل کے لیے مجرب وآزمودہ ہے، اس کو پڑھنے کی ترکیب صفوی خانوادے میں مشہور ہے۔

شیخ سراج سوختہ اور شاہ مدار

یہ بات ذہن نشیں رہے کہ اس سلسلۂ عالیہ کے مریدین اور سلسلۂ مخدوم جہانیاں قدس سرہ کے دیگر ارادت مند حضرت شاہ بدیع الدین مدار قدس سرہ کے مزار کی زیارت کے لیے خاص طور سے مکن پور نہیں جاتے ہیں اور نہ منتیں مانتے ہیں البتہ سرِ راہ ان کا مزار آجائے تو جاکر فاتحہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

---

(۱) بعض دیگر مورخین نے بھی آپ کی تاریخ وفات ۹۳۳ھ لکھی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کی وفات ۹۴۵ھ میں ہوئی۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: تذکرہ مینائیہ، ص:۹۷

اس کی وجہ سید عبد الواحد بلگرامی قدس سرہ نے سبع سنابل میں یہ لکھی ہے کہ جس زمانے میں حضرت شاہ مدار کالپی میں مقیم تھے، اس زمانے میں وہاں کے حاکم قادر شاہ بن سلطان محمود نبیرۂ فیروز شاہ جو ایک صالح شخص تھا اور فقرا سے محبت و عقیدت رکھتا تھا اور اسی وجہ سے اکثر ان سے ملنے کے لیے آتا لیکن آپ اس کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے اور اس سے گفتگو نہیں فرماتے وہ بالآخر مایوس ہو کر واپس لوٹ جاتا، ایک دن وہ آیا تو دیکھا کہ آپ ایک جوگی کے ساتھ پوری توجہ سے گفتگو میں مشغول ہیں، اس نے اپنے دل میں سوچا: یہ کیسے درویش ہیں، میں طالب دین بن کر آتا ہوں تو میری طرف متوجہ نہیں ہوتے اور ایک بے دین ہندو سے گفتگو کر رہے ہیں؟ ایسے شخص کو ہمارے شہر میں نہیں رہنا چاہیے، پھر وہ لوٹ گیا، اس جوگی نے اپنی استدراجی طاقت سے اپنا تصرف یہ ظاہر کیا کہ قادر شاہ کے بدن میں سفید داغ پڑ گئے، حاکم نے اپنے پیر شیخ سراج الدین خلیفۂ مخدوم جہانیاں کی خدمت میں جا کر اپنی پریشانی بیان کی، شیخ سراج الدین نے اپنا لعاب دہن داغ پر لگا دیا، لعاب دہن لگاتے ہی داغ ختم ہو گیا، رات کے وقت شاہ مدار ننگی تلوار ہاتھ میں لیے ظاہر ہوئے اور قادر شاہ کو قتل کرنا چاہا، شیخ سراج الدین نے فرمایا یہ ہمارا مرید ہے، اور اسے بے گناہ قتل نہیں کیا جانا چاہیے، شاہ مدار نے کہا: اس نے مجھ کو تکلیف پہنچائی ہے، میں اس کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ پھر گفتگو طویل ہو گئی اور شاہ مدار نے فرمایا کہ فقیر کی تلوار نیام سے جب نکل جاتی ہے تو خالی نہیں جاتی ہے۔ شیخ سراج نے فرمایا: میں نے اس تلوار کو اپنے اوپر لے لیا، میں اس بات کو صحیح نہیں سمجھتا کہ میرے مرید کو ایذا پہنچائی جائے۔ شاہ مدار نے اپنے ہاتھ سے تلوار چھوڑ دی اور کہا: میں نے تم کو سوخت کر دیا۔ شیخ سراج نے فرمایا: میں نے تمھارے سلسلے کو سوخت کر دیا، اور تمھارے مریدوں کو گمراہ کر دیا، اور سب کو وادی ضلالت میں ڈال دیا۔ شاہ مدار نے کہا: میں نے چند لوگوں کو مرید کیا ہے لیکن خلافت کسی کو نہیں دی ہے، اب آئندہ نہ کسی کو مرید کروں گا اور نہ خلافت دوں گا۔ نتیجتاً جب تک شیخ سراج زندہ رہے ان کا باطن سوخت رہا اور اسی وجہ سے ان کو سراج الدین سوختہ کہا جاتا تھا، دوسری طرف شاہ مدار کے جو کچھ مریدین تھے گمراہی میں گرفتار ہو گئے اور خرقۂ خلافت ملے بغیر ہی لوگوں کو مرید کرنا شروع کر دیا، جب شاہ مدار کی

وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اطراف واکناف میں اپنے ہاتھ سے لکھ کر خطوط روانہ کیے کہ میں نے کسی شخص کو خلافت نہیں دی ہے، کوئی میرے سلسلے میں مرید نہ ہو اور خود کو گمر ہی میں نہ ڈالے، چنانچہ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک رقعہ حضرت مخدوم شیخ سعد کے ہاتھ میں پہنچا تھا، اکثر لوگوں نے اسے دیکھا ہے اسی لیے آپ مداریہ گروہ کے فقرا کو اپنے حلقے میں نہیں بٹھاتے تھے۔انتھی کلامه ملخصا (تلخیص کے ساتھ میر عبدالواحد بلگرامی کی بات مکمل ہوئی۔)

احوال مخدوم سید نظام الدین شیخ الهدیہ قدس اللہ سرہ

مقتدائے حاملین شریعت، رہنمائے سالکین طریقت،صاحب مدارج عرفان ومالکِ مقامات ایقان، شہسوار میدان فتوت، گل بوستان نبوت، مصدر کمالات ظاہرہ، مظہر تصرفات باہرہ، مستغرق بحر توحید، سلطان ممالک تفرید ے

نہال تازۂ باغ ولایت　　چراغ روشن بزم ہدایت
کلامش مسند ارباب عرفاں　　مقامش قبلۂ اصحاب ایقاں
بہ میدان طریقت شہ سواری　　بہ اقلیم شریعت شہریاری
صف اہل صفا را پیشوائی　　گروہی گمرہاں را رہنمائی
بہ صہبائے محبت مست ومدہوش　　بیاد حق ز خود یکسر فراموش
دلش خو کردۂ سوز و گدازی　　بہ معشوق حقیقی عشق بازی
قبائۂ بی خودی در بر کشیدہ　　بہ ذوق و شوق خالق آرمیدہ

(۱) باغ ولایت کے نہال تازہ، بزم ہدایت کے روشن چراغ
(۲) آپ کا کلام ارباب عرفان کی سند، آپ کا مقام ارباب یقین کا قبلہ
(۳) میدان طریقت کے شہسوار، اقلیم شریعت کے شہریار
(۴) اہل صفا کی جماعت کے پیشوا، گمراہ جماعت کی رہنمائی کرنے والے
(۵) جام محبت میں مست و مدہوش، ذکر حق میں بالکلیہ خود فراموش
(۶) آپ کا دل سوز و گداز کا خوگر، معشوق حقیقی کا عاشق

(۷) بے خودی کی قبا زیب تن کیے ہوئے، خالق کے ذوق و شوق میں آرام پائے ہوئے۔

مخدوم شیخ سعد کی خدمت میں

زبدۃ الکاملین حضرت مخدوم شیخ نظام الدین معروف بہ شیخ الھدیہ نور اللہ برھانہ و جعل بحبوبۃ الجنان مکانہ (اللہ تعالیٰ آپ کی برہان کو پر نور بنائے اور آپ کو جنت نشین بنائے۔) عہد طفولیت میں ہی اپنے والد ماجد سید میرن کے ساتھ حضرت مخدوم شیخ سعد قدس سرہ کی بارگاہ میں پہنچ کر حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور آپ کے اشارۂ سراپا بشارت کے مطابق تحصیل علم کے لیے پنجاب گئے، علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تحصیل و تکمیل کے بعد وہاں سے جب لوٹے تو اس وقت حضرت مخدوم کا انتقال ہو چکا تھا۔ انتقال سے پہلے آپ نے حضرت مخدوم شاہ صفی قدس سرہ کو وصیت کی کہ شیخ الھدیہ کے آنے کے بعد ان کو تلقین و تعلیم کریں اور ان کی تکمیل کا کام انجام دے کر ان کو خرقۂ خلافت پہنائیں۔

مخدوم شاہ صفی کی بارگاہ میں

اتفاق سے آپ جس دن حضرت شاہ صفی قدس سرہ کی قدم بوسی سے سرفراز ہوئے، اس دن حضرت مخدوم شیخ سعد قدس سرہ کے عرس کی محفل چل رہی تھی، حضرت مخدوم نے فرمایا کہ تم عرس کی محفل میں حاضر ہو جاؤ، انھوں نے معذرت کی کہ وہاں نغمہ و سماع کی محفل سجی ہے میں اس بدعت میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ شیخ نے فرمایا کہ میں آگے چل کر نغمہ نوازوں کو منع کر دوں گا تم پیچھے سے آؤ۔ آپ خود تشریف لے گئے، جاکر قوالوں کو گانے سے منع کر دیا، وہ سب آلات نغمہ چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ یکایک ڈھول و تنبورہ خود بخود بجنے لگے، حضرت سید نظام الدین یہ ماجرا دیکھ کر بے ہوش ہو کر اس طرح گر پڑے کہ ماسوا کی کوئی خبر نہ رہی۔ عرس کی محفل ختم ہوئی تو مخدوم شاہ صفی اٹھ کر چلے گئے اور وہاں پر موجود لوگوں سے کہا کہ جب سید الھدیہ ہوش میں آئیں تو کہنا کہ شیخ مجھگواں چلے گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد ان کو اس بات کی خبر ہوئی تو وہ بھی مجھگواں کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو خبر ملی کہ شیخ یہاں سے لکھنؤ روانہ ہو گئے، وہاں سے لکھنؤ آئے تو

معلوم ہوا کہ شیخ یہاں سے صفی پور چلے گئے، جب حضرت سید الہدیہ صفی پور پہنچے تو خبر ملی کہ آپ خیر آباد چلے گئے، چوں کہ حضرت شاہ صفی کی زندگی میں ہی ان کا روضہ (صفی پور میں) تعمیر ہو رہا تھا تو حضرت سید الہدیہ بھی دیگر مزدوروں کی طرح اینٹ پتھر اٹھاکر خدمت انجام دینے میں لگ گئے اور کوئی مزدوری نہیں لی، کچھ دنوں کے بعد حضرت مخدوم شاہ صفی تشریف لائے، یہ حال دیکھا تو فرمایا: تم نے اپنی بنیاد مضبوط و مستحکم کرلی ہے اور آپ بہت خوش ہوئے، دعائیں دیں، بعد میں اس روضہ کے اندر ایک کمرے میں جو ابھی بھی موجود ہے، حضرت سید الہدیہ کو چِلّے میں بٹھایا اور ایک ہی چلے میں واصلان حق میں شامل فرما دیا، مرتبۂ کمال تک پہنچایا پھر خرقۂ خلافت سے مشرف فرمایا اور موضع باڑی (جو کہ خیر آباد سے دس کوس کی دوری پر ہے) کی ولایت عطا فرما کر آپ کو روانہ کیا۔ آپ نے حضرت شیخ سعد قدس سرہ کے مرقد مبارک کی محبت میں خیر آباد کو ہی اپنا وطن بنالیا۔

اکبر بادشاہ کے دربار میں

جس زمانے میں اکبر بادشاہ دین سے برگشتہ ہوا، اس نے اطراف و اکناف کے نامور علما کو بلایا اور ان کو ایسے کاموں کا حکم دیا جن کی ان کے اندر سکت نہیں تھی، آپ کو بھی اکبر کے دربار میں طلب کیا گیا، فوجی دستہ شاہی فرمان لے کر خیر آباد روانہ ہوا، آپ نے نور باطن سے اس بات کو جان لیا اور فرزند ارجمند سید ابوالفتح سے فرمایا کہ بادشاہ کے سپاہی ہماری طلب میں آرہے ہیں، یہ لوگ یہاں شہریوں کو تکلیف دیں گے، اس لیے ان کے یہاں پہنچنے سے پہلے ہم لوگ روانہ ہو جاتے ہیں، ان سے راستے میں ملاقات کریں گے۔ آخر کار اپنے فرزند کو ساتھ لے کر آپ روانہ ہو گئے، دریا کے کنارے پہنچے اور وہیں سپاہیوں کے انتظار میں ٹھہرے رہے، سپاہیوں کے پہنچنے کے بعد شاہی فرمان پڑھ کر فرمایا کہ مجھے سواری کے ساتھ کشتی پر بٹھا دو تاکہ ہمارے ہاتھ پاؤں اس پانی سے تر نہ ہوں جس میں غیر مسلم غسل کرتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں، جب لوگوں نے ایسا کیا تو دریا میں اس قدر شور اٹھا اور موجوں کا تلاطم برپا ہوا کہ بڑا طوفان آگیا، آپ نے پوچھا کہ اس دریا میں ہمیشہ ایسے ہی تلاطم ہوتا ہے یا آج ہوا ہے۔ سید ابوالفتح نے عرض کی کہ یہ دریا اپنی کم نصیبی پر آہ و نالہ کر رہا ہے کہ ایسے عظیم بزرگ اس کے اوپر سے گزر رہے ہیں لیکن ان کا پاؤں اس

کے پانی میں تر نہیں ہو رہا ہے، اور پھر یہ عرض کی کہ آپ نے فرمایا کہ میرا پاؤں اٹھا کر پانی میں رکھ دو، جیسے ہی آپ کا قدم مبارک پانی پر پہنچا، دریا ساکن ہو گیا اور شور جاتا رہا، اس کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے اکبر آباد پہنچے، جب یہ خبر شیخ فیضی کو پہنچی تو اس نے بادشاہ کو آپ کی تشریف آوری کے بارے میں بتایا۔ بادشاہ نے کہا کہ ان کی کوئی تعظیم و تکریم نہ کی جائے لیکن جیسے ہی آپ بادشاہ کے دربار میں پہنچے بادشاہ بے اختیار کھڑا ہو گیا اور مکمل تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آیا۔ اجلاس کے بعد آپ نے بادشاہ کو بہت سے پند و نصائح فرمائے، دین متین کی ترویج و اشاعت اور قانون شریعت کی مخالفتوں پر مشتمل بدعتوں کے خاتمے کی رغبت دلائی اور بہت خشیت دلائی، اور نذر و نیاز، عطیات و تحفہ جات لیے بغیر مجلس سے نکل آئے۔ فیضی نے بادشاہ سے آپ کی تعظیم و تکریم کے سلسلے میں پوچھا تو بادشاہ نے کہا کہ آپ کے دائیں بائیں دو شیر تھے، اگر میں آپ کی تعظیم کے لیے کھڑا نہ ہوتا تو وہ مجھے ہلاک کر دیتے۔

فیضی کی دعوت

دوسرے روز شیخ فیضی نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آج رات میرے گھر پر دعوت ہے، قبول فرمائیں۔ آپ نے قبول فرما لیا اور اس کے گھر تشریف لے گئے۔ اس بدنصیب نے کتے بلی اور چوہوں کو مار کر اس کا قلیہ اور پلاؤ بنوایا اور خدمت میں پیش کیا۔ آپ ہاتھ دھو کر دسترخوان پر بیٹھے اور کھانے کے برتنوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ شریعت نے تم کو کھانا حرام قرار دیا ہے اس لیے تم سب جہاں سے آئے ہو اٹھ کر چلے جاؤ۔ یہ جملہ کہتے ہی کتے، بلی اور چوہے زندہ ہو کر ایک کنارے میں جمع ہو گئے۔ وہ بدنصیب اس حال کو دیکھ کر قدموں پر گر گیا ، اور معذرت کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم پانی کی طرح سے ہیں جو ہمارے اوپر آتا ہے گذر جاتا ہے اور ہم کو اس سے کوئی تکدر نہیں ہوتا ہے۔ تم معذرت کیوں کر رہے ہو؟ پھر آپ وہاں سے کھانا تناول کیے بغیر ہی اٹھ گئے اور چند دنوں کے بعد چھٹکارا پا کر خیر آباد پہنچے۔

آپ فقر و فاقہ اور توکل کی وہ شان رکھتے تھے کہ کبھی بھی کسی مخلوق کے سامنے اپنی کوئی حاجت پیش نہیں کی۔

وصال

آپ نے طویل عمر پائی۔ آپ کی وفات ۷ ربیع الاول ۹۹۳ھ کو ہوئی۔ آپ کا مزار خیر آباد میں ہے جہاں لوگ زیارت اور حصولِ برکت کے لیے آتے ہیں، شیخ فیضی نے آپ کے وصال کے چھ مہینے بعد آپ کی قبر مبارک پر بلند و بالا گنبد بنوایا۔

سید ابوالفتح خیر آبادی

آپ کے صاحبزادے سید ابوالفتح قدس سرہ بڑے صاحب کشف و کمال اور صاحب وجد و حال بزرگ تھے۔ کہتے ہیں کہ والد ماجد کے عرس کی محفل میں قوال یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

جاں بہ جاناں دہ وگرنہ از تو بستاند اجل

خود تو منصف باش اے دل ایں نیکو یا آن نیکو

(اپنی جان محبوب کے سپرد کردو، ورنہ موت تم سے چھین کر لے لے گی، اے دل! تو خود ہی انصاف کر کہ یہ بہتر ہے یا وہ)

اس شعر پر آپ کو بڑا ذوق حاصل ہوا، بے اختیار زبان مبارک سے یہ جملے نکلے: ایں نیکو ایں نیکو (یہ اچھا ہے یہ اچھا ہے) دادم دادم (میں نے جان دیدی جان دیدی) اور پھر اپنی جان محبوب حقیقی کے سپرد کر کے ریاض جنت میں آرام فرما ہوگئے۔

آپ کا مزار مبارک آپ کے والد کے روضہ کے اندر ہے۔[1]

---

(۱) آپ کا وصال سنہ ۱۰۱۱ھ میں۔ تذکرہ مینائیہ، ص: ۱۹۳

انتخابِ مجمع السلوک

مسمّٰی بہ

فوائدِ سعدیہ

دیباچہ

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

اللہ تعالیٰ کی بے شمار حمد اور اس کا بے پناہ شکر ہے کہ اس نے اپنے دوستوں کے دلوں کو دنیا کی آلائش سے پاک رکھا اور ان کے آئینۂ دل کو اپنی ذات کے علاوہ کسی اور کو دیکھنے سے محفوظ کر دیا ہے۔ اس نے عزت و کبریائی کے عرش پر جلوہ گر ہو کر ان نفوس قدسیہ کو حق کی حقیقت دکھائی اور اپنے اسما و صفات کو اُن پر روشن فرما دیا تاکہ وہ خود بھی اس کے انوار معرفت سے روشن ہو جائیں۔ اللہ عزوجل نے اپنے جلوۂ حسن کو ان کے لیے آشکار کر دیا تاکہ وہ اس کی محبت کی آگ میں خاکستر ہو جائیں۔

وہ ذات واحد جس کی شان یکتا نے ہر طالب حق کی پیشانی پر عبرت کی لکیر کھینچ دی۔ ایسا موجود کہ اس کے لطف و کرم کی کشش سے ہر طالب اپنے مطلوب تک پہنچ گیا، اس کے حسن و جمال کے انوار میں لطف و کرم کی ایسی تابشیں ہیں کہ جس وقت اسے ظاہر کر دے غلبۂ مشاہدہ کی وجہ سے کسی کو خود اپنی خبر نہ رہے اور اس کے قہر و جلال کا حال یہ ہے کہ جس وقت اس کے قہر و جلال کی بجلی گر جائے، کائنات کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ اس کا پردے میں رہنا بھی اس کے نور کی وجہ سے ہے اور اس کا نگاہوں سے اوجھل ہونا بھی اس کی شدت ظہور کی وجہ سے ہے۔

گر جملہ جہاں توئی جہاں چیست؟

ور ہیچ نہ ام من ایں فغاں چیست؟

(اگر پوری دینامیں تیرے ہی جلوے ہیں تو پھر یہ دنیا کیا ہے ؟اگر میں کچھ بھی نہیں ہوں تو یہ آہ وفغاں کیسی ہے ؟)

بے حساب درود وسلام کی ڈالیاں نچھاور ہوں خاتم انبیا، سرور اصفیا، سید کونین، خلاصۂ ثقلین، مقام دنی میں خیمہ زن ہونے والے، عالم أو أدنی کی جانب سفر فرمانے والے، فأوحی کی خلعت فاخرہ پانے والے، ماأوحی کے محرم اسرار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کے اہل بیت، صحابہ اوران کے متبعینِ باصفا پر، جو مخلوق کے پیشوا اور خلق کے رہنما ہیں، جن پر خاص تجلیات الٰہی اترتی ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ کا خاص قرب حاصل ہے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

ملفوظات مشائخ کی اہمیت

حضرت جنید بغدادی قدس سرہ سے لوگوں نے پوچھاکہ مرید کے لیے مشائخ کے ملفوظات وحکایات کا کیافائدہ ہے ؟ توآپ نے فرمایاکہ اس سے دل کو مجاہدہ وریاضت کے میدان میں تقویت ملتی ہے اور طلب مولیٰ کے عہد وپیمان کی تجدید میں ثبات حاصل ہوتا ہے۔ حاضرین نے پوچھا: قرآن کریم میں اس کی کوئی دلیل موجود ہے ؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں ! وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ (ھود:۱۲۰)(اور ہم آپ سے رسولوں کے واقعات بیان کرتے ہیں تاکہ ہم آپ کے دل کو تقویت عطا کریں۔)

بزرگوں نے فرمایاہے: كَلِمَاتُ الْمَشَائِخِ جُنْدٌ مِنْ جُنُوْدِ اللّٰهِ فِي اَرْضِهٖ. یعنی مشائخ کی باتیں طالبان مولیٰ کو مدد پہنچانے والے لشکر ہیں۔ وہ بے چارہ جسے شیخ کامل کی صحبت نصیب نہ ہو، طلب مولیٰ کے دوران اور ریاضت ومجاہدہ کے زمانے میں اگر کسی شک وگمان کی آڑ میں یا کسی بدعت کے ذریعے شیطان اس کی طلب کی راہ میں آنا چاہے تو وہ مشائخ کے ملفوظات کو مضبوطی سے پکڑ لے اور اپنے معاملات کو ان مشائخ کے کلمات کے معیار پر پرکھے، تاکہ ہر طرح کے شیطانی خطرات ووساوس سے نجات پائے اور جادۂ مستقیم اور دین قویم پر استقامت کے ساتھ گامزن رہے۔

حضرت خواجہ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان بھی اسی سے تعلق رکھتا ہے کہ مرید کو چاہیے کہ ہر روز ایک پارہ کی مقدار مشائخ کی باتوں کو بیان کرے اور سنے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے: مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَكْثَرَ ذِكْرَه [1] (جو جس سے محبت رکھتا ہے اس کا زیادہ ذکر کرتا ہے۔)

پیر دستگیر، روشن ضمیر، مخدوم جہاں، سراج الملۃ والزمان، شیخ شیوخ اہل الاسلام، قطب العالم والانام، مظہر الشرع والشریعۃ، کاشف الحق والحقیقۃ، شیخ محمد قطب المعروف بہ شیخ مینا ادام اللہ برکاتہ فینا ایسے شیخ ہیں جن کی شان اس شعر کے مصداق ہے:

شَيخًا يَكَادُ كَانَ نَبِيًّا لِرَبِّه　　لَوْ كَانَتِ النُّبُوَّةُ مِن بَّعْدُ جَائِزًا

آپ ایسے شیخ ہیں کہ اگر نبوت کا دروازہ کھلا ہوتا تو آپ بھی نبی ہوتے۔

پیر دست گیر اس فقیر سے بارہا فرماتے تھے کہ حضرت شیخ الاسلام شیخ نظام الدین قدس سرہ نے قطب عالم شیخ فرید الدین قدس اللہ روحہ کا ارشاد گرامی راحت القلوب میں بیان کیا ہے کہ وہ مرید بڑا سعادت مند ہے جو اپنے پیر کی باتوں کو بغور سن کر اسے تحریر کا جامہ پہنا دے، اس لیے کہ آثار اولیا میں منقول ہے کہ جو مرید اپنے پیر کی باتوں کو بغور سن کر اسے قید تحریر میں لے آتا ہے، ہر حرف کے عوض اس کے نامۂ اعمال میں نیکی لکھی جاتی ہے اور اس کی وفات کے بعد اس کا ٹھکانا جنت کے اعلیٰ محلات میں ہوتا ہے۔

---

(۱) حضرت عائشہ سے حدیث مروی ہے؛ مناوی/فیض القدیر شرح جامع صغیر (۸۳۱۲) میں ابونعیم اور دیلمی سے نقل ہے۔

فائدہ:

توحید باری تعالیٰ

امام رازی اور ایک عارفہ

پیر دست گیر حضرت مخدوم شاہ مینا سے میں نے سنا ہے کہ امام فخرالدین رازی نے توحید کے موضوع پر کئی ایک کتابیں لکھیں ،ایک عورت نے کہا:اے امام !آپ نے توحید کے موضوع پر جو کتابیں لکھی ہیں وہ توحید کی معرفت کے بعد کی ہیں یا اس سے قبل ؟اگر آپ کہتے ہیں کہ عرفان توحید کے بعد آپ نے یہ کتابیں تحریر کی ہیں تو عرفان توحید کے بعد مقام گفتار کہاں ؟اور اگر آپ کہتے ہیں کہ عرفان توحید سے قبل آپ نے یہ کتابیں لکھی ہیں تو پھر اس میدان میں چلنے کا آپ کے پاس کیا جواز ہے ؟

توحید کی علامت

ایک بزرگ نے فرمایا کہ توحید کی علامت توحید فراموشی ہے ،یعنی موحد مقام توحید میں حق تعالیٰ کی وحدانیت کے مشاہدے میں اس طرح غرق ہو جاتا ہے کہ اس سے توحید کا احساس بھی چھن جاتا ہے اور مشاہدۂ حق کے علاوہ کچھ نہیں رہ جاتا۔

اسی لیے پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے کہ توحید کا دعوی ایسے شخص کو زیب دیتا ہے جس کی زبان سے تلخ و شیریں نہ نکلے۔

فائدہ: احدیت حقیقی کے نور کے اعتبارات

اتنا جان لینے کے بعد اب یہ بات ذہن نشیں کر لو کہ وہ نور جو ایک ذات واحد حقیقی

ہے، لامحدود اور لامتناہی ہے، اس احدیت حقیقی کے نور کے تین اعتبارات ہیں : ذات ، وجہ اور نفس، احدیت حقیقی کے نور کی طرف نظر کرنا ایک الگ شے ہے اور وہ نور جو تمام موجودات کو عام ہے، اس کی طرف نظر کرنا ایک دوسری شے، اور ان دونوں مرتبوں کے مجموعے کی طرف نظر کرنا ایک تیسری شے ہے۔

جب تم نے ان تینوں حقیقت کو جان لیا تو یہ جان لو کہ وہ نور حقیقی باعتبار ذات ہے اور وہ نور جو موجودات میں موجود ہے باعتبار وجہ ہے[1] اور ان دونوں کا مجموعہ باعتبار نفس ہے۔ اسی طرح اس نور کی صفات مرتبۂ ذات میں ہیں، اس نور کے اسما مرتبۂ وجہ میں ہیں اور اس نور کے افعال مرتبۂ نفس میں ہیں۔[2]

اے عزیز! وہ نور تمام موجودات کو عام ہے، موجودات کی بقا اسی نور سے ہے، موجودات کا کوئی ذرہ ایسا نہیں جس میں نورِ الٰہی نہ ہو اور جسے نورِ الٰہی محیط نہ ہو، اِس عموم واحاطہ کو اُس نور کا وجہ کہتے ہیں۔ اب جس شے کی طرف بھی رخ کیا جائے گا اس نور کے وجہ کی طرف رخ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرۃ:۱۱۵) (تم جدھر رخ کرو، وجہِ الٰہی ادھر موجود ہے۔)

---

(۱) فوائد سعدیہ کے متن میں: "اور وہ نور جو موجودات میں موجود ہے باعتبار وجہ ہے۔" موجود نہیں تھا، مجمع السلوک کے نسخۂ رام پور میں بھی یہ حصہ نہیں ہے، البتہ نسخۂ کاکوری میں موجود ہے اور سیاق کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ اسے ہونا چاہیے۔

(۲) جیسے ایک انسان ہے کہ اس کی ایک روح ہے، ایک عقل ہے جسے ہم نفس ناطقہ، فاعلہ کہہ سکتے ہیں اور ایک اس کا جسم ہے۔ جسم اس کا وجہ ہے یعنی جس کا مواجہہ، معائنہ اور مشاہدہ کیا جاتا ہے وہ صرف اس کا جسم ہے، لیکن ہر انسان جانتا ہے کہ جسم کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہے، یہ صرف ایک جسم نامی ہے۔ حقیقتاً انسان کی جو خوبی وخامی ہوتی ہے وہ اس کی عقل کی طرف لوٹتی ہے؛ کیوں کہ بظاہر یہی مدبر، فاعل اور حاکم ہوتی ہے، حالاں کہ یہ بھی ذات نہیں ہے لیکن ذات کی خوبیوں کا ظہور اسی سے ہوتا ہے، سارے صفاتی اسما اسی کی طرف لوٹتے ہیں، ذات تو اس کی روح ہے وہ جب جسم سے نکل جاتی ہے تو جسم کا معائنہ بے معنی ہو جاتا ہے، اس کی تمام صفات معطل ہو جاتی ہیں جو عقل کے پردے میں ظاہر ہو رہی تھیں۔ اب صرف اس کا ایک نام رہ جاتا ہے۔ اگر اس مثال کو عالم، اس کی حقیقت اور باری تعالیٰ سے اس کی نسبت پر تطبیق دیں تو بات اس طرح کہی جائے گی کہ یہ عالم بہ مقام وجہ ہے ہم جو بھی مشاہدہ کریں گے اسی پردے میں کریں گے، یہ عالم رنگ و بو جو عناصرِ اربعہ کے مجموعہ کی مختلف شکلیں ہیں، ان کے پردے میں جو اللہ جل شانہ کے اسما کا ظہور ہے وہ نفس ناطقہ ہے جسے ہم عالَم امر، عالم ارواح، تجلیات اسما وصفات کہتے ہیں، ان کے بھی بہت درجات ہیں۔ ان کا ایک سرا حادث سے ملا ہے تو دوسرا ذات قدیم سے، اور ذاتِ بحت تو وراء الوراثم وراء الوراہے۔

اس نورِ حقیقی تک جس کی رسائی ہوتی جائے گی، مشکل گھاٹیاں اس کے لیے آسان ہوتی جائیں گی، اس علم کے جواہر اس پر کھلتے جائیں گے، وہ مخلوق کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے گا اور اعتراض و انکار سے آزاد ہو جائے گا۔

اس بات کے رموز و اسرار کتاب النکاح اور باب الطلاق کے علم ظاہر سے نہیں کھلیں گے اور نہ باب اللقطہ اور فصل العتاق سے واضح ہوں گے۔

نورِ حقیقی تک رسائی کے لیے عارف کامل چاہیے جو اس بات کا علم رکھتا ہے کہ جس بندے کی رسائی اللہ تعالیٰ کے نور وجہ تک ہے، وہ وجہ الٰہی کا مشاہدہ کر بھی رہا ہے اور اس کی عبادت میں بھی مشغول ہے لیکن وہ اب بھی مشرک ہے۔ (کیوں کہ اس کی نظر میں اب بھی مخلوق باقی ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ (یوسف:۱۰۶) (اکثر لوگ اللہ پر ایمان لاتے ہوئے بھی مشرک ہوتے ہیں۔) اسی لیے وہ ہر دن لوگوں سے جنگ و جدال اور اعتراض و انکار میں مصروف رہتا ہے، لیکن جو بندہ نور وجہ سے گزر گیا اور ذات الٰہی تک پہنچ گیا، ذات حق کے مشاہدے اور عبادت میں مشغول ہوا، وہی حقیقت میں موحد ہے۔ ایسا شخص اعتراض و انکار سے دور ہو جاتا ہے۔

اے عزیز! اگر دریائے کثرت سے گزر کر دریائے وحدت میں غوطہ لگاؤ گے تو عاشق و معشوق و عشق کو ایک ہی دیکھو گے اور عالم و معلوم کو ایک ہی پاؤ گے، مرتبۂ توحید میں یہ سارے اسما مرتبۂ وجہ میں ہیں، جب وجہ سے گزر جاؤ گے اور ذات تک رسائی حاصل کر لو گے تو صرف ذات مجرد ہی نظر آئے گی۔ ع

نیست غیر از تو کسی، غیر کرامی شمری   جب سوا تیرے نہیں کوئی، کسے غیر کہوں؟

لٰہذا اگر تم کہو کہ ہم ہی تھے، ہم ہی ہیں اور ہم ہی ہوں گے تو یہ سب درست ہوگا اور اگر کہو کہ نہ ہم تھے، نہ ہم ہیں اور نہ ہم ہوں گے تب بھی درست ہوگا۔

اے عزیز! اس بے پایاں بحر محیط کو دیکھنا چاہیے، اس لامحدود و لامتناہی نور تک رسائی حاصل کرنی چاہیے اور اس نور کو نگاہ میں رکھنا چاہیے، تاکہ ہمیشہ کے لیے شرک سے نجات مل

جائے اوراعتراض وانکار بالکل ہی ختم ہوجائے:

کہ جہان صورت است و معنی دوست　　ور بمعنی نظر کنی ہمہ اوست

(دنیا دوست کی صورت ہے، اس کی حقیقت و باطن در حقیقت دوست ہے اوراگر اس باطن و معنی کی طرف نظر کرو تو معلوم ہوگا کہ ہر طرف اسی کی جلوہ گری ہے۔)

اے عزیز! اس بحرِ بے پایاں کو دیکھنا اور وہاں تک رسائی حاصل کرنا سخت مشکل و دشوار ہے، یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں، اس کے لیے ریاضت و مجاہدہ کرنا چاہیے، محنت و مجاہدہ کی خوب صحرا نوردی ہونی چاہیے، ایسا نہ ہو کہ کچھ روز جمعیت خاطر کے ساتھ مشغول رہیں اور کچھ روز پراگندہ قلب رہیں، مثلاً کچھ روز ریاضت و مجاہدہ کریں پھر چھوڑ دیں اوراپنی مرضی کی پیروی کریں، جیساکہ آج کل جاہ وحشم کے خوگر افراد کا وطیرہ ہے، اس قسم کی ریاضت سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، اس طرح ہرگز کسی چیز کا حصول ممکن نہیں ہے۔

پہلے خودی کو ترک کرنا چاہیے اوراپنے اندر کے بت کو توڑنا چاہیے، یکسو ہوکر اپنا قبلہ درست کرنا چاہیے۔ فراغت قلبی حاصل کرنی چاہیے۔ مرشد کی صحبت میں فراغت قلبی حاصل کرکے سادہ اور بے نفس ہوکر ریاضت و مجاہدہ کے لیے قدم اٹھانا چاہیے تب جاکر نعمتیں حاصل ہوں گی۔ جب تک آبگینۂ وجود پاک وصاف نہ ہوجائے اور اس میں شعاع نورانی کا ظہور نہ ہو جائے اس وقت تک مرید کو اس بات کا طالب رہنا چاہیے کہ وہ ریاضت و مجاہدہ کی آگ میں جل کر پاک وصاف ہوجائے اور یہ پہلا مقام ہے، اس کے بعد مجاہدے کے سبب آئینۂ دل صیقل ہوکر مصفا اور منور ہوگا اوراللہ کا نور اس میں ظاہر ہوگا اور یہ آخری مقام ہے۔

فائدہ: مرید صادق کون؟

مرید صادق وہ ہے جو بالکلیہ رب تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو، ہمیشہ اس کا دل کامل ارادت کے ساتھ اپنے شیخ سے لگا ہو اور شیخ کی روحانیت کو تمام احوال میں حاضر جانتا ہو، باطنی طور پر اس سے استمداد کرتا ہو، نفس امارہ کے خطرات اور شیاطین کے وسوسوں کے وقت اپنے شیخ کی ولایت کے سائے میں پناہ لیتا ہو اور اپنے آپ کو اپنے پیر کے سامنے ایسا بنالیا ہو جیسا مردہ غسل دینے

والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

خواب غفلت سے بیداری

خواب غفلت ہی تمام بدبختیوں کی جڑ ہے، غافل انسان سے آرزوں، تمناؤں اور ٹال مٹول کے سوا کچھ نہیں بن پاتا۔ ٹال مٹول شیطان کا ایک ہتھیار ہے جس کے سہارے وہ غافلوں کو فریب خوردہ کرکے معطل بنادیتا ہے۔

تاکار جہاں راست کنی دیر شود　　　چون دیر شود دلت زما سیر شود

(جب تک دنیا کے کام درست کروگے تب تک دیر ہوچکی ہوگی اور اس وقت تک تمھارا دل ہماری طرف سے بھر چکا ہوگا۔)

جوانی کی غفلت اور لایعنی باتوں میں انہماک کب تک؟ کل بھی ایسے ہی تھے اور آج بھی اسی طرح ہو؟ افسوس! صد افسوس!! جس کے دو دن یکساں ہوں وہ خسارے میں ہے۔ وقت غنیمت ہے، موت گھات میں ہے، قیامت چشم زدن کی طرح قریب آچکی ہے۔ وَ مَآ اَمۡرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمۡحِ الۡبَصَرِ (النحل:۷۷) (قیامت کا معاملہ چشم زدن کی طرح ہے) اور تم اب بھی ویسے ہی خواب غفلت میں گرفتار، فریب خوردہ اور دنیا کی آرائش پر خوش ہو، صالحین و صادقین اس دنیا سے رخصت ہو چکے، صرف طالبان دنیا اور غافلان عقبیٰ رہ گئے ہیں اور ہر گزرتے دن کے ساتھ دنیا لوگوں کے لیے زیادہ اہمیت والی ہوتی چلی جارہی ہے، جو قیل و قال اور نام و نمود کا دین رہ گیا تھا، آج وہ بھی نہیں رہ گیا ہے، کوئی دین کا نام بھی نہیں لیتا، اس راہ کی نشانیاں اور اس کے آثار بھی مٹ گئے۔

یہ زمانہ فتنوں اور مصیبتوں کا زمانہ ہے، قریب ہے کہ قیامت کبریٰ کی نشانیاں جیسے دجال کا نکلنا، آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا وغیرہ ظاہر ہوجائیں اور توبہ کا دروازہ بند ہوجائے، دابۃ الارض ظاہر ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئیں، اسی طرح دوسری علامتیں ظاہر ہوجائیں۔ اب طلب کہاں اور سلوک کہاں، مرشد کہاں اور سالک کون؟

اللہ اللہ !!صورت حال یہ ہے کہ لوگ اس فقیر کو جو طالبان مولیٰ کی جماعت کا کم ترین فرد ہے، صاحبِ مقام کہتے ہیں، اس کا مقام بیان کرتے ہیں اور اسے مرشد زمانہ کہتے ہیں:

نہ یک افسوس کہ ہر دم ہزار بار افسوس	نہ یک دریغ کہ ہر دم ہزار بار دریغ

ایک بار نہیں، ہزار بار افسوس، ایک بار نہیں ہزار بار حسرت!

حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے اپنے زمانے کے بارے میں شکوہ کیا تھا اور کہا تھا:

عِلْمُنَاهٰذَا قَدْطُوِیَ بِسَاطُه مُنْذُ كَذَا سَنَةً وَنَحْنُ نَتَكَلَّمُ بِحَوَاشِيْه

(ایک مدت ہوئی کہ علم تصوف کی بساط لپیٹی جاچکی اور ہم صرف اس کے حواشی سے گفتگو کررہے ہیں۔)

اب جب کہ جنید بغدادی کے زمانے کو تقریبًا چھ سو سال گزر گئے، اب ہم تک کیا پہونچے گا، بنیادیں کھوکھلی ہوچکی ہیں اور دروازے بند ہوچکے ہیں۔

فقیر کے پیر دستگیر بارہا فریاد کرتے اور کہتے: بار الٰہا! کسی دور میں کسی بزرگ نے اپنے زمانے پر آہ و نالہ کرتے ہوئے یہ اشعار کہے تھے:

نہ طفلی بر سر بامی، نہ برنای سر کوی	نہ پیری بر در مسجد، ہمیں خالی ہمان خالی
مجالس خلق زو رفتہ، مدارس مندرس گشتہ	مساجد جملہ بشکستہ، منابر ہم چنان خالی
ملائک می کند نوحہ کہ یارب این چہ روز آمد	کہ تا پیش از قیامت شد ز مردم این جہان خالی

(۱) نہ کوئی بچہ سربام ہے، نہ کوئی جوان گلی میں ہے اور نہ کوئی بوڑھا مسجد کے دروازے پر ہے۔ یہ بھی خالی ہے اور وہ بھی خالی ہے۔

(۲) مجلسیں سونی ہوگئیں، مدارس کے نشانات مٹ گئے، مسجدیں شکستہ حال ہیں اور منبر بھی خالی ہیں۔

(۳) فرشتے نوحہ کررہے ہیں کہ مولیٰ! یہ کیسا زمانہ آگیا کہ قیامت سے پہلے ہی دنیا مردانِ خدا سے خالی ہوگئی۔

افسوس صد افسوس!! اب آخری زمانہ آچکا ہے، ہمیں توبہ و استغفار کرنا چاہیے اور غیر حق میں

مشغولیت سے احتراز کرنا چاہیے۔ بزرگوں نے کہا ہے:

مَا شَغَلَکَ عَنِ اللهِ فَهُوَ صَنَمٌ (جو چیز بھی تم کو اللہ سے غافل کر دے وہ بُت ہے۔)

اگر ہم اس ناموافق زمانے میں دولت ایمان کی سلامتی کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو گویا جنید و شبلی کے مقام تک پہنچ گئے۔

اب ایسے وقت میں غافل انسان کو ہوش کے ناخن لینا چاہیے اور خواب غفلت سے بیدار ہو جانا چاہیے۔ میں اس مرد دانا پر قربان ہوں جو اگر کسی روحانی دولت والے اور کسی صدّیق کو دیکھ لیتا ہے تو اس کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہے۔ اس کا برا ہو، جو ہلاکت میں ڈوبا ہوا ہے، اسے کسی چیز کی خبر نہیں، خواب غفلت میں ڈوبا اور فریب خوردہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ (المؤمنون:۱۷) (ہم مخلوق سے غافل نہیں ہیں۔) جب مولیٰ اپنے بندے سے غافل نہیں ہے تو پھر بندہ اپنے مولیٰ سے کیوں اور کیسے غافل ہے؟ عقل مندی اور مولیٰ کو یاد کرنے کی علامت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مولیٰ تعالیٰ کی جانب نگاہ رکھے، مخلوق سے کوئی خوف نہ رکھے، کسی سے نہ ڈرے، صرف اپنے مولیٰ کے حکم کا فرماں بردار اور پیرو کار رہے۔

گناہ صغیرہ کو حقیر نہ سمجھو

اے عزیز! دیکھو، وہ گناہ صغیرہ جس کی تمھاری نگاہ میں کوئی وقعت نہیں، در حقیقت وہ تمھارے لیے کوہ قاف کے برابر ہے۔ تم کہتے ہو گناہِ صغیرہ ہمارے دین میں کیا کمی کرتا ہے؟ ایک بال جب تمھاری آنکھ میں پڑ جاتا ہے تو تمھیں بے قرار کر دیتا ہے۔ چشم دین، چشم سر سے بھی زیادہ نازک ہے۔ ایک بال بھی اس میں نہ پڑنے پائے۔ الشِّرْكُ فِي أُمَّتِيْ أَخْفَى مِنْ دَبِيْبِ النَّمْلَةِ السَّوْدَاءِ [1] (میری امت میں شرک کا وجود کالی چیونٹی سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوگا۔) وہ شرک جو بال سے زیادہ باریک ہے، ہماری چشم دین میں پڑا ہوا ہے۔ تمھاری روحانیت کی آنکھ بے قرار

---

(۱) مسند الفردوس (۳۶۷۳)، مسند احمد، از ابو موسی اشعری (۱۹۶۰۶)

ہے، لیکن تم اس کی بے قراری سے آگاہ نہیں ہو، اس لیے کہ تمھارا ضمیر مردہ ہے اور جسم حیوانی خواب غفلت میں پڑا ہوا ہے۔ غافل و مردہ بے خبر ہوتا ہے۔ جب دین وایمان میں زندگی آجائے گی تو اس درد کا احساس ہو جائے گا۔ النَّاسُ نِيَامٌ إِذَا مَاتُوْا انْتَبَهُوْا [1] (لوگ خواب غفلت میں ہیں، جب انھیں موت گلے لگالے گی تو بیدار ہو جائیں گے۔) ابھی تم خواب غفلت میں ہو، جب بیدار ہو جاؤ گے، اس نشے کی تکلیف سے آگاہ ہو جاؤ گے، اس وقت فریاد کرو گے کہ میری ایمانی آنکھ تکلیف میں ہے۔ ہر شخص کو دکھاؤ گے کہ میری آنکھ برباد ہو گئی ہے۔ اس وقت اسے آئینۂ ایمان میں دیکھو۔ وہ آئینہ جو سب سے زیادہ عزیز ہے۔ اگر دیدۂ دین سے یہ بال نہیں نکالو گے تو آنکھ بالکل تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اخلاص کا سرمہ چاہیے تاکہ اس تکلیف میں گرفتار آنکھ کو شفا مل جائے۔ اور جو طبیب خود بیمار ہو اس سے شفا نہیں ملے گی، بلکہ بیماری اور زیادہ لاعلاج ہو جائے گی اور اس کی شامت سے موت آجائے گی۔

نفس امارہ کی مثال

اے پیارے! نفس تمھارے گھر کا ایک پالتو سیاہ کتا ہے، جس نے ہمیشہ کے لیے اپنا سر تمھارے آستانۂ دل پر رکھ دیا ہے اور تم ہر روز اس کی پرورش میں لگے ہو، (کہاوت ہے:) سَمِّنْ كَلْبُكَ يَأْكُلْكَ تم اس کتے کو کھلا کر موٹا کر رہے ہو، جو ایک روز تمھی کو کھا جائے گا اور تمھیں خبر بھی نہیں ہوگی۔ تم خواب غفلت میں پڑے ہو اور اس کی زیب و زینت پر مسرور ہو، نفس چپکے چپکے کھاتا ہے، تمھارا دین اس کی خوراک ہے۔

بشری طبیعت نفس و شیطان کا نجاست خانہ ہے اور یہ دنیا سراسر شیطان کی وادی ہے اور وادی مکمل ویرانہ ہوتا ہے۔ مَن أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ (جو کسی مردہ زمین کو آباد کرتا ہے اس کا مالک بھی وہی ہوتا ہے۔) جب انسان خواب غفلت سے بیدار ہو جائے گا اور شیطان کی اس

---

(۱) یہ حضرت علی کا قول ہے، البتہ اس کا پہلا حصہ النّاس نیام حدیث رسول ہے۔ حاکم نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔ (مستدرک، کتاب الایمان، ۲۷۰)

ویران وادی میں کچھ تعمیر کردے گا تو وہ اس کی ملکیت ہوگی، لیکن پھر اس ملکیت کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ اس کے گرد تقویٰ کا باڑا بنا دیا جائے۔ جب اس دنیا کے گرد تقویٰ کا باڑا بن جائے گا تو اس وقت یہ دنیا آخرت کی کھیتی بن جائے گی۔ اسی اعتبار سے دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اس وقت جاکر مرید صادق غفلت سے آزاد اور سعادت مندی سے سرفراز ہوگا۔

حظیرۂ قدس پاک لوگوں کی جگہ ہے، ناپاکوں کی نہیں اور بارگاہ الٰہی شہبازوں کا مقام ہے، نہ کہ تن پسندی کرنے والوں کا۔

اے طالب صادق! طہارت و نجاست دو متضاد چیزیں ہیں۔ ایسے ہی علم و جہل کے مابین بھی تضاد ہے اور یہی حال دنیا اور آخرت کا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلدُّنْیَا وَالْآخِرَۃُ کَضَرَّتَیْنِ إِنْ أَرْضَیْتَ إِحْدِیہُمَا أَسْخَطْتَ الْأُخْرَی [1]۔ (دنیا اور آخرت دو سوکنوں کی طرح ہیں، اگر ایک کو خوش کروگے تو دوسری ناراض ہو جائے گی۔)

دنیا دل لگی کے لائق نہیں

دنیا مردار ہے، یہ دل لگی کے لائق نہیں، حق تعالیٰ سے محبت کرو کہ اس نے تم کو مہربانی سے پالا ہے اور ہر اطراف کے حادثات و مصائب سے تمھاری حفاظت فرماتا ہے، تمھارا یہ خاکی وجود تمھاری دنیا ہے، جو تم سے متّصل ہے۔ وُجُوْدُکَ ذَنْبٌ لا یُقَاسُ بِہ ذَنْبٌ تمھارا وجود ہی گناہ کا پتلا ہے جس کے برابر کوئی گناہ نہیں۔ جب تک تم اس وجود خاکی سے باہر نہیں آؤگے، بارگاہ الٰہی کے محرم نہیں بن سکوگے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلدُّنْیَا حَرَامٌ عَلٰی أَھْلِ الْآخِرَۃِ وَالْآخِرَۃُ حَرَامٌ عَلَی أَھْلِ الدُّنْیَا وَھُمَا حَرَامَانِ عَلٰی

---

(۱) حلیۃ الاولیا (۵۱/۴) میں وہب ابن منبہ کے قول کے طور پر نقل ہے۔ امام غزالی نے اسے حضرت عیسی علیہ السلام کا قول کہہ کر نقل کیا ہے۔ (الاحیا، کتاب العلم، الباب السادس فی آفات العلم) اس مفہوم کی تائید ایک صحیح حدیث سے ہوتی ہے جسے حاکم/مستدرک، مسند احمد، بیہقی/شعب، صحیح ابن حبان وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ مَنْ أَحَبَّ دُنْیَاہُ أَضَرَّ بِآخِرَتِہِ، وَمَنْ أَحَبَّ آخِرَتَہُ أَضَرَّ بِدُنْیَاہُ، فَآثِرُوا مَا یَبْقَی عَلَی مَا یَفْنَی (مسند احمد، از ابو موسی اشعری، ۴۷۰/۳۲)

أَهْلِ اللهِ تَعَالیٰ[1]

(دنیا اہل آخرت پر حرام ہے، آخرت اہل دنیا پر حرام ہے اور یہ دونوں اہل اللہ پر حرام ہیں۔)[1]

دنیا اہل فضول اور اہل غرور کے لیے ہے، آخرت اہل راحت و سرور کے واسطے ہے اور مشاہدۂ حق ان لوگوں کے لیے ہے جو غم مولیٰ میں گرفتار اور جمال الٰہی کے عاشق ہیں، اس کے شوق اور اس کی معرفت کے سمندر میں غوطہ زن ہیں اور تجرید و تفرید اور توحید کی صفت سے موصوف ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اپنے سوا کسی اور پر نظر کو حرام کر دیا ہے، رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ أَرَادَ أَن يُّحِبَّ اللهَ فَلْيَزْهَدْ فِي الدُّنْيَا[2] (جو اللہ سے محبت رکھنا چاہتا ہے اسے دنیا سے دل نہیں لگانا چاہیے۔) وہ شخص جو طالب مولیٰ ہو وہ ترک دنیا کر دے، دنیا کا ملوث بارگاہ ربانی کا محرم نہیں ہو سکتا، حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ اصل خطا دنیا سے دل لگانا ہی ہے۔

اے عزیز! طالبان حق تعالیٰ کے نزدیک تو آخرت کی خواہش بھی قرب الٰہی اور مشاہدۂ حق سے روکنے والی ہے، پھر رذیل دنیا کا کیا پوچھنا۔

بہرچہ از راہ بازافتی چہ کفر آن راہ چہ ایمان
بہرچہ از دوست وامانی چہ زشت آن نقش چہ زیبا

(جو چیز بھی تم کو راہ سے دور کر دے بری ہے، چاہے کفر ہو یا ایمان، اسی طرح جو چیز بھی وصالِ دوست سے تم کو محروم کر دے بری ہے، چاہے نقش بدنما ہو یا خوشنما)

اے عزیز! جاننا چاہیے کہ دونوں جہاں میں نیک بخت وہ لوگ ہیں جو دنیا کو آخرت کی کھیتی بناتے ہیں اور یہاں جو کچھ بھلائی اور نیکی کرتے ہیں وہاں اپنا بویا ہوا کاٹ لیں گے، اور بارگاہ الٰہی

---

(۱) مسند الفردوس (۳۱۱۰) بلفظ: الدُّنْيا حَرَامٌ على أَهْلِ الآخِرَةِ والآخِرَةُ حَرَامٌ عَلى أَهْلِ الدُّنْيا والدُّنْيا والآخِرَةُ حَرَامٌ على أَهْلِ اللهِ۔ امام عبد الرؤف مناوی نے لکھا ہے کہ اس میں جبلہ بن سلیمان ہے جسے ذہبی نے ضعفا میں نقل کیا ہے اور ابن معین نے غیر ثقہ کہا ہے۔ فیض القدیر (۵۴۴/۳) اس بات سے زیادہ سے زیادہ اس حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

(۲) سنن ابن ماجہ (کتاب الزہد، باب الزهد في الدنيا، ۴۱۰۲) بہ لفظ: ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللهُ، وَازْهَدْ فِيمَا فِي أَيْدِي النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاس.

کے لائق ہو جائیں گے۔

چنانچہ جب توفیق الٰہی مرید صادق کی رفیق ہوگی اور جان جائے گا کہ آلائشوں میں ڈوبا ہوا انسان بارگاہ الٰہی کے لائق نہیں ہوگا تو وہ طہارت ظاہری و باطنی میں لگ جائے گا۔اس لیے کہ پاک نفس ہی اس بارگاہ کی خدمت کے لائق ہے، ناپاک نفس اس کی خدمت کے لائق نہیں ہوتا ہے پھر ناپاک دل اس بارگاہ کی چاکری کے لائق کیسے ہوسکتا ہے!

نجاست ظاہری وباطنی

ظاہری نجاست جو رب تعالیٰ کی عبادت سے محروم کردیتی ہے، دو طرح کی ہوتی ہے: عینی اور حکمی۔ حکمی کی بھی دو قسمیں ہیں: حدث اور جنابت، یہ دونوں نجاستیں عبادت سے باز رکھنے والی ہیں۔

باطنی نجاست کی تین قسمیں ہیں: دنیا، خلق اور نفس۔ دنیا نجاست عینی کی طرح ہے، اس لیے دل اگر دنیا کی گندگی سے آلودہ ہو تو وہ قرب الٰہی کے لائق نہیں ہے، جس طرح کہ نجاست عینی میں آلودہ شخص خدمت کے لائق نہیں ہوتا ہے۔ مخلوق حدث کی طرح ہے، جب دل مخلوق سے لگا ہو تو وہ قرب الٰہی کا مستحق نہیں ہوگا، جس طرح کہ حدث والی ذات بارگاہ الٰہی میں حاضری اور اس کی اطاعت کے لائق نہیں ہوتی۔ نفس جنابت کی طرح ہے، جب تک دل نفسانی شہوات و خواہشات میں ڈوبا ہوا ہوگا، مرتبۂ قرب کے لائق نہ ہوگا، کیوں کہ وہ نفس جو جنابت سے آلودہ ہو خدمت واطاعت الٰہی کے لائق نہیں ہوسکتا۔اس لیے جب تک تم دنیا، مخلوق اور نفس سے منہ نہیں موڑ لیتے اور حق تعالیٰ کے علاوہ سے بالکلیہ اجتناب نہیں کرلیتے، تمہیں باطنی طہارت حاصل نہیں ہوسکتی۔ خواجہ سنائی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

سگ ز در دور و صورت از دیوار — کی در آید فرشتہ تا نکنی
عنکبوتی تنیدہ بر در غار — کی در احمد رسی و در صدیق

(۱) جب تک تم کتے اور تصویر کو درودیوار سے ہٹا نہیں دیتے، تمھارے گھر میں فرشتے کیوں کر داخل ہوسکتے ہیں؟

(۲) احمد مرسل ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک کیسے پہنچ سکتے ہو، جب کہ غار

کے دہانے پر مکڑی نے جالا لگا رکھا ہے۔

میرے عزیز! باطن کی فکر سے مقصود حاصل ہوگا، جب تک باطن کا دروازہ بند ہے کیا ہونے والا ہے۔ اگر انسان کے دل پر دنیا کی گرہ لگی ہوئی ہے، تو دل کا بند دروازہ دین کے لیے نہیں کھل سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دنیا کی حیثیت تو مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ اگر انسان کی فکر کا محور آپسی تعلقات ہو گا تب بھی مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ جب اس کی فکر دونوں عالم سے گزر کر آگے نکل جائے گی تب جا کر باطنی طہارت حاصل ہوگی اور نورانیت کا آغاز ہوگا۔ بلاشبہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

شیخ الاسلام شیخ نصیر الدین چراغ دہلی قدس اللہ روحہ فرماتے ہیں:

ایں رہ ما سوی[1] عدم می زند — کیست دریں رہ کہ قدم می زند
ہر کہ دریں راہ مجرد رو است — بر سر کونین عَلَم می زند
باز پس افتد ز میانِ چند گام — ہر کہ دریں قافلہ دم می زند
در دل محمودؔ اثر نیست زاں — لاف محبت بہ ستم می زند

(۱) ہماری یہ راہ فنا کی جانب جاتی ہے، کون ہے جو اس میدان میں قدم رکھے گا؟

(۲) جو شخص اس راہ میں دو عالم سے بیگانہ ہو کر چلتا ہے، وہ اپنی عظمت کا جھنڈا کونین پر نصب کرتا ہے۔

(۳) اس قافلے میں جو شخص دم لینے کی بھی کوشش کرتا ہے، وہ چند قدم چل کر بیچ راہ سے ہی واپس ہو جاتا ہے۔

(۴) محمودؔ کے دل میں عشق کا نام و نشان نہیں ہے، وہ محبت کا صرف جھوٹا دعوی کر رہا ہے۔

اے عزیز! باطن کی طہارت والا وہ شخص ہے جو حق تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے سامنے سر نہ جھکائے، اس کے دل میں ماسوا کا گزر نہ ہو، کثرت سے بھاگے اور وحدت سے متعلق ہو

---

(۱) فوائد سعدیہ اور مجمع السلوک (نسخۂ رامپور) میں "بوی" ہے۔

جائے اور کسی بھی دنیاوی چیز کے دام فریب میں نہ آئے۔اے جواں مرد! شرک خفی راہ طریقت سے مانع ہے اور جب تک حق تعالیٰ کے سوا کسی اور پر نگاہ ہوگی، شرک باقی رہے گا۔ اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ (لقمان:۱۳)(بلاشبہ شرک بڑا ظلم ہے۔) یہ بات خوب ذہن نشین کرلو اور صحرائے معرفت میں وحدت کا گھوڑا دوڑا دو۔رئیس درویشاں، محتسب عارفاں شیخ قوام الدین لکھنوی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں:

ای شہسوار قرب! چہ زیباست صفدری	می راں سمند وحدت، پامال کن دو کون

(وحدت کا گھوڑا دوڑا دو اور دونوں جہان کو پامال کر دو،اے قرب الٰہی کے شہسوار! تمھارا صف شکن ہونا کس قدر زیبا ہے!)

طہارتِ باطنی پر ایک نکتہ

اے عزیز!طہارت باطنی کا ایک اور نکتہ سنو! پیر دست گیر قطب عالم شیخ مینا قدس سرہ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام جو منصب خلیلی پر فائز تھے۔ان کے حوالے سے فرشتوں نے یہ لب کشائی کی کہ ان کے پاس مال و دولت اور بکریاں بہت زیادہ ہیں،ان کا دل تو ان چیزوں میں لگا ہوا ہے، پھر وہ خلیل کیسے ہوسکتے ہیں ؟اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو انسان کی صورت میں بھیجا انھوں نے تین بار اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور یاقدوس! کہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ساری بکریاں اور اپنا سارا مال و دولت اپنے مولیٰ کے نام پر نثار کر دیا۔اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو دکھا دیا کہ ابراہیم کا دل مال و دولت اور بکریوں میں نہیں لگا ہوا ہے۔

کبھی فرشتوں نے کہا:ابراہیم کا دل اپنے فرزند سے لگا ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے فرزند دل بند کو قربان کرنے کا حکم دیا۔آپ فرماں برداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے فرزند عزیز کو اللہ کے نام پر قربان کرنے کے لیے لے گئے۔اس وقت فرشتوں کو معلوم ہوگیا کہ حضرت ابراہیم کا دل فرزند سے بھی نہیں لگا ہوا ہے۔

ایک بار فرشتوں نے کہا کہ ابراہیم اپنے آپ سے محبت کرتے ہیں ۔ حق تعالیٰ کی شان

دیکھیے کہ ملعون نمرود نے آپ کو آگ میں ڈالنے کے لیے منجنیق میں ڈال دیا۔ فرشتوں کے گمان کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا کہ جاکر میرے خلیل سے کہو کہ اگر کوئی حاجت ہو تو بتائیے، میں دور کر دوں۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا: أَمَّا إِلَيْكَ فَلَا (حاجت تو ہے لیکن تم سے نہیں) آپ نے جبریل کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی اور اپنے آپ کو قضائے الٰہی کے سپرد کر دیا۔ اس وقت فرشتوں کے سامنے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ حضرت ابراہیم کا دل نہ تو فرزندوں سے لگا ہوا ہے اور نہ مال و دولت سے۔ یہ منصب خلیلی پر فائز ہونے کے لائق اور حق تعالیٰ کی رضا پر قائم ہیں۔ آج بھی جو شخص اللہ سے محبت کا دعویٰ رکھتا ہے اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرنی چاہیے۔ مال و دولت اور فرزند و اولاد کی محبت دل سے نکال دینی چاہیے اور فَفِرُّوٓا اِلَی اللهِ (الذاریات:۵۰) (اللہ کی طرف دوڑ پڑو) کی تلاوت کرنی چاہیے، بلکہ اپنے آپ سے بھی فانی ہو جانا چاہیے تاکہ نعمت خلت پانے کی لیاقت پیدا ہو سکے۔

دلا گر عاشقی، عشق ز دون حق مبرا کن
چو مرداں لا اُبالی شو بعشق اندر تولاّ کن
عجب کاری ست این حضرت! اگر خواہی کہ دریابی
ز دنیا پای بیروں نہ، ہم از عقبیٰ تبرّا کن

(۱) اے دل! اگر تو عاشق ہے تو اپنے عشق کو حق تعالیٰ کے ماسوا سے پاک کر، مردوں کی طرح بے خطر عشق کی آگ میں کود جا اور محبوب حقیقی سے دل لگا لے۔

(۲) حضرت عشق کا بڑا عجیب و غریب معاملہ ہے، اگر تم اس کوچے میں قدم رکھنا چاہتے ہو تو اپنا قدم دنیا سے باہر کر لو اور آخرت سے بھی ہاتھ دھو لو۔

اے عزیز! اللہ تبارک و تعالیٰ بندے سے اطاعت و محبت چاہتا ہے اور اس کی اطاعت و محبت نفس کی مخالفت اور اس کو نامراد کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور ایسی محبت کا کوئی نتیجہ اس وقت تک نہیں نکل سکتا، کیوں کہ بندۂ خود پرست خدا پرست نہیں ہو سکتا اور وہ اس کے مطیع

وفرماں بردار بندوں اور اس سے محبت رکھنے والوں کے زمرے میں شامل نہیں ہو سکتا۔

اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی: کَيْفَ الطَّرِيْقُ إِلَيْكَ؟ (بارالٰہا! تیری بارگاہ تک رسائی کیسے حاصل ہوگی؟) ارشاد باری ہوا: دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ (اپنے آپ سے جدا ہو کر فنائے نفس حاصل کرلو اور چلے آؤ۔)(۱)

محب کو اپنی محبت میں بے مراد اور بے غرض ہونا چاہیے تاکہ اسے محبوب کی محبت حاصل ہو جائے اور اس کی اطاعت کی توفیق مل جائے۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ نے کتنی پیاری بات کہی ہے:

تَعْصِي الإِلٰهَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّه　　هٰذَا لَعَمْرِيْ فِي الْفِعَالِ بَدِيْعٌ
لَوْ كَانَ حُبُّك صَادِقاً لَأَطَعْتَه　　إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعٌ

(۱) تم رب کی نافرمانی بھی کرتے ہو اور اس سے محبت کا دم بھی بھرتے ہو۔ قسم خدا کی یہ بڑی عجیب بات ہے۔

(۲) تمھاری محبت سچی ہوتی تو تم ضرور اس کی اطاعت کرتے؛ کیوں کہ محب اپنے محبوب کا اطاعت گزار ہوتا ہے۔

محب کو ملامت کی پروا نہیں

اے جواں مرد! اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کی پیروی کرنے والا شخص وہ ہے جو اپنا دل وجان سب کچھ اس کی خدمت میں لگائے رکھے، وہ شخص جو خواہش نفس کی پرستش میں لگا ہوا ہے وہ محبت الٰہی سے دور، اس کے فرماں برداروں کے زمرے سے خارج اور اپنے دعویٔ محبت میں جھوٹا ہے، وہ اپنے آپ سے محبت رکھنے والا ہے، اپنے دوست سے محبت رکھنے والا نہیں ہے؛ کیوں کہ حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَ يُصِمُّ یعنی کسی چیز کی محبت اس کا عیب دیکھنے سے اندھا اور اس کی ملامت

---

(۱) سیدنا داؤد علیہ السلام کی طرف یہ واقعہ منسوب نہیں ملا، بلکہ حضرت بایزید بسطامی کے خواب کے طور پر یہی الفاظ مروی ملے۔ (الرسالۃ القشیریۃ، ۲/۵۶۲)

سننے سے بہرا کر دیتی ہے۔ ملامت کی پروا کرنے والا عاشق نہیں ہوتا: وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (المائدۃ: ۵۴) (وہ ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے، اور یہ اللہ کا خاص فضل ہے، وہ جسے چاہے عطا فرمائے۔)

ایک شخص کو اپنی بیوی سے عشق تھا، اس کی ایک آنکھ سفید تھی، اس کے شوہر کو اس عیب کی خبر نہیں تھی، جب کچھ زمانہ گزر گیا اور اس نے اپنی خواہش خوب اچھی طرح پوری کرلی تو اس کے عشق میں کمی آگئی۔ اسے بیوی کی آنکھ کی سفیدی نظر آگئی۔ اس نے بیوی سے کہا کہ تمھاری آنکھ میں یہ سفیدی کب سے آگئی ہے؟ بیوی نے جواب دیا: جب سے تمھارے دل میں میری محبت کم ہوگئی ہے۔

عزیز من! اگر تم اپنے دعوئ محبت میں سچے ہو اور اس کی اطاعت کا ارادہ رکھتے ہو تو اپنی خودی کو ختم کر دو اور فنائے نفس حاصل کرلو تاکہ اس کے وصال سے بہرہ ور ہو جاؤ؛ کیوں کہ خواہش پرستوں کو اس کا وصال نہیں حاصل ہوتا اور نہ ہی حق کے محبین اور اس کے فرماں برداروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ جب تک تم مُوتُوا قَبْلَ أَنْ تَمُوتُوا (تم حقیقی موت سے قبل اپنی خواہشات نفس کو فنا کر دو) کی صفت سے مزین نہیں ہو جاتے تب تک صفت بقا سے آراستہ نہیں ہو سکتے اور جب تک بقا نہیں حاصل کر لیتے تب تک نہ اس کا وصال ہو سکتا ہے اور نہ اس کے سچے محبین میں تمھارا شمار ہو سکتا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے اس کی محبت اور اس کی اطاعت و پیروی میں فنائیت اختیار کرلو اور پہلے قدم پر ہی جاں نثار کر دو یا پھر اس کی محبت کا دعویٰ چھوڑ دو؛ کیوں کہ عشق الٰہی کی صداقت اور شہادت؛ سب کچھ لٹا دینے اور جان کی بازی لگا دینے سے ہی ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت رابعہ کا واقعہ

تم نے سنا ہوگا کہ حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں رابعہ عدویہ کے پاس پہنچا۔ انھوں نے صبح کی نماز ادا کی اور پھر مصلے پر بیٹھ گئیں۔ میں نے ان کے پورے گھر میں صرف ایک ٹوٹا ہوا پیالہ پایا، وہ اسی سے طہارت حاصل کرتیں اور پانی پیتیں۔ اس

کے علاوہ ایک پتھر تھا جسے وہ سرہانے رکھتیں اور کھجور کے پتے کا ایک مصلّٰی تھا جس پر وہ نماز ادا کرتیں۔ ان چیزوں کے علاوہ ان کے گھر میں کچھ بھی نہیں تھا۔

میں نے ان سے کہا: اے سیدہ! آپ بڑی تنگی کی حالت میں معلوم ہو رہی ہیں، میرے کچھ مال دار دوست ہیں، میں ان سے کہہ دیتا ہوں، وہ آپ کا خیال رکھا کریں گے۔ حضرت رابعہ نے جواب دیا: اے مالک بن دینار! تم نہیں جانتے کہ مخلوق کو روزی دینے والا کون ہے؟ تم کو یہ پتا نہیں کہ مجھے اور ان مال داروں کو روزی دینے والا ایک ہی ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ان کی مال داری کی وجہ سے وہ رزاق انھیں یاد رکھے گا اور مجھے میرے فقر کی وجہ سے بھلا دے گا؟ حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں: میں یہ سن کر رونے لگا۔ حضرت رابعہ نے پھر مجھ سے کہا: آؤ میری آنکھوں میں دیکھو، کچھ خلش معلوم ہوتی ہے۔ میں نے ان کی آنکھوں میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ مصلے کا ٹکڑا ان کی آنکھوں کے اندر گھس گیا ہے، جس کی وجہ سے آنکھ خراب ہوگئی ہے۔ میں نے کہا: اے سیدہ! آپ کی آنکھ تو بالکل برباد ہو چکی ہے اور آپ کو خبر بھی نہیں ہے؟ انھوں نے جواب دیا: جس وقت میری یہ حالت ہوئی اس وقت میں نماز میں تھی اور جب میں اپنے مولیٰ کے حضور ہوتی ہوں تو اس وقت اگر پورا جہنم میری آنکھوں کے اندر آجائے تب بھی مجھے خوف الٰہی کی وجہ سے کوئی خبر نہیں ہوگی۔ اگر مجھے اس حالت میں خبر ہو تو پھر اس کی اطاعت و فرماں داری کہاں ہوگی؟ میں تو اپنی محبت میں جھوٹی قرار پاؤں گی!

حضرت ابراہیم بن ادہم کی توبہ

رئیس المحبین خواجہ ابراہیم بن ادہم نے جب اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری میں اپنا دل لگایا اور اس کی مخالفت سے علاحدگی اختیار کی تو مشہور ہے کہ انھوں نے جواں مردی کے ساتھ ملک و سلطنت اور سروری سب کچھ چھوڑ دیا، پھر غیروں کی محبت میں کبھی مشغول نہیں ہوئے۔ انھوں نے مردار دنیا کو یک بارگی ایک طرف ڈال دیا۔

پیر دست گیر قطب عالم شیخ مینا قدس سرہ نے فرمایا: جب ابراہیم بن ادہم قدس سرہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی مخالفت و نافرمانی سے باز آنے اور اس کی اطاعت میں مشغول ہونے کا وقت آیا،

اس وقت آپ شکار کے لیے گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے ایک شکار کے پیچھے گھوڑا دوڑایا۔ اس شکار نے حضرت ابراہیم بن ادہم کی طرف رخ کرکے کہا: أَلِهٰذا خُلِقْتَ یَا إِبْرَاهِیْمُ؟ (اے ابراہیم! کیا تم اسی لیے پیدا کیے گئے ہو؟) یہ سن کر ان پر ایک خوف سا طاری ہوگیا، تھوڑی دیر تک یہی نعرہ بلند کرتے رہے، اپنا گریبان چاک کرلیا، توبہ کی، اپنے رب کی اطاعت وفرماں برداری میں اپنا دل لگادیا اور سلطان العارفین بن گئے اور اسی کی محبت میں اپنی جان دے دی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابراہیم بن ادہم کے محل کے سامنے ایک دوکان تھی، آپ اسی دوکان پر بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا، اس کے سر پر عمامہ تھا، وہ اپنے اونٹ کی مہار لپیٹے ہوئے تھا، شتربانوں کی طرح اس نے ابراہیم بن ادہم کے محل میں داخل ہونا چاہا، لوگوں نے پوچھا کہاں جارہے ہو؟ اس نے جواب دیا: اس مسافرخانے میں جارہا ہوں۔ لوگوں نے جواب دیا: یہ مسافر خانہ نہیں ہے۔ اس نے پوچھا: پھر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ابراہیم بن ادہم کا محل ہے۔ اس نے پوچھا: اسے کہاں سے ملا؟ لوگوں نے جواب دیا: باپ سے میراث میں ملا ہے۔ پھر اس نے پوچھا: اس کے باپ کو کہاں سے ملا؟ لوگوں نے جواب دیا کہ اسے بھی اپنے باپ سے ملا ہے۔ اس نے جواب دیا: اسی کو تو مسافر خانہ کہتے ہیں جہاں ایک آتا ہے اور دوسرا چلا جاتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ شخص واپس چلا گیا۔

حضرت ابراہیم بن ادہم نے جب حکمت سے بھری ہوئی اس کی گفتگو سنی تو ان کے دل پر اس کا بے حد اثر ہوا، خواب غفلت سے بیدار ہوگئے اور اس شخص کے پیچھے بھاگے لیکن وہ شخص نہیں ملا، جب وہ شہر کے دروازے سے باہر نکلے تو اس شخص کو دیکھا اور رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر اسے آواز دی اور اس سے رکنے کی گزارش کی۔ وہ شخص رک گیا۔ ابراہیم بن ادہم نے پوچھا: تم کون ہو اور کس لیے آئے تھے؟ اس نے جواب دیا: میں خضر ہوں اور اس لیے آیا تھا کہ تم کو رب تعالیٰ کی اطاعت کے لیے بیدار کرکے بارگاہِ الٰہی تک پہنچادوں۔ حضرت ابراہیم بن ادہم نے کہا: واپس جاؤں کچھ کام ہیں انھیں کرکے آتا ہوں۔ خضر نے کہا: اس کام میں اور جلدی کرنے

کی ضرورت ہے، کہیں موت نہ آجائے، یہیں سے اپنا سفر شروع کردو۔ یہ کہ کر خضر علیہ السلام نظروں سے غائب ہوگئے۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم بن ادہم ایک نوجوان کے پاس گئے اور اپنے کپڑے اتار کر اسے دے دیے، اس کے کپڑے لے لیے اور اپنے اہل وعیال کو اللہ کے سپرد کرکے جنگل کی جانب نکل پڑے۔ ایک مقام پر پہنچے جہاں پل تھا، جس پر لوگ آسیب بتایا کرتے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ پل پر سے پھسل گیا۔ قریب تھا کہ وہ گر جائے۔ انھوں نے دعا کی: اللّٰھُمَّ احْفَظْہ (اے اللہ! اس شخص کی حفاظت فرما) اس دعا سے وہ ہوا میں معلق ہوگیا، پھر لوگ آگئے اور اسے پل کے اوپر لے آئے۔

قابل غور ہے کہ جب انھوں نے سچی توبہ کرلی اور رب تعالیٰ کی اطاعت کی راہ میں سر رکھ دیا، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو اس عظیم کرامت سے مشرف فرمادیا، انسان کو چاہیے کہ کوئی فکر نہ کرے اور صدق واخلاص کے ساتھ رب کی راہ پر چل پڑے، اس کا لطف وکرم بہت وسیع ہے۔ خواجہ سنائی فرماتے ہیں:

تو در کشتی فگن خود را میای از بہر تسبیحی　　　　که خود روح القدس گوید که بِسْمِ اللهِ مَجْرِیهَا

(تم اپنے آپ کو حق کی کشتی میں ڈال دو اور کوئی دعا مت پڑھو، خود جبریل امین آکر بِسْمِ اللهِ مَجْرِیهَا پڑھیں گے۔)

ایک روایت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہم کے دل میں کبھی کبھی یہ خیال گزرا کرتا تھا کہ طلب مولیٰ میں نکلا جائے بلکہ ہوسکے تو زندگی اس کی اطاعت اور اس کی بندگی میں لگادی جائے اور حق تعالیٰ کے علاوہ کی محبت دل سے نکال دی جائے۔ وہ انھی خیالات میں ڈوبے ہوئے ایک رات محل کی چھت پر آرام کررہے تھے کہ ایک شخص آیا۔ اس سے ابراہیم بن ادہم نے پوچھا: تم کون ہو؟ اور اس شاہی محل کی چھت پر کیا کررہے ہو؟ اس نے جواب دیا: میرا اونٹ گم ہوگیا ہے، میں اسے تلاش کررہا ہوں۔ حضرت ابراہیم بن ادہم نے کہا: تم عجیب باتیں کررہے ہو، یہاں

اونٹ کیسے آجائے گا؟ اس نے پلٹ کر جواب دیا کہ تم بھی عجیب وغریب خیال اپنے دماغ میں پالے ہوئے ہو؟ رب تعالیٰ یہاں کہاں ملنے والا ہے ؟ فوراً آپ کے دل میں جذبۂ الٰہی موج زن ہوا، توبہ کی اوراس کی محبت میں اپنا گھر بار سب کچھ نثار کر دیا، بیابان کی جانب نکل پڑے اوراس کی اطاعت وفرماں برداری میں مشغول ہوگئے، یہاں تک کہ اس کا قرب حاصل کرلیا۔ رئیس درویشاں ومحتسب عارفاں شیخ قوام الدین لکھنوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

بسوزاں لنگر و خانہ، سرا و باغ و بستاں ہم ۔۔۔ کسی کو آتش حق [۱] جوید، مقام اوست
زمیں زن تاج نخوت را، پس آنگہ ترک عالم گو ۔۔۔ کسی کو قرب حق جوید نخواہد عالم فانی

(۱) لنگر جلاڈالو اور گھر، سرائے، باغ اور باغیچہ سب اس کی محبت میں خاکستر کرڈالو؛ کیوں کہ جو قرب حق کا طلب گار ہے، اس کا ٹھکانہ ویرانی ہے۔

(۲) تاجِ نخوت کو زمین پر دے مارو، پھر دنیا سے ترک تعلق کرلو؛ کیوں کہ جو محبتِ حق کا طلب گار ہے وہ اس فانی دنیا کو نہیں چاہتا۔

حضرت بلال کا وجد

پیر دست گیر قطب العالم والانام شیخ شیوخ اسلام مخدوم شاہ میناقدس سرہ سے میں نے سنا ہے کہ جب حضرت بلال نے یہ آیت کریمہ: اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (القصص:۵۶) (بے شک آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت عطافرماتا ہے۔) سنی تو آپ کو وجد آگیا، رقص کرنے لگے اوراپنی ہدایت پر فرط مسرت میں نعرہ لگایا۔ کہنے لگے: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنی معرفت وہدایت کواپنے ذمے رکھا، اسے دوسروں کے حوالے نہیں کیا؛ کیوں کہ ہدایت اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہوتی تو وہ ابوطالب جوان کے معین ومددگار ہیں ان کو چھوڑ کر مجھ حبشی کو اختیار نہ فرماتے۔

---

(۱) مجمع السلوک نسخہ کاکوری میں "قربِ حق" ہے۔

ہدایت اللہ کا خاص انعام

پیر دست گیر حضرت مخدوم شاہ مینا قدس سرہ نے فرمایا کہ قطب عالم شیخ قوام الدین ایک روز سماع سن رہے تھے اور خلوتِ ربانی میں معرفت و اسرار کی گہرائی میں کھوئے ہوئے تھے، حاضرین میں سے ایک پر گریہ طاری تھا، جس سے اس کی شکستہ دلی اور شکستہ حالی ظاہر ہو رہی تھی، حضرت مخدوم نے جو رئیس درویشاں اور محتسب عارفاں تھے، اس شخص کا حال دریافت کیا کہ اے عزیز! اس حال سے تم نے کیا سمجھا اور تم پر یہ حال کیوں ظاہر ہوا؟ اس بے چارے نے جواب دیا: اے شیخ محترم! صوفیہ کے حال و مقام کی مجھے ذرہ برابر خبر نہیں، میں خود کو صاحبان حال میں شمار نہیں کرتا، لیکن میرے دل میں ایک خطرہ گزرا اور اسی پر میری آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے کہ مولیٰ! تو پاک ہے، ہمارے وجود سے پیشتر ایسی کیا بات ہوئی کہ تو نے مجھے عاصیوں اور گنہگاروں کی صف میں شامل کر دیا اور حضرت مخدوم کے وجود سے پہلے ایسی کیا بات ہوئی کہ ان کو عارف کامل بنایا اور تخت معرفت پر جلوہ افروز کر دیا؟ حضرت مخدوم جو ابھی تک سکون واطمینان کی حالت میں تھے، اس بات کو سنتے ہی آپ کے ذوق و شوق میں اضافہ ہو گیا، آپ نے اس بے چارے پر بڑی شفقت کا مظاہرہ کیا، بغل گیر ہو کر زار و قطار رونے لگے اور بار بار اپنی زبان مبارک سے فرمانے لگے کہ حقیقی ذوق تجھ کو حاصل ہوا ہے کسی اور کو نہیں اور قوام الدین کو تیرے صدقے میں ذوق حاصل ہوا ہے اور دیر تک اس آیت کریمہ کی تکرار کرتے رہے: وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (الاعراف:۴۳) (اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہر گز ہمیں ہدایت نہ ملتی۔) اس کی وجہ سے حاضرین مجلس پر بھی بڑی کیفیت طاری رہی۔

ایمان ابو طالب کی بحث

اس مقام پر حضرت پیر دستگیر قطب عالم نے فرمایا: مشہور و معروف یہی ہے کہ ابو طالب ایمان اور مغفرت سے مشرف نہیں ہوئے اور وہ اہل عذاب میں سے ہیں، لیکن نبی کریم ﷺ کی امداد و اعانت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب میں تخفیف فرما دی اور اب ان پر

صرف یہی عذاب ہوتا ہے کہ ان کو آگ کے جوتے پہنائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا دماغ کھولتا ہے، اس کے علاوہ ان کو اور کوئی عذاب نہیں ہوتا۔ (۱)

حضرت فضیل بن عیاض کی توبہ اور اس کی برکت

پیر دست گیر حضرت قطب عالم قدس سرہ سے میں نے سنا ہے کہ فضیل بن عیاض جس وقت چور اور ڈاکو تھے، اس وقت بھی ان کے دل میں خوف الٰہی تھا، ان کے لوگوں نے ایک دن ایک قافلے پر یلغار کی اور قافلہ والوں کا سارا ساز و سامان لوٹ لیا، پھر سارے ڈاکو کھانے میں مشغول ہو گئے، لٹے ہوئے قافلے کا ایک شخص آیا اور اس نے ڈاکوؤں سے کہا: تمھارا سردار کون ہے؟ ڈاکوؤں نے کہا وہ اس وقت ہمارے ساتھ نہیں ہیں اور ایک درخت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس درخت کے نیچے نماز ادا کر رہا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ تو نماز کا وقت نہیں ہے،

---

(۱) مجمع السلوک میں اس مقام پر اتنا اور اضافہ ہے: ”البتہ حضرت سید محمد حسینی تفاسیر کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوطالب اور نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین ایمان سے مشرف ہوئے اور ان کو خاص مغفرت حاصل ہوئی اور کوئی تعجب نہیں کہ خلاصۂ کونین، سرور دارین ﷺ کی خواہش کی بنا پر یہ بخش دیے جائیں اور جنت میں داخل ہو جائیں۔“ اس کے بعد مخدوم شیخ سعد نے مخدوم شاہ مینا کے اس آخری قول کی حضرت سید محمد حسینی کے ملفوظ میں ام المعانی کے حوالے سے نقل کیا ہے، مخدوم شیخ سعد نے ام المعانی بھی دیکھا ہے اور وہاں تفصیل کے ساتھ روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”یہ روایت غریب ہے، کسی دوسری کتاب میں مذکور نہیں ہے اور یہ ایمان و مغفرت بھی انھی کے ساتھ خاص ہے، کسی کو ان پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔“

ایمان ابو طالب کے حوالے سے اہل اسلام کے تین موقف ہیں: ۱۔ اسلام، ۲۔ کفر اور ۳۔ سکوت۔ پہلے اور دوسرے موقف کا بیان شرح میں ہو چکا۔ صاحب سبع سنابل میر عبد الواحد بلگرامی نے بھی مذکورہ حوالے نقل کیے ہیں۔ (سبع سنابل، ص: ۲۷، ۲۸، مکتبہ قادریہ، لاہور، ۱۹۸۲ء) تیسرے موقف کی ترجمانی کرتے ہوئے شیخ عبد الحق محدث دہلوی رقم طراز ہیں: کم از کم اتنا تو لازم ہے کہ اس مسئلہ میں توقف اور صرف نگاہ کریں۔ (مدارج النبوۃ، ۲:۸۰، مدینہ پبلیشنگ، کراچی) علامہ سید احمد بن زینی دحلان شافعی (۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) کا رسالہ ”أسنى المطالب في إيمان أبي طالب“ ایمان ابوطالب کے حوالے سے ایک عمدہ رسالہ ہے۔ اس میں علامہ موصوف نے ایمان ابو طالب کے قائلین کے حوالے سے لکھا ہے: نجات ابو طالب کے حوالے سے علامہ برزنجی کی اس تحقیق کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کثیر علمائے محققین اور صاحبان کشف و کرامت اولیائے کاملین بھی نجات ابو طالب کے قائل ہیں، جن میں علامہ قرطبی، سبکی، شعرانی اور دیگر بے شمار اہل علم شامل ہیں۔ (ص: ۱۱۴، دار الامام النووی، اردن، ۲۰۰۷ء) علامہ سید زینی دحلان کے بالمقابل مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی شدت کے ساتھ تکفیر کے قائل ہیں۔ ان کا رسالہ شرح المطالب فی مبحث ابی طالب کے نام سے مشہور ہے۔

ڈاکوؤں نے جواب دیا کہ وہ ابھی نوافل ادا کر رہا ہے۔ اس نے پوچھا وہ تمھارے ساتھ نہیں کھاتا؟ انھوں نے کہا: نفل روزہ رکھتا ہے، اس شخص کو تعجب ہوا۔ وہ فضیل کے پاس آیا، اس نے دیکھا فضیل نماز ادا کر رہے ہیں، مکمل خشوع و خضوع کے ساتھ انھوں نے قیام کیا، یہاں تک کہ اسی طرح خشوع و خضوع کے ساتھ نماز مکمل کر لی۔

اس شخص نے فضیل بن عیاض سے کہا: اے عزیز! دو متضاد چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں، میں نے سنا ہے کہ تم روزہ رکھتے ہو، پھر چوری کیسے کر سکتے ہو؟ نماز پڑھتے ہو تو مسلمانوں کو قتل کیسے کر سکتے ہو؟ نماز پڑھنا اور مسلمانوں کو قتل کرنا دونوں ایک ساتھ کیسے ہو سکتا ہے؟ حضرت فضیل نے اس شخص سے پوچھا: قرآن پڑھنا جانتے ہو؟ اس نے جواب دیا: ہاں! کہا: پڑھ کے سناؤ! اس شخص نے اس آیت کی تلاوت شروع کی:

وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ (التوبہ:۱۰۲)

(کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور انھوں نے اپنے نیک اعمال کے ساتھ کچھ دوسرے برے اعمال کو ملا دیا، امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔)

اللہ نے حضرت فضیل بن عیاض کو توفیق و سعادت بخشی، انھوں نے توبہ کی اور بارگاہ الٰہی کی جانب پلٹ آئے۔

پیر دست گیر نے اس مقام پر فرمایا کہ حضرت فضیل جب ڈاکہ زنی کرتے تھے تو جس سے جو کچھ حاصل کرتے اسی وقت اس کا نام و سکونت، نسب، تاریخ اور ساری تفصیلات ایک رجسٹر میں لکھ لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اس رجسٹر کا مطالعہ کیا تو نظر پڑی کہ نیشاپور کے فلاں یہودی سے ہم نے چالیس ہزار دینار لوٹے تھے اور اس کو راضی نہیں کیا ہے۔ اس شخص کے پاس آئے اور کہنا شروع کیا کہ میں فضیل ہوں اور میں نے تمھارے چالیس ہزار دینار فلاں سرزمین پر اتنے سال قبل لیے تھے۔ اب میں تائب ہو چکا ہوں اور ان سارے لوگوں کو میں نے راضی کر لیا ہے جن کا میں نے مال لوٹا تھا، البتہ میں نے تم کو راضی نہیں کیا اور اس وقت میرے پاس کچھ نہیں

ہے، میں تمھاری خدمت میں حاضر ہوں، تم جیسے چاہو میرے ساتھ پیش آسکتے ہو، چاہو تو مجھ سے مزدوری کرالو اور چاہو تو معاف کردو۔ اس یہودی نے کہا: میرا حق مجھ کو دو تب میں تم سے راضی ہو سکتا ہوں۔ فضیل اس یہودی کے گھر میں ملازم ہو گئے، اس یہودی نے توریت میں پڑھا تھا کہ اگر امت محمدیہ کا کوئی شخص سچی توبہ کرے گا تو وہ اپنا ہاتھ مٹی پر ڈال دے گا تو مٹی بھی سونا بن جائے گی۔ اس نے سوچا کہ اس شخص کا امتحان لینا چاہیے۔ وہ گھر کے اندر گیا، مٹی سے بھری ایک تھیلی طاق میں ڈال دی اور باہر نکل آیا اور حضرت فضیل سے کہا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تم سے سونا لوں گا لیکن اب میں ایک حیلہ یہ کرتا ہوں کہ میرے فلاں طاق میں سونے کی تھیلی رکھی ہوئی ہے، اسے لاکر مجھے دے دو تاکہ میں تم سے راضی ہو جاؤں۔ فضیل گھر کے اندر گئے اور اس تھیلی کو یہودی کے سامنے لاکر ڈال دیا۔ جتنا اس یہودی سے آپ نے سونا لیا تھا اتنی مٹی سونا بن چکی تھی۔ یہودی نے کہا کہ تم نے مٹی کے ٹھیکروں کو سونا بنا دیا، مجھے اسلام پیش کرو، تمھارا دین برحق ہے۔ اسی وقت وہ یہودی ستر لوگوں کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

قاضی شہاب الدین سے ایک کنیز کی ملاقات

پیر دست گیر قطب عالم شیخ مینا قدس سرہ نے فرمایا کہ ایک بار قاضی شہاب الدین، بادشاہ کے لشکر میں تھے، آپ قضائے حاجت کے لیے جنگل میں تشریف لے گئے، اچانک ان کا گزر عیش و طرب کی جگہ سے ہوا، خیمہ سے ایک فاحشہ کے رونے کی آواز سنائی دی، آپ سوچنے لگے کہ عیش و نشاط کی جگہوں کا حزن و گریہ سے کیا تعلق؟ آپ سے رہا نہیں گیا اور گھوڑے سے اتر آئے، کھڑے ہو کر تھوڑی دیر سوچنے لگے، مخلوق کے خوف اور بدگمانی کی وجہ سے اندر جانے کی ہمت نہیں ہو سکی، جب رونے کی آواز زیادہ ہو گئی تو خیمہ میں داخل ہوئے، دیکھا کہ ایک فاحشہ تنہا رو رہی ہے۔ اس نے جب مخدوم کو دیکھا تو کہا: اے جناب! واپس چلے جائیے، میں حالت حیض میں ہوں، میں معذور ہوں، سارے گاہکوں کو میں نے لوٹا دیا ہے، آپ بھی لوٹ جائیں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا: تم دیکھتی نہیں کہ میں ایک طالبِ علم ہوں اور صالحین کا لباس پہنے ہوا ہوں، میں تمھارے گاہکوں کی طرح نہیں ہوں۔ اس عورت نے پوچھا پھر آمد کا سبب کیا ہے؟ انھوں نے

جواب دیا کہ میں تمھارے رونے کی آواز سن کر یہاں آیا ہوں، تم کیوں رو رہی ہو؟ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جب مخدوم نے بہت زور دیا، منت سماجت کی تو اس نے کہا: اے عزیز! آج میرے دل میں خیال گزرا کہ لوگ مجھ کو فاحشہ کہہ کر پکارتے ہیں، مجھے خوف ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس نام کے سبب مجھے عذاب میں نہ مبتلا کر دے۔ مخدوم نے فرمایا کہ نام سے کیا ہوتا ہے تم سے برے افعال صادر ہی ہوتے ہیں! اس نے کہا: نعوذ باللہ منہا! مجھ سے کوئی بدفعلی صادر نہیں ہوتی ہے؛ کیوں کہ جب بھی کوئی گاہک میرے پاس آتا ہے تو میں اس کے سامنے ایسے ہی عذر پیش کر دیتی ہوں، جیساکہ میں نے آپ کے سامنے عذر پیش کیا۔ کسی نہ کسی حیلے اور بہانے سے اسے واپس کر دیتی ہوں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا: اے ولیہ! تم آزاد عورت ہو یا کنیز؟ اس نے جواب دیا: میں ایک شخص کی کنیز ہوں اور میں اس کو مال دیتی ہوں۔ میں اس جگہ پر پورے دن بیٹھ کر عبادت میں مشغول رہتی ہوں اور جب یہاں سے اٹھتی ہوں تو چار درہم جو میرے آقا نے میرے اوپر متعیّن کیے ہیں، مصلے کے نیچے پاتی ہوں۔ اسے لے جاکر میں اپنے آقا کو دے دیتی ہوں۔ حضرت مخدوم نے پھر پوچھا کہ اگر رات میں کوئی گاہک آجاتا ہے اور تمھارا مولیٰ تم کو اس کے سپرد کر دیتا ہے تو پھر کیا کرتی ہو؟ اس نے جواب دیا: جیسے ہی میں گھر جاتی ہوں تو مجھے اتنا تیز بخار آتا ہے کہ مجھے جان و جہان کی خبر نہیں رہتی۔

بشر حافی کی توبہ کی برکت

اس فقیر کے پیر دست گیر نے فرمایا: توبہ کے بعد جتنے بھی دن بشر حافی زندہ رہے، ہمیشہ ننگے پاؤں اور ننگے سر رہے۔ وہ فرماتے تھے کہ جس دن مجھے رب تعالیٰ کی امداد و اعانت حاصل ہوئی اور میں نے توبہ کی، اس دن میں اسی حالت میں تھا۔ حق تعالیٰ نے چوپایوں کو بھی حکم دے دیا تھا کہ بشر کی راہ میں گندگی نہ کیا کریں، چنانچہ وہ ان کے راستے میں گندگی نہیں کرتے تھے۔ ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ ان کے راستے میں چوپایوں نے گندگی کر دی ہے، تو سب نے بالاتفاق جان لیا کہ اب بشر حافی اس دنیا میں نہیں رہے۔ پتا لگانے پر معلوم ہوا کہ بشر حافی اپنی جان اپنے خالق کے سپرد کر چکے ہیں اور دار فنا سے دار بقا کی جانب رحلت کر چکے ہیں۔

فائدہ:

جذب وسلوک وعروج

جذب وسلوک کے اعتبار سے طالبین کی قسمیں

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اہل تصوف کو تین چیزیں مطلوب ہیں: جذبہ، سلوک اور عروج۔

(۱) جذبہ: کشش کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: جَذْبَةٌ مِنْ جَذْبَاتِ الحَقِّ تُوَازِی عَمَلَ الثَّقَلَیْنِ (حق تعالیٰ کی طرف سے ایک معمولی کشش دونوں جہان/جن وانس کے عمل کے برابر ہے۔)

(۲) سلوک: کوشش کا نام ہے، سالک اللہ کی راہ میں سیر کرتا ہے یہاں تک کہ مقصود تک رسائی حاصل ہوجاتی ہے۔

(۳) عروج: بخشش اور عطیۂ الٰہی کا نام ہے۔

اگر کسی کو اللہ تعالیٰ اپنے جذبے سے نواز دے، پھر وہ بندہ سب کو یک لخت چھوڑ کر اپنا دل اللہ تعالیٰ سے لگالے، حق کے علاوہ جو کچھ ہے سب کو فراموش کرڈالے اور سب کا نام ونشان اپنے دل سے مٹادے تو وہ مرتبۂ عشق تک پہنچ جائے گا۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو ہمیشہ اُسی عالم میں رہتے ہیں، مقامِ عشق میں اپنی زندگی گزارتے ہیں اور ہمیشہ وہیں رہتے ہیں، اس حالت سے باہر نہیں آتے، ایسے لوگوں کو مجذوب کہا جاتا ہے۔

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو پہلے مقامِ جذب پر ہوتے ہیں، پھر وہاں سے لوٹتے ہیں، سیر نزولی کرتے ہیں، اپنے آپ سے باخبر ہوجاتے ہیں اور وہ راہ مولیٰ میں سلوک طے کرتے ہیں تو وہ مجذوب سالک کہلاتے ہیں۔

اوراگر ابتدا میں سلوک طے کرتے ہیں اور سلوک کی تکمیل کے بعد انھیں جذبۂ ربانی حاصل ہوتا ہے، توان کو سالک مجذوب کہا جاتا ہے۔

اور اگر سلوک کے میدان میں قدم رکھیں اور سلوک کی تکمیل بھی ہوجائے لیکن جذبۂ ربانی حاصل نہ ہونے پائے توان کو محض سالک کہا جاتا ہے۔

اس طرح یہ کل چار قسمیں بنتی ہیں:

(۱)محض مجذوب (۲)مجذوب سالک (۳)سالک مجذوب (۴)محض سالک۔

سالک محض اور مجذوب محض، مقتدا بننے کے لائق نہیں ہوتے۔ صرف سالک مجذوب اور مجذوب سالک ہی مقتدا بن سکتے ہیں[(۱)]۔ ان کی اقتدا کرنی چاہیے، ان کی اقتدا حق تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ ثابت ہوگی اوران سے دارین میں نجات حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

(۱)عارف باللہ حضرت شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی دام ظلہ العالی نے یہاں ایک نکتہ بیان فرمایا ہے، جو بہت ہی لطیف ہونے کے ساتھ موجودہ جہالت اور غلو کے عہد میں انتہائی مفید ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ سالک مجذوب اور مجذوب سالک ہی مقتدا بننے کے لائق ہیں اور ایسے ہی مشائخ کے ارشادات قابل اتباع ہیں، سالک محض اور مجذوب محض اقتدا کے لائق نہیں، لیکن بعض حالات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں ان صاحبان ارشاد کی اقتدا بھی درست نہیں ہوتی جیسے مشائخ کی بشریت، سہو ونسیان، غلبۂ حال، شطحات اور موہمات قابل اتباع نہیں، بلکہ ان سے احتراز مطلوب ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی مقتدا صرف بعض معاملات میں مغلوب ہو، لہٰذا ان معاملات میں اس کی اقتدا نہیں کی جا سکتی۔ حضرت شیخ نے اپنی مثنوی نغمات الاسرار فی مقامات الابرار میں ”سالکین راہ طریقت کے مابین اختلاف کا بیان“ کے ذیل میں فرمایا ہے:

جس جہت سے وہ ہے تجھ سے مختلف　　اس جہت سے حق ہے اس پہ منکشف
اعتبارات و جہات اس کے سمجھ　　اصطلاحات و لغات اس کے سمجھ
عین ممکن ہے کہ وہ مغلوب ہو　　سالک اپنی ذات میں مجذوب ہو
صاحب دل جو کہ ہو مغلوب حال　　وہ ہے مرفوع القلم بے قیل و قال

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی شخص بھی مقتدائے مطلق نہیں ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ غلبۂ حال ایک الگ چیز ہے اور غلو ایک الگ چیز، غلبۂ حال، بعض ذاتی احوال اور روحانی کوائف کے زیر اثر ہوتا ہے، جب کہ غلو احوال باطن سے خالی محض ظاہری دکھاوا اور رسمی ہوتا ہے۔ شیخ اگر کوئی کام اپنے مخصوص احوال باطنی کے زیر اثر کرتا ہے تو وہ اس پر معذور وماجور ہوگا جب کہ مریدین اسی عمل کو صرف ظاہری اتباع میں کریں تو یہ غلو کہلائے گا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (المائدہ:۳۵) (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی بارگاہ میں وسیلہ تلاش کرو) اور رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: الوَسِيْلَةُ هِيَ التَّقَرُّبُ إِلَى الفُقَرَاءِ[1] (فقرا کا قرب ہی وسیلہ ہے)

پھر ان دونوں میں مجذوب سالک مشیخت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ہر شخص شیخ بننے کے لائق نہیں ہوتا۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ مرید ہونے میں خوب احتیاط کرنا چاہیے اور فوراً کسی شخص کا مرید نہیں ہونا چاہیے، اگرچہ وہ شخص نیک و صالح انسان ہی کیوں نہ ہو؛ کیوں کہ شیخی و پیشوائی اور مرید کرنا ایک الگ وصف ہے اور شوخی و رسوائی اور دغابازی ایک دوسری چیز۔

شیخ کون ہوسکتا ہے؟

مشائخ طریقت نے فرمایا ہے کہ شیخ وہ شخص ہوسکتا ہے جو علم شریعت و طریقت اور علم حقیقت کا ماہر اور ان میں کامل ہو۔ ایسے حضرات جو ان تین طرح کے علم سے مشرف ہوں وہ دعوت و ارشاد کے معاملے میں نبی کی طرح ہوں گے اور الشَّيْخُ فِي قَوْمِه كَالنَّبِيِّ فِي أُمَّتِه[2] (شیخ

---

(۱) یہ روایت نہیں ملی، البتہ اس میں شک نہیں کہ اہل اللہ کا قرب اور صالحین کی صحبت شریعت میں مطلوب و نافع ہے۔ اللہ کریم کا ارشاد ہے: وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (سچوں کی صحبت اختیار کرو۔ توبہ:۱۱۹) اور وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (کہف:۲۸) اپنے آپ کو ان لوگوں کی صحبت میں جمائے رہیں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، جن کا مقصود صرف رضائے الٰہی کا حصول ہے، زینت دنیا کی فکر میں ان سے اپنی نگاہیں بھی نہ پھیریں اور ایسے شخص کی پیروی نہ کریں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا ہے، جو اپنے نفس کا غلام ہے اور جس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔

(۲) دیلمی/فردوس (۳۶۶۶) ابن حبان/الضعفا (۱/۴۵۹) معجم ابن عساکر (۲/۷۰۳) جلال الدین سیوطی نے الجامع الصغیر میں خلیلی کی مشیخہ اور ابن النجار کی تاریخ کا حوالہ دیا ہے، امام ابن حجر عسقلانی اور دوسرے اہل علم کے نزدیک یہ حدیث، حدیث نبوی کے طور پر ثابت نہیں ہے۔ بعض علما نے اسے اقوال مشائخ میں شمار کیا ہے، البتہ اس کا مفہوم کتاب و سنت کے مطابق ہے؛ جیسے قرآن پاک میں ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ

اپنی قوم میں ایسے ہی ہوتا ہے جیسے نبی اپنی امت میں) کے مصداق ہوں گے۔ صاحب سجادہ صحیح معنوں میں اس شخص کو کہا جائے گا جو مذکورہ تینوں جادہ (طریق، راستہ) پر استقامت کے ساتھ قائم ہو، شریعت، طریقت اور حقیقت سے خالی نہ ہو، بصورت دیگر وہ سجادہ نہیں کہا جائے گا مگر صرف رسماً اور مجازاً۔

سجادہ کی وجہ تسمیہ:

ارشاد المریدین میں ہے: سجادہ کو سجادہ اس لیے کہا گیا کہ اس کی اصل سہ جادہ (تین راستے) ہے اور یہ تین راستے شریعت، طریقت اور حقیقت ہیں، جو ان تینوں راہوں پر چلنے والا ہو وہی حقیقت میں سجادہ کہلانے کا مستحق ہوگا ورنہ نہیں۔ (۱)

سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ

اتنا کچھ جاننے کے بعد اب یہ بھی جان لو کہ سلوک کا مطلب سیر (چلنا) ہے اور سیر کی دو قسمیں ہیں: (۱) سیر الیٰ اللہ (۲) سیر فی اللہ

ان میں سیر الیٰ اللہ کی انتہا ہوتی ہے۔ صوفیہ فرماتے ہیں کہ سیر الیٰ اللہ یہ ہے کہ سالک اتنا سیر کرلے کہ اسے رب تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوجائے۔ معرفت الٰہی کے حصول کے بعد

(النساء:۵۹)(اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور ان کی اطاعت جو تمھارے امیر ہوں۔) وَّ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ (لقمان:۱۵)(اس کی راہ کی پیروی کرو جو میری طرف متوجہ ہو۔) اور صحیح حدیث میں ہے: ان العلماء هم ورثة الانبياء (یقیناً علما ہی انبیا کے وارث ہیں۔) (صحیح البخاري، کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل، مسند احمد ۲۱۷۱۵:) بعض شارحین نے لفظ "شیخ" کو "جوان" کے بالمقابل معنی میں سمجھا ہے جب کہ صحیح یہ ہے کہ یہاں لغوی معنی مراد نہیں ہے، بلکہ یہاں شیخ سے مراد عالم ربانی ہے جو یقیناً اولوالامر میں شامل ہے۔ علامہ مناوی نے لکھا ہے کہ امام ابن عربی کا فرمان ہے: انبیا کی طرح مشائخ بھی اپنے زمانے میں حق تعالیٰ کے نائب ہوا کرتے ہیں، وہ احکام الٰہی کے وارث ہوتے ہیں اور شریعت کی حفاظت ان کا فرض ہوتا ہے لیکن وہ شارع نہیں ہوتے، اسی طرح دلوں کی حفاظت اور آداب کی پاسداری بھی ان کے فرائض میں شامل ہوتی ہے۔ (فیض القدیر، ۱۸۵/۴)

(۱) ارشاد المریدین/شیخ شہاب الدین سہروردی، ص:۱۸۸

سجادہ: مصلی اور جائے نماز کے معنی میں عربی الاصل لفظ ہے۔ سہ جادہ سے اشتقاق کا قول مشائخ کی معنی آفرینی ہے یا اسے فارسی کا ایک نومولود مرکب کلمہ تسلیم کرلیا جائے۔

سیر فی اللہ کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ کہنا تو بہت آسان ہے لیکن کرنا بہت دشوار ہے۔ رب تعالیٰ کی معرفت بڑی مشقتوں اور تکلیفوں کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

اہل وحدت فرماتے ہیں: سیر الی اللہ کا مطلب یہ ہے کہ سالک اس قدر سیر کرے کہ اسے اس بات کا یقین حاصل ہو جائے کہ وجود واحد کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور سوائے حق تعالیٰ کے کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں، اور یہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوگا جب تک مقام فنا اور فناء الفنا نہ حاصل ہو جائے۔

اہل تصوف کے نزدیک سیر فی اللہ یہ ہے کہ معرفت ربانی حاصل کرنے کے بعد پھر اس قدر سیر کرے کہ تمام صفات و اسما اور علم و حکمت الٰہی جو بہت زیادہ بلکہ لامحدود ہیں، ان سب کی معرفت حاصل کر لے اور جب تک زندہ رہے اسی کام میں لگا رہے۔

اہل وحدت کے نزدیک سیر فی اللہ یہ ہے کہ مذکورہ معرفت حاصل کرنے کے بعد پھر اس قدر سیر کرے کہ جواہر اشیا کی تمام حکمتوں سے از روئے حقیقت واقف ہو جائے اور ان کا مشاہدہ کرنے لگے۔

بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ سیر فی اللہ کی تکمیل ممکن نہیں ہے؛ کیوں کہ انسان کی زندگی تھوڑی ہے اور رب تعالیٰ کا علم اور اس کی حکمتیں بہت زیادہ اور بے شمار ہیں اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سیر فی اللہ ممکن ہے؛ کیوں کہ لوگوں کی صلاحیتیں مختلف اور متفاوت ہوتی ہیں، بعض افراد کی استعداد ایسی اعلیٰ ہوتی ہے کہ اللہ کے فضل سے ان کے لیے سیر فی اللہ ممکن ہو جاتا ہے اور وہ سب کچھ حاصل کر لیتے ہیں، انہیں معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور علم و مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے۔

دردِ محبت ضروری ہے

اے عزیز! ایک بات اور سنو، سالک و طالب کے لیے دردِ محبت ضروری ہے؛ کیوں کہ اس راہ کا سفر درد و محبت کے بغیر طے نہیں ہوتا۔ جو لوگ صرف نماز و روزہ پر اکتفا کر کے مگن ہو گئے وہ مقامات کا شرف نہیں حاصل کر سکے اور بلند و بالا احوال سے بے خبر رہ کر ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ایک عزیز کہتے ہیں:

آنکو کہ بہ ہزار جان گرفتار تو نیست　　　وانکو کہ بہ ہزار دل خریدار تو نیست
از پردہ برون آی بگویش زنہار　　　رَو بازی کن کہ عاشقی کار تو نیست

(۱) جو شخص ہزار جان سے تیری محبت میں گرفتار نہیں ہے اور ہزار دل سے تیرا خرایدار نہیں ہے۔

(۲) پردے سے باہر آکر اس سے کہہ دے کہ جاؤ! کھیلو، ہرگز عاشقی تمھارے بس کا روگ نہیں ہے۔

درد ہی اصل ہے

اس فقیر کے پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ فرماتے تھے: نماز، روزہ اور تلاوت کی کثرت ہر شخص کر سکتا ہے لیکن درد محبت جو سالکین کے لیے ایک عظیم نعمت ہے، اسے حاصل کرنا ہر شخص کے بس کا نہیں، اس راہ میں درد ہی اصل ہے، بے درد اس راہ سے دور ہے اور یہ شعر فرمایا:

مارا نہ مرید ورد خواں می باید　　　نی زاہد و نی حافظ قرآں می باید
صاحب دردے سوختہ جاں می باید　　　آتش زدۂ بخانماں می باید

(۱) ہم کو ورد و وظائف والا مرید نہیں چاہیے، نہ زاہد و حافظ قرآن چاہیے۔

(۲) ہمیں تو کوئی درد کا مارا سوختہ جان چاہیے، جس نے اپنے مال و متاع میں آگ لگا دی ہو۔

اور آپ نے یہ مثنوی بھی پڑھی:

در سینہ دردِ یار دارم　　　صد ملک دریں دیار دارم
اے درد! مرو ز سینہ بیروں　　　زنہار کہ با تو کار دارم

(۱) میرے سینے میں یار کا درد بسا ہوا ہے، اس گھر میں سو ملک آباد ہیں۔

(۲) اے درد محبت! میرے سینے سے کبھی باہر نہ جانا کہ مجھے تمھاری ضرورت ہے۔

دردِ محبت کی علامت

دردِ محبت کی علامت یہ ہے کہ دنیا والوں کی صحبت زہر قاتل معلوم ہو، اور دل دنیا کی طلب، دنیا کی سرداری، جاہ و حشم اور مال و متاع کی طلب سے بالکل اچاٹ اور تمام خواہشات سے

بالکلیہ خالی ہوجائے۔ خواجہ سنائی فرماتے ہیں:

نکند عشق نفس زندہ قبول　　نکند باز موش مردہ شکار

(عشق زندہ نفس یعنی خواہشات رکھنے والے انسان کو قبول نہیں کرتا جس طرح باز مردہ چوہے کا شکار نہیں کرتا۔)

دردِ محبت کی علامت یہ بھی ہے کہ سالک ایسا دائم الحال ہو جیسے کہ کسی کا شفیق باپ، مہربان ماں یا اولاد و احباب رخصت ہوگئے ہوں اور وہ اس کی وجہ سے غم و اندوہ میں ڈوبا ہوا ہو۔

سلوک و تصوف صرف تمناؤں سے حاصل نہیں ہوتا کہ فلاں شخص چھوٹا کپڑا پہنتا ہے تو میں بھی پہنوں گا یا فلاں شخص بہت نماز ادا کرتا ہے تو میں بھی ادا کروں گا۔ یہ ان لوگوں کی راہ ہے جو سب سے مجرد ہو کر شب و روز نفس کی مخالفت کر کے نفس کے خلاف جنگ چھیڑے رہتے ہیں۔ درد و غم کو اپنے سینے میں بساتے ہیں، پھر صدق و اخلاص کے ساتھ عشق کا کھیل کھیلتے ہیں۔

امیر خسرو فرماتے ہیں:

ایوان مراد بس بلند است　　آں جا بہوس رسیدہ نتواں

ایں شربت عاشقی ست خسروؔ　　جز خون جگر چشیدہ نتواں

(۱) ایوان مراد بہت بلند ہے، وہاں تک صرف تمناؤں کے ذریعے نہیں پہنچا جا سکتا۔

(۲) خسرو! یہ جام عاشقی ہے، بغیر خون جگر کے اسے پینا ممکن نہیں ہے۔

رئیس درویشاں، محتسب عارفاں شیخ قوام الدین عباسی لکھنوی فرماتے ہیں:

ایں کار کسانی ست کہ خیزند ز سر و جان　　ایں خانہ خرابی رہ ہر بوالہوسے نیست

سیمرغ تواند کہ کند خانہ بکوہ قاف　　ایں شیوہ ہموں داند و کاری مگسی نیست

(۱) یہ ان لوگوں کا کام ہے جو اپنے وجود سے اوپر اٹھ چکے ہیں، یہ خانہ خرابی ہر بوالہوس کا روگ نہیں ہے۔

(۲) سیمرغ ہی کوہِ قاف میں گھر بنا سکتا ہے، عاشقی سے وہی باخبر ہے۔ یہ کام مکھی کا نہیں ہے۔

مولانا عمدہ بدایونی کا واقعہ

فقیر کے پیر دست گیر قدس سرہ نے فرمایا کہ مولانا عمدہ بدایونی جو ایک دانش مند اور صاحب عزت و حیثیت تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے زمانے میں سالہا سال تک سیاحت میں مشغول رہے۔ ایک دن عنایت ازلی شامل حال ہوئی اور سب کچھ ترک کر کے ملامت کی راہ اختیار کر لی۔ زنانہ لباس پہن کر ایک رخسار سیاہ اور دوسرا سرخ کر کے حضرت خواجہ کی خدمت میں آئے اور ان کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ کہنے لگے: مولانا نظام الدین! تم یہ کر سکتے ہو جو میں نے کیا ہے؟ ہمیشہ سجادۂ تکبر پر مسند رعونت لگائے بیٹھے رہتے ہو اور اپنے آپ کو طالبین و سالکین اور صادقین میں سے کہتے ہو۔ حضرت خواجہ خاموش رہے یہاں تک کہ مولانا عمدہ نے دو تین بار یہی بات کہی اور پھر کہا: مولانا! جواب کیوں نہیں دیتے؟ حضرت خواجہ نے فرمایا: جو کام تم نے کیا ہے وہ آسان ہے، یہ تو بیوہ عورتوں اور مخنثوں کا کام ہے۔ مردان الٰہی کا کام دوسرا ہے۔ مولانا عمدہ کو تعجب ہوا، پوچھا: وہ کام کیا ہے؟ حضرت خواجہ نے جواب دیا کہ مردان الٰہی کا کام یہ ہے کہ وہ ہمیشہ درد عشق الٰہی میں جلتے رہتے ہیں، دل کی پاسبانی کرتے ہیں اور غیر کے خطرہ و خیال کو بھی اندر داخل نہیں ہونے دیتے۔

صاحبِ کشف نہیں، دردِ دل رکھنے والا چاہیے

فقیر کے پیر دست گیر فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی بارگاہ میں ایک درویش آیا، اس نے ایک بزرگ کا تذکرہ شروع کیا کہ ان کا کشف ایسا ہے اور ان کی ایسی ایسی کرامتیں ہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا: "آں دارد؟" (اس کے پاس "وہ" ہے؟) یعنی عشق رکھتا ہے؟ صوفیہ عشق کو "آں" سے تعبیر کرتے ہیں۔

دردِ محبت کیسے حاصل ہو؟

خواجہ نصیر الدین قدس سرہٗ فرماتے تھے: جب محبت حاصل ہو گئی تو سب کچھ حاصل ہو گیا۔ ہمارا خاندان طریقت دو چیزوں سے معروف و مشہور ہے، ایک محبت اور دوسری چیز انفاق (اللہ کی راہ

میں خرچ کرنا)۔ ایک مرید نے پوچھا کہ محبت کیسے حاصل ہوگی؟ آپ نے فرمایا: حق تعالیٰ کی عنایت سے۔ اس نے کہا کسی اور چیز سے بھی محبت حاصل ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا: احسان کے ذریعے۔ ایک دوسرے نے عرض کی: کوئی ایسا ورد بتائیں جس کے پڑھنے سے محبت الٰہی حاصل ہو جائے؟ آپ نے فرمایا: عصر کی نماز کے بعد جو شخص سورۂ نبا (عَمَّ یَتَسَاءَلُونَ الخ) پانچ بار پڑھے گا وہ حق تعالیٰ کی محبت کا اسیر ہو جائے گا۔ پھر آپ نے فرمایا: میں نے حضرت نظام الدین اولیا سے سنا ہے کہ جو شخص مسبعات عشر کے بعد سات بار یہ دعا: اللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مُحِبًّا لَكَ وَأَمِتْنِيْ مُحِبًّا لَكَ، وَاحْشُرْنِي تَحْتَ أَقْدَامِ كِلَابِ أَحِبَّائِكَ پڑھے گا حق تعالیٰ اسے اپنی محبت کا اسیر بنا لے گا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھ کر بھی یہ دعا پڑھے: اللّٰهُمَّ أَحْيِنِيْ مُحِبًّا لَكَ وَأَمِتْنِيْ مُحِبًّا لَكَ ،وَاحْشُرْنِيْ تَحْتَ أَقْدَامِ كِلَابِ أَحِبَّائِكَ (یا اللہ! مجھے اپنی محبت میں زندہ رکھ، اپنی محبت میں موت عطا فرما اور اپنے محبین کے کتوں کے قدموں تلے میرا حشر فرما۔) اس سے محبت الٰہی حاصل ہوگی۔ پھر آپ نے فرمایا: لوگوں کو اپنی طرف سے کوشش کرنی چاہیے اور باقی اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔

اندرین راہ گر تو آن نکنی   جان بدہ جان بدہ زیان نہ کنی
(اس راہ میں اگر تم نے "عشق" نہیں کیا، پس جان دے ڈالو، کوئی گھاٹے کی بات نہیں!)

فائدہ: عشق و محبت میں فرق اور ان کے درجات

اے عزیز! یہ بات قابل ذکر ہے کہ سالکین؛ عشق و محبت کے مابین فرق کے قائل ہیں۔ عشق، محبت کی انتہا کا نام ہے۔ محبت کی ابتدا موافقت سے ہوتی ہے، اس کے بعد میلان ہوتا ہے، اس کے بعد موانست ہوتی ہے، پھر مودت کا مقام آتا ہے اور پھر مقام ہویٰ آتا ہے، اس کے بعد خُلَّت کی منزل آتی ہے، اس کے بعد محبت کی منزل آتی ہے، تب شغف کا مقام آتا ہے، پھر مقام تیم، پھر مقام ولِہ اور اس کے بعد مقام عشق آتا ہے۔

موافقت: یہ ہے کہ دشمنان حق مثلاً؛ دنیا، شیطان اور نفس سے دشمنی رکھیں اور حق تعالیٰ

کے دوستوں سے محبت رکھیں، ہمیشہ ان کے ساتھ رہیں، ان کی صحبت میں بیٹھیں، ان کے احکام کو عزیز رکھیں تا کہ ان کے دلوں میں جگہ بنالیں؛ کیوں کہ جو شخص کسی صاحب دولت کے دل میں جگہ بنالیتا ہے، وہ اس کا منظور نظر، اقبال منداور خود بھی دولت مند ہو جاتا ہے:

تا نیفتد بر تو مردے را نظر　　از وجود خویش کے یابی خبر

(جب تک تم پر کسی مرد کی نظر نہیں پڑے گی تمھیں اپنے وجود کی معرفت کیسے حاصل ہو سکے گی؟)

میل و موانست: میل یہ ہے کہ ہمہ وقت حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور موانست یہ ہے کہ سب سے گریزاں ہو کر حق کی جستجو کرے؛ کیوں کہ مَنْ آنَسَ بِاللّٰہِ اِسْتَوْحَشَ عَنْ غَیْرِ اللّٰہِ جسے ذات الٰہی سے موانست حاصل ہو جاتی ہے اسے غیر حق سے وحشت ہونے لگتی ہے۔

مودت: یہ ہے کہ دل ہی دل میں عاجزی وانکساری کے ساتھ مشغول رہے اور نہایت مشتاق و بے قرار رہے۔

ہویٰ: یہ ہے کہ دل کو ہمیشہ مجاہدے میں اس طرح لگائے رکھا جائے کہ پِتّہ پانی کر دیا جائے، جیسے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راتوں کو نماز میں قیام فرماتے تو آپ کے پائے مبارک میں ورم آجایا کرتا۔ بسا اوقات آپ نماز میں پاؤں کی انگلیوں کے سرے پر قیام فرماتے۔ صحابہ کہتے: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ کے حق میں فرمان الٰہی اتر چکا ہے: لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح:۲) (تا کہ اللہ آپ کے اگلے پچھلے ذنوب کو معاف فرمادے۔) پھر بھی آپ خود کو اتنی مشقت و تکلیف میں ڈالتے ہیں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جواباً ارشاد فرماتے: أَفَلَا أَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا (کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟)[1]

خلت: یہ ہے کہ اپنے تمام اعضا پر دوست کو مسلط کر دیا جائے اور دوست کے علاوہ ہر چیز سے انھیں خالی کر دیا جائے۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب قیام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللیل حتی ترم قدماہ (۱۱۳۰) انگلیوں کے سرے پر قیام کا حوالہ نہیں ملا۔

اجزائے وجود من ہمہ دوست گرفت   نامی ست ز من باقی و دیگر ہمہ اوست

(میرے وجود کے ہر جز پر دوست کا قبضہ ہے، میرا صرف نام باقی ہے، بقیہ سب وہی ہے۔)

محبت: یہ ہے کہ اوصاف ذمیمہ سے پاک ہوکر اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہوجائے، نفس جتنا زیادہ اوصاف ذمیمہ سے پاک ہوگا، روح اسی قدر اخلاق حمیدہ سے آراستہ اور شوق محبت میں وارفتہ ہوگی۔ أَشَدُّهُمْ حُبًّا لله أَحْسَنُهُمْ تَخَلُّقًا بِأَخْلَاقِه [1] (جو شخص اللہ سے جتنی شدید محبت کرنے والا ہوگا وہ اسی قدر اخلاق الٰہی سے آراستہ ہوگا)

شغف: یہ ہے کہ حرارت شوق کی شدت سے حجاب دل پارہ پارہ ہوجائے، لیکن اشک نہ نکلنے پائے تاکہ کہیں کوئی اس محبت پر مطلع نہ ہوجائے؛ کیوں کہ محبت ربوبیت کا ایک راز ہے اور راز ربوبیت کو افشا کرنا کفر ہے، البتہ غلبۂ حال اور بے اختیاری میں اس راز کا افشا ہوجانا ایک الگ بات ہے۔

خواہم نکنم نالہ و لیکن ز درونم   با ایں ہمہ ناخواستہ فریاد برآید [2]

(میں چاہتا ہوں کہ نالہ و فریاد نہ کروں لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی اندر سے فریاد بلند ہونے لگتی ہے۔)

تیم: یہ ہے کہ انسان خود کو محبت کا غلام اور اسیر بنادے اور تجرید ظاہری اور تفرید باطنی سے آراستہ ہوجائے۔ [3]

---

(۱) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: أَحَبُّ عبادِ الله إلى الله تعالى أَحسنُهم خُلُقًا. (سنن ابن ماجہ: ۳۴۳۶۔ مسند احمد: ۱۸۴۵۴)

(۲) فوائد سعدیہ میں دوسرا مصرعہ اس طرح ہے: "ناخواستہ ای وای برآید فریاد" یہاں مجمع السلوک کے متن کو ترجیح دی گئی ہے۔

(۳) علامہ ابوبکر کلاباذی (۳۸۰ھ) لکھتے ہیں: تجرید کے معنی یہ ہیں کہ سالک ظاہری عوارض اور باطنی اغراض سے پاک ہوجائے۔ یعنی نہ تو وہ کوئی سامان دنیا حاصل کرے اور نہ دنیا و آخرت میں اپنے عمل پر کسی بدلے کا طلب گار رہے۔ حسن عمل صرف اللہ کا حق سمجھ کر کرے اور بس۔ اور اپنے سِر کو مقامات واحوال پر نظر کرنے سے روک دے۔ یعنی وہ احوال و مقامات نہ اس کے لیے باعث سکون ہوں اور نہ قابل التفات۔ اور تفرید یہ ہے کہ ظواہر و احوال سے بلند ہوجائے اور موحد فی الاعمال ہو جائے، یعنی اس کے تمام اعمال صرف اللہ کے لیے ہوں، نہ نفس پر نظر ہو، نہ خلق کا خیال ہو اور نہ ہی بدلے کی امید ہو، ایسی حالت ہو کہ حالت کی بھی خبر نہ ہو، خالق حال کے جلووں میں ایسا گم ہو کہ اسے اپنا حال بھی نظر نہ آتا ہو، ظواہر سے اوپر اٹھ چکا ہو، نہ اسے ان سے انس حاصل ہو اور نہ وحشت۔ (التعرف لمذہب اہل التصوف، باب: ۵۲)

ولہ: یہ ہے کہ آئینۂ دل کو جمال دوست کے سامنے کرکے اس کے شراب حسن میں مست کر دیا جائے اور خود کو محبوب کا بیمار بنالیا جائے۔

عشق: یہ ہے کہ بندہ خود کو گم کرکے اس کے لیے بے قرار ہو جائے، جیسے نبی کریم ﷺ بعض اوقات انتہائی بے قراری کے عالم میں فرماتے: كَلِّمِيْنِیْ يَا حُمَيْرَاءُ[1] (اے حمیرا! مجھ سے بات کرو۔) اور کبھی فرماتے: أَرِحْنِیْ يَا بِلَالُ (اے بلال! مجھے راحت پہنچاؤ۔)[2]

راہ سلوک کے حجابات اور لغزشیں

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ نے بیان فرمایا: فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ ایک دن شیخ الاسلام خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہ کی بارگاہ میں سلوک پر گفتگو چل رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: سالک کمال کی طرف متوجہ ہوتا ہے، یعنی جب تک سالک سلوک طے کرنے میں لگا ہے تب تک وہ کمال کا امیدوار ہوتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: سالک، واقف اور راجع تین حالتیں ہیں۔

سالک وہ ہے جو راہ طے کر رہا ہوتا ہے۔ واقف وہ ہے جس کو وقفہ لاحق ہو گیا ہو، ٹھہر گیا ہو۔ بندہ (جامع فوائد الفواد) نے عرض کی: کیا سالک کے لیے وقفہ بھی ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں! جب بھی سالک کو طاعت میں فتور واقع ہو، مثلاً ذوق طاعت ختم ہو جائے تو اسے وقفہ کہا جائے گا اور اگر پھر سے چلنا شروع کر دے، مقصد میں لگ جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جائے تو پھر سے سالک ہو جائے گا اور اگر معاذ اللہ! اسی حالت پر باقی رہے تو وہ راجع کہلائے گا۔ پھر اس کے بعد اس راہ کی لغزشوں کی سات قسمیں بیان فرمائیں: (۱) اعراض (۲) حجاب (۳) تفاصل (۴) سلب مزید (۵) سلب قدیم (۶) تسلی (۷) عداوت

پھر اس تقسیم کو مثال سے واضح فرمایا کہ دو دوست جو عاشق و معشوق ہوں، ایک دوسرے کی محبت میں ڈوبے ہوں، اگر عاشق سے کوئی ایسی حرکت یا کوئی ایسا قول و فعل صادر ہو جائے

---

(۱) احیاء العلوم، کتاب ریاضۃ النفس (۱۰۱/۳) میں کلمینی یا عائشۃ کے الفاظ ہیں۔ عراقی نے کہا: میں نے یہ حدیث نہیں پائی۔

(۲) يَا بِلَالُ أَرِحْنَا بِالصَّلَاة سنن ابي داود، کتاب الادب، باب فی صلاۃ العتمۃ (۴۹۸۵) علل الدارقطنی، مسند علی (۴۶۱)

جو اس کے معشوق کو ناپسند ہو تو وہ عاشق سے اعراض کرے گا، یعنی وہ اس سے روگردانی کرے گا، ایسی صورت میں عاشق پر واجب ہے کہ فوراً استغفار میں مشغول ہو جائے، معذرت کرے، جب وہ دوست اس سے راضی ہو جائے گا تو وہ تھوڑا سا اعراض جو اس کی جانب سے ہوا تھا، ختم ہو جائے گا اور اگر وہ عاشق اسی غلطی پر اڑا رہے اور عذر خواہی نہ کرے تو وہی اعراض حجاب میں تبدیل ہو جائے گا اور معشوق اپنے سامنے ایک حجاب قائم کر دے گا۔

جب یہ تمثیلی گفتگو یہاں تک پہنچی تو حضرت خواجہ محبوب الٰہی نے اپنا ہاتھ اٹھایا، اپنی آستین اپنے چہرۂ مبارک کے سامنے لے گئے اور فرمایا: مثلاً محب و محبوب کے مابین اس طرح سے حجاب قائم ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں محب کے لیے ضروری ہے کہ معذرت خواہی کی کوشش کرے، توبہ کرے، اگر وہ اس کام میں سستی کا مظاہرہ کرے گا تو ہو سکتا ہے کہ وہ محبوب حجاب تفاصل تان لے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے جدائی اختیار کر لے؛ کیوں کہ پہلے اس نے اعراض کا مظاہرہ کیا اور جب اس نے عذر خواہی نہیں کی تو وہ حجاب میں تبدیل ہو گیا اور جب محب اسی ناپسندیدگی اور ناراضی کی حالت پر باقی رہا تو محبوب نے تفاصل برت لیا، اب بھی اگر محب استغفار نہیں کرتا تو وہی حجاب تفاصل بڑھ کر سلب مزید کی صورت اختیار کر لے گا، یعنی وہ اضافی نعمتیں جو اسے اوراد و وظائف میں اور اسی طرح ذوق طاعت و عبادت میں ملتی تھیں، وہ سب چھن جائیں گی، اگر اب بھی عذر خواہی نہیں کرتا اور اسی بیہودگی پر باقی رہتا ہے تو پچھلی کیفیت بڑھ کر سلب قدیم میں تبدیل ہو جائے گی، اور وہ راحت اور ذوق طاعت جو اسے اضافی نعمتوں سے پہلے حاصل تھا، اسے بھی اس کا محبوب اس سے واپس لے لے گا، اور اگر اس مقام پر بھی توبہ نہیں کرتا اور اس میں کوتاہی کرتا ہے تو یہی حالت تسلی بن جائے گی۔ تسلی کیا ہے؟ تسلی یہ ہے کہ اس کا محبوب اس کے دل کو اپنی جدائی میں ہی آرام عطا کر دے، اگر اس مقام پر پہنچ کر بھی اللہ سے توبہ و رجوع نہیں کرتا تو یہی کیفیت معاذ اللہ عداوت میں تبدیل ہو جائے گی۔ (۱)

---

(۱) فوائد الفواد، جلد اول، مجلس: ۱۶ (ص: ۲۷-۲۶)

فائدہ:

وصال و مشاہدہ

رفع حجاب کے بعد سالک دل سے یہ یقین کرلیتا ہے کہ اللہ موجود ہے اور وہ حاضر و ناظر اور شاہد ہے۔ اسے بھی ادنیٰ وصال کہتے ہیں۔

اور اگر رفع حجاب و کشف کے بعد تجلی ذات کا ظہور ہو جائے تو یہ مشاہدے کا اعلیٰ مقام ہے۔ اس کو وصال اعلیٰ کہا جاتا ہے۔ طالبان مولیٰ کو اسی کی تلاش رہتی ہے۔

سالک کے لیے پہلا مقام محاضرہ، دوسرا مکاشفہ اور تیسرا مشاہدہ ہوتا ہے۔ محاضرہ علم الیقین والوں کو، مکاشفہ عین الیقین والوں کو اور مشاہدہ حق الیقین والوں کو حاصل ہوتا ہے۔

مشاہدے اور مکاشفے کی بحث

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ جو اس راہ کے دیدہ ور تھے اور جن کو نور حقیقی اور تجلی ذات تک رسائی حاصل تھی، انھوں نے فرمایا: مشاہدہ، مکاشفہ اور تجلی کے مابین بہت ہی باریک فرق ہے۔ ہر کس و ناکس کے بس کا نہیں کہ ان میں امتیاز قائم کر سکے۔

مرصاد العباد میں ہے: ”مشاہدہ کبھی بغیر تجلی کے ہوتا ہے اور کبھی تجلی کے ساتھ، اسی طرح تجلی کبھی بغیر مشاہدے کے ہوتی ہے اور کبھی مشاہدہ کے ساتھ ہوتی ہے، جب تجلی صفات جمالی کے ساتھ ہو تو مشاہدے کے ساتھ ہوگی اور جب صفات جلالی کے ساتھ ہو تو بغیر مشاہدہ کے ہوگی؛ کیوں کہ مشاہدہ باب مفاعلت سے ہے جو دوئی کا تقاضا کرتا ہے اور صفات جلالیہ کی تجلی دوئی کو ختم کرنے اور وحدت کو ثابت کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔ البتہ مشاہدہ اور تجلی بغیر مکاشفے کے نہیں

ہوگی، جب کہ یہ ممکن ہے کہ مکاشفہ بغیر تجلی و مشاہدہ کے حاصل ہو۔''

صاحب مرصاد العباد درست کہہ رہے ہیں، لیکن میرے نزدیک مشاہدہ بغیر تجلی کے مشکل معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ ذات وصفات الٰہی کے ظہور کا نام مشاہدہ ہے۔ لہٰذا مشاہدہ تجلی کے بغیر نہیں پایا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ میری نگاہ صاحب مرصاد العباد کی فکر تک نہ پہنچی ہو اور اس کا مجھے ادراک نہ ہوسکا ہو، حقیقت حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

درجات مکاشفہ

اے عزیز! مکاشفہ اس حجاب کے اٹھ جانے کا نام ہے جو روح وجسم کے مابین ہوتا ہے، اس کا ادراک برحق ہے لیکن اسے ظاہر نہیں کیا جاسکتا۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ سالک جس وقت جذبۂ ارادت پاکر سفلی طبیعت سے جدا ہوکر حقیقت علوی کی جانب قدم بڑھاتا ہے اور اپنے باطن کو ریاضتوں کے ذریعے پاک وصاف کرلیتا ہے تو اس کی نگاہ وسیع ہوجاتی ہے، ریاضتوں کے حساب سے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور حجابات کے اٹھنے اور عقل کی صفائی کے لحاظ سے معانی معقولہ کا ادراک زیادہ ہوجاتا ہے، اسے کشف نظری کہتے ہیں۔ سالک کو چاہیے کہ اس سے گزر کر قدم اور آگے بڑھائے، یہاں تک کہ دل کی نورانیت حاصل ہوجائے، اسے کشف نوری کہتے ہیں۔ سالک یہاں سے بھی آگے قدم بڑھائے، یہاں تک کہ سِری مکاشفات ظاہر ہوجائیں، اسے کشف الٰہی کہتے ہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر تخلیق کے اسرار اور وجود کی حکمتیں ظاہر ہوجائیں گی، لیکن سالک کو چاہیے کہ اس مقام سے بھی گزر کر مکاشفۂ روحانی کے مقام تک پہنچے، اسے کشف روحانی کہتے ہیں۔ اس مقام پر جنت وجہنم ظاہر ہوجائیں گے، فرشتے نظر آنے لگیں گے اور لامتناہی عوالم کھل جائیں گے، یہاں پر مقام ولایت ظاہر ہوجائے گا، لیکن سالک کو چاہیے کہ اس مقام سے آگے بڑھ کر مکاشفات خفی تک پہنچ جائے تاکہ اس کے واسطے سے عالم صفات الٰہی تک راہ پاجائے، اسے مکاشفۂ صفاتی کہتے ہیں، اس مقام پر اگر کوئی چیز صفت علمی کے طور پر ظاہر ہو اور کسی صفت علمی کا مکاشفہ ہو تو یہ علم لدنی کی جنس سے ظاہر ہوگا، جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا، اگر صفت سمعی کے طور پر کسی چیز کا مکاشفہ ہو تو کلام الٰہی اور خطاب الٰہی کا سماع ہوگا، جیسا کہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا کہ وہ ایک سو چار بار کلام الٰہی کی سماعت سے شرف یاب ہوئے، اگر صفت بصری کے طور پر کوئی چیز ظاہر ہو تو وہ رویت و مشاہدہ ہو گا، اگر صفت جلالی کے طور پر کسی چیز کا مکاشفہ ہو تو بقائے حقیقی کا ظہور ہو گا اور اگر صفت وحدانیت کے طور پر کسی چیز کا ظہور ہو تو وہ وحدت کا ظہور ہو گا۔ باقی صفات کو اسی پر قیاس کیا جائے۔ البتہ کشف ذاتی کا مرتبہ بہت بلند ہے، عبارات واشارات میں اس کے بیان کی طاقت نہیں۔

فائدہ:

رب تعالیٰ کی بندوں سے محبت

روایت ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ جو اس امت پر ماں سے بھی زیادہ مہربان ہیں، آپ نے مناجات کی کہ اے اللہ! کل بروز قیامت میری امت کا حساب وکتاب میرے ہاتھ میں عطا کر دینا؛ کیوں کہ میری امت جو اپنے اوپر بہت جور وجفا کرنے والی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ انبیا کے سامنے رسوا ہو جائے، رسوا ہو تو میرے سامنے ہو۔ فرمان باری تعالیٰ ہوا، کل بروز قیامت آپ کی امت کا حساب میں اپنے سامنے لوں گا تاکہ یہ آپ کے سامنے بھی رسوا نہ ہو، اگر یہ آپ کی امت ہیں تو میرے بندے ہیں۔ میں انھیں بھلا آپ کے سامنے کیوں رسوا ہونے دوں گا[1]۔ ع

گر کرمت عام شد رفت زبرہان عذاب

(اگر تیرا کرم عام ہو جائے تو یقیناً تیرا عذاب اٹھ جائے گا۔)

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اتنے سال اور اتنے مہینے سے میں تجھ کو ”عبدی، عبدی“ (اے میرے بندے! اے میرے بندے!) کہہ کر پکار رہا ہوں لیکن تو ”لبیک یاسیدی“ نہیں کہتا، اے بندۂ مومن! تجھ کو شرم آنی چاہیے کہ جب تو مجھ کو پکارتا ہے تو میں اسے شرف اجابت سے نوازتا ہوں اور جب میں تجھ کو ندا کرتا ہوں تو تو میری ندا پر لبیک نہیں کہتا۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر:۵۳) کی جانب نظر کرو تاکہ میری رحمت سے ناامید نہ ہو اور معافی کی

(۱) قوت القلوب، الفصل الثاني والثلاثون، شرح مقامات اليقين (۱/۳۵۷) ابن عراق کنانی نے لکھا ہے کہ ”اس حدیث کو ابن نجار نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے، اس میں محمد بن ایوب رازی ہے، جس پر کلام ہے۔“ (تنزیہ الشریعۃ، ۱/۳۹۲)

آس نہ توڑو، اگرچہ تیرے گناہ کی انتہا نہیں، تیرے معاصی کا شمار نہیں، تیری لغزشوں کا کوئی اندازہ نہیں، لیکن تجھ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہماری رحمت کی بھی کوئی حد نہیں، ہماری بخشش کا بھی کوئی اندازہ نہیں اور ہمارے کرم کی بھی کوئی انتہا نہیں۔

اے عزیز، افسوس! صد افسوس! صد ہزار بار افسوس! ذات باری ازلی، شان کمالی کی حامل اور شان صمدیت و بے نیازی کی مالک ہے، مگر اس کے باوجود ہر وقت تم کو ندا کرتی ہے اور تم نقص وزوال سے متّصف ہونے اور اس کے محتاج ہونے کے باوجود اس سے دور بھاگتے ہو۔ ایک بار تو اس کی طلب میں لگ جاؤ اور اُسے پانے کی کوشش کرو اور خود کو سنوارو۔ اگر تم پر عالم غیب وملکوت کا دروازہ کھل جائے اور قرب ووصال میسر آجائے تب تو بڑی کامیابی ہاتھ آئی، ورنہ قیامت کے دن اجر عظیم کے ضرور مستحق ہوگے، تمھارے لیے شرط صرف یہ ہے کہ شریعت وطریقت کو اپنے حواس اور اپنی سانسوں پر مسلط کرلو، ایک سانس کو بھی ضائع نہ جانے دو، کیوں کہ أَعْظَمُ الْمُصَائِبِ ذِهَابُ الْوَقْتِ بِلَا فَائِدَةٍ (بلا فائدہ وقت کا گزر جانا سب سے بڑی مصیبت ہے۔) جو وقت ملا ہے اسے غنیمت جانو اور کل کی امید میں مت رہو۔

مجاہدہ کے اسباب کو اختیار کرو اور وہ پتھر جو دل کی آنکھوں کے سامنے آکر حجاب بن چکا ہے اسے توڑ دو تاکہ مشاہدۂ ربانی کا جام شیریں حاصل کرسکو، ہرکس وناکس کا کام نہیں ہے کہ مردوں کے معرکے میں شریک ہوکر شمشیر زنی کرے اور حلال مال غنیمت حاصل کرے۔

تیغ خویش از خون ہر تردامنی رنگیں مکن   چون تو رستم پیشۂ ای آں بہ کہ بر رستم زنی

(اپنی تلوار ہرکس وناکس کے خون سے رنگین مت کرو، جب تم رستم ہو تو بہتر یہی ہے کہ اپنا فن کسی رستم پر ہی آزماؤ۔)

اے عزیز! اے دوست! خواہش پرست سے مولیٰ پرستی نہیں ہوسکتی اور نہ کبھی خود پرست سے خدا پرستی ہوسکتی ہے۔

ایک کافر اور حضرت ابراہیم کا واقعہ

پیر دست گیر حضرت مخدوم شاہ مینا نے فرمایا: ایک کافر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کھانا مانگا، آپ نے کھانا دینے میں تاخیر کی، اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی: تیرا کرم کہاں ہے؟ سالوں سے میں اسے روزی دے رہا ہوں، اس کا رزق میں نے دوسروں کو دینا گوارا نہیں کیا، پھر تم نے اسے کھانا دینے میں تاخیر کیوں کی اور کھانا دینے سے خود کو کیوں باز رکھا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کافر کے پیچھے دوڑے اور اس کی تلاش میں لگ گئے، تھوڑی دیر بعد وہ مل گیا، حضرت ابراہیم نے فوراً اس کی ضیافت فرمائی۔ اس کافر نے کہا: آپ کو یہ ادب کس نے سکھایا؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا: یہ ادب مجھے اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے، اسی لیے میں نے تیری ضیافت میں تیزی دکھائی۔ یہ سن کر اس کافر نے کہا: وہ پروردگار کتنا اچھا ہے جس نے اپنے دوست پر اپنے دشمن کی وجہ سے عتاب نازل کیا اور دوست کے قول وفعل کو پسند نہیں کیا۔ یہ کہہ کر وہ مسلمان ہو گیا۔

فتح موصلی اور ایک بچے کا واقعہ

فتح موصلی نے فرمایا: ایک مرتبہ میں نے کعبۂ معظمہ کی زیارت کا ارادہ کیا، ایک بچے کے پاس پہنچا، اسے دیکھا کہ ویران صحرا میں پڑا ہوا ہے۔ فتح موصلی فرماتے ہیں: وہ بچہ ابھی مکلف بھی نہیں تھا اور شرعی احکام بھی اس پر نافذ نہیں ہوئے تھے۔ میں نے اس سے چند سوالات کیے۔

فتح موصلی: اے نیک بخت! کہاں سے آئے ہو؟

بچہ: میں اپنے رب کے گھر سے آ رہا ہوں۔

فتح موصلی: ابھی تو تم بچے ہو مکلف بھی نہیں ہوے پھر بھی اپنے آپ کو اتنی مشقت میں کیوں ڈالا اور بے سبب اتنی تکلیفیں کیوں اٹھائی؟

بچہ: اے شیخ! ایسی بات اپنی زندگی میں اب دوبارہ نہ کہنا۔ میں نے ملک الموت کو اپنے سے چھوٹے بچے کی روح قبض کرتے دیکھا ہے۔ اس نے مجھ سے چھوٹوں کو خاک کے حوالے کر دیا ہے۔

فتح موصلی: پیارے! تمھارے ساتھ زاد سفر اور سواری کیوں نہیں ہے؟

بچہ: یقین میرا زادِ سفر، میرے پاؤں میری سواری اور میرا شوق وجنوں میرا آلۂ سفر ہے۔

فتح موصلی: میرا سوال اس سے متعلق نہیں ہے۔

بچہ: پھر کس سے متعلق ہے؟

فتح موصلی: میرا مقصد روٹی اور پانی کے متعلق پوچھنا تھا، مجھے تمھاری ہلاکت کا خوف ہے۔

بچہ: آپ کا نام کیا ہے؟

فتح موصلی: فتح

بچہ: اے فتح! اگر آپ کا کوئی بھائی یا دوست آپ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دے تو کیا آپ پسند کریں گے کہ اپنے ساتھ کھانا لے کر جائیں اور اس کھانے کو کھائیں؟

فتح موصلی: نہیں!

بچہ: اے بے یقین! میرا رب جو نہ جانے کتنے گنہ گاروں، بیگانوں اور غیر مہمانوں کو روزی دیتا ہے، مجھ کو جب اس نے اپنے گھر بلایا ہے تو میرے کھانے پینے کا انتظام کیوں نہیں فرمائے گا؟

رب و بندہ محبوب و محب اور شیطان فضولی

پیر دست گیر قطب عالم شیخ مینا قدس سرہ سے میں نے سنا ہے کہ ایک شخص جس نے سالوں رب تعالیٰ کی اطاعت میں زندگی گزاری تھی اور ذرہ برابر بھی اس کے حکم سے انحراف نہیں کیا تھا، وہ اچانک ایک گناہ میں ملوث ہو گیا، اس نے دوبارہ رب العالمین کی اطاعت اور اس کی بندگی میں اپنے آپ کو لگانا چاہا، شیطان ملعون نے کہا: شرم نہیں آتی کہ گناہوں کی اس نجاست کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونا چاہتے ہو؟ اور اس طرح شیطان نے اسے راہ حق سے دور کر کے گمراہی میں ڈالنا چاہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی کے پاس وحی فرمائی کہ اس شخص سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تو نے ہماری اطاعت کی تو ہم نے اس کا بدلہ دیا، تو نے ہمیں چھوڑ دیا تو ہم نے مہلت دی، اگر تو ہماری بارگاہ میں پلٹ آئے گا تو ہم تجھ کو قبول کر لیں گے، تو ہمارے لیے ہے اور ہم تیرے لیے۔ اور فضولی (شیطان) سے کہہ دے کہ تو بیچ میں آنے والا کون ہے؟

سلطان العارفین، برہان السالکین شیخ قوام الدین لکھنوی فرماتے ہیں۔

گر مفسدم من زان او، ور مصلحم من زان او

او، زان من، من زان او، تو در میانہ کیست کو

(اگر میں برا ہوں تب بھی اس کا اور بھلا ہوں تب بھی اس کا، وہ میرا ہے میں اس کا ہوں، بیچ میں تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟)

حضرت جنید بغدادی کا واقعہ

ایک رات حضرت خواجہ جنید بغدادی قدس سرہ شونیزیہ کی مسجد کی جانب نکلے اور اس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا کہ اچانک ایک خوف ناک بُری صورت ظاہر ہوئی اور اس نے مسجد میں داخل ہونے سے ان کے دل کو پھیرنا چاہا۔ آپ نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر دریافت کیا: تو کون ہے؟ میرا دل تجھے قبول نہیں کر رہا ہے، یہ مسجد جو مسکن اولیا ہے، اس میں داخل ہونے سے تو کیوں روک رہا ہے؟ ابلیس نے کہا: میں راندۂ درگاہ سبحانی شیطان ہوں۔ حضرت جنید نے فرمایا: زمانے سے تجھ سے ایک سوال پوچھنے کا خواہش مند ہوں اور تیرے شر سے خدا کی پناہ کا طلب گار ہوں۔ اے ابلیس! تو درویشوں پر کیسے غلبہ حاصل کرتا ہے؟ ابلیس نے جواب دیا: میں ان پر غالب نہیں ہو پاتا؛ کیوں کہ جب میں ان کو دنیا کے ذریعے پکڑنا چاہتا ہوں تو عقبیٰ کا سہارا لے کر وہ مجھ سے راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں اور جب عقبیٰ کے ذریعے ان کو اپنی گرفت میں لینا چاہتا ہوں تو مولیٰ کی پناہ میں جا کر مجھ سے آمادۂ جنگ ہو جاتے ہیں اور میری رسائی بارگاہ مولیٰ تک نہیں ہو پاتی۔ اس لیے میں ان پر غلبہ نہیں حاصل کر پاتا۔

حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے دریافت کیا: تجھے ان کے حال پر اطلاع ہوتی ہے اور آخر کار تیرا جادو ان پر چل جاتا ہے؟ شیطان نے کہا: نہیں! البتہ جب سماع کے وقت ان پر وجد آتا ہے تو میں جانتا ہوں کہ ان پر کون سی حالت طاری ہوئی ہے اور میں جانتا ہوں کہ ان کو کیا ذوق حاصل ہوا ہے۔ ابلیس یہ کہہ کر نظروں سے غائب ہو گیا۔

حضرت جنید بغدادی قدس سرہ متفکر ہو گئے، مسجد میں داخل ہوئے، مسجد کے کونے سے

آواز آئی: اے صاحب زادے! دیکھو اس دشمن کی باتوں میں نہ آنا اور اس کے کہنے پر اپنے آپ کو تردد میں نہ ڈالنا، اس لیے کہ حق تعالیٰ کو اپنے درویش اتنے عزیز ہیں کہ جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام پر بھی ان کے احوال ظاہر نہیں فرماتا، پھر بھلا اس ذلیل وبے وقعت دشمن پر کب ظاہر فرمائے گا؟

رب تعالیٰ کی مغفرت عامہ کے نمونے

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جب اللہ کریمی سے پیش آتا ہے تو ندا کرا دیتا ہے: مَنْ کَانَ مُسَمًّى بِاسْمٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ بَيْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلْيَدْخُلِ الْجَنَّةَ[1] (ایمان والوں میں سے جو کسی نبی کا ہم نام ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے۔)

پیر دست گیر شیخ مینا قدس سرہ سے میں نے سنا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ سُمِّيَ بِاسْمِي أَوْ كَانَ فِي اسْمِهِ حَرْفٌ مِنْ حُرُوْفِ اسْمِي فَهُوَ مَغْفُوْرٌ۔[2]

(جو میرا ہم نام ہو یا جس کے نام میں میرے نام کا کوئی حرف ہو اس کے لیے مغفرت ہے۔)

متفرقات ظہیریہ میں منقول ہے کہ بندوں کے حساب وکتاب کے وقت جب بندوں کی برائی کا پلّہ بھاری ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ انھیں جہنم میں لے جانے کا حکم فرمائے گا، پھر اللہ تعالیٰ حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمائے گا: میرے بندے کے پاس جاؤ اور اس کی نیکیوں کے بارے میں سوال کرو، یہاں تک کہ اگر اس کا نام کسی عالم کے نام پر ہو تو اس کی وجہ سے اس کی

---

(۱) اس لفظ سے روایت نہیں ملی لیکن حدیثوں میں انبیا کے نام پر نام رکھنے کی فضیلت وارد ہے جیسے: تَسَمَّوْا بِأَسْمَاءِ الْأَنْبِيَاءِ، وَأَحَبُّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، عَبْدُ اللهِ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ (سنن النسائي، کتاب الخیل، ۶/۲۱۸)

(۲) اس لفظ سے ہم نے حدیث نہیں پائی لیکن اسم محمد کی فضیلت اور اس پر وعدۂ مغفرت کے حوالے سے متعدّد روایتیں ہیں، مثلاً ابن بکیر نے فضائل التسمیۃ (ص: ۴۰) میں حضرت ابو امامہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من ولد له مولود فسماه محمدا تبركا به كان هو ومولوده في الجنة (جس کے گھر کوئی بچہ پیدا ہوا اور اس نے تبرکاً اس کا نام محمد رکھ دیا تو وہ شخص اپنے بچے کے ساتھ جنت میں ہوگا۔) اس حدیث کی سند کو علامہ جلال الدین سیوطی نے حسن کہا ہے۔ (اللآلی المصنوعۃ ۱/۹۷) اس کے علاوہ صحیح احادیث میں نام محمد رکھنے سے متعلق حدیثیں وارد ہیں مثلاً: تسموا باسمي ولا تكتنوا بكنيتي۔ میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت نہ رکھو۔ (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی ﷺ، ۱۱۰)

مغفرت کردو، چناں چہ اس کی مغفرت صرف اس وجہ سے کردی جائے گی کہ اس کا نام اللہ کے کسی خاص بندے کے نام پر ہے۔

مناقب میں ہے کہ کچھ ایسے لوگ ہوں گے جن کے نام کسی نبی کے نام پر نہیں ہوں گے، تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا، میرا نام مومن ہے اور میں نے تمھارا نام مومن رکھا ہے اور پھر اس وجہ سے انھیں جنت میں داخل فرمادے گا۔

ظہیریہ ہی میں ہے: بعض روایات میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت جبریل سے ارشاد فرمائے گا: میرے اس بندے کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کردو اس لیے کہ فلاں شخص اسے محبوب تھا اور وہ شخص ایک عالم سے محبت کرتا تھا، اس لیے میں نے اس کی مغفرت کردی۔

فقرا کی فضیلت اور ثبوتِ سماع

بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرتِ جبریل کی یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ فُقَرَاءَ أُمَّتِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ الأَغْنِيَاءِ بِنِصْفِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُوَ خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ[1] (اے اللہ کے رسول !آپ کی امت کے فقرا اغنیا کے بالمقابل قیامت کے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہوجائیں گے۔ اور قیامت کا آدھا دن پانچ سو سالوں کے برابر ہوگا۔) اور آپ ﷺ نے ایک صحابی کو شعر خوانی کے لیے طلب کیا، تاکہ خوشی کا اظہار ہو، اس صحابی نے یہ اشعار لحن داؤدی میں گنگنانا شروع کیا۔ ؎

قَدْ لَسَعَتْ حَيَّةُ الْهَوَى كَبِدِي فَلَا طَبِيبَ لَهَا وَلَا رَاقِي
إِلَّا الْحَبِيبُ الَّذِي قد شُغِفْتُ بِهِ فَعِنْدَهُ رُقْيَتِي وَتِرْيَاقِي

عشق کی ناگن نے مجھ کو ڈس لیا جس کا منتر ہے نہ کوئی ہے دعا
ایک بس محبوب جس پر دل فدا اس کے قدموں میں مرض کی ہے دوا

یہ سن کر نبی کریم ﷺ صوفیہ کی طرح اٹھے اور چند قدم مکمل ذوق کے ساتھ تیزی

(۱) سنن ترمذی (۲۳۵۳)، نسائی/السنن الکبری (۱۱۳۴۸)، سنن ابن ماجہ (۴۱۲۲)، مسند احمد (۱۰۶۵۴) بہ الفاظ مختلفہ

سے چلے یہاں تک کہ آپ کی ردائے مبارک آپ کے جسم مبارک سے گر گئی اور وہ چادر آپ کے صحابہ کے مابین بطور تبرک تقسیم ہو گئی۔ (۱)

اسی لیے صوفیہ سماع کو جائز سمجھتے ہیں اور اسے تقربات الٰہی میں شمار کرتے ہیں۔

(۱) محمد طاہر مقدسی/ صفوۃ التصوف، کتاب المعاشرۃ، باب خشوع القلب (۱۷۳)، سہروردی/ عوارف المعارف، الباب الخامس والعشرون فی السماع (۳۶/۲) اس حدیث کے متعلق شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں: ''ہم نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے مگر محدثین نے اس کی سند پر اعتراض کیا ہے اور ہم نے بھی اس حدیث کے علاوہ کوئی ایسی حدیث نہیں سنی جس میں رسول اللہ ﷺ کا وجد اور آپ کی محفل سماع، موجودہ زمانے کے وجد اور محفل سماع کے مشابہ ہو۔ بہر حال یہ حدیث اس زمانے کے صوفیہ کے سماع اور خرقہ پھاڑ کر تقسیم کرنے کے بارے میں بہترین دلیل ہے بشرطیکہ یہ حدیث صحیح ثابت ہو جائے۔ واللہ اعلم۔ میرے دل میں گمان گزرتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں؛ کیوں کہ یہ اجتماعات نبوی اور آپ کے مذاق و مزاج کے مطابق نہیں، جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے آپ اپنے صحابہ کے ساتھ اس قسم کی باتیں نہیں کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے ہمارا ضمیر اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔'' اس حدیث کو تمام محدثین نے موضوع قرار دیا ہے، حافظ عراقی، ابن سبکی اور زبیدی نے احیاء العلوم، کتاب السماع کی شرح و تخریج میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

دیدارِ مولیٰ کی طلب

ہاں ہاں اے عزیز اور اے برادرِ شفیق! اگر تم طالب دیدار مولیٰ ہو تو بہت نیک بخت ہو، کبھی بھی محروموں کی گفتگو پر کان نہ دھرنا، ابلیس تلبیس میں لگا ہے اور شیطان اپنی شیطنت میں مصروف ہے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ أَحَبَّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنِیْ إِلَی حُبِّكَ بِفَضْلِكَ يَاكَرِيْمُ يَاوَهَّابُ يَارَحِيْمُ يَاتَوَّابُ (اے اللہ! اے کریم، اے خوب عطا فرمانے والے، اے رحم فرمانے والے، اے توبہ قبول فرمانے والے! اپنے فضل سے ہمیں اپنی محبت عطا فرما اور اس کی محبت عطا فرما جو تجھ سے محبت رکھتا ہے اور اس عمل کی محبت عطا فرما جو مجھے تیری محبت سے قریب لے جائے۔)

شیخ عین القضاۃ ہمدانی فرماتے ہیں: ہائے افسوس! ذات الٰہی سے لذت حاصل کرنا، اس کی کیفیت کو پانا اور اس ذات کا ادراک و احاطہ کرنا محال ہے؛ کیوں کہ اس ذات کے دیکھنے والے سے اس کی بصارت چھن جاتی ہے، جب دیکھنے والا ہی نہ رہ جائے گا تو کون کس کو دیکھے گا؟

البتہ جسے آپ صفات کہتے ہیں، أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ نُوْرِي [1] (اللہ تعالیٰ نے سب سے

(۱) امام عجلونی نے کشف الخفاء (۱/۲۶۵) میں اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ اس حدیث کو حضرت جابر بن عبد اللہ سے عبد الرزاق نے روایت کی ہے۔ لیکن ایک دہائی پہلے تک ان کی مطبوعہ کتاب ''مصنف'' (جس کے ابتدائی چند اوراق مفقود تھے۔) اور ان کی تفسیر میں یہ حدیث نہیں ملی، لیکن عیسی مانع حمیری کی تحقیق سے ''مصنف'' کا جزء مفقود ۲۰۰۵ء میں

پہلے میرے نور کو پیدا کیا) اسی کا مظہر ہے۔ جب اللہ عزوجل اپنا جلوہ ظاہر فرماتا ہے تو جس صورت میں چاہتا ہے جلوہ گری فرماتا ہے۔ میں (عین القضاۃ) نے ایک نور دیکھا جو اس سے جدا ہوا اور ایک نور دیکھا جو مجھ سے باہر نکلا، دونوں نور جمع ہو گئے اور ایک خوب صورت شکل ہو گئی۔ میں تھوڑی دیر تک حیرانی کے عالم میں رہا۔ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَسُوْقًا يُبَاعُ فِيْهِ الصُّوَرُ(۱) (جنت میں ایک بازار ہے جہاں صورتیں بکتی ہیں) کے یہی معنی ہوں گے۔ رَأَيْتُ رَبِّىْ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ فِي أَحْسَنِ صُوْرَةٍ(۲) (میں نے اپنے رب کو معراج کی شب بہترین صورت میں دیکھا) بھی اسی کی جانب اشارہ کرتا ہے۔

اف! اس حدیث کو غور سے پڑھو! اس مقام پر اتصال وانتہائے مصطفی یکجا ہے: مَنْ رَآنِی فَقَد رأَى الْحَقَّ(۳) (جس نے مجھے دیکھا اس نے حق تعالیٰ کو ہی دیکھا) اس واقعے کا بیان بہت مشکل ہے۔

اے عزیز! تم نے اس حدیث سے کیا سمجھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

شائع ہوا، جس میں اس مفہوم کی ایک طویل حدیث موجود ہے۔ لیکن بعد میں محمود سعید ممدوح نے اس نسخے کی صحت سے برأت کا اظہار کر دیا۔

(۱) ان الفاظ سے حدیث نہیں ملی لیکن تقریباً اسی معنی کی یہ حدیث ہے: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَسُوقًا مَا فِيهَا شِرَاءٌ وَلَا بَيْعٌ إِلَّا الصُّوَرَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَإِذَا اشْتَهَى الرَّجُلُ صُورَةً دَخَلَ فِيهَا۔ (جنت میں ایک بازار ہوگا جس میں خرید وفروخت نہیں ہوگی، البتہ مردوں اور عورتوں کی تصویریں ہوں گی، جو شخص جس تصویر کو چاہے گا، وہ اسے پالے گا۔) امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ (سنن ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، باب ما جاء في سوق الجنۃ، ۲۵۵۰)

(۲) یہ حدیث ان الفاظ سے مشہور ہے: رَأَيْتُ رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ (سنن دارمی، کتاب الرؤیا، باب رؤیۃ الرب تعالیٰ فی النوم، ۲۱۹۵) جب کہ بعض محدثین نے "اللیلۃ" (رات میں) کے اضافے کے ساتھ بھی روایت کی ہے: أَتَانِي رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ اللَّيْلَةَ فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ - أَحْسِبُهُ يَعْنِي فِي النَّوْمِ (مسند احمد: ۳۴۸۴) لیکن محشی نے "لیلۃ المعراج" کسی حدیث میں نہیں پایا۔

(۳) صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب من رأى النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۶۹۹۷) صحیح مسلم، کتاب الرؤیا (۲۲۶۷)

تَفَکَّرُوْافِي آلَائِه وَلَا تَفَکَّرُوْافِي ذَاتِه[1] اس کی صفات میں غور وفکر کرو، اس کی ذات میں غور وفکر مت کرو۔

اس مقام پر شریعت کی دنیا زیر و زبر ہو جائے گی، سمجھ رہے ہو میں کیا کہہ رہا ہوں ؟ میں کہہ رہا ہوں کہ اللہ کے نور کو خودی کے ساتھ نہیں دیکھا جاسکتا، یہ نہیں ہو سکتا کہ اس مقام پر انسان خودی کے ساتھ ہو، البتہ یہ ممکن ہے کہ رب تعالیٰ خود اپنا دیدار کرادے، اس طرح کہ انسان سے اس کی خودی چھین کر بے خود کردے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام: ۱۰۳) (نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں، وہ نگاہوں کو ادراک عطا فرماتا ہے) یہ مقام بھی ماورائیت کا ہے۔[2] اسی معنی میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا اور دوسروں سے کہا کہ میں نے اپنے رب کا دیدار کیا یعنی اس کے نور کو دیکھا، اس کی ذات کو نہیں دیکھا، جس طرح سورج کی کرن اور اس کی روشنی کو دیکھا جاسکتا ہے، جو نفع بخش ہے لیکن عین سورج کو دیکھنا ممکن نہیں ؛ کیوں کہ اس میں تپش ہوتی ہے۔

اے عزیز! جس شخص کی اس نور تک رسائی نہیں، وہ ابھی طفل راہ ہے۔ اس گفتگو سے ثابت ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ کو معراج کی شب رب تعالیٰ کا دیدار ہوا تھا، البتہ بعض اہل نظر کے نزدیک وہ دیدار چشم دل سے ہوا تھا جب کہ بعض کہتے ہیں کہ چشم سر سے ہوا تھا، آخری قول ہی مصنف کا مذہب ہے، یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ دنیا میں رب تعالیٰ کا دیدار چشم دل سے بیداری کی حالت میں ہو سکتا ہے اور اسی طرح خواب کی حالت میں بھی ہو سکتا ہے۔

---

(۱) معجم اوسط طبرانی، باب المیم من اسمہ محمد (۶۳۱۹) مجمع الزوائد: ۱/۵۲۴، امام سخاوی نے المقاصد الحسنۃ (ص: ۲۶۱) میں لکھا ہے کہ یہ حدیث متعدّد ضعیف سندوں سے مروی ہے، ان اسانید کی وجہ سے حدیث قوی ہو گئی ہے، نیز اس کا معنی صحیح حدیث سے ثابت ہے جس کو امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے: لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتَّى يُقَالَ: هَذَا خَلَقَ اللهُ الْخَلْقَ، فَمَنْ خَلَقَ اللهَ؟ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا، فَلْيَقُلْ: آمَنْتُ بِاللهِ (کتاب الایمان، باب الوسوسہ فی الایمان، ۱۳۴)

(۲) رام پوری نسخے میں عبارت یوں ہے: ”ایں مقام باشد کہ ہم جدا باشد“ اور کاکوری والے نسخے میں ”جدا“ کی جگہ ”خدا“ ہے۔ ترجمہ ”جدا“ کے پیش نظر ہوا ہے۔

خواب میں کا دیدار مولیٰ

جو شخص خواب میں رب تعالیٰ کا دیدار چاہتا ہے وہ سورۂ آل عمران کی تلاوت کرے۔ تفسیر زاہدی میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: جس نے سورۂ آل عمران پڑھی، وہ جب تک خواب میں اپنے رب کا دیدار نہیں کر لے گا، اس دنیا سے رخصت نہیں ہوگا، اس کے جنازے کی نماز میں جبریل علیہ السلام شریک ہوں گے اور تاحد نگاہ اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو کشادہ فرما دے گا۔ (۱)

روایت میں ہے کہ جو شخص مسلسل چالیس شب جمعہ کو سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کرے گا، وہ خواب میں حق تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوگا۔ (۲)

رویت قلبی رویت عینی نہیں ہے

رئیس درویشاں محتسب عارفاں شیخ قوام الدین لکھنوی نے فرمایا ہے: مکاشفہ ذات حق کے ادراک یا فہم کا نام نہیں ہے، ورنہ پھر لازم آئے گا کہ انبیا، اولیا اور صدیقین میں سے کسی کو بھی اس دنیا میں ذات باری کا مشاہدہ نہ ہوا ہو۔

اے جواں مرد! رویت قلبی کا جو نام چاہو رکھ دو، خواہ رویت بصری کہو خواہ مکاشفہ یا مشاہدہ، یہ سب صوفیہ کی اصطلاح میں رویت قلبی ہی ہے، رویت عیانی نہیں، جس کا تعلق آنکھ کے ساتھ ہوتا ہے۔ سید امیر ماہ قدس اللہ روحہ فرماتے ہیں۔

امیر من بچشم دل جمال دوست خود دید — تو ہم بینی بچشم دل اگر زنگار برداری

(میرے امیر نے دل کی آنکھوں سے دوست کا جمال کا خود دیکھا ہے، اگر آئینۂ دل کا زنگ صاف کر دو تو تم کو بھی چشم دل سے جمال دوست نظر آئے گا۔)

---

(۱) یہ حدیث نہیں ملی۔

(۲) یہ حدیث نہیں ملی۔

تجلی روحی

اتنا سب کچھ جان لینے کے بعد اب یہ بھی جان لیں کہ ذات وصفات الٰہی کے ظہور کا نام تجلی ہے، روح کی بھی تجلی ہوا کرتی ہے، اسی میں سالکین کو مغالطہ ہو جاتا ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ روح کی صفات روح کی ذات کے سامنے تجلی کرتی ہیں اور وہ سالک کو حق تعالیٰ کی تجلی معلوم ہوتی ہے، سالک اس مقام پر مغرور ہو جاتا ہے اور یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ حق کی تجلی ہے، اس مقام پر ہلاکت سے بچانے کے لیے پیر و مرشد کی ضرورت ہوتی ہے۔

تجلی روحانی اور تجلی ربانی میں فرق

تجلی روحانی اور تجلی ربانی کے مابین فرق یہ ہے کہ تجلی روحانی راحت دل کا سامان ہوتی ہے، لیکن اس کے ذریعے بندہ شک وریب کے شائبے سے نجات نہیں پاتا اور نہ اس میں کامل معرفت کا ذوق پیدا ہوتا ہے، جب کہ حق تعالیٰ کی تجلی اس کے برخلاف ہوتی ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ تجلی روحانی سے غرور اور پندار پیدا ہوتا ہے، اس سے طلب، خوف اور نیاز مندی میں کمی آجاتی ہے، جب کہ رب تعالیٰ کی تجلی اس کے برخلاف ہوتی ہے، حق تعالیٰ کی تجلی سے ہستی نیستی میں بدل جاتی ہے اور سالک کے اندر دردِ طلب اور خوف و نیاز بڑھ جاتا ہے۔

تجلی ربانی کی اقسام

تجلی ربانی کی دو قسمیں ہیں: (۱) تجلی ذات (۲) تجلی صفات۔ تجلی ذات کی بہت سی قسمیں ہیں ،اسی طرح تجلی صفات کی بھی بہت سی قسمیں ہیں، سلوک کی کتابیں مثلاً مرصاد العباد اور اساس الطریقت میں یہ باتیں تفصیل و تشریح سے مذکور ہیں، اس مختصر کتاب میں اس کی گنجائش نہیں۔

اے عزیز! تجلیات الٰہی کی انتہا نہیں ہے، اگر سب کا بیان لکھوں تو طالبین کی عقلیں حیران رہ جائیں گی، (البتہ کوشش اس بات کی کرو کہ مقام مشاہدہ تک پہنچ جاؤ، اس کا دیدار کرنے لگو، اور ایام طفلی سے آگے نکل جاؤ) [۱]۔

---

(۱) قوسین میں مذکور عبارت انتخاب "فوائد سعدیہ" میں نہیں ہے، اصل مجمع السلوک سے اضافہ کیا گیا ہے۔

ہرکہ امروز در آئینہ رخ یار ندید — طفل راہ ست کہ او منتظر فردا شد

(جس نے آج آئینۂ دل میں رخ یار کا دیدار نہیں کیا، وہ بچہ ہے جو کل کا منتظر ہے)

باقی رہنے والی دولت یہی ہے کہ کچھ وقت فراغت قلبی کے ساتھ دوست کے مشاہدے میں گزار دیا جائے۔ جیسا کہ ایک عزیز کہتے ہیں۔

بفراغ دل زمانی نظری بہ خوب روئی — بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ عمر ہای ہوئی

(فراغت قلبی کے ساتھ کچھ دیر تک کسی خوب رو کا دیدار کرنا اس سے بہتر ہے کہ ساری عمر سر پر تاج شاہی ہو اور عیش و نشاط کے ہنگامے ہوں۔)

حضرت خواجہ بایزید سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کی عمر کتنی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: چار سال۔ لوگوں نے کہا: ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ۷۰ر سال سے میں حجاب میں تھا، اب چار سال سے اس کے دیدار میں ہوں۔

گر ہمہ عمر خویش با تو برآرم دمی — حاصل عمر آں دم است باقی ایام رفت

(اگر پوری زندگی میں سے ایک لمحہ تمھارے ساتھ گزار لوں تو وہی لمحہ حاصل زندگی ہے، باقی پوری زندگی یوں ہی بسر ہو گئی۔)

پیر دست گیر قطب عالم حضرت مخدوم شاہ مینا قدس سرہ جنہیں نور حقیقی تک رسائی حاصل تھی اور بے محابا اس کا مشاہدہ کرنے والوں میں تھے، بارہا یہ شعر پڑھا کرتے:

ورای حسن بر روی تو چیز است — کہ آنرا کس نمی داند چہ نام است

(تیرے وجہ کے حسن کے آگے کوئی چیز ہے، مگر کسی کو بھی پتہ نہیں کہ اس کا کیا نام ہے؟)

رئیس درویشاں، محتسب عارفاں شیخ قوام الدین لکھنوی قدس سرہ فرماتے ہیں: امت محمدیہ میں ایسے بلند ہمت صاحبان کشف و مکاشفہ ہیں جو دیدار الٰہی کے خواہاں نہیں رہتے۔ ایک بزرگ سے لوگوں نے کہا تم رب تعالیٰ کا دیدار چاہتے ہو؟ انھوں نے کہا: نہیں! لوگوں نے پوچھا کیوں؟ کہا: موسیٰ علیہ السلام نے دیدار طلب کیا تو نہیں مل سکا اور مصطفی ﷺ نے طلب نہیں کیا اور انھیں حاصل ہو گیا، اس سے معلوم ہوا کہ دیدار الٰہی کی خواہش دیدار الٰہی کے لیے حجاب اعظم ہے۔

فائدہ: مقامِ حریت

بندہ مقام حریت تک اس وقت پہنچتا ہے جب اس کے اندر دنیوی اوراخروی اغراض میں سے کوئی غرض باقی نہ رہ جائے، وہ سب سے الگ تھلگ ہوجائے اور فرد بن جائے۔ فرد کو نہ دنیا کی کوئی منفعت غلام بناتی ہے اور نہ ہی آخرت کی کوئی نعمت۔ کونین کی جو بھی چیز ہواس سے وہ باہر آچکا ہوتا ہے۔ جب تک غرض باقی ہے وہ اس غرض کا غلام ہے اور سالک جب تک غرض کی غلامی میں ہے وہ غرض کا بندہ ہے، آزاد نہیں ہے۔ آزاد کا دل آرزو، سوال، قصد وارادہ، حاجت اور تمام خواہشات سے پاک ہوتا ہے۔ اللہ کی ذات کے سوااس کا کوئی محبوب اور کوئی مطلوب نہیں ہوتا۔

ایک دن حضرت شبلی ایک خاص حالت میں تھے۔ ایک شخص نے ان سے کہا: آپ کو پتا نہیں کہ اللہ رحمٰن ہے؟ انھوں نے فرمایا کیوں نہیں؟ مجھے پتا ہے، لیکن جب سے اس کی رحمت کی معرفت حاصل ہوئی ہے، میں نے یہ بات کبھی نہیں کہی کہ مجھ پر رحم فرما، جس کو رحمت کی حاجت ہے، وہ رحمت طلب کرے، جس کو اس کی ذات مطلوب ہے وہ اس سے ذات کے سوااور کیا مانگے گا؟

حضرت جنید بغدادی سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کے پاس سوائے خشک کھجوروں کے دنیا کا کوئی حصہ باقی نہ رہ گیا ہو؟ آپ نے جواب دیا: الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ (مکاتب غلام کے ذمہ جب تک ایک درہم کی بھی ادائیگی باقی ہو وہ غلام ہی کہلاتا ہے) یعنی جو شخص اس قدر بھی دنیا میں ملوث ہو یا دنیاوی اغراض میں سے کوئی غرض اس کی نگاہ میں باقی ہو اس کو مقام حریت نہیں مل سکتا۔

مقصد الاقصی میں لکھا ہے: انسان کامل جو صفت آزادی سے موصوف ہوتا ہے، وہ شخص ہے جس کے اندر آٹھ باتیں بکمال وتمام موجود ہوں: (۱) اقوال (۲) افعال (۳) معارف (۴) عمدہ اخلاق (۵) ترک (۶) عزلت (۷) قناعت (۸) فراغت قلبی۔ جس شخص کے اندر یہ آٹھ باتیں مکمل طور سے پائی جائیں وہ آزاد ہے اور جس شخص کے اندر شروع کی چار باتیں ہوں اور آخر کی چار باتیں نہ ہوں وہ بالغ تو ہے مگر آزاد نہیں ہے۔

کامل آزاد کے دو گروہ ہیں، ایک نے ترک دنیا کے بعد گوشہ نشینی، قناعت اور گم نامی اختیار کرلی اور دوسری نے ترک دنیا کے بعد رضا وتسلیم کو اختیار کرلیا۔ وہ جماعت جس نے گم نامی اختیار کرلی اور خلوت نشیں ہوگئی، وہ چوں کہ اس بات کو یقین سے جانتی تھی کہ دنیا والوں کی صحبت میں قلب کی پراگندگی اور تفرقۂ باطن ساتھ ہوتے ہیں، اسی لیے اس جماعت نے دنیا کو ترک کردیا۔ اگر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ دنیا والے ان کی زیارت کے لیے آنا چاہتے ہیں اور کوئی دنیاوی چیز ان کی خدمت میں بطور فتوح پیش کرنا چاہتے ہیں تو وہ حلال اور شبہہ سے پاک ہونے کے باوجود قبول نہیں کرتے، بلکہ ان سے خوف کھاتے ہیں اور ان سے گریزاں رہتے ہیں۔

دوسری جماعت جس نے ترک دنیا کے بعد رضا وتسلیم کو اختیار کیا اس نے اسے اس لیے اختیار کیا؛ کیوں کہ وہ یہ یقین سے جانتے ہیں کہ اکثر کاموں میں بندہ کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا نفع کس میں ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو کوئی بات پیش آتی ہے اور وہ اسے ناپسندیدہ معلوم ہوتی ہے لیکن اس کا فائدہ اسی میں ہوا کرتا ہے۔ عَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَهُوۡا شَيۡـًٔا وَّ هُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ (البقرۃ:۲۱۶) (ہوسکتا ہے کہ تم کسی بات کو ناپسند کرو اور وہ تمھارے لیے بہتر ہو) یہ جماعت جب اس راز سے واقف ہوئی تو اس نے اپنے تدبیر وتصرف کو درمیان سے ختم کرکے تسلیم و رضا کو اختیار کرلیا۔ اگر دنیا والے ان کی زیارت کے لیے آتے ہیں تو یہ منع نہیں کرتے اور اگر نہیں آتے ہیں تو غم زدہ نہیں ہوتے۔ ان کے نزدیک مخلوق کا ردو قبول دونوں یکساں ہوتا ہے۔ دنیا والے ان کی خدمت میں کچھ لے کر آتے ہیں اگر وہ حلال ہوتا ہے تو قبول کرلیتے ہیں۔

آزادی کا معنی اور باطنیہ کا رد

یہ ساری باتیں جان لینے کے بعد اب یہ بھی جان لو کہ سالک جب مقام عبودیت کو مکمل طور سے حاصل کرلیتا ہے اور پھر مقام حریت تک رسائی ہوجاتی ہے تو ایسا نہیں ہوتا کہ احکام بندگی اس سے ساقط ہوجائیں، بندہ جب تک عاقل ہے اور حیات سے ہے تب تک احکام بندگی اس سے زائل نہیں ہوتے، بلکہ آزادی اس معنی میں ہے کہ وہ اپنے نفس کی بندگی سے بالکلیہ آزاد ہوجاتا ہے، یعنی جو کچھ نفس کہتا ہے وہ اس پر عمل نہیں کرتا بلکہ وہ نفس کا مالک ہوجاتا ہے اور نفس اس کا تابع وفرماں بردار بن جاتا ہے۔

ملحدوں کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ اتنی خدمت اور اتنی بندگی کرنی چاہیے کہ بندہ حق تعالیٰ کا ولی ہوجائے، جب وہ اس کا ولی ہوجائے گا تو احکام بندگی اس سے زائل ہوجائیں گے، جس طرح کہ زاد سفر اور سواری یہ چیزیں اس لیے ہوتی ہیں کہ کعبے تک رسائی حاصل ہوجائے اور جب کعبے تک رسائی حاصل ہوگئی تو اب زاد سفر اور سواری کی کیا حاجت؟ یہ کھلی گمراہی ہے، دیکھتے نہیں کہ جملہ کمالات سے موصوف ہونے کے باوجود جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے احکام بندگی زائل نہیں ہوئے، بلکہ فرمان باری ہوا: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر:۹۹) اَی الموت (اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ موت کا وقت آجائے۔) جب ان سے احکام بندگی زائل نہیں ہوئے تو دوسروں سے کب زائل ہوجائیں گے، بلکہ قرب حق جتنا بڑھتا جائے گا بندگی بھی اتنی ہی بڑھتی چلی جائے گی، البتہ سالک جب مقام حریت تک رسائی حاصل کرلیتا ہے تو رب تعالیٰ کے ساتھ اس کا دل پاک اور خالص ہوجاتا ہے اور وہ ہمہ وقت حضوری کی تجلی میں مست رہنے لگتا ہے، اس وقت اس سے احکام شرعیہ کی کلفت وناگواری زائل ہوجاتی ہے، یہ نہیں کہ سرے سے احکام شرعیہ ہی ختم ہوجاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جن احکام کو دوسرے لوگ تکلیف ومشقت کے ساتھ بجالاتے ہیں، مقام حریت پر فائز حضرات آسانی کے ساتھ بے تکلف ان پر عمل کرتے ہیں، جسے دوسرے لوگ رنج وغم کے ساتھ کرتے ہیں اسے وہ فرحت ونشاط کے ساتھ کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ کی عبادت میں ان کو مشقتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ

انھیں لذت وراحت ملتی ہے۔ اگر کوئی چیز رب تعالیٰ کی عبادت کی راہ میں حائل ہوجاتی ہے اور وہ رب تعالیٰ کی عبادت نہیں کرپاتے تو وہ اسے بڑی بلا اور بڑی تکلیف سمجھتے ہیں؛ کیوں کہ وہ عبادت کیے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اسی وجہ سے بعض بزرگوں سے یہ قول منقول ہے: کاش جنت میں نماز ہوتی! اور بعض سے یہ منقول ہے: کاش! جنت میں دائمی ذکر لازم ہوتا۔

حضرت شبلی کا اتباع شریعت

پیر دست گیر قطب عالم حضرت مخدوم شاہ مینا نے فرمایا: حضرت شبلی نے مرض الموت میں کسی سے کہا کہ مجھ کو وضو کرادو، جب اس نے وضو کرانا شروع کیا تو اس نے فرائض وواجبات، سنن ومستحبات اورآداب وضو کی رعایت تو اچھی طرح کی، لیکن داڑھی میں خلال فراموش کرگیا۔ امام شبلی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اپنی داڑھی میں ڈال دیا اور اس سنت کو اس حال میں بھی ترک ہونے نہیں دیا۔

شریعت مقدم ہے

پیر دست گیر قطب عالم شیخ مینا قدس اللہ روحہ فرماتے تھے:

الشَّرِيْعَةُ كَالسَّفِيْنَةِ وَالطَّرِيْقَةُ كَالبَحْرِ وَالحَقِيْقَةُ كَالدُّرِّ، فَمَنْ أَرَادَ الدُّرَّ رَكِبَ فِي السَّفِيْنَةِ ثُمَّ شَرَعَ فِي البَحْرِ ثُمَّ يَصِلُ إِلَى الدُّرِّ، فَمَنْ تَرَكَ هٰذَا التَّرْتِيْبَ لَمْ يَصِلْ إِلى الدُّرِ

(شریعت کشتی کی طرح ہے، طریقت سمندر کی طرح ہے اور حقیقت موتیوں کی طرح ہے، لہٰذا جسے موتی مطلوب ہے اسے پہلے کشتی میں سوار ہونا چاہیے، پھر سمندر میں داخل ہونا چاہیے، تب وہ موتیوں تک پہنچے گا، جو اس ترتیب کو ترک کردے گا وہ موتیوں تک نہیں پہنچ سکے گا۔)

پیر دست گیر نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم کسی کو ہوا میں اڑتے یا پانی پر چلتے دیکھو اور اسے کوئی فرض یا سنت ترک کرتا ہوا پاؤ، تو جان لو کہ وہ جھوٹا ہے اور اس کا یہ فعل کرامت نہیں بلکہ جادو اور استدراج ہے۔

شریعت، طریقت کی کنجی ہے

شرح اوراد میں لکھا ہے کہ سالک کے لیے طریقت کی ابتدا شریعت سے ہے، اسے چاہیے کہ صحت شریعت کی شرطوں کی پابندی کرے اور شریعت کی حفاظت کے لیے کوشاں رہے، جب وہ اس باب میں پوری طاقت لگادے گا اور ہمت بلند رکھے گا تو شریعت پر عمل کی برکت اور بلند ہمتی کے نتیجے میں اسے طریقت کی راہ نظر آئے گی، جو حقیقت میں دل کی راہ ہے اور جب طریقت کے حقوق کی ادائیگی کرے گا اور بلند ہمتی کا سلسلہ جاری رکھے گا تب حق سبحانہ وتعالیٰ اس کی نگاہوں سے پردہ اٹھادے گا اور معنی حقیقت اس کے سامنے ظاہر فرمائے گا۔

معاملات کی نگہبانی کا نام شریعت ہے اور بری خصلتوں سے باطن کو پاک کرنے کا نام طریقت ہے۔ مثال کے طور پر ظاہری نجاست سے پاک رہنا شریعت ہے اور کدورت بشریت سے دل کی نگہبانی کا نام طریقت ہے۔ انبیا علیہم السلام امت کے حق میں شریعت کی تعلیم فرماتے ہیں اور اپنے حق میں طریقت کی راہ اختیار فرماتے ہیں۔ امت میں اگر کسی کی ہمت بلند ہو اور وہ حقائق و معارف تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ طریقت کی راہ میں قدم رکھے، تاکہ عوام کے زمرے سے نکل کر زمرۂ خواص میں شامل ہو جائے۔

سالک کے لیے علم وعمل کی اہمیت

جب تم نے یہ جان لیا کہ اَلشَّرِیْعَۃُ اَقْوَالِیْ ،وَالطَّرِیْقَۃُ اَفْعَالِیْ وَالحَقِیْقَۃُ اَحْوَالِیْ (شریعت میرے اقوال ، طریقت میرے افعال اور حقیقت میرے احوال کا نام ہے) اور طریقت وحقیقت کا دروازہ بغیر شریعت کے نہیں کھلتا، پس سالک کو چاہیے کہ شریعت کا علم جتنا ضروری ہے اسے سیکھے اور علم طریقت مکمل طور سے حاصل کرے تاکہ نورِ حقیقت تک اس کی رسائی ہو جائے۔ جو نبی کریم ﷺ کے اقوال کو قبول کرتا ہے، وہ اہل شریعت ہے، جو شخص نبی کریم ﷺ کے افعال کو انجام دیتا ہے، وہ اہل طریقت ہے اور جو شخص وہ دیکھتا ہے جو نبی کریم ﷺ دیکھا کرتے تھے، وہ اہل حقیقت ہے، جس کے پاس تینوں چیزیں ہیں وہ تینوں کا جامع ہے، جس

کے پاس دو چیزیں ہیں وہ دو کا جامع ہے اور جس کے پاس ایک ہے وہ ایک کا حامل ہے اور جس کے پاس کچھ نہیں وہ کسی میں سے نہیں۔

وہ جماعت جس کے پاس تینوں چیزیں ہیں وہ کاملین کی ہے، یہی لوگ پیشوا اور مقتدا بننے کے لائق ہیں، وہ جن کے پاس کچھ نہیں ہے وہ ناقص ہیں بلکہ وہ بہائم سے بھی بدتر ہیں۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (الاعراف:۱۷۹) (یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر، یہی لوگ غافل ہیں۔)

اے عزیز! صورت وظاہر کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ حقیقت و معنی کا اعتبار ہوتا ہے۔ اگر صورت معنی کے ساتھ ہو تب بات مکمل ہوتی ہے۔ ع

اگر ہر دو بود نورٌ علی نور (ہوں دونوں گر تو سونے پر سہاگہ)

اے عزیز! تم کو معلوم ہے کہ شریعت، طریقت اور حقیقت کا مقصود کیا ہے؟ سب کا مقصود یہ ہے کہ انسان راست گفتار، راست کردار، کم آزار، دانش مند، با اخلاق اور صاحب معرفت بن جائے۔

جب تینوں کا مقصود تمہیں معلوم ہو گیا تو اب چاہیے کہ علم شریعت حاصل کرنے کے بعد ہمیشہ علم شریعت کی گفتگو میں نہ رہو۔ گفتگو سے آگے گزر جاؤ، عمل کرو تاکہ کسی مقام تک پہنچ جاؤ؛ کیوں کہ بے عملی کے ساتھ گفتار اور بغیر معنی کے صورت کارآمد نہیں ہوتی، عمل ہی سالکین کو بلند مقام تک پہنچاتا ہے، عمل صالح ہی سالک کو بلندی عطا کرتا ہے۔ وَالعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہ۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

شاخ درختِ علم نہ دارد مگر عمل — با علم گر عمل نبود شاخ بے بری
ہر علم را کہ کار نہ بندی چہ فائدہ — چشم از برائے آں بود آخر کہ بنگری
از من بگوئے عالم تفسیر گوئے را — گر در عمل نہ کوشی، ناداں مفسری
امروز غرہ ای بفصاحت کہ در حدیث — ہر نکتہ را ہزار دلائل برآوری

فردا فصیح باشی در موقف حساب   گر علتی بگوئی و عذری بگستری

(۱) شجر علم کی شاخ میں صرف عمل کے ہی پھل لگتے ہیں، اگر علم کے ساتھ عمل نہیں ہے تو گویا شاخ بغیر پھل کے ہے۔

(۲) جس علم پر عمل نہ کرو اس کا کیا فائدہ؟ آخر آنکھ دیکھنے ہی کے لیے تو ہوتی ہے۔

(۳) تفسیر بیان کرنے والے مفسر سے میری طرف سے کہہ دو کہ اگر تم عمل میں کوشاں نہیں ہو تو ایک نادان مفسر ہو۔

(۴) آج اپنی فصاحت بیانی پر یہ غرہ ہے کہ گفتگو میں ہر نکتے پر ہزاروں دلیل پیش کرتے ہو۔

(۵) کل حساب کے وقت اگر تم نے کوئی بہانہ بنالیا اور کوئی عذر پیش کر دیا تب تم صحیح معنوں میں فصیح ہو گے۔

ابتدائے طریقت: احکام شرع میں احتیاط

آغاز طریقت، جو در اصل منتہائے شریعت کا نام ہے، یہ ہے کہ اس عمل کو اختیار کیا جائے جو سب سے بہتر اور سب سے زیادہ پسندیدہ ہو؛ جیسے وضو اور نماز کی پابندی کی جائے، ذکر اور تلاوت میں مشغول رہا جائے، کم کھانے، کم سونے، کم بولنے اور مخلوق کے ساتھ کم میل جول رکھنے کی عادت بنائی جائے، احکام شرع میں احتیاط کی جائے اور شرعی رخصتوں اور آسانیوں سے اجتناب کیا جائے۔

صوفی کا مسلک احتیاط ہے

اگر صوفی کو کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اصحاب حدیث وفقہ کی جانب رجوع کرے، اگر اس مسئلے میں دونوں جماعتیں متفق ہوں تو مقصود حاصل ہو گیا، اس پر عمل کرے اور جس مسئلے میں فقہا و محدثین کا اختلاف ہو، اس میں ان حضرات کے مسلک کو اختیار کرے جس میں زیادہ احتیاط اور زیادہ سلامتی ہو۔ اسی طرح اگر فقہا کے مابین کسی چیز کے جائز ہونے اور اس کے فاسد ہونے میں اختلاف ہو تو فساد کے پہلو کو قبول کیا جائے، اس لیے کہ اگر وہ چیز حلال ہے تو حلال سے پرہیز میں کوئی نقصان نہیں اور اگر وہ حرام ہے تو ارتکاب حرام میں نقصان ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کی قراءت کے بغیر نماز جائز ہونے کے سلسلے میں علما کا اختلاف ہے، اس مسئلے میں صوفیہ احتیاطاً سورۂ فاتحہ ترک نہیں کرتے[۱]، ایک رکعت وتر میں علما کا اختلاف ہے، صوفیہ ایک رکعت وترا احتیاطاً ادا نہیں کرتے۔ مستعمل پانی کے سلسلے میں امام اعظم نجاست غلیظہ کا قول کرتے ہیں،[۲] امام ابو یوسف نجاست خفیفہ کا قول کرتے ہیں اور امام محمد اسے طاہر غیر مطہر (پاک ہے لیکن پاک کرنے والا نہیں) مانتے ہیں، یہاں صوفیہ امام اعظم کے قول پر عمل کرتے ہیں؛ کیوں کہ اس میں احتیاط کا ہونا ظاہر ہے۔

یوں ہی ظالم افراد جن کا اکثر و غالب مال حرام سے تعلق رکھتا ہے، ان کے تحائف قبول کرنے اور اسے کھانے کے سلسلے میں بعض علما رخصت دیتے ہیں اور بعض منع کرتے ہیں، صوفی کو چاہیے کہ ان تحفے کو استعمال میں نہ لائے تاکہ کھانے میں احتیاط پر عمل باقی رہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے: لِلدُّعَاءِ جَنَاحَانِ: أَكْلُ الحَلَالِ وَصِدْقُ المَقَالِ (دعا کے دو پر ہیں، اکل حلال اور صدق مقال)۔ صوفیہ فرماتے ہیں کہ دین کے معاملات میں جہاں احتیاط ضروری ہو وہاں احتیاط واجب ہے، اس لیے کہ محتاط ہمیشہ حق پر رہتا ہے اور توسع و رخصت اختیار کرنے والا کبھی حق پر ہوتا ہے اور کبھی باطل میں پڑ جاتا ہے۔

ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جس مسئلے میں فقہا کا اختلاف ہو، اس میں اس پہلو کو اختیار کرے جس میں زیادہ احتیاط ہو اور جو جسم کے لیے زیادہ دشوار ہو۔ نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: أَفْضَلُ الأَعْمَالِ أَشَقُّهَا عَلَى البَدَنِ[۳] (سب سے افضل عمل وہ ہے جو جسم پر زیادہ دشوار

---

(۱) مرشدی حضور داعی اسلام جو رفع اختلاف کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں، آپ کا عمل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جہری نمازوں میں تلاوت قرآن سنتے ہیں اور سری نمازوں میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت فرماتے ہیں۔

(۲) اس سلسلے میں امام اعظم کے چند اقوال ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

(۳) یہ حدیث ان الفاظ سے نہیں ملی لیکن ابن اثیر نے النھایۃ فی غریب الاثر، باب الحاء مع المیم (۱/۴۴۰) میں اس سے قریب ان الفاظ سے روایت نقل کی ہے۔ سئل رسول الله ﷺ: أيُّ الأعمال أفضل ؟ فقال : أَحْمَزُها أي أقواها وأشدُّها۔ امام عجلونی

گزار ہو) اور یہ بھی وارد ہے کہ جب آپ سے افضل ترین نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جس میں طویل قیام کیا جائے؛[1] کیوں کہ طویل قیام بدن پر زیادہ شاق ہے اور ہر وہ طاعت جو بدن پر دشوار ہو دراصل وہی طاعت کہلاتی ہے، اس لیے کہ تمام طاعتوں کی اصل نفس کی مخالفت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (نازعات: ۴۰، ۴۱) (جس نے خواہشات سے اپنے نفس کو روکا، تو جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے) اس فقیر کے استاذ قاضی شیخ ابن مرتضیٰ قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

یک نفَس ار نفْس بہ فرمان تست   کفش بپا کن کہ بہشت آن تست

(اگر ایک لمحے کے لیے بھی نفس تمھارے تابع فرمان ہو جائے تو جوتا پاؤں میں پہن لو کہ وہی لمحہ تمھارے لیے جنت ہے۔[2])

اے عزیز! اس میں بڑا فائدہ یہ ہے کہ نفس امارہ رخصت وآسانی کی صورت میں طالب صوفی پر آسانی سے راہ پا لیتا ہے، جب کہ احتیاط کرنے اور آسانیوں کو ترک کرنے کی صورت میں وہ ایسا نہیں کر پاتا، صوفی جب رخصت کی جانب مائل ہوتا ہے تو نفس راہ پا جاتا ہے اور شیطان گھات میں لگ جاتا ہے، البتہ جب وہ احتیاط پر عمل کرتا ہے اور رخصت وآسانی سے پرہیز کرتا ہے، تو ناپاک نفس مقہور ومردود ہو جاتا ہے اور شیطان کو گھات میں بیٹھنے کی راہ نہیں مل پاتی۔

یہ جو کچھ بھی میں نے بیان کیا اس کا تعلق شریعت سے ہے، شریعت رخصت سے روکتی ہے اور احتیاط کا حکم دیتی ہے، خواجہ سنائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نے کشف الخفاء میں اسی طرح ایک دوسری عبارت سے حدیث بیان کی ہے۔ أفضل العبادات-وفيه رواية بالإفراد - أحمزها- (۱۷۵/۱) پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: مزی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، کتب ستہ میں اس طرح کی روایت نہیں ہے، ملا علی قاری نے الموضوعات الکبری میں لکھا ہے کہ یہ حدیث معنی کے اعتبار سے صحیح ہے، صحیحین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے وَلَكِنَّهَا عَلَى قَدْرِ نَفَقَتِكِ أَوْ نَصَبِكِ (عمرہ کا ثواب مال خرچ کرنے یا مشقت برداشت کرنے کے لحاظ سے ہے۔)

(۱) شرح معاني الآثار (۱۷۷۷) ابن نصر/ تعظیم قدر الصلاۃ (۳۰۷) مسند حمیدہ (۱۲۷۶) بہ الفاظ: أَفْضَلُ الصَّلَاةِ طُولُ الْقِيَام

(۲) اصل میں [ار] کی جگہ [از] ہے۔ نظامی گنجوی کی مخزن الاسرار، (مقالت ہفتم در فضیلت آدمی بر حیوانات) میں شعر اس طرح ہے:

گر نفسے نفس بہ فرمان تست   کفش بیاور کہ بہشت آن تست

فقہ نہ بود گرد رخصت گشتن از تر دامنی	فقہ چہ بود عقل وجان ودیں بساماں داشتن

(تردامنی کے ساتھ رخصت کا اختیار کرنا فقہ نہیں ہے، فقہ یہ ہے کہ عقل وجان اور دین کی حفاظت کی جائے۔)

صوفیہ کی جماعت پوری زندگی ایک قدم بھی نفس کی مرضی پر چلنا گوارا نہیں کرتی؛ کیوں کہ مُوَافِقُ النَّفْسِ کَعَابِدِ الصَّنَمِ (نفس کی پیروی کرنے والا بت پرست جیسا ہے۔)

دیکھتے نہیں کہ ابلیس اگر اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھتا تو اللہ تعالیٰ کے فرمان کی مخالفت نہ کرتا۔ معلوم ہوا کہ نفس کی مخالفت کے بغیر خالق کی موافقت ممکن ہی نہیں ہے۔ کوئی شخص اس راہ میں نفس کی مخالفت کیے بغیر نہیں چل سکتا۔

دیں نباشد با ہوا با اہرمن درساختن	دیں چہ باشد خویشتن درحکم دیّاں داشتن

(خواہشات نفس اور شیطان کے ساتھ چلنا دین نہیں ہے، دین کیا ہے؟ دین یہ ہے کہ اپنے آپ کو حساب لینے والے مالک و مولیٰ کے حکم کے سپرد کردیا جائے۔)

خواجہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص صالحین اور اہل طریقت کے مرتبے کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ۶ر گھاٹیوں سے نہ گزر جائے:

(۱) اپنے اوپر نعمت کا دروازہ بند کرکے اپنے آپ کو ذلت میں ڈال دے۔

(۲) اپنے آپ پر خواہش نفس کی راہ بند کردے اور رضائے الٰہی کی راہ کھول دے۔

(۳) مال داری کا دروازہ بند کردے اور فقر کا دروازہ کھول دے۔

(۴) نیند کا در بند کردے اور بیداری کا باب وا کردے۔

(۵) راحت کی راہ بند کرکے، رنج وتکلیف کی راہ کھول دے۔

(۶) باب امید اپنے آپ پر بند کرکے موت کی تیاری کا دروازہ کھول دے۔

حضرت مخدوم شاہ مینا کے مجاہدات

پیر دست گیر قطب عالم شیخ مینا نور اللہ مرقدہ جاڑے کی راتوں میں جب سردی اپنے شباب پر

ہوتی، اور آپ پر نیند کا غلبہ ہوتا تو کبھی ایسا کرتے کہ کپڑا یا ازار سرد پانی میں تر کر کے پہنتے اور حضرت مخدوم شیخ قوام الدین کے جماعت خانے کے صحن میں بیٹھتے، وہاں ہر طرف سے ہوا آتی، آپ کو سخت سردی لگتی اور اس طرح آپ کی نیند دور ہو جاتی، کبھی ایسا ہوتا کہ آپ اپنی کلاہ ٹھنڈے پانی میں تر کر کے اپنے منڈے ہوئے سر پر رکھ لیتے، کبھی ایسا ہوتا کہ چھوٹی چھوٹی کنکریاں جمع کر کے ان پر بیٹھ جاتے اور پوری رات رب تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے، جب آپ پر نیند کا غلبہ ہوتا تو انہی کے اوپر لیٹ جایا کرتے۔ معلوم ہی ہے کہ کنکریوں پر کتنی نیند آئے گی اور کیا آرام ملے گا!

کبھی ایسا ہوتا کہ بلند دیوار کے اوپر بیٹھ کر عبادت کرتے تا کہ دیوار سے گرنے کے خوف کی وجہ سے نیند نہ آئے اور پوری رات ذکر الٰہی میں گزار دیتے۔ بعض اوقات پانی گرم کرتے تو نفس کو آگ کی گرمی سے تھوڑی سی راحت ملتی یا خطرہ گزرتا کہ تھوڑی دیر بعد وضو کر لیں گے، لہٰذا فوراً اٹھتے اور گرم پانی کو ویسے ہی چھوڑ کر ٹھنڈے پانی سے وضو کر لیتے۔ غسل واجب نہ ہونے کے باوجود ٹھنڈے پانی سے غسل کرتے۔ راتوں میں نماز معکوس ادا کرتے اور اکثر صوم وصال رکھتے، کھڑاؤں پہنے ہوئے بارہ کوس پیدل چل کر اپنے پیر و مرشد بندگی شیخ سارنگ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور اس طرح اپنے نفس کو مشقتوں میں ڈالتے۔ تب جا کر وہ طریقت میں کامل ہوئے اور پھر نور حقیقت تک انھیں رسائی حاصل ہوئی۔

مرداں بسعی ورنج بجای رسیدہ اند　　تو بی خبر کجا رسی از نفس پروری

(مردان الٰہی کوشش اور مشقت سے اس مقام تک پہنچے ہیں، اے بے خبر! نفس پروری کرتے ہوئے اس مقام تک تو کیسے پہنچے گا۔)

اے عزیز! اس فقیر کے پیر دست گیر نے اس راہ میں جو تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کی ہیں، اگر سو دفتر ہوں تب بھی ان کا بیان نامکمل رہے گا۔ عنایت الٰہی کی دست گیری کے بغیر انسان کے بس سے باہر ان مشقتوں کو برداشت کرنا ناممکن سا لگتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی کی نفس کشی

میری جان آپ پر قربان ہو جائے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک رات حضرت جنید بغدادی کو

جنابت لاحق ہوئی اور غسل کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس وقت انتہائی سردی تھی۔ دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر غسل کروں گا تو ہلاک ہو جاؤں گا، شریعت نے تاخیر کی رخصت دی ہے، خودکشی سے روکا ہے، اس لیے ابھی اسے رہنے دیتا ہوں، صبح کے وقت اٹھ کر پانی گرم کروں گا یا حمام جا کر غسل کرلوں گا۔ یہ خطرہ گزرتے ہی حوض کی طرف دوڑ پڑے اور خود کو اپنی گدڑی کے ساتھ ہی پانی میں ڈال دیا۔ ان علاقوں کے بارے میں ہمیں پتا ہے کہ وہاں کیسی ہلاکت خیز اور قاتل سردی پڑتی ہے۔ ٹھنڈک کی شدت کی وجہ سے حوض سے باہر نکلنا آپ کے لیے ممکن نہیں ہو سکا۔ تھوڑی دیر بعد ہزار تکلف اور مشقت سے حوض سے باہر آئے اور پانی کے کنارے گر گئے۔ آپ کے جسم کو گرم کرنے کے لیے حق سبحانہ وتعالیٰ نے جنگل کی ہرنوں کو بھیج دیا۔ جب خواجہ کو تھوڑا ہوش آیا تو اٹھے اور نماز ادا کی اور مذکورہ خطرہ وخیال کے کفارے کے طور پر ۶/ ماہ تک اس کپڑے کو دھوپ نہیں دکھایا اور ایسے ہی اس مہلک و قاتل سرد ہوا میں چند ماہ تک اسے پہنے رہے۔

اسلاف امت کے چند اور واقعات

منقول ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ایک رات سوئے اور تہجد کے لیے نہیں اٹھ سکے اور اس طرح ان کی تہجد فوت ہوگئی۔ اس کے بدلے میں انھوں نے ایک سال تک قیام کیا اور بالکل نہیں سوئے۔

امام اعظم کی عبادت

میں نے پیر دستگیر قطب عالم سے سنا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا کہ ہر رات تین سو رکعت مکمل شرائط وآداب کی رعایت اور حضور قلبی کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ اچانک ایک دن ایک شخص کو دوسرے سے کہتے ہوئے سنا کہ یہ شخص جب تک رات میں پانچ سو رکعت نماز ادا نہیں کر لیتا آرام نہیں کرتا، اس وقت سے امام اعظم علیہ الرحمہ نے پانچ سو رکعت کی پابندی شروع کردی اور فرمایا: یہ صحابہ کا طریقہ رہا ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے متعلق کچھ ایسا اچھا گمان رکھتا جو ان میں نہ ہوتا تو خود کو اس کے گمان کے مطابق کر دیتے تاکہ فرمان باری یُحِبُّوْنَ اَنْ

يُحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا(آل عمران:۱۸۸)(وہ یہ پسند کرتے ہیں کہ ان کی ایسی بات پر تعریف کی جائے جو انھوں نے نہیں کی) کے زمرے میں داخل نہ ہوجائیں۔

امام ابوحنیفہ ایک بار پھر راستے سے گزر رہے تھے، ایک بچے نے کہا کہ یہ شخص ہر رات ہزار رکعت نماز ادا کرتا ہے اور بالکل ہی نہیں سوتا۔ آپ نے جب اس کی گفتگو سنی تو اس وقت سے ایک ہزار رکعت کی پابندی شروع کردی۔ پھر ایک مرتبہ راستے سے گزر رہے تھے تو ایک شخص نے کہا: یہ شخص پوری رات قیام کرتا ہے اور آرام کے لیے پہلو بھی نہیں لگاتا۔ امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے عہد کرلیا کہ آج کے بعد کبھی نہیں سوؤں گا اور کبھی آرام نہیں کروں گا۔ اس دن سے ۳۰؍سال تک آپ نے عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی اور پوری زندگی اس وعدے کو نبھایا۔

حضرت زکریا ملتانی کی عبادت

حضرت شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ روحہ فرماتے تھے کہ برادرم شیخ بہاء الدین زکریا سے ایک مرتبہ لوگوں نے پوچھا کہ مجاہدہ کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: مجاہدہ یہ ہے کہ نفس جس کی آرزو کرے بیس سال تک اس کی وہ آرزو کو پوری نہ کرے۔ پھر آپ نے فرمایا: حرمت صمدیت کی قسم! میں نے بیس سال تک اپنے نفس کو پانچ درہم اور دو درہم کے برابر کھانے کے سوا کچھ نہیں دیا، پھر بھی مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔ متقدمین صوفیہ کے نزدیک اس کی کوئی وقعت اور کوئی حیثیت نہیں ہے؛ کیوں کہ ان حضرات نے تو ۷۰؍سال تک اپنے نفس کو سیراب نہیں کیا اور اسے تکلیف میں ڈالے رکھا۔

آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ محمد چشتی جو خواجہ محمد یوسف چشتی کے پیر تھے، پہلے ان پر عالم تحیر طاری تھا، تیس سال تک حضرت خواجہ عالم تحیر میں کھڑے رہے اور اپنے پہلو کو زمین سے نہیں لگایا۔ آپ کے مجاہدے ایسے تھے کہ سال سال بھر، دو دو سال تک نفس کو آب و دانہ نہیں دیا، راتوں کو نماز معکوس ادا کی، گھر کے اندر ایک کنواں تھا، خود کو اس کنویں میں سرنگوں کرکے نمازیں ادا کیں۔

اے عزیز! مشائخ اسلاف اور اہل طریقت کی عادت یہ تھی کہ انھوں نے نفس سے مشقتیں

برداشت کروائیں، آسانیوں کو ترک کیا، جب بھی تیرا نفس سرکشی کرے، عبادات کی پابندی سے جی چرائے اور آسانی کی راہ تلاش کرے تو اس وقت جماعت صوفیہ کی تکلیفوں اور مشقتوں کو نگاہ میں رکھنا اور اطاعت الٰہی اور اس کی مشقتیں برداشت کرنے میں کاہلی اور سستی سے کام نہ لینا۔

نفس کی تلوینی کا ذکر

اے عزیز! اس پلید و ناپاک نفس کی عجیب و غریب حرکتیں ہیں اور یہ طرح طرح سے رنگ بدلتا ہے، کبھی کہتا ہے کہ وہ زمانہ دوسرا تھا، اس زمانے میں مرشدان کرام موجود تھے، اب مرشدوں سے دنیا خالی ہو گئی!

کبھی کہتا ہے یہ آخری زمانے کا ظہور ہے، ربانی فیضان منقطع ہو چکا ہے اور اب فتح باب ہو کہ نہ ہو؟ نفس کی تلوینی، اس کے بدلتے رنگ اور اس کی اس قسم کی حرکتوں پر بالکل دھیان مت دو اور خود کو عشق الٰہی کے سفینے میں ڈال دو، رب غفار و کریم کے دائمی فضل و کرم سے امید ہے کہ مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔ معاذ اللہ! اگر تم ان کی طرح مجاہدے کرنے سے عاجز آگئے ہو تو ان کے احوال سننے اور ان کے احوال کا مطالعہ کرنے سے غفلت نہ برتو۔

ع گر نتوانی نویسی قلمی می تراش (اگر لکھتے نہیں تو کم از کم ایک قلم ہی تراش لو۔)

اگر تمھارا نفس یہ کہتا ہے کہ وہ حضرات قوت والے تھے، ان کی پیروی ممکن نہیں ہے، تو مجاہدے والی وہ خواتین جنھوں نے اپنے اوپر آسائش اور تن آسانی کی راہیں مسدود کر دی تھیں، ان کے احوال کا مطالعہ کرو اور نفس سے کہو: اے نفس! تجھے ایک طرف تو مردانگی کا دعویٰ ہے اور دوسری طرف یہ کتنی ذلت اور پست ہمتی کی بات ہے کہ تو عورتوں سے بھی پیچھے ہے۔

حبیبہ عدویہ کا واقعہ

حضرت حبیبہ عدویہ جب عشا کی نماز ادا کرتیں تو اپنے دروازے پر کھڑی ہو جاتیں، اپنا پیراہن اور اپنا دامن مضبوطی کے ساتھ باندھ لیتیں اور پھر کہتیں: میرے معبود! ستارے چھپ گئے، آنکھیں سو گئیں اور بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر لیے، ہر دوست اپنے دوست کے

ساتھ خلوت نشیں ہوگیا، یہ میری جگہ ہے اور میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں، پھر نماز ادا کرتیں اوراس طرح پوری رات گزار دیتیں۔ جب صبح ہوجاتی توعرض کرتیں: رات نے اپنا منہ پھیر لیا اور دن روشن ہوگیا، کاش میں جان لیتی کہ آج کی رات تو نے مجھے قبول کرلیا، تاکہ لوگ مجھے مبارکباد یاں پیش کرتے، یا تو نے مجھے مردود کردیا تاکہ لوگ میری تعزیت کرتے، تیری عزت کی قسم !اگر تو مجھے اپنے در سے لوٹادے گا، تب بھی میں تیرے در کو چھوڑ کر دور نہیں جاؤں گی۔

حضرت رابعہ بصریہ کا واقعہ

پیر دست گیر حضرت مخدوم شاہ مینا قدس سرہ نے فرمایا کہ رابعہ بصریہ کا ایک گھر تھا جس میں دروازہ نہیں تھا۔ کسی نے ان سے کہا کہ دروازہ لگالیں تو آپ مطمئن ہوکر رات گزار سکیں گی۔ لوگوں نے دروازہ حاضر کردیا، رات گزری اور صبح سویرے ہی انھوں نے دروازہ ہٹادیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے درواز اہ کیوں ہٹادیا؟ حضرت رابعہ نے جواب دیا کہ دروازہ ہوگا تو دروازہ بند کرنے میں اتنی دیر کے لیے قلب پراگندہ ہوگا اور اتنی دیر کے لیے وقت ضائع ہوگا۔

حضرت رابعہ اپنے رب سے مناجات میں کہتیں: بادشاہا! رابعہ کے نصیب میں جتنی دنیا ہے وہ اپنے دشمنوں کو دے دے اور اس کے نصیب میں جنت کی جو نعمتیں ہیں وہ اپنے دوستوں کو دے دے۔ اس دنیا میں رابعہ کی غم گساری کے لیے تیرا غم ہی کافی ہے اور جنت کے لیے تیرا نام ہی کافی ہے۔

اے عزیز! اگر تم چاہتے ہو کہ دل کی سرحد پر مجاہدہ وریاضت کے گھوڑے باندھ کر جمے رہو، نفس کی سرحد پر بیٹھ کر نفس کی پاسبانی و نگہبانی کرو اور آسانیوں کو ترک کردو، تو اس کے لیے مرد و خواتین اہل اللہ کے احوال پر تمھارا مطلع ہونا ضروری ہے تاکہ تمھارے اندر نشاط اور جوش وجذبہ پیدا ہو اور اس راہ کے سفر کے لیے تمھارے ذوق وشوق میں اضافہ ہو، جس راہ پر وہ چلے ہیں، تم بھی اس راہ پر چلو اور راہ مت بھٹکو تاکہ جو کچھ انھیں نظر آیا ہے وہ تم پر بھی ظاہر ہوجائے، جو کچھ انھوں نے سنا ہے وہ تم بھی سن لو اور جہاں تک ان کی رسائی ہوئی ہے وہاں تک تمھاری بھی رسائی ہوجائے ۔

تو راہ نرفتۂ ازاں ننمودند ورنے کہ زد ایں در کہ برو نکشودند

تم اس کی راہ میں چلے ہی نہیں، اس لیے اس نے اپنی تجلی نہیں دکھائی، ورنہ جس نے بھی اس در پر دستک دی اس کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔

جان در رہ دوست بدہ گر می خواہی　　تو نیز چناں شوی کہ ایشاں بودند

اگر تم چاہتے ہو کہ تم بھی ویسے ہی بن جاؤ جیسے اسلاف تھے تو دوست کی راہ میں جان دے دو۔

اہلِ زمانہ سے بچو؛ کیوں کہ آج بیشتر لوگ رسم پرست اور شیخی بگھارنے والے رہ گئے ہیں اور تن پرستی کی وجہ سے قربِ خداوندی سے دور جا پڑے ہیں، یہ بہائم صفات لوگ، ملکوتی صفات رکھنے والوں تک کب رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

دوزخ آشاماں بدند ایشاں و اینہا کاملاں　　ایں خساں را کی تواں ہم سنگ ایشاں

(یہ لوگ دوزخ کا مزہ چکھنے والے ہیں، جب کہ وہ کامل لوگ تھے، اُن خس وخاشاک لوگوں کو اِن گرامی مرتبت لوگوں کے برابر سمجھنا کیوں کر روا ہو سکتا ہے؟)

اے عزیز! اللہ تعالیٰ کے ریاضت و مجاہدہ کرنے والے بندوں کی ایسی حکایتیں بہت ہیں، جتنا میں نے بیان کر دیا ہے، عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

عشق کا مقام

پیر دستگیر قطب عالم نوراللہ مرقدہ نے فرمایا کہ سالکین نے جو یہ کہا ہے کہ جب تک سالک اپنے ایک مقام کو درست نہ کر لے اور اس میں استقامت نہ حاصل کر لے اس وقت تک دوسرے مقام کی جانب منتقل نہ ہو یہ ان سالکین کے حق میں ہے جن کے اندر درد و محبت کامل نہ ہو، البتہ بفضل الٰہی جسے دردِ عشق یکایک حاصل ہو جائے، وہ اگرچہ مبتدی ہو، ہمارے مشائخ اسے توبہ پر استقامت سے قبل ہی ذکر اور مراقبے کی تلقین کر دیتے ہیں، شیخ سے ربط قلب کا طریقہ سکھا دیتے ہیں اور اس کی شرائط بھی اسے بتا دیتے ہیں، تاکہ وہ اس میں مشغول رہے اور اس کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ اس نے یہ تمام مقامات حاصل کر لیے ہیں۔ اس بات کو گروہ صوفیہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور عاشقوں کے علاوہ کوئی اس کی تصدیق بھی نہیں کر سکتا۔ جو

ہماری جنس کا ہوگا وہی اس بات کو سمجھ پائے گا، جو اس مقام سے بے خبر ہوگا وہ اس کلام کو سمجھنے سے قاصر ہوگا۔

عزیز! جہاں عشق کی جلوہ سامانی ہو وہاں زہد کی کیا گنجائش اور ورع کا کیا مقام عشق ایک ایسی آگ ہے جو ایک ہی بار میں تمام علائق و موانع، آلودگیوں اور رکاوٹوں کو خاکستر کر کے رکھ دیتی ہے۔ع

جائے کہ سلطاں خیمہ زد، غوغا نماند عام را (سلطان کی آمد ہوئی ہر سو خموشی چھاگئی)

البتہ جو بیچارہ ایسا نہ ہو، درد عشق کی نعمت اس کے پاس بتمام و کمال نہ ہو، اسے ہر وقت نفس و شیطان کے ساتھ جنگ کرنی چاہیے، کبھی وہ اٹھے گا، کبھی گرے گا، کبھی وہ غالب آجائے گا اور کبھی نفس و شیطان غالب آجاتے ہیں، ایک طویل مدت تک بڑی مشقتیں جھیلنے اور بڑی تکلیفیں برداشت کرنے کے بعد مذکورہ مقامات حاصل ہوں گے اور اس وقت جاکر کام انجام تک پہنچے گا۔ اگر اللہ کی توفیق بندے کے شامل حال ہوجاتی ہے تو شیطان و نفس مغلوب ہوجاتے ہیں۔

کم خوردنی

اس فقیر کے پیر دستگیر قدس اللہ روحہ بارہا یہ شعر پڑھتے ؎

جوع طعام خویش کن تا بہ قبول حق رسی چون کہ قبول حق شدی با ہمہ خلق ناز کن

(بھوک کو اپنی خوراک بنالو تاکہ حق تعالیٰ کی بارگاہ کے مقبول ہوجاؤ اور جب حق تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبولیت حاصل ہوجائے، اس وقت ساری مخلوق کے ساتھ ناز کا مظاہرہ کرو۔)

یہ واقعہ بھی پیر دستگیر قدس سرہ کا بیان کردہ ہے: ایک دن ایک صوفی، صوفیوں کا لباس پہنے ہوئے دوسرے صوفی کے دروازے پر آیا اور اس کی لڑکی سے پانی طلب کیا۔ لڑکی نے سمجھا کہ وہ وضو کے لیے پانی مانگ رہا ہے، وہ چھوٹا گھڑا بھر کے لے آئی۔ صوفی نے لڑکی کے سامنے ہی پانی پینا شروع کردیا۔ وہ لڑکی اپنے والد کے پاس دوڑتی ہوئی گئی اور کہا: تیار ہوجائیے قیامت آنے والی ہے۔ اس کے والد نے کہا: بیٹی! کیا کہہ رہی ہو؟ کیا بات ہوگئی کہ اس قدر سہمی ہوئی ہو اور اتنے یقین کے ساتھ کہہ رہی ہو؟ لڑکی نے جواب دیا: ابھی میں نے ایک شخص کو دیکھا جو صوفیوں کا لباس پہنے ہوئے ہے اور دن میں پانی پی رہا ہے۔ تعجب ہے کہ صوفی دن میں پانی پیے اور قیامت قائم نہ ہو۔

ایام بیض

اسی موقع پر حضرت پیر دست گیر نے فرمایا کہ ایام بیض تیرہویں، چودہوں اور پندرہویں شب کو کہتے ہیں اور ان ایام کو ایام بیض اس لیے کہتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو آپ گریہ وزاری میں مشغول ہو گئے، چوں کہ پورا جسم اس لغزش کے عتاب سے سیاہ ہو گیا تھا، اور جب حق تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ تب فرمان ہوا کہ ان دنوں میں روزے رکھو، اس طرح ہر دن ان کا تہائی جسم روشن ہو جاتا۔ جب آپ نے تینوں دن کے روزے رکھ لیے تو آپ کا پورا جسم مبارک سفید اور روشن ہو گیا۔

بعض حضرات بیض کی جانب ایام کی اضافت کی بنیاد اس معمولی تعلق کو قرار دیتے ہیں کہ ان تین دنوں کی راتیں بہت روشن ہوتی ہیں۔

سید السادات مخدوم جہانیاں نے یہ بھی فرمایا: روزے کے چار فائدے ہیں: ۱-: خاموشی، ۲-: فکر، ۳-: معرفت، ۴-: محبت۔

صاحب العوارف شیخ شیوخ العالم شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ فرماتے ہیں: سالک ہمیشہ معدے کو ہلکا رکھنے کی کوشش کرے، روزہ رکھے، دوشنبہ اور جمعہ کو نفل روزے رکھے، اور زیادہ رکھ سکے تو بہتر ہے، ورنہ ہر مہینے میں ایام بیض کے روزے رکھے اور یہ پہلا درجہ ہے۔

اسی وجہ سے ہمارے مخدوم شیخ کبیر (بہاء الدین زکریا ملتانی) قدس اللہ روحہ کی خانقاہِ سراپا عظمت میں اگر کوئی شخص اس پہلے درجے کو اختیار کرتا تو بعض لوگ اسے ملامت کے طور پر "بَیضی" کہتے، کیوں کہ درویشوں کا مطلوب و مقصود یہ ہے کہ وہ اپنی ہمت بلند رکھیں اور خود کو پست ہمت نہ بنائیں، بلکہ دوسرے دنوں کے روزے بھی ایام بیض کے ساتھ جوڑ دیں، صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلسل چار روز سے زیادہ بے روزہ رہنا مکروہ ہے، اسی لیے پورے سال میں چار دن مسلسل روزہ نہ رکھنے کا حکم آیا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

نفل روزہ توڑنے کا مسئلہ

روزے کا ایک ادب یہ ہے کہ جب روزے سے رہے تو ایسی جگہ نہ جائے جہاں لوگ کھانے پینے میں مشغول ہوں یا کھانے والے ہوں، اور اگر بغیر قصد وارادہ کے وہاں پہنچ جائے تو روزہ نہ توڑے اور اس طرح کی باتیں نہ سنے کہ ایک مسلمان کی دل جوئی اور دل داری زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ حدیث میں ہے: إِنْ کُنْتَ صَائِمًا فَصِلْ یعنی اگر ایسی جگہ جاؤ جہاں لوگ کھانے میں مشغول ہوں اور تم روزے سے ہو تو ان کے حق میں برکت کی دعا کرو تاکہ وہ لوگ کھائیں۔ دل داری کا سوال وہاں ہوتا ہے جب کسی کو دعوت دی جائے اور وہی بالذات مہمان ہو اور دوسری ایک جماعت کو اس کے طفیل میں دعوت دی گئی ہو۔ ایسا ہی حقائق میں مذکور ہے۔

کسی مسلمان بھائی کے کہنے پر روزہ توڑنے کی اجازت وقت کے ساتھ محدود ہے۔ زوال سے پہلے تک ہی ایسا کر سکتا ہے، زوال کے بعد سوائے ماں باپ اور پیر کے، کسی کے لیے روزہ توڑنے کی اجازت نہیں۔

ہمارے خواجگان اپنے مشائخ کے عرس کے دن روزہ نہیں رکھتے تھے، اگرچہ زوال کے بعد کا وقت ہوتا۔ (۱)

مولانا وجیہ الدین پائلی کا واقعہ

خزانہ میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا وجیہ الدین پائلی جو صائم الدہر تھے اور شیخ الاسلام خواجہ نظام الدین اولیا قدس اللہ روحہ سے ارادت رکھتے تھے، حضرت خواجہ نے ان کی تربیت فرمائی تھی، ایک دن قطب عالم شیخ رکن الدین قدس سرہٗ کی بارگاہ میں پہنچے۔ حضرت شیخ نے ایک لقمہ اٹھا کر مولانا وجیہ الدین پائلی کو کھانے کے لیے پیش کیا، انھوں نے کہا کہ میں روزے سے ہوں اور نہیں کھایا، اور پھر گھر واپس گئے۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ وجیہ الدین کمال استعداد رکھتے ہیں، ہمارے بھائی مولانا نظام الدین نے ان کو ایک مقام پر پہنچا دیا تھا اور وہ

---

(۱) یعنی اگر وہ روزے سے ہوتے اور زوال کے بعد انھیں پتہ چلتا کہ آج اپنے مشائخ کا عرس ہے تو روزہ توڑ دیتے۔

اس مقام پر اس لقمے کی وجہ سے موقوف تھے۔ ابوالفتح نے چاہا کہ ان کی اس مقام سے ترقی ہو جائے، لیکن کیا کروں؟ انھوں نے وہ لقمہ کھایا ہی نہیں۔ بعد میں مولانا وجیہ الدین کو جب یہ خبر ملی تو انھوں نے افسوس کیا، شرمسار ہوئے اور حضرت شیخ رکن الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں آئے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ وہ وقت گزر گیا۔

مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا واقعہ

سید السادات مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری قدس سرہٗ نے یہ حکایت بیان فرمائی ہے کہ مکہ مکرمہ میں قاضی فخر الدین بن قاضی خان کو مہمان بنایا گیا اور مکے کے بزرگ حضرات حاضر ہوئے۔ اس دن حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ نفل روزے سے تھے، عصر کی نماز کے بعد کھانا لایا گیا۔ حضرت مخدوم سید السادات نے فرمایا کہ افطار کا وقت قریب ہے، کھانا کھانے میں افطار کا وقت آجائے گا، میرا حصہ میرے سامنے ہے، میں تھوڑی دیر بعد کھالوں گا۔ مکے کے بزرگوں نے حضرت سید السادات سے فرمایا: بہتر یہ ہے کہ ایسے مجمع میں افطار کر لیا جائے۔ حضرت مخدوم سید السادات قدس اللہ سرہ نے افطار کر لیا۔

اسی طرح ایک روز ایک شخص نے اُچہ میں حضرت مخدوم کی دعوت کی، حضرت مخدوم نے اس روز ایام بیض کا ایک روزہ رکھ لیا تھا، آدھا دن گزر چکا تھا، پھر بھی آپ نے دعوت قبول کر لی، افطار کر لیا اور فرمایا کہ مسلمان بھائی کی دل جوئی و دل داری کا ثواب نفل روزے کے ثواب سے بڑھ کر ہے۔ البتہ اگر دعوت خاص نہ ہو تو کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔

مسئلہ

واضح رہے کہ مسلمان بھائی کی دل داری کے لیے روزہ توڑنا اس وقت درست ہوگا جب کہ اس کے دل میں اس کھانے کی حرص اور خواہش شامل نہ ہو، بلکہ صرف مسلمان بھائی کی دل جوئی مقصود ہو؛ کیوں کہ بزرگوں نے فرمایا ہے: محض دل داری کی خالص نیت ہو اور اس میں خواہش نفس موجود نہ ہو، لیکن ایسا بہت مشکل سے ہی ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ جس طرح بھی نفس

کی مخالفت ہوجائے خواہ روزے کے ذریعے یا روزہ توڑنے کے ذریعے، اس کی مخالفت ضرور کرے؛ کیوں کہ اس جماعت کا اصل مقصود یہ ہے کہ نفس کو مقہور کیا جائے۔

ایام بیض کے روزوں کے ترک کی ابتدا کب اور کیسے؟

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ نے فرمایا: ایام بیض کے روزوں کی فضیلت اور اس کا ثواب اتنا زیادہ ہے کہ پہلے ہمارے خواجگان کی جانب سے ان ایام میں روزہ نہ رکھنے کی بالکل ہی اجازت نہیں تھی۔ اس اجازت کا آغاز شیخ الاسلام حضرت خواجہ نصیر الدین محمود قدس سرہ سے ہوا ہے، اس لیے کہ ان کے اکثر مریدین فوجی دستے میں تیر انداز تھے، اس لیے دفع حرج کے لیے آپ ان روزوں کی تاکید کے بعد افطار کی اجازت بھی دے دیا کرتے۔

فقیر کے پیر دست گیر نے فرمایا کہ سالک کو بلند ہمت ہونا چاہیے اور صرف ایام بیض کے روزوں پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے۔ اگر پورے سال روزے رکھے اور جن ایام میں روزے ممنوع ہیں ان میں افطار کرے تو بہتر ہے اور اگر اتنا نہ ہو سکے تو رجب و شعبان کے مہینوں کو نہ چھوڑے اور ان دنوں میں ہر جمعہ جمعرات اور دوشنبہ کے روزوں کی پابندی کرے کہ یہ طالبان مولیٰ کی نشانی اور محبان الٰہی کی علامت ہے۔ عاشورہ کے روزے اور دوسرے ایام کے روزے جو اوراد میں مذکور ہیں، انھیں ترک نہ کرے کہ ان میں بڑا ثواب ہے۔

فائدہ: روزے کے درجات

اے عزیز! یاد رکھو کہ روزے کے تین درجے ہیں: پہلا: عوام کا، دوسرا: خواص کا اور تیسرا: اخص الخواص کا۔ عوام کا روزہ یہ ہے کہ کھانے پینے اور جماع سے باز رہتے ہیں۔ خواص کا روزہ یہ ہے کہ کان، نگاہ، ہاتھ، پاؤں، زبان اور دوسرے تمام اعضا کو گناہوں سے باز رکھتے ہیں، ان کے کسی عضو سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا، تب جاکر ان کے نزدیک وہ روزہ، روزہ کہلاتا ہے اور اخص الخواص کا روزہ یہ ہے کہ وہ اپنے دل کو دنیا اور دنیا کے تمام کاموں سے باز رکھتے ہیں اور رب تعالیٰ کے علاوہ سب سے بالکلیہ بری ہوجاتے ہیں۔ جس شخص کا روزہ ایسا ہو اس کے

روزے کو اس راہ میں خاص مقام و مرتبہ حاصل ہوگا۔ ایسے ہی روزہ دار کے بارے میں ہے: نَوْمُ الصَّائِمِ عِبَادَةٌ وَنَفَسُه تَسْبِيْحٌ روزہ دار کا سونا عبادت ہے اور اس کی ہر سانس تسبیح الٰہی ہے۔ البتہ وہ شخص جو عوام کا روزہ رکھتا ہے اور اپنے اعضا کو گناہوں اور دل کو اللہ سے غافل کرنے والے کاموں سے باز نہیں رکھتا، وہ عند اللہ بے روزہ ہے، اگرچہ اپنے خیال میں روزہ دار ہے۔

افطار کے لیے دو روٹی بھی رکھنا بخل ہے

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ نے بیان فرمایا کہ حضرت خواجہ شیخ نظام الدین اولیا قدس سرہ کے زمانے میں ایک صوفی تھا، صبح سے لے کر شام تک جو کچھ اسے نذر و نیاز ملتا وہ اسے فقرا و مستحقین پر خرچ کر دیتا اور خود روزے سے رہتا۔ کسی نے اس کا ذکر حضرت مخدوم قدس سرہ سے کیا تو آپ نے فرمایا: اس بخیل کا نام میرے سامنے مت لو۔ ہر شخص کو یہ سن کر تعجب ہوا ۔ جب آپ نے بار بار یہی فرمایا تو احباب میں سے ایک نے استفسار کیا کہ حضور! ہر بار فرماتے ہیں کہ اس بخیل کا نام میرے سامنے مت لو، جب کہ وہ صبح سے لے کر شام تک کچھ جمع نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا: ہاں! معاملہ تو ایسا ہی ہے، لیکن جب اسے نذر و نیاز ملتی ہے تو پہلے روٹی کے دو ٹکڑے اپنے افطار کے لیے رکھ لیتا ہے اور اسے اتنا بھروسا نہیں ہوتا کہ جو ذات اتنی نذر و نیاز پہنچانے پر قادر ہے وہ افطار کے وقت دو روٹی پہنچانے پر بھی قادر ہے۔ وہ ان دو روٹیوں کو خرچ کرنا گوارا نہیں کرتا۔ اسی لیے میں نے اسے بخیل کہا ہے۔

روزے کا شمار اصول طریقت میں کب ہوگا؟

اے عزیز! اصول طریقت میں روزہ اس وقت شمار ہوگا جب تم خواص کا روزہ رکھو، اگر تم عوام کے روزے پر اکتفا کر رہے ہو تو مقام طریقت جو ایک بلند مقام ہے، وہاں تک کیسے پہنچو گے؟ پھر روزہ رکھنے کے باوجود اگر کم کھانے کی عادت نہیں ڈالو گے تو روزہ رکھنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا؛ کیوں کہ جماعت صوفیہ کا مقصود نفس کو بھوکا رکھنا اور اس کو مقہور کرنا ہے۔ لہٰذا اگر تم دو وقت کا کھانا اکٹھے ایک وقت میں کھاؤ، کھانے میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکو تو اس جماعت کے نزدیک تم

بے روزہ ہو، روزہ دار نہیں ہو۔ چنانچہ عوام کا روزہ رکھنے والا وہ ہے جو اپنا دوپہر کا کھانا کسی فقیر کو دے دیتا ہے اور خود ایک وقت کھاتا ہے، ورنہ یہ سب چھوڑ دو کہ یہ بے مطلب کی پریشانی اٹھانے اور خود کو ظاہری روزے کے ذریعے فریب میں رکھنے کے علاوہ کچھ نہیں۔

حضرت مخدوم شاہ مینا کا معمول

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ نے بہت چلے کیے تھے، لیکن اس کی شہرت نہیں کی تھی، آپ روزے کی حالت میں ہوتے اور مشغول بحق ہوتے لیکن آنے والوں کی ملاقات کے لیے باہر تشریف لاتے، خانقاہ میں تھوڑی دیر رکتے اور پھر حجرے میں جاکر مشغول ہوجاتے۔ بعض اوقات ۳۹؍ روز گزر جانے کے بعد بھی کوئی مرید و معتقد بضد ہوتا، جو ٹھا پانی طلب کرتا یا کچھ کھانے پر اصرار کرتا تو آپ اپنے معاملے کو پوشیدہ رکھتے اور یہ نہیں کہتے کہ میں روزہ دار ہوں، جو اس کی خوشی ہوتی وہی کرتے اور پھر سے چلے کی نیت کرلیتے۔ مقصد یہ ہوتا کہ نفس مقہور ہوجائے اور وہ ان چلوں اور ان کی تکمیل پر خوش ہوکر آئندہ کے لیے اطمینان وسکون کی سانس نہ لے سکے۔

فائدہ: شب بیداری کے فضائل

فقیر کے پیر دست گیر نے فرمایا: ایک مرتبہ ایک درویش نے ایک جوان کو پوری رات گلی میں کھڑا دیکھا۔ انھوں نے پوچھا کہ تم پوری رات اس گلی میں کس لیے کھڑے رہے؟ اس نے کہا: میری معشوقہ نے مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا، میں اسی کے انتظار میں تھا۔ اس درویش نے سوچا کہ جو شخص مجازی محبت کا دعویٰ رکھتا ہے وہ نہیں سوتا، پھر افسوس ہے اس شخص پر جو حق تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور پوری رات سوتا ہے۔

عَجَبًا لِلْمُحِبِّ كَيْفَ يَنَامُ ۔۔۔ كُلُّ نَوْمٍ عَلَى الْمُحِبِّ حَرَام
فَقُمْ يَا حَبِيْبِيْ كَمْ تَنَامُ ۔۔۔ وَطَالِبُ الرَّبِّ لَا يَنَام

(۱) محبت کرنے والے پر مجھے تعجب ہے کہ اسے نیند کیسے آتی ہے! محبت کرنے والے پر تو نیند حرام ہوتی ہے۔

(۲)اے میرے پیارے!اٹھو کب تک سوتے رہو گے!طالب مولیٰ سویا نہیں کرتا۔

چشمی کہ درو خار بود چون خسپد آن را کہ غم یار بود چون خسپد

اے دیدہ گنہ می کنی و می خسپی آں کس کہ گنہگار بود چون خسپد

(۱)وہ آنکھ جس میں کانٹا چبھا ہو،کیسے سو سکتی ہے اور وہ شخص جو غم جاناں میں گرفتار ہو کیسے سو سکتا ہے!

(۲)اے آنکھ!تو گناہ کرتی ہے اور پھر تجھے نیند بھی آجاتی ہے،جو گنہگار ہوتا ہے اسے نیند کہاں آتی ہے!

اے عزیز!ہر چیز کی ایک علامت ہوتی ہے،اس علامت کے بغیر اس چیز کی سچائی ظاہر نہیں ہوتی اور طویل قیام،شب بیداری،لمبی آہ و فریاد،طالبان الٰہی و محبان مولیٰ کی علامتیں ہیں،ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

ہمہ شب بیاد رویت دم سرد و آہ دارم رخ زرد و چشم گریاں مہِ من گواہ دارم

(پوری رات تیرے رخ زیبا کی یاد میں سرد آہیں بھرا کرتا ہوں،میرے محبوب!یہ زرد چہرہ اور روتی ہوئی آنکھیں اس پر گواہ ہیں۔[۱]

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

اے عزیز!ایک بار پھر سن لو کہ جس کو جو بھی نعمت ملی،قیام شب کی بدولت ہی ملی،راتوں کو قیام کی بے شمار فضیلتیں اور اس کے بے شمار کمالات ہیں،یہی وجہ ہے کہ بزرگان دین نے شب بیداری کی پابندی کی ہے۔کیا نہیں جانتے کہ نبی کریم ﷺ اپنے تمام تر کمالات اور رفعتوں کے باوجود راتوں کو قیام فرماتے،یہاں تک کہ آپ کے پائے مبارک میں ورم آجاتا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ قیام شب ایک نعمت ہے،اگر چہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو،کتنی دولت والے اور کتنی نعمت والے ہیں وہ لوگ جو رات کے اکثر حصے میں یا پوری رات بیدار رہتے ہیں اور

---

(۱)مجمع السلوک میں (ہہ) کی جگہ (ہمہ) ہے۔

قیام میں گزار دیتے ہیں، یہ روحانی دولت مندوں کا کام ہے، یہ دولت سب کو حاصل نہیں ہوتی۔

شب بیداری میں معاون اسباب

یہ سب جان لینے کے بعد اب یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ جس کو قیام اللیل اور شب بیداری مطلوب ہو اُسے چاہیے کہ وہ ان اسباب کا خیال رکھے جو قیام اللیل میں معاون و مفید ہیں۔

(۱) کم کھانا پینا: قیام شب کے لیے بہت سے امور معاون ہیں۔ ان میں سے ایک کم کھانا بھی ہے۔ صوفی کو اپنا معدہ کھانے سے خالی اور صاف رکھنا چاہیے۔ یوں ہی پانی زیادہ نہیں پینا چاہیے؛ کیوں کہ زیادہ پانی پینے سے جسد خاکی ضعیف اور سست ہو جاتا ہے اور اسے نیند زیادہ آنے لگتی ہے۔

(۲) رزق حلال: ہمیشہ حلال کھانا چاہیے۔

(۳) حضور قلب کے ساتھ کھانا: جو کچھ کھائے حضوری قلب کے ساتھ اور ذکر الٰہی کے ساتھ کھائے؛ کیوں کہ کھانا اپنے آپ میں بیماری ہے اور ذکر الٰہی اس کی دوا، اگر اس کی وجہ سے بدن میں گرانی پیدا ہو تو ذکر الٰہی کی کثرت کرے یا نماز زیادہ ادا کرے۔ اس طرح کھانا تحلیل ہو جائے گا، کھانے کی گرانی جاتی رہے گی اور نقصان دہ بھی نہیں ہو گا۔

(۴) دن میں ایسا کام کرنا جس سے جسم سست نہ ہو: قیام شب میں معین و مددگار ایک چیز یہ بھی ہے کہ دن میں اپنے جسم کو ایسے ہی کاموں میں مشغول رکھے جس کی وجہ سے اعضا اور رگوں میں سستی نہ پیدا ہو؛ اس لیے کہ اعضا اور رگوں میں سستی پیدا ہونے کی وجہ سے نیند کا غلبہ ہوتا ہے۔

(۵) قیلولے کی پابندی: قیام شب میں معاون ایک سبب یہ بھی ہے کہ قیلولہ ترک نہ کرے؛ کیوں کہ یہ سنت ہے اور شب بیداری میں معاون ہے۔

(۶) گناہوں سے اجتناب: ایک سبب یہ بھی ہے کہ اپنا دن گناہوں میں ملوث ہو کر نہ گزارے؛ کیوں کہ گناہوں کی وجہ سے دل میں سختی پیدا ہوتی ہے اور اس کی شامت کی وجہ سے انسان قیام شب کی نعمت سے محروم رہ جاتا ہے۔

ایک شخص نے حضرت حسن بصری سے پوچھا کہ میں عافیت سے رات گزارتا ہوں اور شب بیداری سے محبت رکھتا ہوں۔ میں نے اس کے اسباب بھی اپنا لیے ہیں، لیکن کیا بات ہے کہ مجھے

شب بیداری کی دولت ہاتھ نہیں آتی؟ آپ نے جواب دیا: تمھارے گناہوں نے تم کو جکڑ رکھا ہے۔

حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ نے فرمایا: میں اپنے ایک گناہ کی وجہ سے پانچ ماہ شب بیداری کی دولت سے محروم رہا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آخر وہ کون سا گناہ تھا؟ آپ نے کہا: وہ گناہ یہ تھا کہ میں نے ایک شخص کو روتے ہوئے دیکھا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ مکاری کر رہا ہے۔

(۷) مغرب وعشا کے درمیان ذکر وفکر: شب بیداری میں معاون ایک سبب یہ بھی ہے کہ عشا اور مغرب کے درمیان ذکر، تلاوت قرآن، نماز یا مراقبے میں مشغول رہے؛ کیوں کہ صوفی جب عشا اور مغرب کے درمیان عبادت میں مشغول رہتا ہے تو مخلوق سے اختلاط اور ان کے ساتھ گفت وشنید کی وجہ سے جو کدورت پیدا ہو چکی ہوتی ہے، رب تعالیٰ اسے اپنے فضل وکرم سے محو فرما دیتا ہے، نماز تہجد کی ادائیگی اس کے لیے آسان فرما دیتا ہے اور نماز وطاعت میں اسے حلاوت محسوس ہونے لگتی ہے۔

پیر دست گیر قطب عالم حضرت مخدوم شاہ مینا قدس سرہ فرماتے تھے: درویشوں نے مغرب وعشا کے مابین عبادت میں مشغولیت کو اختیار کیا ہے؛ کیوں کہ اگر کوئی شخص عشا اور مغرب کے مابین عبادت میں کاہلی کرے گا تو اسے شب بیداری کی دولت میسر نہیں ہوگی اور اگر قیام شب کے لیے بیدار ہو بھی گیا تو مناجات کی لذت وحلاوت نہیں پائے گا۔

(۸) عشا کے بعد گفتگو نہ کرنا: شب بیداری میں معین ومددگار ایک چیز یہ بھی ہے کہ عشا کے بعد بات چیت نہ کرے، نہ کسی سے کوئی حکایت سنے اور نہ سنائے، اس لیے اگر صوفی اس وقت حکایات میں مشغول ہوتا ہے تو مغرب وعشا کے مابین عبادت سے حاصل ہونے والا حضوری کا نور زائل ہو جاتا ہے، کدورتیں جیسی کی تیسی واپس آجاتی ہیں اور شب بیداری کی دولت حاصل نہیں ہو پاتی۔

(۹) عشا کے بعد تجدید وضو: قیام شب میں معین ومددگار ایک چیز یہ بھی ہے کہ عشا کی نماز کے بعد تجدید وضو کرے اور اگر ہو سکے تو غسل کرے؛ کیوں کہ عشا کے بعد وضو اور غسل شب بیداری میں واضح طور سے اثر انداز ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے شب بیداری آسان ہو جاتی ہے۔

(۱۰) قصداً نہ سونا: شب بیداری کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ قصداً نہ سوئے، بلکہ عشا کی نماز کے بعد ذکر الٰہی، نماز، تلاوت قرآن یا مراقبہ میں مشغول رہے، یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہونے لگے۔ نیند کے غلبے کے بعد بھی ایک دو بار وضو کرے اور چند قدم دائیں بائیں چلے اور پھر جب نیند کا غلبہ ہو تو لیٹ جائے۔ جب اس طرح سوئے گا تو امید ہے کہ جلدی اٹھ جائے گا۔ البتہ جو استقامت حاصل کر چکا ہو اور اسے جلدی بیدار ہونے کا اعتقاد ہو وہ اگر اس نیت سے قصداً سو جائے تا کہ ذکر و نماز میں نشاط حاصل ہو تو کوئی حرج نہیں۔

(۱۱) اپنی عادت کو بدلنا: شب بیداری میں معین ایک چیز یہ بھی ہے کہ اپنی عادت میں تبدیلی لائے۔ اگر تکیہ لگانے یا بستر اونچا رکھنے کی عادت ہو تو اسے چھوڑ دے، مصلّے پر بیٹھا رہے، اگر نیند کا غلبہ ہو تو وہیں تھوڑی دیر آرام کر لے، اس لیے کہ صوفی اگر شب بیداری کی نیت سے تکیہ یا بستر کو ترک کرتا ہے تو رب تعالیٰ جو ہر شخص کی نیت سے واقف ہے، اسے جلد بیدار ہونے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔

کسی بزرگ کا قول ہے: میرے گھر میں کوئی شیطان نظر آ جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ اس میں کوئی تکیہ نظر آئے۔

(۱۲) باوضو سونا: قیام شب میں معین و مددگار ایک بات یہ بھی ہے کہ بے وضو نہ سوئے، اس لیے کہ صوفی جب باوضو سوتا ہے تو جلدی بیدار ہونے میں یہ چیز معین و مددگار ہوتی ہے۔ پھر باوضو سونے کی فضیلت بھی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: إِذَانَامَ الْعَبْدُ وَهُوَعَلَى الطَّهَارَةِعُرِجَ رُوْحُه إِلَى الْعَرْشِ وَكَانَتْ رُؤْيَاه صَادِقَةً وَإِنْ لَمْ يَنَمْ عَلَى الطَّهَارَةِ قُصِرَتْ رُوْحُه [۱] عَنِ الْبُلُوْغِ فَتَكُوْنُ الْمَنَامَاتُ أَضْغَاثَ أَحْلَامٍ لَاتَصْدُقُ [۲]

---

(۱) فوائد سعدیہ میں "فصرف رُوْحُه" ہے۔

(۲) امام غزالی کی احیاء العلوم، کتاب ترتیب الاوراد، الباب الاول (۱/۴۰۴) میں انہی الفاظ سے اس حدیث کا ابتدائی حصہ مذکور ہے، جب کہ کتب حدیث میں یہ الفاظ نہیں ملے۔ احیاء العلوم میں "عرج روحہ" کی جگہ "عرج بروحہ" ہے۔ لیکن ابن

(جب بندہ باوضو سوتا ہے تو اس کی روح عرش الٰہی کی جانب عروج کرتی ہے اور اس کے خواب سچے ہوتے ہیں اور اگر باوضو نہیں سوتا تو اس کی روح عروج نہیں کرپاتی اور ایسی صورت میں اس کے خواب ''خواب پریشاں'' ہوتے ہیں، سچے نہیں ہوتے۔)

(۱۳) **قلب کو صاف رکھنا:** شب بیداری میں مددگار ایک بات یہ بھی ہے کہ جب سوئے تو کینہ، حسد، کدورت، نفرت اور فضول دنیاوی فکر سے اپنے آپ کو آزاد کرکے سوئے؛ کیوں کہ اگر کوئی شخص کینہ، حسد، فریب، مکر یا دنیوی فکر کے ساتھ سوئے گا تو اس کے لیے قیام شب میں آسانی نہیں ہوگی۔ اگر بیدار ہو بھی گیا اور نماز کے لیے کھڑا بھی ہوگیا تب بھی دنیا کی فکر میں ہی غلطاں و پیچاں رہے گا۔ اور ایسے ہی شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ ع

إِذَا اسْتَيْقَظْتَ أَيْضًا فَنَائِمُ (ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں)

(۱۴) **خوف:** شب بیداری میں معین و مددگار ایک چیز یہ بھی ہے کہ خوف کو اپنے دل میں بسائے رکھے؛ کیوں کہ اگر خوف الٰہی غالب ہوگا تو آخرت کے احوال اور دوزخ کے طبقات کے بارے میں غور و فکر کرے گا اور اس طرح نیند دور ہوجائے گی؛ جیسا کہ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دوزخ کی یاد نے عابدوں کی نیند اُڑادی ہے۔

(۱۵) **قیام اللیل کے فضائل سے واقفیت:** شب بیداری میں ایک مددگار چیز یہ بھی ہے کہ شب بیداری کی فضیلت سے متعلق آیات واحادیث اور آثار کو سنے اور ذہن نشین کرے تاکہ اس سے متعلق ثواب کو سن کر اس کی امید و شوق کا رشتہ مضبوط و مستحکم ہوجائے اور مزید کی طلب،

مبارک کی الزھد، باب فضل ذکر اللہ عزوجل (۱۲۴۵) میں حضرت ابودرداء کی موقوف حدیث ان کلمات سے مروی ہے: اذا نام الانسان عرج بروحه حتى يؤتى بها إلى العرش فان كان طاهرا اذن لها بالسجود وإن كانت جنبا لم يؤذن لها بالسجود اور بیہقی کی شعب الایمان، کتاب الطہارات (۲۵۲۷) میں عبداللہ بن عمرو بن عاص کی موقوف حدیث ان الفاظ سے بیان ہوئی ہے: إن الأرواح تعرج بها في منامها، وتؤمر بالسجود عند العرش، فمن كان طاهرا سجد عند العرش، ومن كان ليس بطاهر سجد بعيدا من العرش. واضح رہے کہ اس طرح کی حدیث جس میں قیاس کا کوئی دخل نہ ہو مرفوع کا حکم رکھتی ہے۔ ایک روایت حضرت علی سے مرفوعاً مروی ہے لیکن اس میں طہارت کا ذکر نہیں ہے۔ (مستدرک حاکم: ۸۱۹۹)

جنت کے درجات کی رغبت اوراس کا اشتیاق اس کے دل میں پیدا ہو جائے۔

جو شخص ان باتوں کا خیال رکھے گا اور سوتے وقت وہ دعائیں پڑھے گا جو شیخ کبیر حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ کے اوراد میں مذکور ہیں تو اللہ کے فضل سے امید ہے کہ اسے شب بیداری کی نعمت میسر آئے گی۔

فائدہ:

توکل و اخلاص

اے عزیز! توکل صبر و قناعت کا نام ہے۔ جس کو صبر و قناعت کی دولت مل گئی اسے ملک اور خزانہ ہاتھ آگیا اور جس کو در در کی ٹھوکریں کھانی پڑیں خواہ اپنے ظاہری اعضا کے ذریعے یا اپنے دل کے ذریعے، اسے ذلیل و خوار کر دیا گیا۔ اگر کوئی اپنے اعضا سے کوشش نہ کرے لیکن اپنے دل سے دوڑ بھاگ کر رہا ہو اور تلاش و جستجو میں ہو تو وہ متوکلین میں سے ہرگز نہیں ہے۔ متوکل وہ ہے جو اپنے دل اور تمام اعضا سے قانع ہو اور حق تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف التفات نہ کرے۔ اس کے بعد ہی وہ متوکلین کی جماعت میں شامل ہوگا اور قناعت کا خزانہ اسے بادشاہی تک پہنچائے گا۔

پیر دست گیر قطب عالم حضرت شاہ مینا قدس سرہ بارہا اس شعر کو پڑھتے

شیر نر بوسد بلبہا مرد قانع را قدم　　　مادہ سگ خاید بدنداں پای مرد ہر دری

(شیر نر مرد قانع کی قدم بوسی کرتا ہے جب کہ در در بھٹکنے والے انسان کو کتیا بھی کاٹتی اور بھنبھوڑتی ہے۔)

حقیقت توکل

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہٗ نے فرمایا: حقیقت توکل یہ ہے کہ بیابانوں اور ویرانوں میں رہا جائے، خلوت و گوشہ نشینی اور کلی طور پر ترک و تجرید اختیار کر لیا جائے، ظاہری اور معنوی لحاظ سے مخلوق کے میل جول سے یکسر کنارہ کش ہو جایا جائے، حیلہ و چارہ سے علاحدگی اور تمام

قسم کی مودت و محبت سے جدائی اختیار کرلی جائے۔

خلوت اختیار کر کے عبادت واطاعت میں مشغول رہنا اور شہروں اورآبادیوں میں سکونت پذیر ہونا بھی توکل میں شامل ہے، البتہ اس شرط کے ساتھ کہ شہرت، کثرت سے لوگوں کی ملاقات، جاہ و منزلت اور سرداری و بزرگی کا خیال دل میں جگہ نہ پاسکے۔ خالص اللہ کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرے، مخلوق سے اوران کی ملاقات و محبت سے اپنا دل پاک کرلے؛ کیوں کہ اگر کوئی شخص کسب کو ترک کرتا ہے، گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے، لیکن اس کا دل اس گوشے میں بھی مضطرب رہتا ہے اور آنے جانے والوں سے امید رکھتا ہے، تواس کے لیے کسب کرنا ہی بہتر ہے؛ کیوں کہ کسب کو ترک کرنے سے زیادہ اہم یہ ہے کہ مخلوق کی جانب التفات سے دل کو پاک کیا جائے۔ ہر وہ چیز جس کی طرف دل کا میلان ہو اُسے متوکلین ناپسند کرتے ہیں۔

امام داؤدطائی کی خلق سے عزلت

پیر دستگیر نے فرمایا کہ امام داؤد طائی کے نزدیک جماعت فرض ہے۔ جب آپ جماعت کے لیے تشریف لاتے تو خلق خدا کا ازدحام ہوجاتا اور لوگ آپ کی قدم بوسی کے لیے دوڑ پڑتے۔ حضرت امام داؤ دطائی نے بارگاہ الٰہی میں فریاد کی، اے مولیٰ! میرے اجتہاد کے مطابق جماعت فرض ہے، لیکن جب اس کے لیے میں نکلتا ہوں تو مخلوق میری قدم بوسی کے لیے مزاحم ہوتی ہے، ان کا یہ ازدحام مجھے اچھا نہیں لگتا، مجھ کو کسی مصیبت میں مبتلا کردے تاکہ جماعت کی فرضیت مجھ سے ساقط ہوجائے اور مجھے باہر نکلنا نہ پڑے، اس طرح میں مخلوق کی بھیڑ سے نجات پاجاؤں گا اور اطمینان قلبی کے ساتھ بغیر کسی تشویش کے تیری بندگی میں مشغول رہوں گا؛ کیوں کہ مَاشَغَلَكَ عَنِ اللهِ فَهُوَ صَنَمٌ، وَالشُّهْرَةُ آفَةٌ وَالْخُمُوْلَةُ رَاحَةٌ (جو چیز حق سے غافل کردے وہ بت ہے، شہرت آفت کا نام ہے اور گم نامی راحت کا۔) حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرلی اور پھر وہ ایسا بیمار ہوئے کہ انھیں اپنی جگہ سے ہلنا دو بھر ہوگیا اور اس طرح پھر وہ باہر نہیں نکلے۔

امام داؤد طائی اور خلیفہ ہارون رشید

پیر دست گیر فرماتے تھے کہ حسرت نامہ میں مولانا ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید جو نبی کریم ﷺ کے چچا (حضرتِ عباس) کی اولاد میں تھے، راتوں کو خواجہ داؤد طائی اور دوسرے زاہدوں کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے لیکن یہ لوگ انھیں اندر نہیں بلاتے۔ بعض متبعین اور بڑوں نے خلیفہ سے کہا کہ آپ امیر و خلیفہ ہیں، اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ کے چچا کی اولاد میں ہیں، زاہدوں اور فقیروں کے پاس آپ کا جانا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ خلیفہ نے جواب دیا: اگرچہ یہ لوگ مجھے اندر نہیں بلاتے لیکن میرا جانا صرف اللہ کے لیے اور اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے، ایک دو ساعت کے لیے میں اپنی عزت کو ذلت سے بدل کر اور ذلت برداشت کر کے دنیاداری کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے صدقے مجھے دنیاداری کے گناہوں سے نجات عطا فرمائے گا اور اجر و ثواب سے سرفراز فرمائے گا۔ ان لوگوں نے چوں کہ خدا کی دوستی کے لیے دنیا سے دشمنی کی ہے، اسی لیے وہ مجھ سے دشمنی رکھتے ہیں، مجھ کو اندر نہیں بلاتے اور ملاقات نہیں کرتے، لہٰذا اپنے عمل میں وہ بھی مستحق ثواب ہیں۔

کچھ لوگوں نے خلیفہ ہارون سے بتایا کہ شب جمعہ کو داؤد طائی اپنے ایک ہم سایہ کے گھر تشریف لے جاتے ہیں، جو کسب بھی کرتا ہے لیکن تارک دنیا بھی ہے، اگر آپ اس ہم سائے کو واسطہ بنالیں تو شاید داؤد طائی سے ملاقات ہو جائے۔ دوسری رات خلیفہ پیدل چل کر اس ہم سائے کے گھر پہنچا، اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ میں ایک کمانے کھانے والا غریب آدمی ہوں اور اس طرح اپنے اہل و عیال کی گزر اوقات کا انتظام کرتا ہوں، مجھ جیسے فقیر کے پاس روئے زمین کا خلیفہ کیوں آیا ہے؟ اور مجھ سے خلیفہ کی کون سی غرض پوری ہو سکتی ہے؟ کل اگر بغداد والوں کو معلوم ہو گیا کہ خلیفہ پیدل چل کر میرے گھر آیا ہے تو ان کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے میں اپنا کسب نہیں کر پاؤں گا اور پھر ایسی صورت میں اپنی اولاد کے خرچ کا انتظام کہاں سے کروں گا؟ خلیفہ نے جب اس بے چارے کے صدق و اخلاص سے بھری معذرت سنی تو دینار کی دو تھیلیاں اس کے سامنے رکھ دیں۔ اس زاہد نے کہا: چند سال سے میں چند رکعتیں نماز ادا کرتا

ہوں اوران کے بھی مردود و مقبول ہونے کی مجھے خبر نہیں ہے، اس طاعت کے علاوہ صدقہ کرنے کے لیے میرے پاس مال نہیں ہے، جہاد میں جانے کی طاقت نہیں ہے، اہل وعیال کو چھوڑ کر حج کے لیے بھی نہیں جاسکتا، علم بھی اتنا نہیں کہ دوسروں کو پہنچا سکوں، خلیفہ کی اس دو تھیلی کا میں کیا کروں؟ قرب خداوندی کی کون سی قوت اور کس اضافی اطاعت کی بنا پر میں بیت المال کا مال لوں، کل قیامت کے روز میں اس دو تھیلی سونے کا کیا جواب دوں گا؟ اس زاہد کے مذکورہ کلمات کو سن کر خلیفہ زاروقطار رونے لگا اور اپنے خدمت گاروں کو حکم دیا کہ وہ اس تھیلی کو رکھ لیں، پھر بڑی مشکل سے اس زاہد سے کہا کہ میں تمھارے پاس ایک ضرورت لے کر آیا ہوں اور تم میری اس ضرورت کو پوری کرسکتے ہو۔ زاہد نے کہا کہ اے خلیفہ! آپ ارشاد فرمائیے، اگر وہ مجھ سے پوری ہونے والی ہوگی تو میں اس کی تکمیل میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ خلیفہ نے کہا: میں نے سنا ہے کہ جمعہ کی شب کو داؤد طائی تمھارے پاس تشریف لاتے ہیں، ان کی خدمت میں میری طرف سے عرض کرنا کہ میں ایک اولوالعزم قریشی، ہاشمی اور عم زادۂ رسول مقبول ہوں، میں آپ کے پاس وعظ و نصیحت سننے کی نیت سے آتا ہوں تاکہ آپ کے وعظ کا اثر قبول کروں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کروں۔ آپ کی ذات سے امت محمدیہ کی اتنی بڑی تعداد کو فائدہ پہنچا لیکن آپ مجھے اپنی ملاقات سے مشرف کرنے میں دریغ کیوں کرتے ہیں؟

زاہد نے قبول کرلیا اور کہا کہ شب جمعہ کو جب داؤد طائی میرے پاس آئیں گے تو میں خلیفہ کا پیغام پہنچا دوں گا۔ خلیفہ سلامتی کے ساتھ واپس تشریف لے جائیں اور اب پھر کبھی میرے دروازے پر تشریف نہ لائیں۔ اگر دوبارہ خلیفہ میرے پاس آئے تو میں بغداد چھوڑ دوں گا۔ خلیفہ نے کہا کہ جب تم میرے پاس نہیں آؤ گے اور میں تمھارے پاس نہیں آؤں گا تو داؤد طائی کا جواب مجھ تک کون پہنچائے گا؟ زاہد نے کہا کہ یہ خدام جو خلیفہ کے ساتھ آئے ہیں ان میں سے ایک کو متعیّن کردیجیے کہ وہ شب جمعہ کو صبح کے وقت آکر داؤد طائی کا جواب لے جائے۔ اس وعدے کے ساتھ خلیفہ زاہد کے پاس سے واپس چلا گیا۔

شب جمعہ کو جب داؤد طائی اس زاہد کے گھر تشریف لائے تو اس زاہد نے خلیفہ کا پیغام

داؤد طائی کو پہنچادیا۔ داؤد طائی اس پیغام کو سن کر زار و قطار رونے لگے۔ انھوں نے کہا: پتا نہیں خلیفہ مجھ سے ملاقات کی کیوں خواہش رکھتا ہے، جب کہ بغداد میں مجھ سے بہتر حال والے زاہد موجود ہیں، جو پوشیدہ ہیں، جنہیں کوئی نہیں جانتا، اگر میں زہد میں مشہور نہ ہوا ہوتا تو خلیفہ میری ملاقات کی تمنا نہ کرتا۔ اس کے بعد داؤد طائی نے اس زاہد سے کہا کہ اگر خلیفہ کے یہاں سے کوئی شخص آئے تو اس سے کہہ دینا کہ خلیفہ سے کہہ دو کہ میں جانتا ہوں کہ تم امیر و خلیفہ اور عم زادۂ رسول ہو اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میں تم سے ملاقات نہیں کرتا اور تمھاری کوئی چیز قبول نہیں کرتا لیکن اس کا سبب یہ ہے کہ میں جھوٹا یا سچا، مخلوق کے درمیان زاہد کی حیثیت سے مشہور ہوں، اگر میں خلیفہ سے ملاقات کروں اور اس کے تحفے تحائف قبول کروں تو پھر میرے بعد جو زہد اختیار کرے گا وہ کہے گا کہ بادشاہوں سے ملاقات اور ان کا مال قبول کرنے سے زہد میں کوئی خلل نہیں پڑتا، اس لیے کہ داؤد طائی نے خلیفہ سے ملاقات کی ہے اور اس کا مال قبول کیا ہے، اگر خلیفہ اس لیے میرے دروازے پر آتے ہیں کہ کل قیامت کے دن ان سے دنیا داری کا حساب نہ لیا جائے، تو خلیفہ کو اس حاجت کی تکمیل کے لیے کسی عاشق الٰہی کا دامن پکڑنا چاہیے اور اس کی پناہ میں اپنے آپ کو ڈالنا چاہیے، تاکہ جس بات کا اسے خوف ہے اس سے نجات حاصل ہو جائے۔ زاہدوں کے در پر آنے سے یہ مقصد حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ جو میں جانتا تھا وہ میں نے بتادیا اور جس مقصد سے وہ میرے پاس آتے وہ میں نے پیش کردیا، اب خلیفہ خواہ میری اس نصیحت پر کان دھریں یا نہ دھریں اس کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے۔ صبح کے وقت خادم جب اس زاہد کے پاس آیا، زاہد نے جو کچھ داؤد طائی سے سنا تھا اسے تفصیل سے بتادیا اور اس خادم نے زاہد سے جو کچھ سنا اسے امیر المومنین کے پاس پہنچادیا۔

پیر دست گیر قطب عالم سے میں نے سنا ہے کہ ایک دن خلیفہ ہارون رشید، حضرت امام ابو یوسف سے بضد ہوا کہ داؤد طائی سے میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں، ملاقات کی کوئی صورت ہے؟ حضرت امام ابو یوسف نے قبول کرلیا، داؤد طائی کے پاس پہنچے اور آواز دی، آپ کی والدہ باہر نکل کر آئیں۔ امام ابو یوسف نے کہا: جاکر داؤد طائی سے کہیے کہ خلیفہ ہارون رشید آپ کی ملاقات

کے لیے آنا چاہتے ہیں اور تھوڑی دیر آپ کے دیدار سے سکون حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ مجھے اجازت دیں کہ میں ہارون رشید کو لے کر ان کے پاس آؤں ۔ امام داؤد طائی نے جواب بھیجا: اے امام! خلیفہ سے کہیے کہ جو کام اسے بہتر نظر آئے اس میں مشغول رہے، مجھے جو کام بہتر نظر آیا ہے میں اس میں مشغول ہوں ۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (المومنون:۵۳) (ہر گروہ اپنی دنیا میں مگن ہے) وَلِلنَّاسِ فِيمَا يَعْشَقُوْنَ مَذَاهِبُ (اور لوگوں کی پسند و ناپسند مختلف ہوا کرتی ہے ۔)

امام ابو یوسف نے حضرت داؤد طائی کو یہ کہلا بھیجا کہ جو علم انھوں نے مجھ سے حاصل کیا ہے اس کے طفیل خلیفہ کو ملاقات کی اجازت دے دیں، تاکہ مجھے خلیفہ کے سامنے شرمسار نہ ہونا پڑے ۔ حضرت داؤد طائی نے جواب میں کہلایا کہ وہی علم جو میں نے آپ سے سیکھا ہے مجھے خلیفہ کو ملاقات کی اجازت دینے اور اس کی آمد کو قبول کرنے سے روکتا ہے ۔ میں نے آپ سے ہی سیکھا ہے کہ ظالم کے چہرے کو دیکھنا دل کو سیاہ کر دیتا ہے ۔ وہ دل جسے میں نے سالوں کی محنت سے محبت الٰہی کے نور سے منور کیا ہے، اسے میں ظالم کا چہرہ دیکھ کر سیاہ کرنا گوارا نہیں کر سکتا، اس کام کے لیے مجھے معاف رکھیں اور مجھ پر جبر نہ کریں ۔ امام ابو یوسف نے پھر ان کی والدہ سے کہا کہ میں خلیفہ سے وعدہ کر کے آیا ہوں، مجھ کو شرم آتی ہے، ایسی کوئی صورت بتائیے کہ داؤد طائی خلیفہ سے ملاقات کے لیے تیار ہو جائیں تاکہ میں شرمندگی سے بچ جاؤں ۔ داؤد طائی کی والدہ اندر جا کر ان کے سامنے کھڑی ہو گئیں اور ان سے کہا: میں تجھ سے دودھ کے واسطے سے سوال کرتی ہوں کہ تم خلیفہ سے ملاقات کر لو اور ان کی ملاقات سے مزید انکار مت کرو ۔ امام داؤد طائی نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کی اور بڑی گریہ وزاری کی کہ مولیٰ! تو نے حق والوں کے حقوق کی رعایت کا حکم دیا ہے اور ان کی باتوں کی پیروی کا حکم دیا ہے، اب صاحبان حقوق مجھ سے اپنے حقوق کے واسطے سے بضد ہیں، مولیٰ مجھ کو معذور رکھنا اور اس پر مجھے عذاب میں گرفتار نہ کرنا ۔

حضرت داؤد طائی نے والدہ کی بات کو قبول کر لی اور یہ شرط رکھی کہ خلیفہ جب بھی آئے تو رات کے وقت آئے اور لوگوں کی بھیڑ کے ساتھ نہ آئے ۔ جب رات ہوئی، امام ابو یوسف اور

خلیفہ، داؤد طائی کے گھر آئے، جب دونوں گھر میں داخل ہوئے، تو داؤد طائی نے چراغ گل کر دیا، تاکہ ان کی نظر ہارون رشید کے چہرے پر نہ پڑے؛ کیوں کہ ظالم کے چہرے کو دیکھنا دل کو سیاہ کر دیتا ہے۔ امام ابو یوسف نے مصافحہ کرنا چاہا تو انھوں نے ہاتھ کھینچ لیا اور ان سے مصافحہ نہیں کیا۔ امام ابو یوسف نے فرمایا: مصافحہ کیوں نہیں کرتے اور ہم سے نفرت کا اظہار کیوں کر رہے ہیں ؟ داؤد طائی نے جواب دیا: مجھے پتا ہے کہ خلیفہ کا ہاتھ گناہوں سے آلودہ ہے۔ اسی طرح خلیفہ کا کھانا بھی شبہات اور حرام سے خالی نہیں ہوگا، اس لیے یقیناً آپ سے مصافحہ کرنے میں نقصان ہے۔ تھوڑی دیر بعد خلیفہ نے داؤد طائی کے سامنے ہزار دینار رکھ دیے اور کہا یہ مال میں نے اپنے والد کی میراث میں پایا ہے، اسے میں لے کر آیا ہوں تاکہ آپ قبول کرلیں اور بے تامل اپنی ضروریات میں اسے خرچ کریں۔ داؤد طائی نے فرمایا: اگر مجھے تمھارا ہدیہ قبول کرنا ہوتا تو پھر میرے استاد امام ابو حنیفہ جو اپنی خاص کمائی سے چار سو درہم لے کر آئے تھے میں اسے کیوں نہ قبول کرلیتا؟ داؤد طائی نے خلیفہ کا ہدیہ قبول نہیں کیا اور خلیفہ ہدیہ لے کر واپس ہو گیا۔

امام ابو یوسف نے ان کی والدہ سے پوچھا کہ ان کے کھانے پینے کا انتظام کیسے چلتا ہے؟ تو انھوں نے بتایا کہ چند درہم میراث میں ملے تھے، اسی سے گزر بسر کرتا ہے۔ یہ درہم سبزی فروش کے یہاں رکھے ہیں وہ روزانہ اس میں سے ان کی ضرورت بھر کا کھانا انتظام کر کے بھیج دیتا ہے اور داؤد طائی ہمیشہ دعا کرتے ہیں کہ مولیٰ جس دن یہ درہم ختم ہو جائیں اس دن میری زندگی کو بھی مکمل کر دینا۔ امام ابو یوسف نے معلوم کیا کہ کتنا مال بچا ہے؟ اپنے دل میں حساب کیا اور اسی دن ان کو معلوم ہو گیا کہ ان کی وفات کب ہوگی؟ جب ان کے حساب سے آخری دن آیا تو اپنے ایک شاگرد کو ان کی وفات کی خبر لانے کے لیے بھیجا، شاگرد جب پہنچا تو انہیں خبر ملی کہ صبح کے وقت حضرت داؤد طائی راہی جنت ہو چکے ہیں۔

فائدہ: اخلاص کے درجات

بہت سی آفتیں ایسی ہیں جو اخلاص کے میٹھے اور شفاف پانی کو گدلا کر دیتی ہیں؛ ان میں بعض آفتیں جلی ہیں اور بعض خفی، بعض ضعیف ہیں جن میں ناہمواری ہے، اور بعض قوی ہیں جن میں

پوشیدگی ہے۔ ظہور و خفا کے لحاظ سے ان آفتوں کے اختلاف درجات کو ایک مثال کے ذریعے ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ اخلاص کے آب رواں کو گدلا کرنے والی چیزوں میں سب سے ظاہر ریا ہے۔ میں یہاں ایک مثال بیان کرنا چاہتا ہوں۔ نمازی کے لیے شیطان ایک آفت ہے۔ جب انسان نماز اخلاص کے ساتھ ادا کررہا ہوتا ہے اور کوئی شخص اس کی جانب دیکھتا ہے یا اس کے پاس آتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ اپنی نماز اچھی طرح ادا کرو تاکہ یہ شخص تمھاری جانب عظمت و بزرگی کی نگاہ سے دیکھے، تمہیں حقیر نہ جانے اور تمھاری غیبت نہ کرے۔ اس وقت اس کے اعضا سے خشوع و خضوع ظاہر ہونے لگتا ہے، اس کے جسم کا ہر حصہ پر سکون ہو جاتا ہے اور وہ اپنی نماز کو اچھی طرح ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے، یہ ریائے ظاہر ہے۔ یہ مرید مبتدی سے بھی پوشیدہ نہیں ہوتا۔ یہ پہلا درجہ ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ مرید اگر اس شیطانی آفت سے واقف ہوتا ہے، اس سے بچ جاتا ہے، اس پر شیطان کا بس نہیں چلتا، وہ شیطانی مکر کی طرف دھیان نہیں دیتا اور اپنی نماز سابقہ حالت پر جاری رکھتا ہے تو شیطان خیر کے راستے سے آتا ہے اور کہتا ہے: تم مقتدا ہو، لوگ تمھاری اقتدا کریں گے، تمھارے عمل کو دیکھیں گے اور جو تم کہو گے تمھاری نسبت سے اس کی روایت ہوگی، پھر لوگ تمھاری پیروی کریں گے، تو ان کے اعمال کا ثواب بھی تمھارے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا، نیکی کرو گے تب بھی اور برائی کرو گے تب بھی وہ لوٹ کر تمھاری طرف آئے گی۔ اس لیے ان کے سامنے اپنا عمل اچھا بنا کر پیش کرو، ہو سکتا ہے کہ خشوع و خضوع اور حسن عبادت میں وہ لوگ تمھاری اقتدا کریں۔ یہ وسوسہ پہلے والے سے زیادہ باریک اور پوشیدہ ہے۔ بہت ممکن ہے کہ جو شیطان کے پہلے والے وسوسے میں نہیں آسکا تھا وہ اس میں آجائے۔ یہ بھی عین ریا ہے اور اخلاص کو باطل کرنے والا ہے؛ کیوں کہ مرید اگر خشوع اور حسن عبادت کو ایسی چیز سمجھتا جس کو غیر کے لیے ترک کرنا پسند نہیں کرتا تو پھر اپنے لیے خلوت میں اسے کیوں نہیں اختیار کرتا؟ یہاں یہ بھی امکان نہیں ہے کہ اس کے نزدیک غیر خود اس کی ذات سے زیادہ عزیز ہو، یہ محض ابلیس کا فریب ہے، چنانچہ مقتدا وہ حضرات ہیں جن کا نفس استقامت سے آراستہ ہوتا ہے، ان کا دل روشن ہو چکا ہوتا ہے اور ان کا نور دوسروں تک پہنچتا ہے، انھیں اسی پر ثواب ملتا ہے، اور جہاں

تک اوپر بیان کی گئی بات کا تعلق ہے تو یہ محض نفاق اور تلبیس ہے۔ چنانچہ جو شخص ایسے شخص کی اقتدا کرے گا اسے ثواب تو ملے گا لیکن تلبیس کی بنا پر اِس ریا کار کی گرفت کی جائے گی اور ایسے وصف کے مظاہرے پر اس کی گرفت ہوگی جس سے وہ فی الواقع متّصف نہیں ہے۔

تیسرا درجہ پیچھے بیان کیے گئے وسوسوں سے زیادہ باریک ہے۔ بندہ جب اس مرحلے میں آزمایا جاتا ہے تو وہ شیطان کے فریب سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ وہ یہ جان لیتا ہے کہ خلوت و جلوت کے درمیان اس کی حالت کا مختلف ہونا بھی ریا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ مجھے اخلاص کی نعمت اس وقت حاصل ہوگی جب کہ میری خلوت کی نماز جلوت کی نماز کی طرح ہو جائے۔ اسے اس بات پر اپنے آپ سے اور اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے کہ دوسروں کو دکھانے کے لیے اپنے معمول سے زیادہ خشوع و خضوع کرے۔ چنانچہ پہلے وہ اپنے احوال کی طرف متوجہ ہو کر اپنی خلوت والی نماز کو اتنی بہتر کرتا ہے جتنی کہ وہ جلوت میں پسند کرتا ہے اور پھر جلوت میں بھی اپنی نماز کو خلوت والی نماز کے مطابق ادا کرتا ہے۔ لیکن یہ بھی ریائے غامض ہے؛ کیوں کہ وہ خلوت میں اپنی نماز اس لیے بہتر بناتا ہے تاکہ جلوت میں بھی اسے بہتر بنا سکے اور ان دونوں میں کوئی فرق نہ رہ جائے۔ ایسے میں خلوت و جلوت میں اس کی توجہ کا محور و مرکز مخلوق ہوتی ہے۔ اخلاص تو یہ ہے کہ چوپائے اس کی نماز دیکھ رہے ہوں یا لوگ اس کی نماز دیکھ رہے ہوں دونوں صورتوں کی کیفیت میں کوئی فرق نہ ہو۔ چنانچہ اگر صورت حال یہ ہو کہ نفس لوگوں کے سامنے غلط طریقے سے نماز کی ادائیگی کی اجازت نہیں دیتا ہو، بندہ اس وقت ریا کاروں کی صورت اختیار کرنے پر اپنے آپ سے شرمندہ ہو اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ یہ سب از خود زائل ہو جائے گا؛ کیوں کہ اس نے خلوت و جلوت میں یکساں نماز ادا کی ہے تو ایسا نہیں ہونے والا، اس صورت میں ریا سے نکلنا بہت مشکل ہے، اس مقام پر ریا صرف اس صورت میں دور ہوگا کہ وہ مخلوق کی طرف التفات نہ کرے، جیسا کہ وہ اپنی جلوت و خلوت میں جمادات کی جانب توجہ نہیں کرتا۔ یہ شخص خلوت و جلوت ہر حالت میں مخلوق میں مشغول ہے اور یہ شیطان کے خفیہ مکر میں سے ایک ہے۔

چوتھا درجہ جو پہلے درجوں سے بھی زیادہ باریک ہے وہ یہ ہے کہ وہ نماز میں ہو اور لوگ

اسے دیکھ رہے ہوں، چوں کہ شیطان عاجز ہو چکا ہوتا ہے، اس لیے شیطان اس سے کہتا ہے: اے بار گاہ الٰہی میں حاضر شخص! اللہ کی عظمت اور اس کے جلال میں غور و فکر کرو اور شرم کرو کہ حق تعالیٰ تو تمھاری جانب توجہ فرمائے ہوئے ہے اور تم اس سے غافل ہو، اس وقت فوراً اس کا دل حاضر ہو جاتا ہے اور اس کے اعضا سے خشوع و خضوع جھلکنے لگتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ عین اخلاص ہے جب کہ یہ عین مکر و فریب ہے؛ کیوں کہ اس کا خشوع و خضوع اگر اللہ رب العزت کے قہر و جلال میں نظر کرنے کے سبب ہوتا تو وہ یقیناً اس خطرے کو اپنی خلوت میں بھی پیش نظر رکھتا اور اس کے دل میں حضوری کی یہ کیفیت کسی وقت یا کسی شخص کی موجودگی کے ساتھ مخصوص نہ ہوتی۔ (۱)

فائدہ: ارشادات سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا

فوائد الفواد میں لکھا ہے: توکل پر گفتگو چل رہی تھی۔ حضرت محبوب الٰہی قدس اللہ روحہ نے ارشاد فرمایا: صرف حق تعالیٰ پر اعتماد کرنا چاہیے اور اسی پر نظر رکھنی چاہیے کسی اور پر نہیں۔ اس کے بعد آپ نے یہ مبارک جملہ ارشاد فرمایا کہ کسی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ساری مخلوق کو اونٹ کی مینگنی جیسا (ہیچ) نہ سمجھے۔

اسی حوالے سے یہ حکایت بھی بیان فرمائی کہ ایک کفن چور حضرت خواجہ بایزید بسطامی کے پاس آیا اور اس نے اپنے کام سے توبہ کی۔ حضرت خواجہ نے پوچھا: تم نے کتنے لوگوں کا کفن چرایا ہوگا؟ اس نے جواب دیا: ایک ہزار لوگوں کا۔ انھوں نے پوچھا ان میں سے کتنے کا چہرہ تم نے قبلے کی جانب پایا؟ اس نے جواب دیا: دو لوگوں کو چھوڑ کر سب کا چہرہ قبلہ سے پھرا ہوا تھا۔ حاضرین نے خواجہ بایزید سے پوچھا کہ آخر کیا بات تھی کہ دو لوگوں کا چہرہ قبلہ کی جانب رہا بقیہ کا چہرہ قبلہ سے پھیر دیا گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: حق تعالیٰ پر صرف ان دو لوگوں کا اعتماد درست تھا اور بقیہ لوگوں کا درست نہیں تھا۔

---

(۱) مرشد گرامی عارف باللہ حضرت شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ اخلاص و ریا کے معاملے میں شیطان کے مکر سے بچنے کا آسان نسخہ یہ ہے کہ اسے جو اور جتنی عبادت کرنی ہو کرے، کون اسے دیکھ رہا ہے، کیا سوچ رہا ہے اور اس طرح کے دیگر لغو سوالات کو جھٹک دے۔

رزق کی قسمیں

اس کے بعد حضرت خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا: مشائخ نے رزق کی چار قسمیں بیان کی ہیں: (۱) رزق مضمون (۲) رزق مقسوم (۳) رزق مملوک (۴) رزق موعود۔

جو کھانا پانی ملتا ہے اور انسان کو کافی ہوجاتا ہے وہ رزق مضمون ہے، یعنی وہ روزی جس کا رب تعالیٰ ضامن ہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (هود:٦) (زمین پر رینگنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے۔) جو ازل سے مقدر ہوچکا اور جو لوح محفوظ میں لکھا ہے وہ رزق مقسوم ہے، جو درہم و دینار جامہ و اسباب، مال و متاع انسان نے ذخیرہ کر کے رکھا ہے وہ رزق مملوک ہے اور جس رزق کا اللہ تعالیٰ نے اپنے صالح وعبادت گزار بندوں سے وعدہ فرمایا ہے وہ رزق موعود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق:۳،۲) (جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے راستہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی عطا فرمائے گا جس کا اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوگا۔)

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ توکل کا تعلق رزق مضمون سے ہے، دوسرے رزق سے نہیں، اس لیے کہ جو لکھا جاچکا ہے اس میں توکل کیا کرے گا، مملوک (ملکیت) میں بھی توکل نہیں ہوسکتا اور یوں ہی موعود (جس کا وعدہ کیا گیا ہے) میں بھی توکل ممکن نہیں، کیوں کہ جو اس نے وعدہ کیا ہے وہ پہنچ ہی جائے گا، توکل، رزق مضمون میں ہوتا ہے یعنی یہ جانے کہ جو میرے لیے کافی (روزی) ہے وہ مجھے مل کر رہے گی اور اس پر توکل کرے[1]۔

صوفیہ کے لیے نذر و نیاز لینا کب درست ہے؟

اس فقیر کے پیر دستگیر نے فرمایا کہ صوفیہ کے لیے فتوحات لینا اس وقت جائز ہوگا جب وہ ہوائے نفس، کھانے، پینے اور پہننے کی خواہشات سے بالکلیہ باہر آجائیں اور مقام اخلاص جو نازک ترین مقام ہے وہاں تک ان کی ترقی اور رسائی ہوجائے، مدح و ذم کی حیثیت ان کے نزدیک یکساں

(۱) فوائد الفواد، جلد سوم، مجلس ہشتم، ص:۱۷۶-۱۷۴

ہو جائے بلکہ مذمت کی صورت میں وہ تعریف سے بھی زیادہ خوش رہیں، مال دار اور فقیر کو ایک نظر سے دیکھیں بلکہ صبر کرنے والے فقیر کا مرتبہ عنداللہ سیکڑوں مال داروں سے زیادہ سمجھیں، مال داری اور جاہ وحشم کی طرف اپنے ظاہر و باطن سے التفات نہ کریں، فتوحات (نذرونیاز) لانے والے کو ہرگز واسطہ نہ جانیں اور اس طرح ہو جائیں کہ صرف حق تعالیٰ کو نظر میں رکھیں تاکہ جو بات کہیں حق تعالیٰ کی جانب سے کہیں، جو کچھ پکڑیں حق تعالیٰ کی جانب سے پکڑیں، جو کچھ تناول کریں حق تعالیٰ کی جانب سے تناول کریں اور جو کچھ لیں حق تعالیٰ کی طرف سے لیں۔

نذرونیاز لینے والے کو چاہیے کہ وہ کریم و سخی ہو، بخیل نہ ہو، بلند ہمت ہو، اس بات کی خواہش کرے کہ وہ ان فتوحات لانے والے کو کئی گنا بدلے میں دے گا، جس سے نہ ہو سکے اپنے باطن سے اس کے لیے استمداد و دعا کرے اور اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے۔

جو شخص ان مقامات تک نہ پہنچا ہو اور ایسا ہو کہ اپنی شیخی کے زعم میں لوگوں کے میلان اور ان کی کثرت کو اپنے دل میں جگہ دے، فتوحات لینے میں دلیری دکھائے اور ان کو اپنی خواہشات نفس، بیوی بچوں، قرابت داروں اور آگے پیچھے لگے رہنے والوں پر ضرورت سے زیادہ خرچ کرے، یا عوام کو دے اور اس طرح ان کو فریب دے کر اپنا معتقد بنائے یا جمع کرے اور ذخیرہ اندوزی کرے تو وہ گمراہ مدعی مشیخت کے سوا کچھ نہیں ہے، ہم اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

صوفیہ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ عالم غیب سے بے قصد و گمان جب کوئی چیز ان کو ملتی ہے تو وہ اسے مسکینوں، درویشوں اور حاجت مندوں کو دے دیتے ہیں اور لفظی و معنوی کسی بھی طور پر ذخیرے کا نام بھی باقی نہیں رہنے دیتے، ایک جگہ سے آتا ہے اور دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے۔

دست خاقانی را دولاب رواں ماند   بہ یکے دست بیاید بدگر دست رود

(خاقانی کا ہاتھ رہٹ کی طرح گردش کرتا رہتا ہے۔ دولت اس کے ایک ہاتھ سے آتی ہے اور دوسرے ہاتھ سے چلی جاتی ہے۔)

ذخیرہ اندوزی کی ممانعت کس کے لیے ہے؟

ذخیرہ اندوزی نہ کرنے کا حکم اس شخص کے لیے ہے جس کا دل اضطراب و تشویش سے

پاک ہو اور جس کا نفس آنے جانے والوں سے امیدوار نہ ہو، اس کا دل حق تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف التفات ہی نہ کرتا ہو۔ اگر نفس میں اضطراب اور پراگندگی ہو، ذکر و عبادت میں خلل واقع ہوتا ہو تو ایسے شخص کے لیے ذخیرہ اندوزی ہی بہتر ہے؛ کیوں کہ مقصود دل کی اصلاح ہے، تاکہ وہ ذکر الٰہی میں لگ جائے۔ اگر کوئی شخص ایسا ہو جس کو مال کی موجودگی سے عبادت میں خلل ہوتا ہو تو اس کے حق میں ذخیرہ اندوزی ممنوع ہوگی۔ دراصل امر ممنوع یہ ہے کہ کوئی رب تعالیٰ سے غافل ہو جائے، دنیا اپنے آپ میں ممنوع نہیں ہے، نہ دنیا کا ہونا ممنوع ہے اور نہ اس کا نہ ہونا۔

پھر جس کا توکل درست ہو اُس کے لیے بھی ذخیرہ کرنے کی اجازت اس شرط کے ساتھ ہے کہ اس کی ذخیرہ اندوزی خالص اللہ کے لیے ہو، لیکن واضح رہے کہ ایسے شخص کے لیے اگرچہ ذخیرہ اندوزی کی رخصت ہے، بزرگوں نے یہ فرمایا ہے کہ اگر توکل درست ہو تو ذخیرہ اندوزی سے نقصان نہیں، لیکن ذخیرہ نہ کرنا ہی صواب اور باعث ثواب ہے۔ جس طرح ایک ضعیف الاعتقاد اور ضعیف القلب کے لیے حق و صواب یہ ہے کہ ضرورت بھر ذخیرہ کرلے۔ پھر یہ حکم اس شخص کے حق میں ہے جو اکیلا ہو، البتہ جو صاحب عیال ہے خواہش نفس کے بغیر اور فضولیات سے اجتناب کرتے ہوئے اس کا اپنے اہل و عیال کے لیے ایک سال کا ضروری نفقہ ذخیرہ کر کے رکھنا دائرہ توکل سے خارج نہیں کرتا، ہاں! ایک سال سے زیادہ کا نفقہ ذخیرہ کرنا توکل کو باطل کر دیتا ہے۔

متوکل، چور کو بددعا نہیں دیتا

اس فقیر کے پیر دستگیر نے فرمایا کہ صوفیہ پر جب کوئی ظلم کرتا ہے یا کوئی چور مال یا کوئی سامان چرا لیتا ہے تب بھی وہ بددعا نہیں کرتے، اگر بددعا کر دیں تو ان کا توکل باطل ہو جائے گا۔ اس کے برخلاف جب ان کا مال چور لے جاتا ہے یا گم ہو جاتا ہے تب بھی وہ خوش حال نظر آتے ہیں، غمگین نہیں ہوتے اور اگر کچھ کہتے ہیں تو صرف یہی کہتے ہیں کہ اسی میں خیر تھی، اسی لیے لے جانے والا لے گیا یا گم ہو گیا اور اس میں دونوں جہان کی بھلائی تصور کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک مرید نے قطب عالم حضرت مخدوم شاہ مینا قدس سرہ کی خدمت میں ایک گھوڑا پیش کیا۔ رات میں چور آئے اور اسے چرا لے گئے۔ جب چوروں کو یہ خبر ہوئی کہ یہ گھوڑا

حضرت قطب عالم کا ہے تو انھوں نے پیغام بھیجا کہ کچھ (نقد) بھیج کر گھوڑا منگالیں، حضرت قطب عالم نے فرمایا مشیت الٰہی یہی تھی کہ چور گھوڑے کو لے جائیں، بھلائی اسی میں ہے، مال دے کر گھوڑا واپس لینا اس راہ کے خلاف ہے، ہم کو گھوڑا نہیں چاہیے، ہم نے تم کو عطا کر دیا۔

پیر دست گیر قطب عالم فرمایا کرتے تھے ؎

ہر کہ ما را یار نبود ایزد او را یار باد   ہر کہ ما را رنج دادہ راحتش بسیار باد

ہر کہ اندر راہ ما خاری نہد از دشمنی   ہر گلی کز باغ عمرش بشگفد بی خار باد

(۱) جو ہمارا دوست نہیں رب تعالیٰ اس کا دوست ہو، جو ہمیں تکلیف دے اس کے لیے راحتوں کا سامان ہو۔

(۲) جو شخص ہماری دشمنی میں ہماری راہ میں کانٹا بچھاتا ہے، اس کی زندگی میں کھلنے والے کسی پھول میں خار نہ ہو۔

آپ نے یہ بھی فرمایا: ایک روز شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کا ایک سونا لگا ہوا ڈبہ گم ہوگیا۔ لوگوں نے آپ کو اس کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا: الحمد للہ! تھوڑی دیر بعد وہ مل گیا۔ پھر آپ کو خبر پہنچائی گئی۔ آپ نے فرمایا: الحمد للہ! مریدین وحاضرین کو دوسری مرتبہ ”الحمد للہ“ کہنے پر تعجب ہوا۔ انھوں نے اپنے دل میں سوچا کہ شیخ دنیا کے ملنے پر ”الحمد للہ“ کیوں کہیں گے؟ شیخ اپنے نورِ باطن کے ذریعے ان کے تعجب اور ان کے خطرات سے آگاہ ہوگئے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا دونوں بار ”الحمد للہ“ کہنا دنیا کے جانے اور آنے کے سبب نہیں تھا، بلکہ اطمینان قلبی کے سبب تھا۔ جب اس کے گم ہونے کی خبر ملی تو میں نے پایا کہ میرا دل ذرہ برابر غم زدہ یا متردد نہیں ہے، اس لیے میں نے ”الحمد للہ“ کہا اور پھر جب اس کے واپس ملنے کی خبر پہنچی، اس وقت بھی میں نے دل کو مسرت وشادمانی میں نہیں پایا بلکہ اسے اپنی سابقہ حالت پر باقی پایا، اس لیے میں نے پھر سے ”الحمد للہ“ کہا۔

متوکل کے لیے علاج کی رخصت ہے

پیر دست گیر قطب عالم نے فرمایا کہ متوکل کے لیے دوا نہ کرنا عزیمت ہے اور اطبا کے کہنے کے مطابق دوا کرانے کی رخصت ہے، اس سے توکل باطل نہیں ہوگا۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے

علاج کرایااور فرمایا: مَامِنْ دَاءٍ إِلّا وَلَه دَوَاءٌ عَرَفَه مَنْ عَرَفَه وَجَهِلَه مَنْ جَهِلَه إِلّا السَّامُ[1] (موت کے علاوہ ہر مرض کی دواموجود ہے۔جس نے سمجھااس نے سمجھااور جس نے نہیں جانااس نے نہیں جانا۔)نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: تَدَاوَوْا عِبَادَ اللہ[2] (اے اللہ کے بندو! علاج کراؤ۔)

مشہور روایت ہے: مَامَرَرْتُ بِمَلأٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلّا قَالُوْا: مُرْ أُمَّتَکَ بِالْحَجَامَةِ[3] (میں فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی گزرا انھوں نے یہ کہاکہ اپنی امت کو فصد کھلوانے کاحکم دیجیے۔)

ازالۂ ضرر کے تین اسباب

واضح رہے کہ ضرر کو زائل کرنے والے اسباب تین طرح کے ہیں:

(۱)قطعی (۲)وہمی (۳)ظنی

قطعی: جیسے پانی تشنگی کے ضرر کو زائل کرتا ہے اور روٹی بھوک کو ختم کرتی ہے،اس کا ترک قطعاً توکل نہیں ،بلکہ موت کا خوف ہو تو اس کا ترک حرام ہے۔

وہمی: جیسے داغ اور جھاڑ پھونک،اس کا ترک کرنا توکل کے لیے شرط ہے؛کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے متوکلین کو اس صفت کے ساتھ موصوف کیا ہے۔

ظنی: جیسے فصد وحجامت اور دست آور دوا لینا اور طب وعلاج کی دوسری صورتیں ، جو طبیبوں کے یہاں مروج ہیں،ان کو اختیار کرنے سے توکل باطل نہیں ہوتا۔

کون لوگ ترک علاج کرتے ہیں؟

اے عزیز! یہ یقین کر لو کہ دوا علاج ترک کر دینا اس کو میسر آتا ہے جو اہل مکاشفہ سے

---

(۱) حاکم (۸۲۲۰)طبرانی(۵)احیاء علوم الدین: بیان آداب المتوکلین اذا سرق متاعہ(۲۸۴/۴) صحیح مسلم،کتاب التداوی، باب التداوی بالحبۃ السوداء(۱۲۴/۷) بالفاظ "ما من داء، إلا في الحبة السوداء منه شفاء، إلا السام"۔

(۲) حاکم/ مستدرک(۱۹۸/۴)،ابن ابی شیبۃ(۲۴۶۸)

(۳) سنن الترمذی،الطب،باب ماجاء فی الحجامۃ(۴۵۸/۳)

ہو، اسے کشف ہوجاتا ہے کہ اس کی موت کا وقت آگیا ہے اور اسے دوا سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ بیمار ہونے کے باوجود وہ اپنے حال میں مشغول رہتا ہے۔ اپنے انجام، گناہ کا خوف اور اطلاع حق کی حالت اس پر غالب ہوجاتی ہے۔ وہ درد و بیماری سب کچھ فراموش کرجاتا ہے۔ اس کا دل علاج کی فکر میں نہیں رہتا۔ یا یہ کہ ترک علاج سے بندے کا مقصود یہ ہو کہ بیماری زائل نہ ہو، تاکہ بیماری اور بلا پر صبر کے ثواب سے اپنا دامن بھرلے؛ کیوں کہ بیماری کے ثواب میں بے شمار احادیث منقول ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: إِنَّ اللهَ يُجَرِّبُ عَبْدَه بِالبَلاءِ كَمَا يُجَرِّبُ أَحَدُكُمُ الذَّهَبَ بِالنَّارِ [۱] (اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مصیبتوں کے ذریعے پرکھتا ہے، جس طرح تم سونے کو آگ میں ڈال کر پرکھتے ہو۔)

فائدہ: ایک نوجوان کی حکایت

پیر دست گیر قطب عالم نے فرمایا: فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ ایک جوان حضرت خواجہ ابراہیم ادہم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر مرید ہوگیا۔ وہ جوان بڑا اطاعت گزار تھا۔ خواجہ ابراہیم ادہم کو اس کی کثرت طاعت و عبادت پر تعجب ہوا۔ آپ نے اپنے نفس کو ملامت کیا کہ یہ نوجوان تمھارے دروازے پر آیا ہے اور تم سے زیادہ عبادت و ریاضت کرتا ہے۔ پھر آپ کے اوپر نور باطنی سے یہ منکشف ہوا کہ یہ حرام لقمہ کھاتا ہے، اس لیے شیطان نے اس کو اطاعت میں ڈال رکھا ہے۔ خواجہ ابراہیم ادہم نے اس نوجوان سے کہا جو کھانا میں کھاتا ہوں وہی کھانا تم بھی کھاؤ۔ اس نوجوان نے ویسا ہی کیا۔ وہ درویشانہ کھانا جو آپ کھاتے تھے اسے لکڑی بیچ کر حاصل کرتے تھے، وہ جوان بھی اسی میں سے کھانے لگا۔ بے بنیاد اطاعت کی کثرت جاتی رہی اور تھوڑی عبادت پر واپس آگیا۔ [۲]

حضرت ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں: جس نے اس بات کا خیال رکھا کہ وہ اپنے پیٹ میں

---

(۱) طبرانی (۷۶۹۸) حاکم (۷۸۷۸) شعب الایمان (۹۹۲۴)
(۲) فوائد الفواد، جلد اول، مجلس: ۳۴، ص: ۶۵

کیاڈال رہاہے،اس شخص کے علاوہ کوئی بھی اس راہ میں اپنے مقصود کو نہیں پہنچا۔

حضرت فضیل بن عیاض کاارشاد ہے: جو شخص اس بات کا خیال رکھتاہے کہ وہ اپنے پیٹ میں کیاڈال رہاہے، حق تعالیٰ اس کو صدیقین میں لکھ لیتاہے اور پھر اسے انھیں میں کر دیتاہے۔

یحیٰ معاذ نے فرمایا: اطاعت الٰہی خزانۂ ربانی میں سے ایک خزانہ ہے، دعا اس کی کلید ہے اور حلال لقمہ اس کا دندانہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: لَایَقْبَلُ اللّٰہُ صَلَاۃَامْرَءٍ فِي جَوْفِہٖ حَرَامٌ (جب تک کسی شخص کے شکم میں حرام شے ہواس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں فرماتا۔)

امام سہل بن عبداللہ تستری نے فرمایاہے کہ جو شخص چالیس روز شبہے والا کھانا کھاتاہے،اس کا دل تاریک ہوجاتاہے۔

ایک سالک اور ایک ابدال کا واقعہ

ایک سیاح نے اپنا کھانا ایک ابدال کو دیا۔ ابدال وہ کھانا نہیں کھایا۔ سیاح نے اس سے وجہ پوچھی؟ ابدال نے جواب دیا: ہم صرف حلال کھانا کھاتے ہیں، تاکہ ہمارے دل درست رہیں، ہماری یہ حالت ہمیشہ باقی رہے، ملکوت ہم پر منکشف رہے اور ہم آخرت کا مشاہدہ کرتے رہیں۔ اگر تین روز ہم بھی وہ کھالیں جو تم کھاتے ہو تو ہمارا علم یقین ختم ہوجائے اور ہمارے دلوں سے خوف ومشاہدہ محو ہوجائے۔ سالک نے کہاکہ میں صائم الدہر ہوں، ہر ماہ ۳۰؍ قرآن ختم کرتا ہوں اور ہر روز تین سو رکعت نفل نماز اداکرتاہوں۔ ابدال نے جواب دیا: دودھ کا یہ شربت جو تم نے مجھ کو لیتے دیکھاہے وہ میرے نزدیک تمھارے تیس ختم قرآن اور تین سو رکعت نفل نماز سے زیادہ افضل ہے۔ وہ دودھ جو اس ابدال نے نوش کیاتھا، جنگلی ہرن کا دودھ تھا۔

امام سہل نے فرمایا: جو حرام کھاتاہے اس کے اعضاوجوارح گناہ کرتے ہیں، وہ چاہے یانہ چاہے، وہ جانے یانہ جانے اور جس کا کھانا حلال ہوتاہے اس کے اعضا کو طاعت ونیکی کی توفیق ملتی ہے۔

اسلاف میں سے کسی کا قول ہے کہ بندہ حلال کا پہلا لقمہ جس وقت کھاتاہے اس کے

گزشتہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور جو شخص حلال روزی کی تلاش میں اپنے آپ کو ذلت کے مقام پر ڈال دیتا ہے، درخت کے پتوں کی طرح اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

روایتوں میں آیا ہے کہ توریت میں لکھا ہے: جو شخص اس بات کی فکر نہیں رکھتا کہ اس کی روزی کہاں سے آ رہی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس بات کی کوئی پروا نہیں کرتا کہ اس کو کس دروازے سے جہنم میں بھیجے گا۔

حضرت وہب کا بے مثال تقویٰ

فضیل بن عیاض، سفیان ابن عیینہ اور ابن المبارک، حضرت وہب کے پاس مکہ تشریف لائے۔ ان کے پاس تھوڑی دیر بعد تازہ کھجور کا تذکرہ آیا۔ حضرت وہب نے کہا کہ تازہ کھجور مجھے سب سے زیادہ پسند ہے، البتہ اسے میں نہیں کھاتا؛ کیوں کہ مکہ کے کھجور زبیدہ یا اس کے علاوہ دوسروں کے باغوں سے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ ابن المبارک نے فرمایا اگر آپ ان باتوں پر دھیان دیں گے تو روٹی کھانا بھی آپ کے لیے دشوار ہو جائے گا؛ کیوں کہ خالص آٹا بھی ملاوٹ کے شبہے سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ سن کر حضرت وہب پر غشی طاری ہو گئی۔ سفیان بن عیینہ نے ابن المبارک سے کہا: تم نے اس شخص کو مار ڈالا۔ ابن المبارک نے فرمایا: میرا مقصود صرف یہ تھا کہ ان کے لیے آسانی پیدا کروں۔ جب وہب ہوش میں آئے تو انھوں نے نذر مان لی کہ میں اس وقت تک روٹی نہیں کھاؤں گا جب تک کہ اس کے حضور نہ حاضر ہو جاؤں۔ اس دن سے انھوں نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ ایک دن ان کی ماں دودھ لے کر آئیں۔ انھوں نے اس دودھ کے بارے میں پوچھا۔ ان کی ماں نے بتایا کہ فلاں بکری کا دودھ ہے۔ انھوں نے اس کی قیمت پوچھی اور پھر کہا کہ ان لوگوں کو یہ بکری کہاں سے ملی؟ ماں نے سارا حال بتا دیا۔ جب دودھ پینے کے لیے اسے اپنے منھ کے قریب لے گئے تو پھر گویا ہوئے: ابھی یہ سوال باقی رہ گیا ہے کہ وہ بکری کہاں چرتی ہے؟ یہ سوال سن کر اُن کی ماں خاموش ہو گئیں اور انھوں نے یہ سوچ کر وہ دودھ نہیں پیا کہ جہاں وہ چرتی ہے ہو سکتا ہے کہ اس کھیت پر کسی مسلمان کا کوئی حق ہو۔ ان کی ماں نے کہا: دودھ پی لو، اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔ انھوں نے جواب دیا: میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے اس حال میں بخش دے کہ

میں نے دودھ پیا ہو اور مجھ کو ملنے والی یہ مغفرت کسی معصیت کی بنا پر ہو۔

اے عزیز! بندہ اپنے نفس پر جس قدر سختی کرے گا، شبہات سے بچے گا اور تکلیف اٹھائے گا، اس کا کام اتنی ہی جلد بن جائے گا اور اس کے دل پر چھائے ہوئے حجابات ظلمانی ونورانی جلدی ہٹ جائیں گے۔

فائدہ:

عشق

اے عزیز! زندگی عشق سے ہے، عشق نہ ہو تو زندگی موت ہے، عشق کا سودا کیا خوب سودا ہے؛ کیوں کہ اس سودا کا حاصل رب تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی اور نہیں ہوتا، جس کے پاس عشق نہیں وہ ایسا مجنوں ہے جس کا کوئی حاصل نہیں اور جو عاشق نہیں وہ خود پسند اور خود بیں ہے۔

عشق از ازل است تا بہ ابد خواہد بود   جوئندۂ عشق بے عدد خواہد بود
فردا چو قیامت آشکارا گردد   ہر کس کہ نہ عاشق است رد خواہد بود

(۱) عشق ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اور عشق کے طالبین بے شمار رہیں گے۔

(۲) کل جب قیامت قائم ہوگی اس وقت جو عاشق نہیں ہوگا وہ مردود کر دیا جائے گا۔

عشق کی مختلف تعبیرات

العِشْقُ نَارٌ يَقَعُ فِي القَلْبِ فَيُحْرِقُ مَاسِوَى المَحْبُوْبِ (عشق ایک آگ ہے جو دل میں بھڑکتے ہی محبوب کے ماسوا سب کو جلا دیتی ہے۔) کسی نے کہا: العِشْقُ بَحْرُ البَلَاءِ (عشق آزمائشوں کا سمندر ہے۔) کسی نے کہا: العِشْقُ إِحْرَاقٌ وَقَتْلٌ وَبَعْدَه بِعَطَاءِ الله حَيَاةٌ لَافَنَاءَ لَهَا (عشق میں پہلے جلنا اور مرنا پڑتا ہے، پھر اللہ کی عطا سے ایسی زندگی ملتی ہے جس کے لیے فنا نہیں۔) کسی نے کہا: العِشْقُ جُنُوْنٌ إِلٰهِيٌّ رَفَضَ بِنَاءَ العَقْلِ (عشق رب تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے ایک جنون کا نام ہے جو عقل کی بنیاد کو ہی مسترد کر دیتی ہے۔) اور کسی نے یہ کہا: العِشْقُ قِيَامُ القَلْبِ مَعَ المَعْشُوْقِ بِلَاوَاسِطَةٍ (عشق معشوق کے ساتھ بلا واسطہ دل کے لگ جانے کا نام ہے۔)

حضرت داؤد طائی کا زہد

پیر دستگیر قطب عالم سے میں نے سنا ہے: امام داؤد طائی علیہ الرحمہ زاہد تابعین کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا گھر بھی خراب تھا۔ آدھے میں سایہ اورآدھے میں دھوپ ہوتی تھی۔ جب آفتاب سر پر آجاتا اور اس وقت تک آپ عبادت میں مشغول رہتے تو آپ کی والدہ آپ کے سر پر سایہ کردیتیں اور امام اسی طرح ذات حق میں مشغول رہتے۔ ایک روز آپ کی والدہ کسی کام میں مشغول ہوگئیں اور امام داؤد طائی بھی ذات حق میں اسی طرح مشغول اور اپنے حال میں غرق رہے۔ والدہ نے فرمایا: بیٹے! سائے کی جانب کیوں نہیں آگئے، خود کو دھوپ میں کیوں جلاتے رہے؟ آپ نے جواب دیا: ماں! میں ذات حق میں مشغول رہتا ہوں تو آفتاب کی گرمی کی خبر ہی نہیں ہوتی۔

تا ذوق درونم خبری می دہد از دوست　　　از طعنۂ دشمن بخدا گر خبر ستم

(جب تک میرا روحانی ذوق مجھے دوست کی خبر دیتا رہتا ہے اور اس کی لذت سے آشنا رکھتا ہے، رب تعالیٰ کی قسم! مجھے دشمن کے طعنے کی خبر نہیں رہتی۔)

حضرت مخدوم شاہ مینا کی تشریح

پیر دست گیر قطب عالم حضرت شیخ مینا قدس سرہ نے فرمایا: عشق، عشقہ سے مشتق ہے، جو ایک گھاس کا نام ہے۔ یہ گھاس جس درخت کے تنے سے لپٹ جاتی ہے اس کو خشک کردیتی ہے اور خود ترو تازہ رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عشق کا روگ جس شخص کو لگے گا، محبوب کے علاوہ سب کو خشک کر ڈالے گا اور سب کا نام ونشان مٹادے گا، اس کے جسم کو نحیف و ناتواں کردے گا اور قلب وروح کو منور کردے گا۔

اے عزیز! عشق بندگی ہے۔ یہاں عاشق کا کوئی اختیار اور اس کا کوئی مطلوب ومقصود نہیں رہ جاتا۔ عاشق جب تک اپنے نفس کو مجاہدے کی تلوار سے قتل نہیں کردیتا، تاج سروری ورعنائی وزیبائی کو سر سے اتار نہیں دیتا، اس وقت تک سعادتِ عشق کا ہُما اس کے سر پر جلوہ فگن نہیں ہوسکتا۔

پیر دستگیر قطب عالم قدس اللہ سرہٗ یہ شعر اکثر پڑھا کرتے:

تا مرد بہ تیغ عشق بے سر نہ شود در مذہب عاشقاں مطہر نہ شود
ہم عشق طلب کنی وہم سر خواہی آرے خواہی ولے میسر نہ شود

(۱)جب تک انسان کا سر عشق کی تلوار سے قلم نہیں ہو جاتا، وہ عاشقوں کے مذہب میں پاک وصاف نہیں ہو گا۔

(۲)عشق کے طلب گار بھی ہو اور سر بھی چاہتے ہو؟ ایسی خواہش کی کبھی تکمیل ہونے والی نہیں ہے۔

اے عزیز! یہ بھی سن لو کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمت وارادت کی نعلین اپنے پاؤں میں ڈالی، تفرید پر تجرید کی ازار باندھی اور حقیقت کی سواری پر سوار ہوئے، ثوابت وسیارات سے اپنی آنکھیں بند کر لیں، اس کے بعد انھوں نے جو کچھ دیکھا وہ سب دوست کی نشانیاں اور آیات تھیں، اس کے بعد انھوں نے صحراے طلب میں قدم رکھا اور ارشاد فرمایا: اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (الانعام:۷۹) میں اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ جب راہ طلب کی چند منزلیں طے کر لیں، جبریل آئے اور کہا: اے جواں مرد! شیفتہ وار کہاں جا رہے ہو؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا: اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ (الصافات: ۹۹) میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔ خلیل آگے بڑھے، کیا دیکھا، نمرود کی آگ، جو چاروں طرف سے سلگ رہی تھی، ایسی آگ دیکھی کہ اگر اس سے ایک فرسنگ[1] اوپر پرندہ اڑ کر گزرتا تب بھی جل کر خاک ہو جاتا۔ جب انھوں نے ایسی آگ دیکھی تو عرض کی: مولیٰ یہ کیا ہے؟ ندا آئی یہ خلوت گاہ ہے۔ کہا: جب تو نے خلوت گاہ تیار کر دی ہے تو اس کا دروازہ بھی دکھا دے؟ خطاب آیا کہ اے جبریل! جب دشمن کے ہاتھ ہم نے خلوت گاہ تیار کروائی ہے تو ہم اس کا دروازہ بھی دشمن کے ہاتھوں ہی بنوائیں گے۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق میں رکھا گیا اور آتش نمرود میں ڈال دیا گیا، اس وقت جبریل آئے اور ہوا میں

(۱) مسافت کی پیمائش کا ایک پیمانہ جو تقریباً ۶ ر کیلو میٹر کا ہوتا ہے۔ (فرہنگ فارسی/حسن عمید)

اپنے پر کو روک کر کہا: اے ابراہیم! کوئی حاجت ہے؟ خلیل نے کہا: اے جبریل! تم سے کوئی حاجت نہیں۔ اس وقت میرے سامنے عظیم القدر ذات کی خلوت گاہ ہے، اب ایک ساعت کے لیے بھی زحمت مت اٹھاؤ، تاکہ اس خلوت گاہ میں تھوڑی دیر چین سے رہ سکوں۔ حضرت جبریل نے کہا: اگر مجھ سے کوئی حاجت نہیں تو اپنے دوست سے حاجت طلب کرلو۔ حضرت خلیل نے کہا: جبریل! کیا دوست نہیں دیکھ رہا ہے؟ جبریل نے کہا: دیکھ رہا ہے۔ خلیل نے کہا: کیا وہ نہیں جان رہا ہے؟ جبریل نے کہا: وہ جان رہا ہے۔ خلیل نے کہا: حَسْبِيْ مِنْ سُؤَالِيْ عِلْمُه بِحَالِي [(١)] جب اسے میرے حال کی خبر ہے، پھر مجھے کہنے کی کیا حاجت؟

جب ابراہیم علیہ السلام آگ کے قریب پہنچے، نسیم خُلَّت [(٢)] کا ایک جھونکا آیا اور ساتھ ہی آگ کو گل وریحان بنا گیا۔ نمرود نظارے کے لیے آیا اور دریافت کیا: اے خلیل! آگ کے درمیان یہ گل وریحان کیسے؟ حضرت خلیل نے جواب دیا: اے بدتدبیر! تجھ کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ تیری آگ میرے سینے کی آگ کے سامنے نہیں ٹک پائے گی؟ آتش نمرود نے داروغۂ جنت رضوان کو پیغام بھیجا کہ مجھ کو گل وریحان کی ایک ٹوکری بھیج دو تاکہ خلیل کے کارنامے پر ان کی گل پوشی کی رسم پوری کروں، تاکہ وہ مجھ کو اپنے سینے کی آگ سے امان عطا کردے۔

منزل بہت دور ہے، بہت دور!! ایک عارف اسی حال کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

کس چہ داند تا چہ حکمت می رود   هر وجودی را چہ قسمت می رود

(کسی کو کیا معلوم کہ کس حکمت کے سبب، کس وجود کی قسمت میں کیا لکھا ہو؟)

---

(١) تفسیر البغوي، سورۂ انبیاء: ٦٨، ٦٩ (٣٢٦/٥) کعب الاحبار سے نقل کیا ہے۔

(٢) خلت، محبت کا وہ مقام جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل تھا۔

فائدہ:

تزکیہ، ارادت اور آداب مرشد

اگر کوئی شخص اپنے باطن میں کوئی ایسی چیز پائے یا دیکھے جسے وہ اپنے گمان میں حال یا کرامت سمجھ رہا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے ظاہری معاملات سے اس کا موازنہ کرے۔ اگر اس کے معاملات حق تعالیٰ کے ساتھ درست ہیں اور امور شریعت کی انجام دہی صحیح طریقے پر کر رہا ہے، اب اگر کچھ باطن میں پا رہا ہے یا دیکھ رہا ہے تو وہ حال یا کرامت ہو سکتا ہے اور اگر وہ اعمال وآداب شریعت میں کوتاہی کرنے والا اور ان میں غفلت برتنے والا ہے تو یہ سب شیطان کا دھوکا ہے، جس نے ظاہر تو پہلے ہی خراب کر دیا ہے، اب وہ چاہتا ہے کہ باطن بھی برباد ہو جائے۔

پیر دست گیر قطب عالم شیخ مینا قدس اللہ روحہ نے فرمایا: اگر کسی کو دیکھو کہ وہ پانی پر چلتا ہے، ہوا میں اڑتا ہے اور اس کے ساتھ وہ حدود شریعت کی پامالی اور ان میں کوتاہی کرتا ہے تو جان لو کہ وہ جادوگر، جھوٹا، گم راہ اور گم راہ گر ہے۔

فضیلت صرف باعمل علما کے لیے ہے

اے عزیز! ان سب باتوں کے جان لینے کے بعد اب یہ بھی جان لو کہ علما کے وہ فضائل جو قرآن واحادیث میں وارد ہیں وہ اس شخص کے لیے نہیں ہیں جو علم رکھتا ہے اور اس پر خود عمل نہیں کرتا، ہرگز نہیں۔ فقیہ کامل وہ ہے جو شرعی احکام کا عالم بھی ہو اور ان پر عامل بھی ہو۔ اگر کوئی شخص علم رکھتا ہو لیکن اس پر عمل پیرا نہ ہو تو وہ فقیہ کامل نہیں ہے، بلکہ وہ علمائے سو میں سے ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عالم اگر اپنے علم پر عامل نہ ہو تو وہ علم نہ اس کے لیے

نفع بخش ہے اور نہ اس کے علاوہ کسی اور کے لیے، اگر چہ وہ ڈھیر سارا علم جمع کر لے۔

بدبختی کی علامت

محمد بن الفضل فرماتے ہیں: تین چیزیں بدبختی کی علامت ہیں:

(۱) کسی شخص کو علم دیا جائے اور عمل کی توفیق سے محروم کر دیا جائے۔

(۲) عمل کی توفیق ملے لیکن اخلاص سے محروم کر دیا جائے۔

(۳) صالحین کی صحبت ملے اور ان کی خدمت و تعظیم کی توفیق سے محروم کر دیا جائے۔

امام اعظم اور حضرت ابراہیم ادہم

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم ادہم کوفہ پہنچے۔ امام ابو حنیفہ کو خبر ملی تو ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ ان کو علم حاصل کرنا چاہیے۔ دوسرے روز ان سے ملاقات کی غرض سے نکلے۔ راستے میں ملاقات ہوگئی۔ ابراہیم ادہم نے فرمایا: مجھے علما سے ایک حدیث: تَرْکُ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ عِبَادَةٍ[1] (ترک دنیا ہر عبادت کی اصل ہے) ملی۔ میں نے اس پر عمل کیا اور اتنا علم جو آپ کو علما سے حاصل ہوا ہے اس پر آپ نے عمل کیا ہے؟ یہ سن کر امام ابو حنیفہ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو اپنی بات پر نادم ہوئے اور معذرت کی۔

خواجہ سنائی فرماتے ہیں:

علم تو گر ترا نہ بستاند　　جہل زاں علم بہ بود صد بار
نہ بداں لعنت است بر ابلیس　　کہ نداند ہمیں یمین و یسار
زاں برو لعنت است کاندر دیں　　علم دارد، بعلم نکند کار

(۱) تیرا علم اگر تجھ سے تیری "انا" نہ چھین لے تو اس علم سے سو بار جہالت بہتر ہے۔

(۲) ابلیس پر اس وجہ سے لعنت نہیں ہے کہ وہ دائیں بائیں کی خبر نہیں رکھتا تھا۔

(۳) بلکہ اس پر اس وجہ سے لعنت ہے کہ وہ دین کا علم تو رکھتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتا۔

---

(۱) دیلمی/الفردوس (۶۷۳۰) ابن عساکر/تاریخ دمشق (۱۹/۴۴۷) بہ الفاظ: وَرَأْسُ الدِّین ترک الدُّنیا

طلبِ علم

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ علم حاصل کرو اگرچہ چین میں ہو، اس لیے کہ طلب علم فرض ہے۔

پیر دست گیر قطب عالم شیخ مینا قدس سرہ نے فرمایا کہ چین کے ذکر کی دو وجہ ہیں:

پہلی وجہ یہ کہ ''صین'' چین کو کہتے ہیں اور یہ ایک دور دراز مقام ہے، جہاں شدید تکلیفیں اٹھانے کے بعد ہی پہنچا جاسکتا ہے۔ اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ علم حاصل کرو اگرچہ علم ایسے دور دراز مقام پر ملے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ''صین'' شیر کے سر والے حصے کو کہتے ہیں۔ لیکن یہاں اس سے مراد رہنے کی جگہ ہے۔ اور شیر کے رہنے کی جگہ تک پہنچنے میں ہلاکت اور جان کا خطرہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ علم حاصل کرو اگرچہ وہ علم ایسے خوف وہلاکت کے مقام پر ہو۔

کون سا علم ضروری ہے؟

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ علم کے بغیر عمل کی درستگی ممکن نہیں، لیکن علوم بہت ہیں اور عمر تھوڑی اور تمام علوم کا سیکھنا فرض بھی نہیں ہے۔ اس لیے صرف اتنا علم سیکھنا فرض ہے جتنے کا تعلق شریعت سے ہے اور جتنے سے عمل کا معاملہ درست ہوجائے۔

اس فقیر کے پیر دست گیر بارہا یہ شعر پڑھا کرتے:

سعدیؔ بشوی لوحِ دل از نقش غیرِ او علمی کہ راہ حق نہ نماید ضلالت است

(اے سعدی! اپنے دل کی تختی سے غیر اللہ کا نقش مٹادو؛ کیوں کہ وہ علم جو حق کی راہ نہ دکھائے وہ سراسر گم راہی ہے۔)

توحید یہ ہے کہ ذات قدیم کی یکتائی کا یقین رکھا جائے اور اس کے حوالے سے اپنے تمام تر علم وجہالت کو ختم کرکے اس سے حدوث کی مکمل نفی کردی جائے۔

اے عزیز! علم وہی ہے جو نافع ہو اور علم اس وقت نافع ہوگا جب مقام خشیت وہیبت اور توحید وخدمت تک رسائی حاصل ہوجائے۔ اسی لیے کہنے والوں نے کہا ہے: العِلْمُ حَرْفٌ

وَالبَاقِیْ ھَزْلٌ علم ایک نقطہ ہے، باقی سب بکواس ہے۔

حقیقت بندگی: تسلیم ورضا

بندگی کیا ہے؟ سالکین نے کہا ہے کہ بندگی یہ ہے کہ جس طرح وہ رکھے اسی طرح رہنے پر بندہ راضی رہے۔ چون وچرانہ کرے۔ اگر شربت دے تب بھی اور اگر زہر دے تب بھی خوشی خوشی پی لیا جائے۔ خود کو درمیان میں نہ لائے اور یہ نہ کہے کہ مجھ کو یہ چاہیے اور یہ نہیں چاہیے۔ بندے کو رب تعالیٰ پر اعتراض کا حق حاصل نہیں ہے۔ وہ جس چیز کا بھی حکم دے بندے کو اس سے اعراض نہیں کرنا چاہیے۔

ریاضت کی انتہا

اس فقیر کے پیر دستگیر قدس سرہ نے فرمایا کہ مفتاح الکنوز میں لکھا ہے کہ چار ہزار پیران طریقت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ریاضت کی انتہا یہ ہے کہ جب بھی تم اپنے دل کو ٹٹولو تو اسے حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ لگا ہوا پاؤ۔

دل بود آں کہ وقت پیچا پیچ   جز غم حق درو نیابی ہیچ

(دل وہ ہے جس میں سخت کشمکش کے وقت بھی حق تعالیٰ کے غم کے علاوہ کوئی اور غم نہ ہو۔[1]

ہاں ہاں !اگر تم پانی پر چلتے ہو تو خس وخاشاک ہو، اگر ہوا میں اڑتے ہو تو مکھی ہو، لیکن اگر تم اپنا دل اپنے قبضے میں رکھے ہوئے ہو تو کوئی ہو۔ صاحبانِ دل نے کہا ہے کہ نماز پڑھنا بیوہ عورتوں کا کام ہے، روزہ رکھنا روٹی کی بچت ہے، حج کرنا دنیا کی سیر ہے، البتہ دل کو اپنے قبضے میں لانا مردانِ الٰہی کا کام ہے۔

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ حَرَمُ اللہِ وَحَرَامٌ عَلٰی حَرَمِ اللہِ أَنْ یَلِجَ فِیْہِ غَیْرُ اللہِ تَعَالٰی

---

(۱) حدیقۃ الحقیقۃ و شریعۃ الطریقۃ، الباب الخامس فی فضیلۃ العلم، ذکر العلم ارجح لانّ فضلہ ارجح کے تحت خواجہ سنائی کا شعر اس طرح مرقوم ہے:

آں چناں دل کہ وقت پیچا پیچ   جز خدا اندرو نباشد ہیچ

(مؤمن کا دل حرم الٰہی ہے اور حرم الٰہی میں غیر اللہ کا داخلہ حرام ہے۔)

کسی عارف نے کہا ہے:

دعوئ دل مکن کہ جز غم حق نبود در حریم حق دیار

دیہ آں دل بود، نہ دل کہ درو گاو خر باشد و ضیاع و عقار

ا۔ دل رکھنے کا دعوی مت کرو؛ کیوں کہ حریم حق میں غم حق کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

۲۔ وہ دل در حقیقت دل ہی نہیں ہے وہ تو ایک بستی ہے جس میں گاؤ خر اور مال وجائیداد سمائے ہوئے ہوں۔

اے عزیز! نفسانی خواہشات ولذات کو خیر باد کہنے کے بعد دل کی پاسبانی کرو اور دل میں حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کو داخل نہ ہونے دو، تاکہ تمھیں حق تعالیٰ تک رسائی حاصل ہو جائے۔

اے عزیز! علم تصوف کوئی حسی چیز نہیں ہے کہ آیات واحادیث کے پڑھ لینے سے حاصل ہو جائے گا، جب تک بندہ راہ تصوف سے آشنا اور صاحب بصیرت شیخ کامل کی پیروی نہیں کرے گا اس وقت تک وہ اس مقصود کامل تک پہنچ نہ سکے گا، جہاں کاملین پہنچے ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

روشن تر از آفتاب باید راہی تا بشناسد مزاج ہر سودائی

(سالک کو آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہونا چاہیے تاکہ ہر عاشق کے مزاج کو وہ پہچان سکے۔)

مرشد کے بغیر چارہ نہیں

اس فقیر کے پیر دستگیر قدس سرہ نے فرمایا کہ شیخ الاسلام خواجہ نصیر الدین دہلوی کے عہد میں ایک بزرگ نے ترک دنیا کر کے عبادت الٰہی میں مشغولیت اختیار کرلی۔ عوارف المعارف اور مصابیح کو اپنے ساتھ رکھ لیا اور دونوں کا مطالعہ کرنے لگا۔ جو کچھ اس کتاب میں لکھا تھا اس پر عمل کرتا یہاں تک کہ کچھ زمانہ گزر گیا، لیکن مقصود اصلی اور معرفت حقیقی تک اس کو رسائی نہیں حاصل ہو سکی۔ اس کے بعد اس بزرگ نے حضرت شیخ الاسلام خواجہ نصیر الدین قدس سرہ کی جانب توجہ کی۔ حضرت کی بارگاہ میں پہنچے اور یہ شعر پڑھا:

من کہ در کوی بتاں پا نہ نہادم ہرگز چون بدیدم رخِ زیبای تو سر نہادم

(میں ہرگز حسینوں کی گلی میں قدم نہیں رکھوں گا، جب تک تیرے رخ زیبا کا دیدار نہیں کرلوں سر نہیں رکھوں گا۔)

پھر وہ مرید ہو گئے اور قطب جہاں کی اقتدا اور پیروی میں لگ گئے۔ چند روز میں ہی شیخ الاسلام نے اُن بزرگ کو ذکر خفی کے مقام تک پہنچا کر واصلین و مقربین کے زمرے میں شامل کرا دیا۔

بے پیر سالک کی مثال:

خواجہ ابوعلی دقاق فرماتے ہیں: ہر وہ درخت جو خودرو ہوگا اس میں پتیاں تو ہوں گی لیکن اس میں پھل نہیں آئے گا اور اگر پھل آیا بھی تو بدمزہ ہوگا۔ ایسے ہی وہ سالک جس کا کوئی پیر اور استاد نہ ہو، وہ ہوا پرست ہے۔ ایسا شخص کچھ حاصل نہ کر پائے گا۔

شیخ کا قلب تجلیات ربانی کا آئینہ ہے

رئیس درویشاں، محتسب عارفاں شیخ قوام الدین لکھنوی قدس سرہ فرماتے ہیں: شیخ کا دل صیقل شدہ آئینے کی طرح ہے جس پر حضرت رب العزت کی جانب سے فیض اترتا ہے۔ وہ آئینہ، ذات وصفات اور اسما و افعال الٰہیہ کی تجلیوں سے چمک اٹھتا ہے اور ہر لمحہ نازل ہونے والے غیبی لطائف سے آراستہ ہو جاتا ہے۔ جب مرید صادق، کامل ارادت کے ساتھ اپنے دل کے آبگینے کو ایسے آئینے کے سامنے کرتا ہے تو شیخ کے آئینۂ دل سے مرید کے آئینۂ دل پر تجلی کا انعکاس ہوتا ہے اور اس طرح بغیر کسی کسب اور بغیر کسی عمل کے، غیریت کی کدورت سے پاک اور طبیعت کی آلودگیوں سے صاف مرید کے آئینۂ دل پر ان تمام معنوی کمالات کا فیضان ہو جاتا ہے اور مرید کی استعداد کے مطابق ایک لمحے میں اس کو وہ معنوی کمالات حاصل ہو جاتے ہیں جو طویل عرصے کی ریاضت و مجاہدے سے بھی حاصل نہیں ہوتے۔ اس چیز کو طالب علم ایک مثال کے ذریعے ہی سمجھ سکتا ہے۔

مثال: دو نقاشوں کا واقعہ

رشف النصائح میں شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ دو نقاش ایک بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں ایک ہندوستانی تھا اور دوسرا چینی۔ دونوں نے

نقاشی کا دعوی کیا اور نقاشی میں کمال رکھنے کے تعلق سے ایک دوسرے پر برتری کا اظہار کیا۔ بادشاہ کے حکم سے دونوں نقاشوں کو ایک کمرے میں بند کر دیا گیا اور دونوں کے بیچ ایک پردہ ڈال دیا گیا۔ چینی نقاش رنگارنگ نقاشی میں مشغول ہو گیا اور ہندوستانی نقاش صرف اس دیوار کی صفائی میں مشغول ہو گیا جو چینی نقاش کی نقش شدہ دیوار کے بالمقابل تھی۔ ایک طویل مدت اور بڑی مشقت کے بعد جب وہ دونوں نقاشی سے فارغ ہو گئے تو بادشاہ کو خبر کی گئی کہ اب نقاشی کو دیکھنے کا وقت آگیا ہے۔ بادشاہ نے اپنا مبارک قدم اس کمرے کے اندر رکھا اور درمیان سے پردہ اٹھانے کا حکم دیا۔ جب پردہ اٹھا دیا گیا تو چینی نقاش کے تمام نقوش اس ہندوستانی نقاش کی دیوار پر منعکس ہو کر زیادہ صاف اور زیادہ لطیف معلوم ہونے لگے۔[1] یہ دیکھ کر بادشاہ نے ہندوستانی نقاش کو زیادہ خلعت و انعام سے نوازا۔

صرف کتب تصوف کا مطالعہ ناکافی ہے

یہ ذہن نشین کرلو کہ تزکیہ و استعداد سے آراستہ مرید کے دل پر شیخ کے دل سے کمالات الٰہیہ کا اسی طرح انعکاس ہوتا ہے۔ یہ سب کتابوں کے مطالعے سے ہاتھ نہیں آتا۔ جس کا کوئی مرشد برحق نہیں ہے، اگر وہ صوفیہ کی کتابوں کے مطالعے میں مشغول ہو گیا اور اسی پر قناعت کرلی، تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو کسی ماہر حکیم کی شاگردی کے بغیر ہی صرف طب کی کتابیں پڑھ کر طبابت کر رہا ہے اور وہ اس یقین میں ہے کہ وہ غلطی کا شکار نہیں ہو گا، جب کہ نہ وہ مرض پہچانتا ہے اور نہ دوا کی مقدار و کیفیت سے واقف ہے۔ ایسے حکیم کے ہاتھوں بیمار صحت یاب ہونے کی بجائے ہلاک ہو جائے گا۔

اس دنیائے حکمت میں پیر سے گریز کی کوئی راہ نہیں۔ وہ لوگ نادان ہیں جو کہتے ہیں کہ پیر کی کیا ضرورت ہے، کتاب و سنت پر عمل کافی ہے۔ کتاب و سنت کے ذریعے نفس کا علاج ہر شخص نہیں کر سکتا اور نہ نفس کے امراض کو پہچان سکتا ہے، اگرچہ کلام الٰہی انواع و اقسام کی حکمتوں سے پر

---

(۱) رشف النصائح الایمانیۃ/شیخ شہاب الدین سہروردی (۶۳۲ھ)، ص:۱۸۸-۱۸۹

ہے لیکن ایک حکیم کے سوا دوسرا کوئی نہیں جان سکتا کہ کون سی دوا کس مرض کے لائق ہے۔

مرید کی تدریجی تربیت

شیخ، مرید سالک کی رہنمائی مجاہدے اور زہد و تقویٰ کی طرف کرتا ہے۔ صوفیہ نے فرمایا ہے کہ اگر مرید مبتدی جاہل ہو تو شیخ کو چاہیے کہ اس کو پہلے شرعی احکام مثلاً طہارت اور نماز و روزہ سکھائے یا سیکھنے کا حکم دے۔ اس کے بعد اسے رب تعالیٰ کی جانب رجوع کا طریقہ سکھائے اور اس کے لیے وہ راہ سلوک تجویز کرے جس کا طے کرنا اس کے لیے آسان ہو، یعنی جو بھی حکم دے اس کی استعداد و قابلیت کو مد نظر رکھتے ہوئے لطف و نرمی کے ساتھ حکم دے۔ اگر اس کے ساتھ حرام مال کی آمیزش دیکھے تو اس کو ترک کرنے اور اسے خود سے دور کرنے کا حکم دے۔

مرید کے لیے بہترین چیز یہ ہے کہ اس کا کھانا، پینا اور اس کا لباس پاک وصاف ہو یعنی جو کھانا کھائے، جو پانی پیے اور جو کپڑا پہنے وہ حلال اور پاک ہو اور جو فرائض مثلاً روزہ، نماز، حج اور زکات واجب ہونے کے بعد اس نے ترک کیے ہوں ان کی حتی الوسع ادائیگی کا حکم دے اور اگر مرید کا کسی سے کوئی معاملہ ہو تو اس سے کہے کہ صاحب معاملہ کو راضی کر لے۔ اس لیے کہ یہ جماعت اس بات کی قائل ہے کہ جس نے صاحب معاملہ کو راضی نہیں کیا اس کے لیے اس راہ طریقت کا کوئی معاملہ نہیں کھلے گا اور اگر مرید کے پاس ضرورت سے زیادہ مال پائے تو اسے لے کر اللہ کی راہ میں خرچ کر دے۔

اس کے بعد شیخ مرید کو اس کے نفس سے واقف کرائے اور ریاضت کے ذریعے اس کے نفس کی تادیب کرے، تاکہ اس کے دل میں نفس کی جو محبت ہو وہ نکل جائے، ہوائے نفس کی مخالفت کا حکم دے، آرزوؤں کے حصول سے اس کو باز رکھے اور ہر طرح کی مشقتوں کا اس کو عادی بنا دے۔ بزرگوں نے یہاں تک فرمایا ہے: أَسَاسُ الْكُفْرِ قِيَامُكَ عَلٰى مُرَادِ نَفْسِكَ کفر کی اساس و بنیاد یہ ہے کہ تم اپنے نفس کی ہر مراد پوری کرنے لگو۔

مرید کو تمام تلخیاں چکھائے، اوراد و وظائف اور نفلی روزوں کی پابندی کرائے، کیے ہوئے

گناہوں پر پشیمانی کا احساس دلائے، اور تمام عادتوں سے اس کو باہر نکالے اس لیے کہ عادت خود ایک قسم کی بت پرستی ہے، مثلاً یہ کہ اس کو کھردرے کپڑوں کی خواہش ہو یا نرم کپڑوں کی، اس طرح کی تمام عادتوں سے اس کو نجات دلائے اور اس کے خلاف حکم دے اور اگر مرید کو کھانے کی جانب رغبت رکھنے والا پائے تو کم کھانا اس کے لیے لازمی قرار دے اور مرید کو یہ حکم دے کہ لذیذ کھانے لاکر دوسروں کے سامنے لے جائے اور خود نہ کھائے اور اگر نیند میں رغبت رکھنے والا پائے تو اسے شب بیداری کی عادت ڈلوائے اور حکم دے کہ جب تک نیند کا غلبہ نہ ہو، نہ سوئے اور جہاں تک ہو سکے نیند کو دفع کرنے کی کوشش کرے اور اگر اسے زیادہ غصہ والا پائے تو حلم و بردباری اور سکوت و خاموشی کا حکم دے اور کسی بداخلاق کو اس پر مسلط کر دے، تاکہ اسے بردباری کی عادت پڑ جائے اور اگر اسے کپڑا اور بدن کی لطافت میں رغبت رکھنے والا پائے تو اس کو گھر اور ناپاک جگہوں کی جاروب کشی کا حکم دے، مطبخ اور دھوئیں والی جگہوں کو صاف کرائے اور نرمی اور مہربانی کے ساتھ اسی طرح کی دوسری چیزوں کا حکم دے جس میں اس کے نفس کی مخالفت کا پہلو ہو۔

عارف کامل جو اس راہ سے گزر چکا ہوتا ہے، اس کے سوا کوئی بھی شخص نفس کی مخالفت کرنے والی چیزوں سے واقف نہیں ہوتا، اسی لیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ عارفان الٰہی دلوں کے طبیب ہوتے ہیں۔ جب طبیب خود ہی بیماری کے اسباب سے ناواقف ہوگا تو وہ اپنے علاج کے ذریعے بیمار کو ہلاک کر دے گا؛ کیوں کہ وہ اس کے مرض سے ناواقف ہوگا، خطرات سے آگاہ نہیں ہوگا اور بیماری کے خلاف دوا دے گا؛ کیوں کہ ہر بیمار کی الگ دوا ہوتی ہے، ہر جنون کا الگ معجون ہوتا ہے اور ہر مریض کے خواص بھی مختلف ہوتے ہیں، جسے ماہر اطبا ہی جانتے ہیں، جاہل اطبا اس سے واقف نہیں ہوتے۔

بے علم سالک، شیخ کے لیے بھی باعث رنج ہے

اے عزیز! بے علم سالک اگرچہ محبت شیخ میں کامل ہو، جب چند روز تک ہر مسئلے اور ہر واقعے میں سوال کرے گا تو اپنے شیخ کو تکلیف پہنچائے گا، بشریت بہر حال باقی ہے، کیا تعجب کہ کسی وقت اس کا شیخ اس سے آزردہ ہو جائے، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیخ پر کوئی خاص حالت طاری ہو

اور بے علم کو چوں کہ ہر وقت سوال کی حاجت ہوتی ہے لہٰذا وہ آئے گا اور شیخ کی حالت سے بے خبر ہو کرنا مناسب مقام پر سوال کر کے اسے زحمت دے گا، ایسے میں کوئی تعجب نہیں کہ مرید کے سوال سے شیخ کو وہ تکلیف پہنچے جس کا ازالہ کوئی نہ کر سکے۔ اس لیے یقینی طور پر پہلے سالک تحصیل علم کرے پھر راہ سلوک میں قدم رکھے اور شیخ کامل کی صحبت اختیار کرے۔

میرے عزیز! غور کرو! تمام بڑے مشائخ اہل علم گزرے ہیں۔ تصوف، تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، صرف، لغت، معانی، بیان، بدیع اور کلام بلکہ علم منطق اور دیگر فنون میں بھی کامل گزرے ہیں۔

لوگ بیان کرتے ہیں کہ جس روز حضرت خواجہ نظام الدین قدس سرہ کا وصال ہوا، آپ کے سرہانے ''صحائف''[۱] رکھی ہوئی تھی جس کا تعلق علم کلام سے ہے۔

تعجب ہے کہ بعض جاہل صوفیہ تن آسانی کے لیے کہتے ہیں کہ علم کی کوئی ضرورت نہیں، جب کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ علم سلوک حاصل کرنا چاہیے، بقیہ دوسرے علوم محض قیل و قال ہیں۔

غلبۂ حال کی پیروی نہیں کی جائے گی

اس فقیر کے پیر دستگیر قدس سرہ نے فرمایا: بعض جاہل داڑھی منڈوانے کو ایک بزرگ کی پیروی سمجھتے ہیں جنھوں نے غلبۂ حال میں ایک دن کہا کہ یہ داڑھی میرے کس کام کی ہے، یہ کہ کر انھوں نے اپنا ہاتھ داڑھی پر ڈالا اور تمام بالوں کو الگ کر کے زمین پر ڈال دیا۔ بعد میں بعض خدام اور احباب نے کہا کہ لوگ عیب لگا رہے ہیں کہ آپ سنت مصطفوی کے تارک ہو گئے، آپ نے داڑھی منڈوالی۔ انھوں نے کہا: میری داڑھی تو میرے چہرے پر موجود ہے، یہ کہ کر انھوں نے اپنا ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرا تو فوراً داڑھی جیسی تھی ویسی ہی ہو گئی۔ پھر ایک دن انھوں نے غلبۂ حال میں کہا کہ یہ داڑھی میرے کس کام کی ہے؟ اور پھر انھوں نے اپنا ہاتھ داڑھی پر رکھا اور اس کے سارے بال الگ کر کے زمین پر ڈال دیے۔

غور کیجیے! تو اس بزرگ کا یہ عمل داڑھی ترشوانا نہیں ہوا، اس طرح کے افعال جو کسی سے

---

(۱) الصحائف الالٰہیہ/علامہ شمس الدین سمرقندی حنفی ماتریدی

غلبۂ حال میں صادر ہوں ان کی پیروی نہیں کی جائے گی۔اس طرح کے افعال کو انھیں بزرگوں پر چھوڑ دیا جائے گا۔

طریقت کے پردے میں خواہش پرستی

رئیس درویشاں ، محتسب عارفاں شیخ قوام الدین لکھنوی نے ''اساس الطریقہ'' میں فرمایا ہے کہ محبان الٰہی میں سے کسی نے مکاشفے میں چالیس حوران بہشتی کو دیکھا جو سونے، چاندی کے لباس اور جواہرات پہنے ہوئی تھیں ۔ان کی جانب انھوں نے دیکھا تو چالیس روز عتاب میں گرفتار رہے ۔اس کے بعد انھوں نے مشاہدے میں ۸۰ / حوران بہشتی کو دیکھا جو حسن و جمال میں پہلے والی چالیس حوروں سے بڑھ کر تھیں ۔ان سے کہا گیا کہ ان کو دیکھو تو وہ بزرگ سجدے میں گر گئے اور آنکھیں بند کر لیں ، تاکہ ان پر نظر نہ پڑے اور پھر یہ دعا کی: أَعُوْذُبِکَ عَمَّا سِوَاکَ یا اللہ ! میں تیرے ماسوا سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اے جواں مرد! جب وہاں مرد واصل ،صاحب مکاشفہ کے لیے حوران بہشتی کا جمال حجاب و عتاب کا سبب ہو سکتا ہے،تو ان نفس پرستوں کو اَمردوں اور خوب صورت عورتوں کا جمال کیسے حق تعالیٰ تک پہنچا دے گا؟ یہ نفس پرست جو یہ کہتے ہیں کہ ہم جمال مقید میں حسن مطلق کا مشاہدہ کرتے ہیں! یہ ان کا بہت بڑا مغالطہ اور دھوکہ ہے۔

پیر دست گیر نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی نماز میں بغیر اخلاص کے مشغول ہے تو بروز قیامت فرمان الٰہی ہو گا: لَفُّوْا صَلَاتَه وَأَلْقَوْهُ عَلَى وَجْهِه[1] (اس کی نمازیں لپیٹ کر اس کے منہ پر مار دو) کیوں کہ جب تک نماز خالص نہ ہو مجھے قبول نہیں۔

اخلاص کی علامتیں

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں: اخلاص کی علامتیں تین ہیں: (۱) صاحب عمل کے

---

(۱) بعینہ ان الفاظ سے روایت نہیں ملی لیکن اس کا معنی قرآن و حدیث میں ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ (البینۃ:۵) لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت خالص ہو کر کریں۔اور حدیث میں ہے: إنَّ اللہَ لا یقبلُ من العملِ إلّا ما کان خالصًا وابتُغي به وجهُه (نسائی:۳۱۴۰)

نزدیک مخلوق کی تعریف و مذمت برابر ہو۔ (۲) اپنے اعمال کو اللہ کی بارگاہ میں لائق قبول نہ سمجھے۔ (۳) دین و دنیا میں ثواب کا تقاضا نہ ہو۔

صوفی، ملامتی سے افضل ہے

بعض مشائخ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صدق واخلاص یہ ہے کہ مخلوق کیا سوچتی ہے اسے فراموش کر دو اور ہمیشہ اپنی نظر حق تعالیٰ کی طرف لگائے رکھو۔ جب تک مخلوق کے جال سے باہر نہیں نکلو گے صدق واخلاص کے گوشۂ عافیت تک تم کو رسائی نہیں مل سکے گی۔ اسی لیے صوفی کو ملامتی پر فضیلت دی گئی ہے اور کہا گیا ہے:

الصُّوْفِي أَفْضَلُ مِنَ المَلامَتِی (صوفی، ملامتی سے افضل ہے۔)

وجہ یہ ہے کہ ملامتی ابھی بھی مخلوق کے حصار میں ہے۔ مخلوق کو نگاہ میں رکھے ہوئے ہے۔ اسی لیے وہ اپنے عمل اور اپنے حال کو چھپاتا ہے۔ صوفی ہمہ وقت اپنی نظر اللہ تعالیٰ کی جانب لگائے ہوئے ہے۔ اس نے مخلوق کے حصار کو توڑ دیا ہے۔ وہ مخلوق کی جانب بالکل ہی دھیان نہیں دیتا، اور نہ اپنے نفع ونقصان کی پرواہ کرتا ہے۔

بسط زمان اور طی مکان

صاحب فتاویٰ صوفیہ فرماتے ہیں: میں نے شیخ محترم طلحہ تستری عراقی سے سنا، انھوں نے فرمایا کہ میں نے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے فرزند شیخ عماد الدین محمد سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے والد شیخ الشیوخ کے ساتھ حج کے لیے گیا، ایک دن میں نے طواف کے دوران ایک شیخ کو دیکھا کہ عین طواف کے دوران لوگ ان سے برکت حاصل کر رہے تھے اور ان کی زیارت کر رہے تھے۔ ہمارے دوستوں نے اس بزرگ سے یہ کہہ کر میرا تعارف کرایا کہ یہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے فرزند ہیں۔ انھوں نے یہ سن کر مجھے مرحبا کہا اور میرے سر کو بوسہ دیا، جس کا اثر میں اپنے اندر ابھی بھی محسوس کرتا ہوں اور اس پر آخرت میں بڑے اجر کا امیدوار ہوں۔ سات مرتبہ طواف مکمل کرنے اور پھر طواف کے بعد دو رکعت نماز

پڑھ لینے کے بعد جب میں اپنے والد شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں واپس آیا تو ہمارے اصحاب نے ان سے بتایا کہ ہم لوگوں نے شیخ زادے عیسیٰ مغربی کے سامنے کیا تو انھوں نے شیخ زادے کا استقبال کیا اور ان کے سر کا بوسہ لیا۔ یہ سن کر والد گرامی کو بڑی خوشی ہوئی اور آپ نے بڑی بشاشت کا اظہار فرمایا۔ اس وقت ہمارے ساتھی شیخ عیسیٰ مغربی کے شمائل و اوصاف کا تذکرہ کرنے لگے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ شیخ ایک دن میں ستر ہزار مرتبہ قرآن ختم کرتے ہیں۔ یہ سن کر شیخ الشیوخ کے کبار اصحاب میں سے ایک نے کہا: ہاں ہاں ! میں نے بھی یہ بات سنی تھی اور اس بات کی صداقت کے تعلق سے میرے دل میں شک و شبہ تھا، لیکن میں نے ایک دن شیخ عیسیٰ کو طواف کرتے ہوئے دیکھا کہ انھوں نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور پھر ملتزم تک پہنچے، اس دوران آپ نے عام رفتار سے تلاوت کرتے ہوئے مکمل قرآن ختم کر دیا۔ میں نے ان کا ایک ایک حرف سنا جس کے معانی بھی سمجھ میں آرہے تھے، جب کہ حجر اسود سے ملتزم کی مسافت تین چار قدم سے زیادہ نہیں ہے۔ اسی وقت مجھ کو یقین ہو گیا کہ شیخ کے لیے ستر ہزار ختم قرآن کی روایت درست ہے۔ پھر شیخ الشیوخ اور ہمارے جملہ اصحاب نے اس سچے راوی کی روایت کی تصدیق کی اور سب کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ بات درست ہے۔ پھر لوگوں نے شیخ الشیوخ سے پوچھا کہ ایسا کیسے ہوتا ہے ؟ شیخ نے فرمایا کہ ایسا وقت میں وسعت و بسط پیدا ہو جانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جس طرح وہ اولیاے کرام جن کے لیے دنیا ایک قدم ہے، حق تعالیٰ ان کے لیے جگہ کو اس طرح سمیٹ دیتا ہے کہ ایک سال کی مسافت وہ ایک لمحے میں طے کر لیتے ہیں، اسی طرح وہ اولیاے کرام جو "اصحاب لحظہ" اور "اصحاب لمحہ" ہیں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ وقت کو اس طرح پھیلا دیتا ہے کہ وہی لمحہ جو دوسروں کے لیے ایک پل ہوتا ہے وہ ان کے لیے پانچ یا دس سال بن جاتا ہے۔

حضرت آدم کا ادب

پیر دست گیر قطب عالم شیخ مینا قدس سرہ نے فرمایا: نیک اعمال کے سبب بندہ جنت میں داخل ہوتا ہے اور حسن آداب کے سبب مالک جنت تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ دیکھتے نہیں کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اگرچہ عتاب میں گرفتار تھے لیکن پھر بھی انھوں نے ادب بجا

لاتے ہوئے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (الاعراف:۲۳) (اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا) کہا تو مقبول بار گاہ الٰہی ہو گئے اور شرف وصال سے مشرف ہو گئے اور ابلیس لعین کے پاس اگر چہ نیکیاں تھیں، لیکن اس نے ادب ترک کر دیا اور اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ (الاعراف:۱۲) (میں آدم سے افضل ہوں) کا نعرہ لگایا تو وہ مردود ہو گیا۔

ادب معرفت کی بنیاد ہے

حضرات مشائخ نے فرمایا ہے کہ توحید ایمان کا نتیجہ ہے، اس لیے جس کے پاس ایمان نہیں ہو گا، اس کے پاس توحید بھی نہیں ہو گی۔ ایمان علم شریعت کا نتیجہ ہے، اس لیے جس کے پاس علم شریعت نہیں ہو گا اس کے پاس نہ ایمان ہو گا اور نہ توحید ہو گی اور شریعت ادب کا نتیجہ ہے، اس لیے جس کے پاس ادب نہیں ہو گا اس کے پاس نہ شریعت ہو گی نہ ایمان اور نہ توحید۔

اس فقیر کے پیر دست گیر فرماتے تھے: منقول ہے کہ جو آداب میں کوتاہی کرے گا وہ سنت سے محروم رہے گا، جو شخص سنت میں کوتاہی کرے گا، وہ فرائض سے محروم رہے گا اور جو شخص فرائض میں کوتاہی کرے گا وہ معاذاللہ معرفت سے محروم کر دیا جائے گا۔ اس لیے طالب کو چاہیے کہ آداب بجالانے کی کوشش کرے، تاکہ اسے محرومی در محرومی سے دوچار نہ ہونا پڑے اور معرفت سے محروم نہ رہے۔ کام ہمت و حوصلے سے انجام پاتا ہے۔ جس کی ہمت جتنی زیادہ ہو گی اس کے اعمال و آداب بھی اتنے ہی بہتر ہوں گے۔

حضرت خواجہ سری سقطی فرماتے ہیں: ایک رات میں محراب کی جانب پاؤں کر کے وظائف میں مشغول تھا کہ میں نے ایک ندا سنی: اے سری! بادشاہوں کی بارگاہ میں اس طرح رہا جاتا ہے؟ یہ سن کر فوراً میں نے اپنے پاؤں سمیٹ لیے اور عرض کی: تیری عزت و جلال کی قسم! میں اب پوری زندگی کبھی بھی اپنا پاؤں نہیں پھیلاؤں گا۔

حضرت جنید بغدادی نے تیس سال تک دن اور رات میں کبھی بھی کسی بھی جانب اپنا پاؤں نہیں پھیلایا۔

حضرت سہل تستری کا قول ہے: تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے بچو: غفلت میں ڈوبے

ظالم سلاطین، مداہنت کرنے والے علما اور جاہل صوفیہ۔

اسی طرح ظالم سلاطین، امرا اور قاضیوں کے تعلق سے شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین گنج شکر نے شیخ الاسلام حضرت نظام الدین اولیا سے فرمایا: لَوْ أَرَدتُّمْ بُلُوْغَ دَرَجَةِ الكِبَارِ فَعَلَيْكُمْ بِعَدَمِ الالْتِفَاتِ إِلىٰ أَ بْنَاءِ المُلُوكِ وَالمُلُوْكِ اگر تم اکابر کے درجے تک پہنچنا چاہتے ہو تو بادشاہوں اور ان کے متعلقین کی جانب توجہ مت کرو۔

ہاں !اے عزیز! بادشاہوں، ان کے متعلقین اور ظالموں کی جانب التفات مت کرو، اس لیے کہ ان کی صحبت زہر قاتل ہے۔ سچی توبہ کے سوا اس کی کوئی دوا نہیں۔ ایک عارف فرماتے ہیں:

با بداں کم نشیں کہ صحبت بد گر تو پاکی ترا پلید کند

(بروں کی صحبت میں مت بیٹھو؛ کیوں کہ بروں کی صحبت ایسی چیز ہے کہ اگر تم پاک ہوگے تو یہ تمھیں ناپاک کردے گی۔)

دوسری جماعت مداہنت کرنے والے ریاکار، بے دیانت اور فاسق علما کی ہے۔ ان کی صحبت سے بچو؛ کیوں کہ ایسوں کی صحبت بھی بری ہوتی ہے، نفع بخش نہیں ہوتی۔

تیسرا گروہ جاہل صوفیہ کا ہے۔ ان کی صحبت سے بھی بچو؛ کیوں کہ جاہلوں کے پاس دین کا کوئی حصہ نہیں ہوتا اور جس کے پاس دین نہ ہو اس کی صحبت سے یقیناً نقصان کے سوا کچھ نہیں حاصل ہوگا۔

قیامت کی علامت

خزانۂ جلالی میں حضرت سید السادات مخدوم جلال الدین بخاری قدس سرہ کا یہ ارشاد موجود ہے: قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ معاذ اللہ! علما فاسق ہوجائیں گے اور صوفیہ جاہل ہوجائیں گے۔

اے عزیز! یہ وہی زمانہ ہے آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ، بے علم، بے تربیت، طریقت سے دور صوفی نئی نئی بیہودہ رسمیں اور طریقے ایجاد کر رہے ہیں۔ انھوں نے تلقین ذکر کو چھوڑ رکھا ہے جس کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صوفیہ تک چلا آرہا ہے، اور صوفیہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ عوام کو

معتقد کرنے کے لیے نیا نیا طریقہ اختراع کر رکھا ہے۔ انھوں نے بالعموم عوام کو اور بالخصوص طالبین کو حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ انھیں راہ راست سے دور کر رہے ہیں۔ میں نے کچھ لوگوں کے بارے میں سنا کہ وہ طالبان مولیٰ سے آسمان وزمین کے درمیان خلا میں معائنہ کرنے اور دیکھنے کو کہتے ہیں اور اس کو تمثیل حق کا نام دیتے ہیں اور جو طالبین اس کے معائنے میں لگے ہوتے ہیں ان کو واصل کہتے ہیں۔ ہائے رے گم رہی! ہائے رے بیہودگی!! اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق بخشے اور انھیں سیدھی راہ دکھائے۔ رئیس درویشاں محتسب عارفاں شیخ قوام الدین لکھنوی فرماتے ہیں ؂

نادیدہ رخ دوست مزن لاف تجلی　　پرتو نبود عین، تو ایں نکتہ نگہ ندار

بے نور رخش حسن وجمالش نتواں دید　　بے تابش خور می نتواں دید رخ یار

ا۔ جمال یار کو دیکھے بغیر تجلی کی ڈینگ مت مارو اور یہ حقیقت ذہن نشین کر لو کہ تجلی عین ذات نہیں ہوتی۔

۲۔ اس کے حسن وجمال کو اس کے نورِ جمال کے بغیر نہیں دیکھا جاسکتا اور خورشید حقیقی کی تابشوں کے بغیر محبوب کا مشاہدہ نہیں کیا جاسکتا۔

مردانِ حق کون؟

پیر دست گیر شیخ مینا قدس سرہ نے فرمایا: مردانِ حق یہ وہ لوگ ہیں جو سید الرسل ﷺ کی اتباع و پیروی میں چشم زدن میں فلک وملک سے بھی آگے بڑھ گئے، انھوں نے کونین اور ان کی نعمتوں کی جانب نگاہ نہیں کی، بلکہ انھوں نے قرب قابَ قوسین میں قدم رکھ دیا اور اَوادنیٰ کے سر تک رسائی حاصل کر لی۔ ثقلین کے عمل پر بھی انھوں نے کوئی توجہ نہیں کی؛ کیوں کہ نَفسٌ مِنْ أَنْفَاسِ العَارِفِیْنَ خَیْرٌ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَیْنِ عارفین کا ایک لمحہ ثقلین کی عبادت سے بہتر ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؂

اے خلق جہاں بہ جملگی بشتابید　　ایں قافلۂ سوختگاں دریابید

اے اہل مناجات کہ در محرابید　　صد قافلہ بگذشت شما در خوابید

۱۔اے دنیا کے لوگو! تیزی کے ساتھ دوڑو تاکہ سوختہ جان لوگوں کے قافلے کو پاسکو۔

۲۔اے محراب میں بیٹھ کر مناجات کرنے والو! سیکڑوں قافلے گزر گئے اور تم ابھی خواب غفلت میں ہی ہو۔

اس فقیر کے پیر دست گیر جو صاحب دل تھے اور معارف واسرار الٰہی کی کامل معرفت رکھتے تھے، بارہا خوشی کے عالم میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

عالم دل عالمی است ہر دو جہان اندرو　　　کیست کہ ہردم کند عزم تماشای دل

(دل کی دنیا ایسی دنیا ہے جس میں دونوں جہان آباد ہیں، کون ہے جو ہر وقت اس دنیاے دل کا تماشا دیکھنا چاہے گا؟)

تم نے مشائخ کا یہ ارشاد نہیں سنا؟: القَلْبُ بَيْتُ اللهِ الأَعْظَمُ. دل اللہ کا سب سے عظمت والا گھر ہے۔

نبی کریم ﷺ سے کسی نے سوال کیا: أَيْنَ اللهُ؟ اللہ کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: فِي قُلُوْبِ عِبَادِهِ[1] اپنے بندوں کے دلوں میں۔ دیکھنا یہ ہوشیاری کا مقام ہے۔ یہاں ہوشیار رہو، دیکھو بے چارے خواجہ واحدی کیا کہتے ہیں:

آں کہ در لامکان نمی گنجد　　　در دل تنگ واحدی جا کرد

(وہ جو لامکاں میں نہیں سما سکتا، اس نے واحدی کے چھوٹے سے دل میں اپنا گھر بنالیا ہے۔)[2]

دل تجلی حق کا مقام ہے:

اے عزیز! جس دل میں ذات باری کی جلوہ گری ہوتی ہے وہ ہر کسی کا دل نہیں ہوتا، یہ ان

(۱) عراقی نے کہا: اس لفظ سے ہم نے کوئی روایت نہیں پائی، لیکن طبرانی نے ابوعنبہ خولانی کی سند سے اس حدیث کے ہم معنی ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے: إن لله آنية من أهل الأرض، وآنية ربكم قلوب عباده الصالحين (تخریج احادیث احیاء علوم الدین ،کتاب عجائب القلب، ۲۳۶۸) (بے شک اہل زمین کے لیے تمھارے رب کا ایک ظرف ہے اور وہ ظرف اس کے صالح بندوں کا دل ہے۔)

(۲) مولانا جامی: 　موکب حسنت نگنجد در زمین و آسمان　　در حریمِ سینہ حیرانم کہ جا کردہ ای

لوگوں کا دل ہوتا ہے جو محبت الٰہی میں خاکستر ہو چکے ہیں اور جنھوں نے اپنی نگاہ غیر کے دیدار سے بند کرلی ہے۔ ایسے دل کو بَیْتُ اللهِ الأَعْظَمُ کہا جاتا۔ ایک بزرگ کیا خوب فرماتے ہیں۔

دل یکے منظریست ربانی خانۂ دیو را چہ دل خوانی

(دل تو صرف وہی ہے جس میں رب کا جلوہ موجود ہو، شیطان کے گھر کو کیوں دل کہتے ہو؟)

دل در حقیقت دل کب ہوتا ہے؟

سنو اے عزیز! خواجہ بایزید بسطامی نے دس سال اپنے دل کی پاسبانی کی، دس سال دل نے ان کی پاسبانی کی اور دس سال حق تعالیٰ نے ان کے دل کی محافظت فرمائی، جب تیس سال مکمل ہوگئے تب جاکروہ دل در حقیقت دل ہوا۔ پھر ایک روز ایک شخص جو حج کے لیے روانہ ہورہا تھا اس سے آپ نے پوچھا: کہاں جارہے ہو؟ اس نے جواب دیا: حج کو جارہا ہوں۔ خواجہ نے پوچھا: زادِ سفر کیا ہے ؟ اس نے کہا: سات دینار۔ خواجہ نے کہا: وہ دینار مجھ کو دے دو۔ اس جواں مرد نے وہ دینار خواجہ کو دے دیے۔ خواجہ نے فرمایا: میرے گرد سات بار طواف کرلو، تمھارا حج قبول ہوجائے گا۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا اور اس کا نام حج مقبول کرنے والوں میں لکھ دیا گیا۔

محراب جہاں جمالِ رخسارۂ ما است سلطان جہاں در دل بے چارۂ ما است

(محرابِ عالم ہمارے رخسار کا جلوہ ہے، کیوں کہ سلطان جہاں ہمارے اس چھوٹے دل میں جلوہ فگن ہے۔

فائدہ:

سامع کے لیے ضروری یہ ہے کہ قائل کے کلام کو سن کر قائل کی جانب خطا کی نسبت کرنے میں جلدبازی کا مظاہرہ نہ کرے، بلکہ اس کے قول کے حق ہونے کا حسن ظن رکھے اور حق ظاہر نہ ہو تو اسے اپنی فہم و عقل کا قصور جانے، قائل کی عقل و فہم کو قصوروار نہ سمجھے۔

صفت موسوی کی مثال

پیر دست گیر فرماتے تھے کہ مرید کو ایک صفت موسوی سے متّصف ہونا چاہیے اور ایک

صفت موسوی سے متّصف نہیں ہونا چاہیے۔جس صفت موسوی سے متّصف ہونا چاہیے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہمیشہ رَبِّ اَرِنِیۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ (الاعراف: ۱۴۳) (اے رب! مجھے اپنا جلوہ دکھادے کہ میں تیرا دیدار کرلوں) کہتا رہے، ہمیشہ مولیٰ کا طلب گار رہے اور ایک لمحے کے لیے بھی نہ آرام کرے اور نہ غافل رہے اور جس صفت موسوی سے متّصف نہ ہونا چاہیے وہ یہ ہے کہ جو کچھ اپنے شیخ سے دیکھے یا سنے اس پر اعتراض نہ کرے، اس کو غلط نہ ٹھہرائے تاکہ صحبت کی برکت سے محروم نہ رہے اور حق ظاہر نہ ہونے کی وجہ اپنی کم فہمی کو قرار دے، تاکہ پیر کی صحبت سے بہرہ مند ہو۔

اصطلاحات صوفیہ کا پس منظر

صوفیہ نے جب یہ دیکھا کہ مخلوق کے فہم کے درجے مختلف ہیں تو انھوں نے ایک تدبیر کی، اپنے علم کے سلسلے میں انھوں نے آپس میں الفاظ وضع کر لیے، انہیں خاص اصطلاح کا جامہ پہنا دیا اور انہی اصطلاحی الفاظ میں انھوں نے ان اشاروں کا استعمال کیا تاکہ جو اس مقام پر پہنچا ہو وہ مقصود تک پہنچ جائے اور جو نااہل ہو وہ ان کی مراد کو نہ پاسکے، چنانچہ جو لوگ صوفیہ کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے انھوں نے ان کے معانی کو سمجھ لیا اور جو لوگ نااہل تھے ان کی سماعت سے صرف ظاہری الفاظ ہی ٹکرائے، معانی تک ان کی رسائی نہیں ہوسکی، چنانچہ اہل تو مراد تک پہنچ گئے اور نااہل حضرات ان کی فہم سے محروم رہ گئے۔

فائدہ: ارشاد و سلوک

اے عزیز! تمام چیزوں کی اصل توحید ہے اور تمام موحدین کے سردار حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ حق تعالیٰ کی جانب سے ایسے رموز نازل کیے گئے کہ مخلوق ان رموز کے معانی کے ادراک سے عاجز ہے، وہ رموز حروف مقطعات ہیں، جب حق تعالیٰ اور جناب مصطفی ﷺ کے مابین ایسے اسرار ہوسکتے ہیں جن پر دوسروں کو مطلع نہیں کیا گیا، تو پھر مخلوق کے درمیان بھی ایسا ہوگا کہ ہر کوئی ہر راز کا محرم بننے کے لائق نہ ہوگا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

اسرار توان بپاکبازان دادن اما نتوان بنو نیازان دادن
ہر چند کہ صعوہ را ز مرغان شمرند لکن نتوان غذائے بازان دادن

(۱)واصلانِ حق پاک بازوں کو ہی محرم اسرار بنایا جاسکتا ہے، مبتدی سالکین کو محرم اسرار نہیں بنایا جاسکتا۔

(۲)ہر چند کہ ممولے کو پرندوں میں ہی شمار کیا جاتا ہے لیکن اس کو باز کی غذا تو نہیں دی جاسکتی۔

بعض متکلّمین نے حضرت ابوالعباس عطا سے کہا کہ تم جماعت صوفیہ کا کیا معاملہ ہے کہ تم لوگوں نے ایسے الفاظ وضع کر لیے ہیں جو سننے والوں کو اجنبی معلوم ہوتے ہیں، اس کی دو ہی وجہ ہو سکتی ہے، یا تو تم لوگ مکر و فریب سے کام لیتے ہو اور حق تعالیٰ کو مکر و فریب سے غرض نہیں، یا تمھارے مذہب میں کوئی عیب ہے جس کو تم لوگ چھپاتے ہو؟ حضرت ابوالعباس نے جواب دیا: ہم لوگ ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ ہمارا یہ علم ہم کو عزیز ہے، ہمیں اس بات سے غیرت آتی ہے اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ کوئی نامحرم اس شراب سے واقف ہو۔

بہ پہلوی کساں منشیں کہ غیرت می کشد مارا نمی خواہم کہ ہر کس را نظر افتد بر خسارت

(دوسروں کے پہلو میں مت بیٹھو کہ اس سے ہمیں غیرت آتی ہے، ہم نہیں چاہتے کہ تمھارے رخسار پر ہر شخص کی نظر پڑے۔[۱]

اے عزیز! یہ بات تو ظاہر ہے کہ جو چیز جس کو جتنی زیادہ عزیز ہوتی ہے اس پر اس کو اتنی ہی غیرت بھی آتی ہے۔ دیکھتے نہیں کہ لوگوں کے نزدیک جو چیز جس قدر بے وقعت اور بے حیثیت ہوتی ہے اسی قدر ظاہر ہوتی ہے، پردے میں نہیں ہوتی اور جو چیز جتنی عزیز ہوتی ہے اتنی ہی پردے میں ہوتی ہے۔

فائدہ: شیخ کامل مشاطہ ہوتا ہے

مرید مبتدی کے لیے ایک شیخ کامل ضروری ہے کیوں کہ جو راستے سے باخبر نہ ہو، رہبر

---

(۱) تکلف بر طرف، نظارگی میں ہی سہی لیکن وہ دیکھا جائے! کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے (غالب)

کے بغیر اس کے لیے راہ چلنا دشوار ہوتا ہے۔ پھر رہبر وہ ہوگا جو راہ کا دیدہ ور ہو اور خطرات کی گھاٹیوں، ہلاکت اور امن کے مقامات سے واقف ہو۔

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ نے فرمایا: پیر مرید کی ہدایت کے سلسلے میں مشاطہ[۱] کی طرح ہے، جس طرح مشاطہ ابتدا میں طرفین کے لیے راحت اور آسانیاں پیدا کرتی ہے لیکن جب وہ مقام وصال میں پہنچ جاتے ہیں تو اس مشاطے کے کچھ کہنے اور اس کی طرف سے عیش و راحت فراہم کرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہ جاتی، اسی طرح شیخ بھی آغاز میں مرید کو اعمال و طاعت اور ذکر کے لیے ابھارتا ہے اور اس کو ذلت و خواری سے جو عشق کا لازمہ ہے، دو چار کراتا ہے، اس بارگاہ بے نیاز کا مشتاق بنا دیتا ہے۔ اس وقت حق تعالیٰ کی جانب سے اس کو امداد و اعانت حاصل ہوتی ہے، یہاں تک کہ ہر وہ فیض جو شیخ کو حق تعالیٰ کی جانب سے پہنچتا تھا وہ مرید کو بھی حاصل ہو جاتا ہے اور پھر شیخ اس کو مقام مکاشفہ و مشاہدہ اور مقام وصال تک پہنچا دیتا ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ! اس وقت بے چارے شیخ کو بھی بیگانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

پیر دست گیر قطب عالم نے فرمایا: احباب و اخوان کے ساتھ کھانا پینا تو اچھا ہے، البتہ محبوب کا دیدار کسی کی موجودگی میں اچھا نہیں ہوتا۔ محب کو اپنے دیدہ و دل پر بھی غیرت آتی ہے۔ ع

من باشم و تو باشی اغیار نہ باشد (میں رہوں تو رہے اغیار نہ ہوں)[۲]

پیر زادگی و جانشینی معیار بزرگی نہیں!

اس فقیر کے پردادا پیر شیخ قوام الدین عباسی فرماتے ہیں: اے درویش! درویشی کی کسوٹی اور اس کا معیار کتاب و سنت اور لائق اقتدا اسلاف کی سیرتیں ہیں، صرف اجازتوں کا ہونا اور متبرک مقام پر ہونا کافی نہیں کہ فلاں شخص فلاں بزرگ کا فرزند ہے، صرف یہی کافی نہیں کہ فلاں اپنے آباو اجداد کا جانشین ہے، اگر وہ اس مقام کے لائق نہ ہوتا تو اس کو جانشینی کا شرف

---

(۱) مشاطہ: (Beautician) دلہن کو سجانے سنوارنے والی عورت

(۲) حضرت مخدوم شیخ سعد الدین خیر آبادی کا ہی شعر ہے:

بروائے عقل نامحرم کہ امشب با خیال او — چناں خوش خلوتے دارم کہ من ہم نیستم محرم

حاصل نہ ہوتا! یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ انسان کا شرف اوراس کی بزرگی زمان ومکان سے نہیں، بلکہ تقویٰ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات:۱۳) اللہ کی بارگاہ میں تم میں سب سے زیادہ محترم وہ ہے جوسب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ اس عامیانہ اعتقاد کوایک کونے میں ڈال دو اور یہ جزم ویقین کرلو کہ ماسوا کو دل سے نکال کر دل کو پاک کیے بغیر حق تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوگا۔

چند دنوں کی صحبت کافی نہیں!

اس فقیر کے پردادا پیر شیخ قوام الدین فرماتے ہیں: اے عزیز! جن لوگوں نے لباس وجود کو صحرائے وحدت میں ڈال دیا اور فرد ویگانہ ہوکر اس کی طرف متوجہ ہوئے وہ یقینی طور سے حق تعالیٰ کی راہ پا گئے۔ آج حال یہ ہے کہ لوگ موجودہ اہل اللہ اور اولیا کی صحبت میں تھوڑی دیر بیٹھ کر اپنے باطن کی پراگندگی کو دور کرنا چاہتے ہیں تو ان کو اور زیادہ پراگندگی کا سامنا ہوتا ہے اور خراب حال واپس لوٹ جاتے ہیں ؂

قواما قحط مردان شد کنون در گوشۂ بنشین
کہ صدق و حال دین داران کنون گشت است افسانہ

(اے قوام الدین! مردان الٰہی کا قحط پڑ گیا ہے، اب جاکر کسی گوشے میں بیٹھ جاؤ؛ کیوں کہ دین داروں کے صدق وحال کے واقعات اب فسانے معلوم ہوتے ہیں۔)

اے جواں مرد! درویشی کی راہ تو اب اتنی آسان ہوگئی ہے کہ ہر نابالغ نے اس میدان میں قدم رکھ دیا ہے اور توبہ وانابت اور توکل کے بغیر بلکہ شرعاً مذموم باتوں سے نفس کو پاک کیے بغیر ہی دعوت وارشاد کے کام میں لگ گیا ہے۔ حیرت وافسوس کا مقام ہے۔ آج درویشی کا معاملہ اس حد تک گر چکا ہے کہ یہ پیشہ دوسری حرفتوں اور صنعتوں سے بھی زیادہ ذلیل وخوار ہوچکا ہے۔ دیگر صنعت وحرفت، مثلاً سلائی بنائی سیکھنے والے بھی بڑی مشقتوں کے بعد اور سالہا سال تک ماہر صنعت وحرفت کے در کی خدمت کے بعد استاد بنتے ہیں، لیکن آج مشیخت محض خرقہ کا نام ہے،

خرقہ ملتے ہی یا ایک ماہ دو ماہ بعد ہی جب کہ ابھی اس نے آب ندامت سے اپنے گناہوں کی گندگیوں کو بھی نہیں دھویا اور خود اس کو ہی فلاح و کامیابی حاصل نہیں ہوئی، ان مدعیان مشیخت نے فلاح و تزکیۂ نفس کا کاروبار شروع کر رکھا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (الاعلیٰ:۱۴) (جس نے تزکیہ کیا وہ کامیاب ہو گیا۔) اس آیت کے مفہوم مخالف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تزکیہ کے بغیر فلاح نہیں ملتی۔ اے جواں مرد! جو خود کامیاب و کامران نہ ہو اس کے یہاں کامیابی و کامرانی کی تلاش کرنا اپنی عمر ضائع کرنا ہے۔

اس فقیر کے پیر دست گیر قدس سرہ فرماتے ہیں: اے جواں مرد! وہ راہبر ہی کیسا جس نے راہ دیکھی ہی نہیں اور اس راہ میں قدم ہی نہیں رکھا، سفر کی تیاری نہیں کی، مانوس اور عادی چیزوں کو ترک کرنے کی تلخی نہیں چکھی، اپنے نفس کو ابھی مٹایا ہی نہیں اور دونوں جہان سے اپنا منہ نہیں موڑا، وہ رہبری کے لائق کیسے ہو سکتا ہے؟

امام غزالی پر میری جان قربان! انھوں نے اپنے نور باطن سے معلوم کر لیا تھا کہ ایک زمانے میں بعض شیوخ اپنے مال کی فراوانی کے ذریعے مشیخت کا کاروبار چلائیں گے۔ لوگوں کو مقام و مرتبہ، تعظیم و تکریم اور تحفے تحائف سے نوازیں گے اور اس طرح خلق خدا کو اپنا معتقد بنائیں گے اور خلق خدا بھی انتہائی درجے کے ظاہری اخلاق، کھلی چاپلوسی اور تحفے تحائف دینے کی وجہ سے ان کو شیخ کامل اور قطب وقت کہے گی۔ بعض افراد جسم کو فربہ بنائیں گے تاکہ لوگوں کے نزدیک معظم و مکرم نظر آئیں۔ وہ لوگوں سے دست و بوسی اور قدم بوسی کروائیں گے اور اس طرح کچھ اپنی مراد حاصل کریں گے اور کچھ اپنی طاقت و قوت سے اپنی مشیخت کا کاروبار بڑھائیں گے، جیسا کہ آج مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ عین القضاۃ ہمدانی پر رحمت و راحت نازل فرمائے۔ ان کا یہ مصرع کس قدر بامعنی ہے!

رو بازی کن کہ عاشقی کار تو نیست (جاؤ کھیل کود کرو کہ عاشقی تمھارے بس کا روگ نہیں ہے!)

جب عاشقی ایسے لوگوں کا بس نہیں تو پھر یہ لوگ مشیخت، منصب ارشاد اور مقتدا بننے کے

لائق کہاں ہوں گے ؟

شیخ کی تعریف

بعض مشائخ صوفیہ نے فرمایا ہے: اَلشَّیْخُ ھُوَالَّذِیْ یُقَرِّرُالدِّیْنَ وَالشَّرِیْعَةَ فِي قُلُوْبِ الْمُرِیْدِیْنَ وَالطَّالِبِیْنَ شیخ وہ ہے جو مریدوں اور طالبوں کے دلوں میں دین وشریعت کو مستحکم کرتا ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے: اَلشَّیْخُ ھُوَالَّذِیْ یُحَبِّبُ عِبَادَاللهِ إِلَی اللهِ وَیُحَبِّبُ اللهَ إِلٰی عِبَادِہٖ وَ ھُوَ أَحَبُّ عِبَادِ اللهِ اِلَی اللهِ شیخ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بندوں کو محبوب بناتا ہے، بندوں کے دلوں میں اللہ کی محبت ڈالتا ہے اور وہ اللہ کی بارگاہ میں محبوب ترین بندہ ہوتا ہے۔

اس فقیر کے پردادا پیر فرماتے ہیں: اَلشَّیْخُ ھُوَالَّذِیْ یَکُونُ قُدْسِیَّ الذَّاتِ فَانِیَ الصِّفَاتِ شیخ وہ ہے جو ذات کے لحاظ سے قدسی اور صفات کے لحاظ سے فانی ہو۔

حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہ فرماتے ہیں: سلوک طے کرانے والے شیخ کو ایسی قوت ذات اور تصحیح خاطر حاصل ہونی چاہیے کہ جب کوئی شخص اس کے پاس بیعت کے لیے آئے تو وہ اپنی باطنی قوت سے دنیا میں آلودہ اس شخص کے آئینۂ دل کو صیقل کردے، تاکہ کینہ، دھوکہ، فحش اور دنیا کی آلائش جو اس کے سینے میں موجود ہے وہ نہ رہ جائے اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچادے۔ اگر پیر کو اتنی قوت نہ ہو تو یقین سے جان لو کہ پیر اور مرید دونوں گم رہی کی وادی میں بھٹک رہے ہیں۔

حضرت سید محمد حسینی فرماتے ہیں: یہ بات یاد رکھو کہ اگر کوئی ایسا ہو کہ ہوا میں اڑے، پانی پر چلے اور جو خیال کرے وہی ہوجائے، مردان غیب سے ملاقات کرے، جو رب تعالیٰ سے مانگے وہ مل جائے اور جو اس کے دل میں گزرے ویسا ہی ہو، نہ کھانا کھائے، نہ پانی پیے، سیر کرے، اڑان بھرے، ان سب خصوصیات کے باوجود وہ شیخ نہیں ہوگا اور اس کو شیخ بنانا درست نہیں ہوگا۔ شیخ وہ ہے جس کے اوپر کشف ارواح اور کشف قبور ہو، انبیا کی ارواح سے ملاقات ہو، جس کے اوپر افعال وصفات کی تجلی ہو، ذات کا ظہور ہو، جو تمام گھاٹیوں کو پار کرچکا ہو، یہ معانی اس کو حاصل ہو چکے

ہوں، تب وہ شیخ ہوگا اور جس کو وہ اپنا خلیفہ بنائے گا وہ بھی ان ہی صفات سے متّصف ہوگا اور اگر ایسا نہ ہو تو اسے خلیفہ نہ بنائے۔ جب تک شاگرد استاذ کی طرح نہیں ہو جائے، اسے اپنا نائب نہ بنائے، اپنی جگہ پر مکتب میں نہ رکھے، ورنہ اس سے کوئی کام نہ بن پڑے گا۔

اے عزیز! یہ کم ہمت یہاں پر ایک بات اپنی کم ہمتی کی وجہ سے کہتا ہے کہ آج میرے نزدیک وہ شخص شیخ کامل اور قطب کامل ہے جو شریعت کو قائم کرنے والا ہو اور امور شریعت میں استقامت رکھتا ہو۔ جو باتیں شیخ قطب الدین اور سید محمد رحمۃ اللہ علیہما نے کہی ہیں پتا نہیں ایسے لوگ ملیں نہ ملیں، ایسے لوگوں کا ملنا بہت بعید ہے، لیکن دنیا سے فیض کا سلسلہ منقطع نہیں ہوگا، حضرتِ شیخ قطب الدین اور سید محمد رحمۃ اللہ علیہما کی ذکر کردہ خصوصیات کے حامل بندگان الٰہی نادر اور تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں، ضرور ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے تمام طالبین کو ان کا دیدار کرائے اور رسم پرست مدعیان مشیخت کی صحبت سے ان کو دور رکھے۔ (آمین)

رئیس درویشاں محتسب عارفاں شیخ قوام الدین عباسی لکھنوی فرماتے ہیں: اے جواں مرد! جو شخص گم راہ اور گم راہ گر ہو، وہ متقیوں کا امام اور طالبان مولیٰ کا رہبر کیسے بن سکتا ہے؟

مرشد فانی ہوتا ہے

شیخ کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ وہ فانی ہو، فنا کا پہلا درجہ یہ ہے کہ مذموم اوصاف جو قرب حق تعالیٰ سے دور کرنے والے ہیں، ان سے فانی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی فلاح وکام رانی کا دار ومدار مذموم صفات سے نفس کے تزکیہ پر رکھا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (الشمس: ۹،۱۰) (جس نے نفس کا تزکیہ کیا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے نفس کو گندہ کیا وہ نامراد ہو گیا۔) جو خود کامیاب نہ ہو، ایسے شخص کی صحبت میں نہ کوئی شخص کام یاب ہوا اور نہ کسی نے کام رانی حاصل کی۔

تلاش واجب ہے

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ نے فرمایا: ہر شخص کے حق میں اچھا گمان رکھنا چاہیے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے: ہزار زندیق کی خدمت کرنی چاہیے تاکہ ایک صدیق تک رسائی حاصل ہو جائے، البتہ ارادت بڑی چیز ہے۔ اس لیے اس حوالے سے موجودہ زمانے میں ہر شخص پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے، اور نہ ہر شخص کی پیروی کرنی چاہیے۔ آج خواہش پرستوں کی کثرت ہے۔ کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رہ گیا۔ دوسری طرف برحق اولیاے کرام نے اپنے رخ پر حجاب ڈال لیا ہے۔ حق تعالیٰ ہم کو ان کے دیدار سے مشرف کرائے اور ان کی خدمت میں جلد پہنچائے۔

ائمۂ اربعہ دین کے محافظ ہیں

پیر دست گیر قطب عالم شیخ مینا قدس سرہ سے میں نے پوچھا کہ مجتہد علما دنیا میں بہت سے گزرے ہیں لیکن چار مجتہدین کو صاحب مذہب کہتے ہیں، دوسروں کو صاحب مذہب نہیں کہتے، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: تہذیب المذاہب میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سند صحیح کے ساتھ مروی ہے کہ ایک شخص رسول کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: حضور! میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا دیکھا ہے؟ اس شخص نے کہا: میں نے آسمان و زمین کے مابین ایک خیمہ دیکھا جس کی چار طنابیں تھیں اور چار لوگ ان چاروں طنابوں کی نگہبانی پر لگے تھے۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے جواب دیا: وہ خیمہ جو تم نے دیکھا وہ دین اسلام ہے اور چار طنابیں چار مذاہب ہیں اور جن چار لوگوں کو تم نے دیکھا یہ وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ظاہر ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک صاحب مذہب ہوگا۔ (۱)

امرد پرستی کا انجام

شعبی کی کفایہ میں لکھا ہے کہ ایک عالم کی وفات ہوگئی۔ ان کو لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کا چہرہ سیاہ تھا۔ لوگوں نے ان سے حال دریافت کیا۔ انھوں نے جواب دیا: ایک جگہ میں نے ایک نوعمر لڑکے کو دیکھ کر اس کی طرف نظر ڈالی تھی، اس کی شامت کی وجہ سے میرا چہرہ سیاہ کر دیا گیا ہے۔

---

(۱) یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔

روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک عابد کی موت کے بعد لوگوں نے اس کو خواب میں دیکھا۔ ان سے لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ انھوں نے جواب دیا: میں نے رب تعالیٰ سے جس گناہ کی بخشش چاہی اس نے بخش دیا البتہ ایک گناہ ایسا تھا جس کی بخشش طلب کرنے میں مجھے شرم آئی اور میں اس گناہ کے سبب عذاب میں گرفتار ہوں۔ لوگوں نے پوچھا وہ گناہ کون سا ہے ؟ انھوں نے جواب دیا میں نے ایک نو عمر لڑکے کو شہوت کی نظر سے دیکھا تھا۔

فتاویٰ خانیہ [1] میں ہے: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ خوب رو نوجوان تھے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کمال تقویٰ کے باوجود آنکھ کی خیانت کے خوف سے درس دیتے وقت ان کو اپنی پیٹھ کے پیچھے یا ستون کے پیچھے بٹھاتے، اس کے بعد سبق پڑھاتے۔

---

(۱) یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔

مرید کے اوصاف

مرید کو چاہیے کہ بہر صورت اور بہر طور مولیٰ تعالیٰ کا طلب گار ہو۔ وہ اپنے بدن سے مولیٰ تعالیٰ کا طلب گار ہو، اس طرح کہ بندگی کا ثبوت دے، روزہ، نماز، نوافل اور دوسری نیکیاں کرے، اپنے نفس سے مولیٰ کا طلب گار رہے، ریاضت و مجاہدہ کرے اور خود بینی اور بد بینی سے باز رہے، اپنے دل سے مولیٰ کا طلب گار رہے، اس طرح کہ اپنے دل کے اندر حق تعالیٰ کے علاوہ کسی کو بھی داخل نہ ہونے دے اور نہ کسی کو جگہ دے؛ کیوں کہ مومن کا دل حرم الٰہی ہے اور حرم الٰہی میں غیر کا داخلہ ممنوع ہے۔

مرید اپنی عقل سے اپنے مولیٰ کا طلب گار رہے، اس طرح کہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دے، بلکہ دنیا و آخرت دونوں پر رب تعالیٰ کو ترجیح دے؛ کیوں کہ مَنْ لَہ المَوْلیٰ فَلَہ الکُل جس کا رب ہو گیا اس کا سب ہو گیا۔

ہاں ہاں ! اے عزیز! عقل کا کام یہی ہونا چاہیے اور عقل مندوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔

ایک عارف فرماتے ہیں:

اے دل بہوائے دوست جاں را درباز　　جاں را چہ محل ہر دو جہاں را درباز
بسیار نگویم کہ فلاں را درباز　　تا ہرچہ ترا خوش آید آں را درباز

(۱) اے دل! دوست کی محبت میں جان کی بازی لگا دے، جان کی کیا حیثیت، دونوں جہان کی بازی لگا دے۔

(۲) کس چیز کی بازی لگانی ہے، میں اس کی تفصیل نہیں کروں گا، جو چیز بھی تجھے محبوب ہو، اس کی بازی لگا دے۔

بندہ اپنے سر سے مولیٰ کا طلب گار رہے اور حق تعالیٰ کے علاوہ اور اپنے علاوہ سب کو فراموش کر دے۔ع

من باشم و تو باشی واغیار نباشد (میں رہوں، تو رہے، تیسرا کوئی نہ ہو)

بندہ اپنی روح سے مولیٰ تعالیٰ کا طلب گار رہے، اس طرح کہ خود کو بھی فراموش کر دے اور اس کی خودی دوست کے وجود میں فانی ہو جائے، یہاں تک کہ دوئی مٹ جائے اور عینیت ثابت ہو جائے اور وہ اس مقام تک پہنچ جائے کہ۔ع

تاکس نگوید بعد ازیں، من دیگرم تو دیگری اب کوئی یہ نہ کہے، باقی ہے میرا تیرا

پیر دست گیر قطب عالم نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ مرید کے لیے صدق و اخلاص ہی اصل ہے۔ مرید نے اگر صدق و اخلاص کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو گویا اس نے اپنا معاملہ مضبوط کر لیا اور اب یقیناً وہ مردان الٰہی کے مقام تک پہنچ جائے گا، البتہ صدق و اخلاص دو چیزوں کے بغیر نہیں پایا جائے گا: ایک یہ کہ شرعی امور کی پابندی کرے اور دوسری یہ کہ مخلوق کی جانب نظر نہ کرے اور کسی سے نفع و نقصان کی توقع نہ رکھے۔ رب تعالیٰ کو یقینی طور پر نفع و نقصان کا مالک جانے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: لَا يَكْمُلُ إِيْمَانُ الْمَرْءِ حَتّٰى يَكُوْنَ النَّاسُ عِنْدَه كَالْأَبَاعِرِ [1] انسان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک اس کی نظر میں لوگوں کی حیثیت چوپایوں کی طرح نہ ہو جائے۔

رئیس درویشاں، محتسب عارفاں شیخ قوام الدین لکھنوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

توئی چو مومنِ مشرک موحد نیستی واللہ موحد آنگہی گردی کہ رو از غیر گردانی

(جب تک تم مومن مشرک ہو، قسم خدا کی موحد نہیں ہو سکتے، تم اس وقت موحد بنو گے

(۱) عوارف المعارف، باب: ۶۳، ص: ۵۰۸۔ سید احمد غماری نے اس کی تخریج میں لکھا ہے: یہ بہت غریب بلکہ بعید ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا کلام ہو۔ لیکن حضرت ابو دردہ سے اس معنی کا قول مروی ہے۔ (عواطف الطائف من حدیث عوارف المعارف، ص: ۱۷۷)

جب مخلوق سے منھ موڑ لوگے۔)

ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

اس فقیر کے پیر دست گیر فرماتے ہیں: مرید کو چاہیے کہ غیر کو اپنی نظر میں نہ لائے اور مخلوق کی مدح وذم سے اپنے آپ کو بے نیاز کرلے، جو بھی عمل کرے اچھی نیت اور صدق واخلاص کے ساتھ کرے، لوگوں کی باتوں سے اپنے آپ کو پراگندہ خاطر نہ کرے اور ان کے نیک وبد کہنے کی پروانہ کرے؛ کیوں کہ لوگوں کی زبان سے بچنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔

اسی مقام پر پیر دست گیر نے یہ بھی فرمایا: ایک دن ایک بوڑھا شخص گھوڑے پر سوار ہوکر جارہا تھا اور اس کا ایک چھوٹا بیٹا پیچھے پیچھے پیدل چل رہا تھا۔ لوگوں نے اہانت آمیز لہجے میں کہا: کتنا بے درد ہے یہ شخص کہ خود گھوڑے پر سوار ہے اور اپنے کم سن لڑکے کو پیدل چلا رہا ہے اور اسے تکلیف دے رہا ہے۔ بوڑھا اپنے کم سن لڑکے کو گھوڑے پر سوار کرکے خود پیدل چلنے لگا، اور خود گھوڑے کو پکڑ کر چلنے لگا۔ آگے کچھ دوسرے لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے بھی اس بے چارے کا مذاق اڑایا اور کہا: یہ بوڑھا کتنا احمق ہے، خود پیدل جارہا ہے اور اپنے بچے کو سوار کیے ہوئے ہے۔ اس بار وہ بوڑھا خود بھی سوار ہوگیا اور اپنے بیٹے کو بھی بٹھائے رہا۔ آگے پھر کچھ لوگوں سے سامنا ہوا اور انھوں نے بھی اس کو برا بھلا کہنا شروع کیا: کیا ظلم ہے کہ ایک گھوڑے پر دو لوگ سوار ہوکر جارہے ہیں اور گھوڑے کے ضعف اور اس کی کمزوری کا خیال نہیں کررہے ہیں۔ اب وہ بوڑھا خود بھی پیدل چلنے لگا اور اپنے کم سن بیٹے کو بھی پیدل چلانے لگا اور گھوڑا بغیر سوار کے چلنے لگا۔ آگے پھر کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ حسب سابق ان لوگوں نے بھی اس کو برا بھلا کہنا شروع کردیا۔ انھوں نے کہا: یہ کس قدر احمق ہیں! گھوڑا موجود ہے لیکن پھر بھی دونوں پیدل جارہے ہیں۔ اس بوڑھے نے جب دیکھا کہ لوگوں کی زبان سے بچ نکلنا کسی بھی طرح ممکن نہیں، تو اسے جس طرح سمجھ میں آیا روانہ ہوگیا اور لوگوں کی تعریف اور برائی سے بے نیاز ہوگیا۔

فائدہ

توحید صوفیہ

صوفیہ کے نزدیک توحید یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کا ذکر نہ کرے، نہ اس کے سوا کچھ جانے اور نہ کچھ سمجھے، صرف اسی سے محبت کرے اور اس کی محبت صرف اسی کے لیے ہو۔ صوفیہ کے یہاں توحید اسی ترتیب سے ہے۔ع

در ہر چہ نگہ می کنم ترا می بینم — جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے محبت نہ کرے، کیوں کہ محبت وہ سلطان ہے جو شرک کو قبول نہیں کرتا اور عشق ایسا غیور ہے جو دوئی سے راضی نہیں ہوتا۔ع

مارا خواہی خطی بعالم در کش — (اگر ہم کو چاہتے ہو تو دنیا سے منہ موڑلو۔)

اس مقام پر أَنَا لَيْلٰى وَلَيْلٰى أَنَا (میں ہی لیلیٰ ہوں، اور لیلیٰ کی ذات میری ذات ہے۔) ہونا چاہیے۔ جب تک خود کو چاہتے رہوگے اور محبوب کی چاہت کا دعویٰ کرتے رہوگے، اس وقت تک یہ شرک ہوگا، جب کہ وحدت میں شرکت کی گنجائش نہیں ہے، میں ہوں اور میرا سراپا تم خود ہو۔

در شہر بگوئی یا تو باشی یا من — شوریدہ شود کار ولایت بدو تن

(شہر میں اعلان کردو کہ یا تو تم رہو یا میں رہوں؛ کیوں کہ دوئی کی صورت میں کارولایت پراگندہ ہوتا ہے۔)

حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم ہوا کہ اے داؤد! میں نے اپنے چاہنے والوں پر غیر کی محبت کو حرام کر دیا ہے۔ع

یا خانہ جای رخت بود یا خیال دوست　　　گھر میں ترا جمال ہو گا یا خیال دوست

اس لیے طالب کو چاہیے کہ رب تعالیٰ کی ذات سے اسی کی ذات کے لیے محبت کرے، صفات کی طرف نظر نہ کرے اور اپنی کسی بھی مراد اور مدعا کی خواہش و طمع نہ رکھے۔ صوفیہ کے نزدیک توحید اسی ترتیب کے مطابق ہے۔

بے خودی ضروری ہے

اس فقیر کے پیر دست گیر حضرت مخدوم شاہ مینا فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ سے صرف اسی کی ذات کے لیے محبت رکھے، کوئی اور چیز طلب نہ کرے؛ کیوں کہ جو شخص ذات کے لیے ہی ذات کا طالب ہو وہی عاشق ہے اور جو ذات کے علاوہ کسی اور چیز کی طلب میں ہوتا ہے، وہ اپنی مراد اور غرض کا عاشق ہوتا ہے۔ جس کی کوئی مراد اور غرض باقی ہو، ابھی اس کی خودی باقی ہے اور جس کی خودی باقی ہو وہ خود اپنا عاشق ہے اور جو اپنا عاشق ہو وہ ابھی عشق سے کوسوں دور ہے۔

ایک حکایت

حکایت ہے کہ ایک شخص ایک جگہ کھڑا تھا، ایک پیکر حسن و جمال کا اس کے پاس سے گزر ہوا۔ وہ بے چارہ ایک نظر میں ہی اس کا اسیر ہو گیا۔ اپنا سر اس کے قدموں میں ڈال کر عرض گزار ہوا: میرے وجود کو جیت کر تم نے مجھے اپنا بنا لیا ہے۔ وہ معشوق پری پیکر، شیریں سخن اور موزوں طبیعت کی مالک تھا، اس نے کہا: مبارک ہو، لیکن تمھارے جیسا عقل مند شکار میرے دام میں آجائے، یہ قابل افسوس ہے۔ میری ایک بہن ہے جو حسن و جمال میں مجھ سے ہزار گنا بڑھ کر ہے، وہ ابھی پیچھے آ رہی ہے۔

اس بے چارے نے اس کی بات پر یقین کر لیا، نادانی میں اس سے نگاہ پھیر لی اور پیچھے مڑ کر دیکھا، لیکن پیچھے کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ اس معشوق نے فرط غیرت میں اس شخص کو ایک طمانچہ رسید کیا اور کہا: اے محبت کا دم بھرنے والے انسان! ذرا ہوش سے کام لے، جب تو میرا اسیر ہو چکا تھا تو پھر تجھے غیروں سے کیا لینا دینا؟

برو خانماں در سر خویش گیر چو عاشق نۂ کار خود پیش گیر

(گھر جا اور اپنے کام میں لگ جا، جب تو عاشق نہیں ہے تو پھر اپنے کام سے کام رکھ۔)

میرے عزیز! مدعیِ عشق سے قاضیِ وقت دو گواہ طلب کرتا ہے: ذکرِ مدام اور فکرِ تمام، جب تک دونوں قاضی کے دربار میں لفظ و معنی کی ہم آہنگی کے ساتھ گواہی نہیں دیں گے اس وقت تک عشق کا دعویٰ قطعی و یقینی اور قابل تسلیم نہیں ہو گا۔ اس نکتہ کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کرو اور اس دعویٰ کی حقیقت کے بارے میں خود سے سوال کرو۔

راہ تو یہی ہے کہ ذکر کرنے والا ذکر کی پابندی کے ذریعے لوہار کی طرح آہن دل کو پگھلانے کی کوشش کرے، تاکہ ذکر کی کثرت سے ذکر کے انوار ظاہر ہوں، جس کا ذکر کر رہا ہے اس کو پانے کا شوق اور بڑھ ہو جائے، ذاکر کا اپنا وجود خاکستر ہو جائے، غیر کی کدورت سے اس کا دل پاک و صاف ہو جائے اور پروانہ وار عشق کی آگ میں کود جائے۔

یکی لحظہ قلندر شو قلندر را مسخر شو سمندر شو، سمندر شو در آتش رو بآسانی

(ایک لمحہ قلندر بن جاؤ، قلندر کو بھی مسخر کر لو، سمندر[1] بن جاؤ اور آگ میں آسانی سے کود جاؤ۔)

فائدہ: خرقۂ تبرک اور خرقۂ ارادت

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے ہیں: خرقہ پہنانا دو طرح سے ہوتا ہے، ایک صورت یہ ہے کہ مکمل تربیت کے بعد اس وقت خرقہ پہنائے جب اس کے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے اور طمانیت قلب حاصل ہو جائے۔ اس کو خرقۂ ارادت اور خرقۂ تصوف کہتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ شروع میں ہی خرقہ پہنا دے تاکہ وہ خرقہ اس کو گناہ سے روکنے کا ذریعہ بن جائے، اس طرح کہ جب بندہ کسی گناہ کا ارادہ کرے گا اور پھر اہل اللہ کے لباس کو دیکھے گا تو اسے شرم آئے گی۔ اللہ کا خوف طاری ہو گا کہ نیکوں کے بھیس میں بدکرداری کیسے

---

(۱) سمندر ایک جانور ہے جس کے پوست کو آگ نہیں جلاتی (غیاث اللغات) بڑے چوہے کے مثل ایک جانور ہے جو آتش کدہ میں پیدا ہوتا ہے اور جب آگ سے باہر نکلتا ہے تو فوراً مر جاتا ہے۔ (لغات کشوری)

کریں ؟اس کو خرقۂ تبرک اور خرقۂ تشبہ کہتے ہیں ۔ مرید جب تک خرقۂ تشبہ اور خرقۂ تبرک پہنے ہوئے ہواس وقت تک رسمی مرید ہے، البتہ عنایت ازلی اور شیخ کی صحبت کی برکت سے ایک روز وہ طالب، خرقۂ ارادت اور خرقۂ تصوف کے لائق ہوکر، خرقۂ تصوف بھی پہن لے گا، اس وقت وہ حقیقی معنوں میں مرید بن جائے گا۔

حضرت موسیٰ کاوظیفہ

اس فقیر کے پیر دست گیر فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات کی: مولیٰ! ایسی طاعت کا حکم فرما جس میں تکلیف و مشقت ہو۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: لا الہ الا اللہ کا ورد کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چند ہزار بار اس کا ورد کیا اور پھر بارگاہ الٰہی میں مناجات کی: مولیٰ! میں وہ طاعت کرنا چاہتا تھا جو میرے اوپر شاق ہو۔ مجھے تو اس کلمے کے ورد میں راحت جان اور نشاط دل حاصل ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ کا فرمان پہنچا: اے موسیٰ! اس کلمے میں کتنی تکلیف و مشقت ہے، اس کا حال فرعون سے پوچھو۔ ہم نے تمھارے لیے اس کو آسان کر دیا ہے، تمھارے دل کو پاک وصاف کر دیا ہے، اسی وجہ سے تمھارے لیے اس کلمہ کا ورد آسان معلوم ہوتا ہے۔

کشوفاتِ سالک

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جس طرح سالک مومن کو کشف و قائع ہوتا ہے، اسی طرح بعض فلاسفہ، راہبوں اور برہمنوں کو بھی انتہائی درجے کی ریاضت اور تصفیۂ قلب کے سبب کشف و قائع ہوسکتا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض وہ باتیں جن کو عوام غیب سمجھتے ہیں ان کا بھی انھیں کشف ہوجائے، کچھ ایسی باتوں کے بارے میں خبر دیں جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئیں، یا لوگوں کے بعض داخلی معاملات سے باخبر ہوجائیں ۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ ان پر غلبۂ روحانیت کا ظہور ہو اور روحانیت کے انوار ان کی نظر میں مکشوف ہوں، لیکن اِن سب کے باوجود اُن کو کوئی تقرب اور بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت حاصل نہیں ہوگا اور نہ اس کے ذریعے ان کی نجات ہوگی، بلکہ یہ باتیں اِن کے لیے کفر و گم رہی میں غلو اور استدراج کا ذریعہ ثابت ہوں گی، البتہ موحد سالک کے لیے یہ و قائع، حق

کے ظہور کا ذریعہ ہوتے ہیں جیسا کہ جماعت صوفیہ پر روشن ہے، لیکن اس کو چاہیے کہ وقائع کی طرف توجہ نہ کرے اور خوف نہ کھائے بلکہ شیخ کی ولایت کی پناہ میں آئے اور اپنی ہمت بڑھاتا رہے۔

فائدہ: خواب اور واقعہ میں فرق

جماعت صوفیہ کے نزدیک خواب اور واقعہ میں دو فرق ہیں: ایک صورت کے لحاظ سے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے۔ صورت کے لحاظ سے واقعہ یہ ہے کہ خواب اور بیداری کے درمیان کی حالت میں کچھ دیکھے یا بیداری کی حالت میں دیکھے اور معنی کے لحاظ سے واقعہ یہ ہے کہ بندہ خیال کے حجاب سے باہر ہو چکا ہو اور غیبی محض ہو گیا ہو، اس طرح کہ روح مقام تجرید میں صفات بشری سے مجرد ہو کر اس کا ادراک کرے۔ واقعہ مطلق روحانی ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ روح کی نظر انوار الٰہی سے منور ہو جاتی ہے اور اس طرح وہ خالص واقعہ ربانی ہوتا ہے؛ کیوں کہ اَلْمُؤمِنُ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللہ [1] مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

خواب یہ ہے کہ حواس بالکلیہ بے کار ہو چکے ہوں اور اب خیال کام کر رہا ہو اور حواس کی مغلوبی کے عالم میں کوئی چیز نگاہ خیال میں آئے۔ یہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو اَضغاث اَحلام جو محض پراگندہ خیالات ہوتے ہیں اور وہ ایسے خواب ہوتے ہیں جس میں خیال کے واسطے سے نفس کسی چیز کا ادراک کرے اور پھر خیال نفس و شیطان کی جانب سے القا کیے گئے نفسانی اور شیطانی وسوسوں کی مناسب تصویر کشی کر کے اسے نفس کی نگاہ میں لائے۔ اس کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔

دوسرا رؤیا صالحۃ نیک خواب ہوتا ہے۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے [2]؛ کیوں کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کی مدت ۲۳؍ سال تھی۔ اس میں ابتدائی ۶؍ ماہ خواب کی صورت میں وحی آئی۔ صالح خواب اس حساب سے اجزائے نبوت کا چھیالیس واں حصہ ہوا۔ بہت سے انبیاے کرام کے ساتھ ایسا ہوا ہے کہ کبھی ان کو خواب کی

---

(۱) سنن الترمذي، ابواب تفسیر القرآن، باب: ومن سورۃ الحجر (۳۱۲۷) طبرانی/معجم الاوسط (۷۸۴۳)

(۲) بخاری، باب رؤیا الصالحین (۶۹۸۳) بہ الفاظ: الرُّؤْيَا الحَسَنَةُ، مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ، جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ۔

حالت میں وحی ہوتی تھی اور کبھی بیداری کی حالت میں۔

صالح خواب کی قسمیں

صالح خواب کی تین قسمیں ہیں:

(۱) جس میں تاویل و تعبیر کی ضرورت نہ ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب جو صریح تھا: اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی (الصّٰفٰت:۱۰۲) اے اسماعیل! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، بتاؤ تمھاری کیا رائے ہے؟

(۲) وہ خواب جس کے کچھ حصے میں تاویل و تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے اور کچھ میں ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ خود بخود واضح ہو جاتا ہے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب میں گیارہ ستارے اور آفتاب و ماہتاب کی تاویل کی ضرورت تھی لیکن سجدہ ظاہر تھا، اس میں تاویل کی ضرورت نہیں تھی۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے: وَ خَرُّوۡا لَہٗ سُجَّدًا (یوسف:۱۰۰) وہ لوگ یوسف کے لیے سجدے میں گر پڑے۔

(۳) وہ خواب جس میں پوری طرح تاویل و تعبیر کی ضرورت ہو، جیسے بادشاہ مصر کا خواب اِنِّیۡۤ اَرٰی سَبۡعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاۡکُلُہُنَّ سَبۡعٌ عِجَافٌ الخ (یوسف:۴۳) (میں نے خواب دیکھا کہ سات دبلی پتلی گائے ہیں جو سات موٹی گائے کو کھا رہی ہیں) اور وہ خواب جسے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھی قیدیوں نے دیکھا تھا۔ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام نے مکمل طور سے تاویل اور تعبیر سے کام لیا۔

ہر وہ خواب جس کی تعبیر درست ہو اور اس کا اثر ظاہر ہو وہ مطلقًا نیک اور صالح خواب نہیں ہے؛ کیوں کہ ایسا خواب مومن اور کافر دونوں کو آتا ہے جیسا کہ بادشاہ مصر نے خواب دیکھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھی قیدیوں نے خواب دیکھا۔ ایسا خواب دیکھنے والی آنکھ نفس کی آنکھ ہوتی ہے جس میں نور روح کی تائید شامل ہوتی ہے، تائید الٰہی اس میں شامل نہیں ہوتی۔ وہ صالح خواب جس میں نور الٰہی کی تائید شامل ہو مومن یا ولی و نبی کے سوا کوئی دوسرا نہیں دیکھتا اور اسی صورت میں وہ خواب نبوت کا ایک حصہ ہوگا، کافر کے خواب کو نبوت کا حصہ نہیں ملتا۔

انوار کے مختلف انواع

واضح رہے کہ بہت سی چیزوں سے انوار کا ظہور ہوتا ہے، جیسے ذکر لا الہ الا اللہ، مختلف قسم کے اذکار، قرآن، ایمان، احسان، اسلام، عبادات وطاعات، سالک کی روحانیت، شیخ کی ولایت، نبوت مصطفیٰ علیہ السلام کی ولایت، انبیا اور اولیا کے انوار، ان سب کے الگ الگ نور ہیں اور ہر ایک کا الگ ذوق اور الگ رنگ ہے۔ جب تمام انوار، حجابات سے باہر نکل جاتے ہیں تو خیال کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں رہ جاتا اور روحانیت خالص رہ جاتی ہے۔ اس وقت رنگوں کا ظہور ختم ہو جاتا ہے۔ روحانیت کا مشاہدہ کسی رنگ، صورت اور کیفیت کے بغیر ہوتا ہے۔ وہ ایک نور مطلق ہوتا ہے جو ان تمام چیزوں سے پاک ہوتا ہے۔ تمام شکلیں اور تمام رنگ جو نظر آتے ہیں، وہ دراصل بشری صفات کی آلائش ہوتے ہیں، جن کا ادراک، روح کی نظر، خیال کے پردے کے پیچھے سے کرتی ہے اور مختلف انوار میں سے ہر ایک کا شرح وبیان کرتی ہے کہ کس کا مشاہدہ کہاں سے ہو رہا ہے، اب اسے سنو!

یہ بات بھی واضح رہے جو چیز ''برق'' کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے وہ کبھی ذکر کا نور ہوتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ روحانی انوار کے غلبے کی وجہ سے بشری صفات کے حجابات پارہ پارہ ہو جاتے ہیں اور روحانیت کا عکس ابر کی صورت میں نظر آتا ہے۔ ''لوامع'' کا مشاہدہ نور ذکر سے تعلق رکھتا ہے اور کبھی یہ وضو کا نور بھی ہوتا ہے اور ''لوائح'' کا تعلق نماز، قرآن، اسلام اور ایمان کے نور سے ہوتا ہے۔

"برق" کی پہچان یہ ہے کہ وہ تیزی کے ساتھ منقطع ہوجاتا ہے۔ "لوامع" کی چمک بار بار ہوتی ہے اوراس میں تھوڑاٹھہراؤ ہوتا ہے، جب کہ "لوائح" سورج کے نور کی طرح ہوتا ہے کہ آئینے کے ساتھ ساتھ اس کا عکس ہر جگہ پڑتا ہے، تھوڑی دیر باقی رہتا ہے اور پھر حجاب میں چلا جاتا ہے۔ چنانچہ نماز کا نور قرآن واسلام کے ساتھ آئینۂ دل پر اپنا عکس ڈالتا ہے اور لوائح کا ظہور ہوتا ہے۔ نیت میں خلوص اور آئینۂ قلب کی صفائی کے لحاظ سے یہ نور اور اس کا ذوق گھٹتا اور بڑھتا رہتا ہے۔

البتہ جو کچھ طالب کو چراغ، شمع اور مشعل کی صورت میں نظر آتا ہے وہ شیخ کی ولایت یا بارگاہ نبوت کی ولایت کے نور سے حاصل ہونے والا نور ہوتا ہے، یا پھر علوم کے انوار، یا انوار قرآنی اور انوار ایمانی ہوتے ہیں اور وہ چراغ یا شمع، دل ہوتا ہے جو اس نور کے مطابق منور ہو چکا ہے اور اگر قندیل اور مشکاۃ (چراغ دان) کی صورت میں دیکھے تو وہ نور عرفان ہے۔

اسی طرح سالک کو جو کچھ علویات مثلاً ستارے، چاند اور سورج کی صورت میں نظر آتا ہے وہ روحانیت کا نور ہوتا ہے جو اس کے صیقل ہونے کے لحاظ سے آسمان دل پر ظاہر ہوتا ہے اور کبھی جب آئینۂ دل ستارے کی طرح چمک دار ہو جاتا ہے تو آسمان میں چھوٹا یا بڑا ستارہ نظر آتا ہے۔ دراصل نظر آنے والا آسمان حرمِ دل ہوتا ہے اور نظر آنے والا ستارہ آئینۂ دل کی صفائی کے لحاظ سے روح کا نور ہوتا ہے اور اگر سالک آسمان کے بغیر صرف ستارہ دیکھے تو وہ نور دل کا عکس ہے یا عقل وایمان کا نور ہے جو خواہشات سے قلب کی صفائی کے لحاظ سے ظاہر ہوتا ہے اور کبھی نفس اتنا صاف ہوجاتا ہے کہ آسمان بھی نظر آتا ہے اور جب آئینۂ دل مکمل صاف ہو جاتا ہے تو ماہ کامل نظر آتا ہے ورنہ نامکمل چاند نظر آتا ہے اور جب صفائی میں اور کمال پیدا ہوجاتا ہے تو نور روح کا پرتو خورشید کی طرح نظر آتا ہے۔ صفائی جتنی زیادہ ہوگی سورج اتنا ہی چمک دار نظر آئے گا۔ چاند اور سورج ایک ساتھ نظر آئیں تو وہ ماہتاب دل ہے جو روح کے نور کے عکس سے منور ہو چکا ہے اور اس میں جو سورج نظر آرہا ہے وہ روح ہے، البتہ ابھی بھی روح حجاب کے پیچھے سے طلوع کیے ہوئے ہے اور خیال نے اس کی مناسب تصویر کشی کر کے سورج کی شکل میں ظاہر کر دیا ہے، ورنہ روح کے انوار شکل وصورت اور رنگ کے بغیر ظاہر ہوتے ہیں۔

اسی طرح اگر ستارے، چاند، سورج، حوض، دریا یا اس طرح کی کوئی اور چیز میں نظر آئے تو وہ بھی روحانیت کا نور ہے جو مختلف جگہوں سے ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ نور ایمان وطاعت اور تسبیحات واذکار کے انوار سے مختلف ہوتا ہے اور دل میں اسی صورت پر اس کا مشاہدہ ہوتا ہے، اسی طرح کبھی ایسا ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ کے صفاتی انوار کے پر تو مَنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بِذِرَاعٍ[1] (جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں) کے طور پر اس کا استقبال کر رہے ہوتے ہیں اور حجاب روحانی کے پیچھے سے آئینۂ دل پر اپنا عکس ڈالتے ہیں اور دل کی صفائی کے لحاظ سے اس کا ظہور ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صفائی قلب کے لحاظ سے پہلے ستارہ نظر آیا، جب آئینۂ دل اور صاف ہو گیا تو چاند نظر آیا اور جب آئینۂ دل اور صیقل ہو گیا تو سورج نظر آیا۔

اے عزیز! رنگ ولون کے یہ تمام انوار جو مختلف مقامات پر مشاہدے میں آتے ہیں، ہر مقام کے اعتبار سے ان کا ایک رنگ ہوتا ہے۔ نفس کی ملامت کے مقام پر ایک نیلا نور نظر آتا ہے جو ظلمت نفس کے ساتھ نور روح یا نور ذکر کے امتزاج سے ہوتا ہے۔ ضیائے روح اور ظلمت نفس کے امتزاج کی وجہ سے ایک نیلا نور ظاہر ہوتا ہے اور جب نورِ روح میں اضافہ ہوتا ہے اور ظلمتِ نفس کم ہوتی ہے تو وہ نور بغیر دھوئیں والی آگ کی طرح سرخ نور کے طور پر ظاہر ہوتا ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب سالک نفسانی حظ والے لقمے سے دور ہو، ورنہ وہ نور دھوئیں والی آگ کی طرح نظر آئے گا اور ایسا اس لیے کہ وہ لقمہ جس سے نفس کو حظ حاصل ہوا تھا اس کی وجہ سے نفس کو ابھی قوت حاصل ہے۔

جب صفائی قلب اور بڑھ جائے گی تو سفید نور نظر آئے گا اور جب آئینۂ دل مکمل طور سے شفاف ہو جائے گا تو تیز کرن والے آفتاب کی طرح ایک نور ظاہر ہوگا۔ اور جب نورِ روح کا صفائی قلب کے ساتھ امتزاج ہوگا تو سبز نور نظر آئے گا۔ نیز جب نور حق تمھاری روح پر اپنا عکس ڈالے

---

(۱) بخاري/خلق افعال العباد (ص:۹۴)، بہ لفظ: مَن تقرّب إليّ شبرًا تقرّبتُ منه ذراعًا.

گا تو ذوق شہود کے ساتھ مشاہدے کا امتزاج ہو گا۔ جب نور حق، روحانی اور قلبی حجابات کے بغیر شہود میں آتا ہے تو ایک بے رنگ، بے جہت، بے کیفیت، بے حد و بے مثال اور بے انتہا نور ظاہر ہوتا ہے اور ثبات و تمکین اس کا لازمہ ہوتا ہے، یہاں نہ طلوع ہوتا ہے نہ غروب، نہ زمان و مکان، نہ قرب و بعد، نہ دن نہ رات؛ کیوں کہ لَیْسَ عِنْدَاللهِ صَبَاحٌ وَلَا مَسَاءٌ (اللہ کی بارگاہ میں نہ صبح ہے اور نہ شام) یہاں نہ عرش ہوتا ہے نہ فرش، نہ دنیا نہ آخرت۔ هَنِیْئاً لِأَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُهُم ارباب نعمت کو یہ نعمت مبارک ہو!

انوار والوان کی حکمت

اس فقیر کے پیر دست گیر قدس اللہ سرہ فرماتے تھے: جانتے ہو کہ اللہ نے اس راہ میں نورانی حجابات کیوں رکھے ہیں؟ اس لیے تاکہ عاشق کی نگاہیں روز بروز پختہ ہوتی جائیں اور خیرہ نہ ہوں، یہاں تک کہ وہ لقائے الٰہی یعنی تجلی ذات کی تاب لا سکے۔

بڑے خوش بخت ہیں وہ لوگ جنہوں نے موت آنے سے قبل ہی اپنے آپ کو فنا کے گھاٹ اتار دیا، غیر سے دل لگانا چھوڑ دیا، جان و دل یار پر قربان کر دیا اور مکاشفے و مشاہدے کی طرف دوڑ پڑے۔ اس فقیر کے پیر دست گیر بارہا یہ شعر پڑھا کرتے تھے

تو راہ نرفتہ ازاں نہ نمودند ورنہ کہ زد ایں در کہ برو نہ کشودند

(تم اس راہ پر چلے ہی نہیں، اسی لیے اس نے اپنا جلوہ نہیں دکھایا، ورنہ کون ہے جس نے اس در پر دستک دی ہو اور اس کے لیے باب اجابت نہ کھلا ہو۔)

اے عزیز! دیکھو! حظ نفس والے لقمے کا یہ نقصان ہے کہ جو شخص حظ نفس والے لقمے میں گرفتار ہے وہ اس راہ میں بے کردار ہے۔

اس فقیر کے پیر دست گیر فرماتے تھے: وہ صوفی جو شوق و لذت کے ساتھ روٹی کھاتا ہے اور پانی پیتا ہے اس کے کسی عمل کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ اس راہ میں حظِ نفس والے لقمے اور شکم سیر ہو کر کھانے سے ہی خرابی ہاتھ آتی ہے۔ جس نے خود کو حظِ نفس والے لقمے سے الگ کر لیا اس کو

بالیقین محبت الٰہی حاصل ہوگئی۔

رئیس درویشاں محتسب عارفاں شیخ قوام الدین لکھنوی فرماتے ہیں کہ سالک کو خلوت میں پہلے اس کا دل تاریک نظر آتا ہے، جب اس میں ذکر کا اثر ظاہر ہوتا ہے تو غیر اللہ کے وہ نقوش جو سلوک سے پہلے اس کے دل پر منقوش تھے وہ ذکر کے تصرف سے مٹ جاتے ہیں اوران کی جگہ اس کے لوح دل پر اللہ کا نقش اس طرح ثبت ہوجاتا ہے کہ ظاہری اور باطنی آنکھوں سے وہ اس کا مشاہدہ کرسکتا ہے۔ پھر وہ اس کے بعد اتنا ذکر کرتا ہے کہ کلمۂ جلالت کی جو تحریر اس کے قلب پر لکھی ہوتی ہے اس میں سیاہی کا اثر بھی نہیں رہ جاتا اور وہ اسے نور محض سے لکھا ہوا پاتا ہے۔اس کے بعد پھر وہ اتنا ذکر کرتا ہے کہ لوح دل یک بارگی نورانی آئینے میں تبدیل ہوجاتا ہے اوراس پر کوئی نقش نہیں رہ جاتا۔اب وہ اس لائق ہوجاتا ہے کہ لطیفۂ انانیت کی تجلی اس کے دل پر پڑسکے۔اس کے بعد لطیفۂ انانیت جلال و جمال کا آئینہ بن جاتا ہے۔اس وقت یہ نظم اس کے حق میں درست ثابت ہوتی ہے ۔

اے نسخۂ نامۂ الٰہی کہ توئی — وے آئینۂ جمال شاہی کہ توئی
بیروں ز تو نیست ہرچہ درعالم ہست — درخود بطلب ہرآنچہ خواہی کہ توئی

(۱) نامۂ الٰہی کا نسخہ تم ہو،جمال شاہی کا آئینہ تم ہو۔

(۲) جو کچھ دنیا میں ہے وہ تم سے الگ نہیں ہے، جو کچھ تم چاہتے ہو اُسے اپنے اندر تلاش کرو؛کیوں کہ دنیا فقط تم ہو۔

فائدہ:اہل مشاہدہ اور اہل مجاہدہ

اے عزیز!اہل مشاہدہ دوسرے لوگ ہیں اوراہل مجاہدہ دوسرے لوگ،لطف وکرم کی تجلی کے ذریعے اہل مشاہدہ کی پرورش ہوتی ہے تو قہر و جلال کی تجلی سے اہل مجاہدہ کے جگر کو پگھلایا جاتا ہے،وہاں نوازش ہوتی ہے اور یہاں آزمائش،نوازش کے ساتھ آزمائش کی آمیزش نہیں ہوتی اور نہ ہی آزمائش کے ساتھ نوازش کا امتزاج ہوتا ہے۔دونوں کا مشرب مختلف ہے۔ایک عزیز کہتے ہیں۔

ای دولت آنانکہ شب و روز حضور اند و از پرتو حسن تو ہمہ غرقۂ نور اند
اصحاب تقرب الم ہجر چہ دانند دانند کسانے کہ ز درگاہ تو دور اند

(۱)وہ لوگ کتنے خوش نصیب ہیں، جو شب و روز تیری حضوری میں ہیں اور تیرے عکس جمال میں غریق نور ہیں۔

(۲)اصحاب تقرب کو دردِ ہجر کی کیا خبر؟ اسے تو وہ لوگ جانتے ہیں جو تیری درگاہ سے دور ہیں۔

خواجہ ابوسعید کے دو واقعات

(۱) پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ فرماتے تھے: ابومسلم فارس کا بیان ہے کہ ایک روز میں خواجہ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ کی زیارت کے لیے گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک تخت پر ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر چڑھائے ہوئے لیٹے تھے۔ اس وقت وہ مصری اونی لباس دُق[1] پہنے ہوئے تھے، جب کہ میں اور میری خادمہ ضعف کی وجہ سے چمڑے کی طرح ہو چکے تھے۔ ہمارا بدن مشقت اور مجاہدے کی وجہ سے دبلا ہو چکا تھا۔ ان سے مل کر میرے دل میں ان سے انکار پیدا ہوا۔ خیال آیا یہ کیسی درویشی ہے؟ میں اس قدر مجاہدے میں ہوں اور شیخ اتنے آرام و راحت میں ہیں۔ شیخ فوراً ہی میرے احوال باطن پر مطلع ہو گئے اور میرے سر میں مجاہدے کا جو غرور سمایا تھا اسے سمجھ گئے۔ فرمایا: اے ابومسلم! تم نے کس کتاب میں پڑھا ہے کہ خود بین درویش ہوتا ہے؟ پھر کہنے لگے: جب ہم نے صرف حق تعالیٰ کو دیکھا تو اس نے ہم کو تخت عزت پر بیٹھا دیا اور جب تم نے صرف اپنے آپ کو دیکھا تو تم کو تخت کے سامنے کھڑے رہنے کے علاوہ کچھ نہیں ملا۔ اس بارگاہ سے ہم کو مشاہدے کی دولت حاصل ہوئی اور تم کو مجاہدے کا درد والم۔ شیخ ابومسلم کا بیان ہے کہ اتنا سب سن کر دنیا میرے لیے تاریک ہو گئی اور میں بے ہوش ہو گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے معافی مانگی اور شیخ نے میری معذرت قبول فرمالی۔

(۲) اس فقیر کے پیر دست گیر فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ خواجہ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ

---

(۱) ایک قسم کا لباس، گدائی (لغات کشوری، ص: ۲۹۴)

علیہ نے مکہ شریف کا قصد کیا اور چند سو مریدوں کے ساتھ شاہانہ انداز میں روانہ ہوئے۔ طنابیں ریشمی تھیں ۔ میخیں ایک سونے کی اور دوسری چاندی کی تھیں ،جس جگہ قیام فرماتے سارا سازو سامان اسی جگہ چھوڑ دیتے اور پھر دوسری منزل پر بھی اسی طرح قیام کرتے، یہاں تک کہ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں ایک مقرب اورواصل الی اللہ بزرگ تشریف رکھتے تھے۔ وہ فقیرانہ کٹیا میں ہمیشہ گدڑی پوش رہتے تھے۔ ان کے مریدوں میں سے ایک کی نظر شیخ ابوسعید ابوالخیر پر پڑی۔ بر بنائے بشریت اس کے دل میں خیال گزرا کہ میرے پیر صاحب ولایت ہیں اور یہ بزرگ بھی صاحب مقام، لیکن میرے پیر تو دولت فقر سے اس قدر آراستہ ہیں اور یہ جناب اس قدر مال ودولت اور کشادگی میں ڈوبے ہوئے ہیں ۔ خواجہ ابوسعید اپنے نور باطن سے اس کے خطرے پر مطلع ہوگئے۔ اس کو بلا کر کہا: اے عزیز! تمھارے پیر مقام گدازش (جگر کاوی) میں ہیں اور ہم مقام نوازش پر فائز ہیں۔ وہ مرید یہ سن کر اس خطرہ وخیال پر نادم ہوا اور لوٹ کر اپنے پیر کی بارگاہ میں پہنچا۔ تھوڑی دیر بعد خواجہ ابوسعید نے ان بزرگ کی ملاقات کا قصد کیا۔ جب ان کے حجرے کے قریب پہنچے ،اس مرید نے مسرت وشادمانی کے ساتھ اپنے پیر کو خبر دی کہ خواجہ ابوسعید حضور والا کی بارگاہ میں تشریف لا رہے ہیں۔ ان بزرگ نے کوئی جواب نہیں دیا اور خواجہ کی آمد کی خبر پر کوئی توجہ نہیں دی۔ اس مرید کے دل میں یہ خیال گزرا کہ یہ کیسے بزرگ ہیں کہ اتنے عظیم الشان بزرگ تشریف لا رہے ہیں لیکن یہ ان کی جانب التفات نہیں کر رہے ہیں؟ اتنے میں خواجہ ابوسعید اس بزرگ کے پاس پہنچ گئے، لیکن انھوں نے خواجہ ابوسعید سے بیٹھنے کے لیے بھی نہیں کہا۔ خواجہ کھڑے رہے کہ اچانک کعبۃ اللہ پہنچا اور ان بزرگوار کا طواف کرنے لگا۔ جب کعبۃ اللہ نے سات مرتبہ طواف کرلیا تب انھوں نے فرمایا: ہاں! اب واپس جاؤ۔ خواجہ ابوسعید یہ سب دیکھتے رہے۔ اس کے بعد وہ بزرگ خواجہ ابوسعید کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: آپ نے میرے مرید سے کہا تھا کہ ہم مقام نوازش پر فائز ہیں اور تمھارے پیر مقام گدازش میں ہیں۔ ہاں ہاں! ایسا ہی ہے۔ آپ مقام نوازش پر فائز ہیں اور میں مقام گدازش پر۔ آپ کعبہ کی جانب سرگرداں چلے جا رہے ہیں اور کعبہ بندگان الٰہی کے پاس سرگرداں چلا آ رہا ہے اور مکمل اعزاز

واحترام کے ساتھ طواف کر رہا ہے۔ خواجہ ابو سعید اس روز بہت سی چیزوں سے تائب ہوئے؛ کیوں کہ حَسَنَاتُ الأَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ (ابرار کے حسنات مقربین کے لیے سیئات ہوا کرتے ہیں۔) وہ مرید بھی اس روز اپنے پیر کی عظمت وبزرگی سے اچھی طرح واقف ہوگیا اور پھر سے توبہ واستغفار کیا۔

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا دوست اور عاشق بناتا ہے تو وہ خود اس بندے سے عشق فرماتا ہے اور اس سے فرماتا ہے: تم میرے عاشق و محب ہو اور میں تمھارا عاشق و محب ہوں، تم چاہو یا نہ چاہو۔

شیخ محمد سے شیخ محمد معشوق

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ نے فرمایا: ایک درویش جن کا نام شیخ محمد تھا جب وہ اس مقام پر پہنچے، ان کے پاس فرمان الٰہی پہنچا کہ میں تم کو ایک خطاب دینا چاہتا ہوں۔ شیخ محمد نے عرض کی: مولیٰ! جو خطاب بھی تجھے پسند ہو، اسے عطا فرمادے۔ ان کے پاس فرمان پہنچا: میں چاہتا ہوں کہ لوگ تم کو شیخ محمد ولی کہہ کر پکاریں۔ انھوں نے عرض کی: مولی! میں اس پر اکتفا نہیں کروں گا؛ کیوں کہ اس خطاب میں دوسرے لوگ بھی شریک ہیں۔ پھر فرمان پہنچا: میں چاہتا ہوں کہ لوگ تم کو شیخ محمد عاشق کہیں۔ انھوں نے کہا: میں اس پر بھی اکتفا نہیں کروں گا؛ کیوں کہ یہ خطاب تو بہت سے لوگوں کو حاصل ہے۔ پھر فرمان آیا: میں چاہتا ہوں کہ لوگ تم کو شیخ محمد معشوق کہیں۔ انھوں نے جواب دیا: میں نے قبول کیا اور راضی ہوا؛ یہ خطاب زیادہ لوگوں کو نہیں ملا ہے، بہت کم لوگ اس میں شریک ہیں۔

خواجہ عین القضاۃ ہمدانی فرماتے ہیں: اے عزیز! تم کو معلوم ہے کہ ہمارا محبوب کون ہے اور ہم کس کے معشوق ہیں؟ عشق کی انتہا یہ ہے کہ فریقین کے درمیان فرق نہ کیا جاسکے۔ عاشق جب اپنے عشق کی انتہا کو پہنچتا ہے تو عشق اور شاہد و مشہود ایک ہوجاتے ہیں۔ شاہد تمھارا مشہود ہو

جاتا ہے۔ اس حقیقت کو حلول سمجھنا غلط ہے۔ یہ حلول نہیں ہے یہ تو کمال اتحاد[1] ہے۔ محققین کے نزدیک اس کے علاوہ کوئی اور مذہب نہیں ہے۔

افسوس! تم کو کیا پتا کہ ''لا'' کا دائرہ کتنی عظمت والا ہے! اس نے ایک عالم کو ''لا'' کے دائرے میں رکھ دیا ہے، سو ہزار جانوں کو بے جان کر دیا ہے اور سو ہزار جانیں بے جان ہو گئی ہیں۔ اس راہ میں جان وہی ہے جو ''الا اللہ'' تک پہنچ جائے۔

جب حق تعالیٰ کے جذبوں کی چنگاریوں میں سے کوئی چنگاری مل جاتی ہے تب انسان خود سے نجات و خلاص پا لیتا ہے اور وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الصافات:۱۷۳) بے شک ہمارا لشکر ہی ان پر غالب آنے والا ہے) اس انسان کا ناصر و مددگار ہوتا ہے، اور نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ (الصف:۱۳) کی سند اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔

افگندہ دلم رخت بہ منزل گاہی کانجا نہ بود بصد دلیل آں راہی
چون من دو ہزار عاشق اندر ماہی می کشتہ شود کہ برنیاید آہی

(۱) میرا دل ایسی جگہ مقیم ہو گیا ہے جہاں سیکڑوں رہنما کے باوجود نہیں پہنچا جا سکتا۔
(۲) میری طرح دو ہزار عاشق ایک ساتھ قتل کیے جاتے ہیں اور کوئی آہ بھی نہیں نکلتی۔

مرصاد العباد میں لکھا ہے: جب سالکِ صادق جذبۂ ارادت کے ساتھ ریاضت کے

---

(۱) اتحاد کے معنی بھی یہاں وہ نہیں جو اول نظر میں ایک عام آدمی سمجھتا ہے۔ حق تعالیٰ سے اتحاد کا مفہوم کیا ہے؟ اس بات کو خود علامہ قطب الدین دمشقی نے شروع میں سلوک و وصال کے معنی کے ذیل میں بڑی وضاحت سے بیان فرما دیا ہے۔ اس کی وضاحت حضرت داعی اسلام نے اپنی مثنوی میں بھی بہت ہی بلیغ انداز سے فرما دی ہے۔ ذات باری سے قرب محمدی کو محسوس مثالوں کے ذریعے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جیسے قطرہ میں ہے دریا کی نمود جیسے ذرہ میں ہے صحرا کا وجود
روشنائی جس طرح سے حرف میں آب شیریں جس طرح سے برف میں
یوں محمد میں خدا ہے جلوہ گر جیسے آئینہ میں آئینہ نگر
بے حلول و اتحاد و اتصال آئینہ میں آئینہ بیں کا جمال

اس مقام پر اکثر ظاہر پرست شبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے صوفیہ کے الفاظ کو دیکھنے کے ساتھ لفظوں کو برتنے کا جو صوفیانہ انداز ہے، اسے بھی دیکھنے کی ضرورت ہے۔

ذریعے اپنے باطن کو صاف ستھرا کرلیتا ہے تو اُس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور جس قدر حجاب اٹھتا ہے اور عقل کی صفائی ہوتی ہے اسی قدر معانی کے فہم میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسے کشف نظری کہتے ہیں، سالک کو اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے بلکہ دل کے کام میں لگا رہنا چاہیے؛ تاکہ نور دل تک رسائی حاصل ہوجائے اور مکاشفات قلبی ظاہر ہونے لگیں۔ اُس کو کشف شہودی کہتے ہیں۔

اس راہ میں مختلف انوار کا کشف ہوتا ہے، سالک کو چاہیے کہ اس مقام سے آگے بڑھے تاکہ روحانی مکاشفات ظاہر ہونے لگیں، جنت وجہنم اور فرشتوں کا مکاشفہ ہو، جب روح صفائی میں کمال کو پہنچ جائے گی تو لامتناہی جہانوں کا کشف ہوگا اور روح کی آنکھوں کو ازل وابد کے دائرے کا مشاہدہ نصیب ہوگا۔ اس مقام پر زمان ومکان کا حجاب اٹھ جاتا ہے اور جہت وسمت کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ سالک اس مقام پر آگے پیچھے یکساں دیکھتا ہے۔ اسی مقام پر لوگوں کے قلبی خطرات پر مطلع ہونا، غیب سے آگاہ ہونا، پانی، آگ، ہوا پر چلنا اور اس جیسی کرامتیں حاصل ہوتی ہیں، لیکن ان کرامتوں کا زیادہ اعتبار نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ باتیں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کو بھی حاصل ہوسکتی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ دجال آدمی کو قتل کرے گا اور زندہ کرے گا[(۱)]، البتہ جس کو کرامت حقیقی کہا جاسکتا ہے وہ دین اسلام کے پیروکاروں کے علاوہ دوسروں کو حاصل نہیں ہوگی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کشف روحانی کے بعد کشف خفی کا ظہور ہوتا ہے۔ روح تو کافر ومسلم سب کے پاس ہے، البتہ روح خفی خاصان بارگاہ الٰہی کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔ اسی کے واسطے سے صفات الٰہی کے عالم تک رسائی ہوتی ہے، اس کو مکاشفۂ صفاتی کہتے ہیں، البتہ کشف ذاتی کا مرتبہ بہت بلند ہے، عبارات واشارات میں اس کے بیان کی طاقت نہیں۔[(۲)]

اے جملہ جہاں حسنت آخر چہ جمال است ‏ ‏ ‏ پیدائی و پنہائی آخر چہ کمال است ایں
در ہرچہ نگہ کردم غیر از تو نمی بینم ‏ ‏ ‏ غیر از تو کسے باشد حقا چہ محال است ایں

(۱) صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب: لایدخل الدجال المدینۃ (۷۱۳۲)
(۲) مرصاد العباد، باب سوم، فصل ہجدہم: مکاشفات وانواعِ آن

(۱) اے محبوب لازوال! پوری کائنات تیرے ہی حسن کا مظہر ہے، بھلا یہ کیسا جمال ہے؟ کیا کمال ہے کہ تو ظاہر بھی ہے اور باطن بھی!

(۲) جس چیز میں بھی نظر کرتا ہوں تیرے سوا کوئی نظر نہیں آتا، تیرے سوا کون ہو بھی سکتا ہے؛ کیوں کہ یہ تو یقیناً محال ہے۔

پیر دست گیر قطب عالم ارشاد فرماتے ہیں: سالک جب اس مقام پر فائز ہوتا ہے تو خود سے بے خود ہو جاتا ہے۔ بعض ایسے ہوتے ہیں جو ضبط سے کام لیتے ہیں اور بعض ضبط نہیں کر پاتے اور جس طرف دیکھتے ہیں دوست کے تصور میں سجدہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ لوگ انھیں دیوانہ سمجھتے ہیں۔ تعجب بالائے تعجب کہ ظاہر بیں مخلوق ان ہوشیاروں کو پاگل و دیوانہ پکارتی ہے اور ان عاقلوں کو مجنون کہتی ہے لیکن یہ لوگ ان سب سے بے پروا ہوتے ہیں اور ذرہ برابر رنجیدہ خاطر نہیں ہوتے، اس لیے کہ یہ بے اختیار بلکہ بالقصد خود کو دیوانگی کے کوچے میں ڈال دیتے ہیں اور اپنے آپ کو مجانین میں شمار کرتے ہیں۔

خرد کہ رونق دیوانگان عشق بدید   بصد بہانہ درآورد خویش را بجنوں

(عقل نے جب دیوانگان عشق کی بہار کو دیکھا تو سو بہانے سے خود کو صحرائے جنوں میں ڈال دیا۔)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: لَا يَكْمُلُ إِيْمَانُ المَرْءِ حَتّٰى يَقُوْلَ النَّاسُ: إِنَّه مَجْنُوْنٌ کسی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک لوگ اسے دیوانہ نہ کہیں۔[۱] ہاں ہاں!! اے عزیز! جو سالک اس مقام تک پہنچ گیا اس کو حقیقت توحید تک رسائی حاصل ہو گئی۔

دنیا: احادیث و اقوال کی روشنی میں

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے: الدُّنْيَا وَاحَةٌ وَلَيْسَ فِيْهَا رَاحَةٌ دنیا ایک گھروندا ہے

---

(۱) اس معنی کی صحیح روایت کے الفاظ یہ ہیں: أَكْثِرُوا ذِكْرَ اللهِ حَتّٰى يَقُولُوا: مَجْنُونٌ. مسند احمد (۲۱۲) صحیح ابن حبان (۸۱۷)، حاکم/ المستدرک (۱۸۳۹) بیہقی/ شعب الایمان (۵۲۶) الدعوات الکبیر (۲۱) ابن السنی/ عمل الیوم واللیلۃ (۴)

جس میں سکون نہیں ہے۔ واحۃ لغت میں اس گھر کو کہتے ہیں جسے بچے مٹی یا ریت سے بناتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

الدُّنْیَا خَمْرُ الشَّیْطَانِ فَمَنْ سَکِرَ مِنْھَا لَایَصْحُوْ إِلَّا بِذَھَابِہٖ (۱)

(دنیا شیطانی شراب ہے، جس پر ایک بار اس کا نشہ چھا گیا، پھر موت سے پہلے اسے ہوش نہیں آیا۔)

نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

الدُّنْیَا جِیْفَۃٌ وَطَالِبُھَا کِلَابٌ وَشَرُّ الْکِلَابِ مَنْ وَقَفَ عَلَیْھَا (۲)

(دنیا مردار ہے اور طالبان دنیا کتے ہیں اور ان میں بدترین کتا وہ ہے جو اپنے آپ کو اسی کے لیے وقف کر دے۔)

حدیث میں یہ بھی آیا ہے: إِذَا أَبْغَضَ اللّٰہُ عَبْدًا أَصَبَّ عَلٰی رَأْسِہِ الدُّنْیَا (۳)

(جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ناپسند فرماتا ہے تو اس کے سر پر دنیا کو انڈیل دیتا ہے۔)

اسی لیے مشائخ نے فرمایا ہے کہ جو شخص دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے حق تعالیٰ اس کو حرص

---

(۱) اس لفظ سے کوئی مرفوع روایت نہیں ملی لیکن اس لفظ سے قریب حضرت یحیی بن معاذ رازی کا ایک قول ہے: الدُّنْیَا خَمْرُ الشَّیْطَانِ فَمَنْ شَرِبَ مِنْھَا لَمْ یُفِقْ مِنْ سَکْرَتِھَا إِلَّا فِي عَسْکَرِ الْمَوْتٰی خَاسِرًا نَادِمًا۔ (ابن رجب حنبلی/جامع العلوم والحکم، تحت حدیث: ۴۰، ۳۸۱/۲)

(۲) اس لفظ سے کوئی مرفوع روایت نہیں ملی لیکن اس لفظ سے قریب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا ایک قول ہے: الدُّنْیَا جِیفَۃٌ وَطُلَّابُھَا کِلَابٌ، فَمَنْ أَرَادَ الْجِیفَۃَ فَلْیَصْبِرَنَّ عَلَی مُخَالَطَۃِ الْکِلَابِ (ابونعیم/حلیۃ الاولیا، ۲۳۸/۸۔ یحیی شجری/ترتیب الامالی الخمیسیۃ، ۲۳۸۷) دنیا کی تمثیل احادیث رسول ﷺ میں مردہ جانور سے وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مردہ بکری کی طرف اشارہ کیا، حضور نے صحابہ سے پوچھا کہ کیا تم لوگ اس کو لینا چاہو گے تو صحابہ نے عرض کیا کہ اگر یہ جانور زندہ ہوتا تب بھی ہم اس کو لینا پسند نہیں کرتے تو مردہ ہونے کی صورت میں کیسے؟ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فَوَاللّٰہِ لَلدُّنْیَا أَھْوَنُ عَلَی اللّٰہِ، مِن ھذا علَیْکُم۔ یہ دنیا اللہ کی بارگاہ میں اس سے بھی زیادہ حقیر ہے۔

(۳) اس لفظ سے کوئی مرفوع حدیث نہیں ملی لیکن اس معنی میں حضرت فضیل بن عیاض کا ایک قول ہے: إِذَا أَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا أَکْثَرَ غَمَّہُ وَإِذَا أَبْغَضَ اللّٰہُ عَبْدًا أَوْسَعَ عَلَیْہِ دُنْیَاہُ. (ابونعیم/حلیۃ الاولیا، ۸۸/۸)

کی آگ میں خاکستر اور فتنے کی ہوا میں پراگندہ کردیتا ہے اور جو شخص عقبیٰ کی طرف مائل ہوتا ہے حق تعالیٰ اس کو جنت کی حرص کی آگ میں جلاتا ہے، یہاں تک کہ وہ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے سے باز آجاتا ہے اور جو شخص حق تعالیٰ کی جانب مائل ہوتا ہے، حق تعالیٰ اس کو آتش شوق میں جلاتا ہے تاکہ قیمتی گوہر بن جائے۔ اس فقیر کے پیر دست گیر اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

تو بقیمت ورای دو جہانی   چہ کنم قدر خود نمی دانی

(تیری قیمت دو عالم سے بڑھ کر ہے، میں کیا کروں، تو خود اپنی قدر نہیں جانتا۔)

سالک کامل: باہمہ و بے ہمہ

وہ سالک کامل بظاہر اپنے جسم سے مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے، جب کہ دلی اعتبار سے غائب ہوتا ہے۔ کہا گیا ہے: اجْعَلْ ظَاهِرَكَ لِلْخَلْقِ وَبَاطِنَكَ لِلْحَقِّ، وَكُنْ كَائِنًا وَبَائِنًا. اپنا ظاہر مخلوق کے لیے کردو اور اپنا باطن حق تعالیٰ کے لیے اور اس طرح رہو کہ مخلوق میں رہتے ہوئے بھی ان سے جدا رہو۔ سب کے ساتھ گھل مل کر رہو لیکن دل کسی سے نہ لگاؤ۔ وہ سالک اس بات پر تعجب کرتا ہے کہ لوگ قلب و روح کے ساتھ دنیا میں حاضر ہیں اور لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ سالک دنیا اور دنیاوی امور سے غائب ہے ؎

تو و طوبیٰ و ما و قامت یار   فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

(تم کو شاخ طوبیٰ پسند ہے اور ہم کو یار کا قد رعنا، ہر شخص کی فکر اس کی ہمت کے لحاظ سے ہوتی ہے۔)

اے عزیز! غور کرو کہ شیخ کے کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مقام کینونت و بینونت [1] اسی کے لیے زیبا ہے جس کی رسائی عالم حقیقی تک ہو چکی ہو اور جہاں تک اس شخص کی بات ہے جو ابھی عالم مجاز میں ہی پھنسا ہوا ہے اور کبھی کبھی ذکر و فکر کرلیتا ہے اور اس بنا پر خود کو مقام کینونت و بینونت پر فائز سمجھتا ہے تو اُس کی سوچ خطا پر مبنی ہے ؎

---

(۱) دنیا میں رہ کر بھی دنیا سے الگ رہنا۔

خواجہ پندارد کہ دارم حاصلی حاصل خواجہ بجز پندار نیست

زعم ہے حضرت کو حاصل ہوچکا حاصل حضرت فقط ایک زعم ہے

اے عزیز! عالم حقیقی تک جس کی رسائی نہیں ہوئی ہے، مقام بینونت (دنیا سے لاتعلقی) ہی اس کے شایان شان ہے جب تک کہ وہ مقام کینونت و بینونت (دنیا میں رہ کر دنیا سے بے تعلقی) کے لائق نہ ہوجائے۔

فائدہ:

ذکر کے درجات

اس فقیر کے پیر دست گیر قدس اللہ روحہ کا فرمان ہے: ذاکر کے چند درجے ہیں: پہلا یہ کہ ذاکر ذکر پر غالب ہوجائے، دوسرا یہ کہ ذکر ذاکر پر غالب ہوجائے، تیسرا یہ کہ ذاکر مشاہدۂ مذکور میں مستغرق ہوجائے اور چوتھا یہ کہ ذاکر مذکور کے وجود میں کھوجائے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ذاکر اپنی زبان سے اس قدر بہ تکلف ذکر کرے کہ اس کی زبان پر ذکر غالب ہوجائے، ذکر کا تکلف جاتا رہے، بے اختیار اس کی زبان پر ذکر جاری ہوجائے اور ذاکر کو ذکر میں انس وقرار حاصل ہونے لگے۔ یہ ذاکر پر ذکر کا غلبہ ہے۔اس کے بعد مذکور کے مشاہدے میں ذاکر کے مستغرق ہوجانے کا مرحلہ آتا ہے، یعنی کثرت ذکر کی وجہ سے ذاکر ذکر میں اس قدر مستغرق ہوجاتا ہے کہ لاالہ کی قینچی سے اپنی نگاہ میں نظر آنے والے تمام موجودات کو کاٹ دیتا ہے، ان کو معدوم کردیتا ہے اور مذکور کے سوا اس کو کسی اور چیز کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔اس کے لیے: مَارَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا وَرَأَيْتُ اللهَ فِيْهِ (میں نے جس چیز کو بھی دیکھا اس میں اللہ کا جلوہ نظر آیا) کا مقام ثابت ہوجاتا ہے۔ جب ذاکر اس طرح مستغرق ہوجاتا ہے اور ذاکر مذکور کے وجود میں اپنے آپ کو فنا کردیتا ہے، اس مقام پر ذاکر مذکور میں فنا کا مقام حاصل کرکے بساط قرب میں جلوہ بار ہوجاتا ہے جہاں غیر کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ذاکر مذکور کے اوصاف سے متجلی ہوجاتا ہے۔اس سے اس کا وجود چھن جاتا ہے اور ذکر وذاکر دونوں محو ہوجاتے ہیں۔

راہِ سلوک

استاذ طریقت حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے متعیّن کردہ منہج کے مطابق ابتداے سلوک کی درستگی، حصول مقصود کے لیے سب سے قریبی راستہ ہے اور اس کی آٹھ شرطیں ہیں:

(۱): سالک طہارت کا پابند رہے۔

(۲): ہمیشہ روزہ رکھے، یعنی عرصۂ دراز تک روزہ رکھے اور مقصود یہ ہے کہ کھانا کم کھائے، چنانچہ اگر کوئی روزہ رکھتا ہے اور دن رات کا کھانا ایک ساتھ کھالیتا ہے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، بلکہ نقصان ہو گا۔

(۳): ہمیشہ خاموش رہے یعنی اکثر اوقات خاموش رہے اور سوائے مفید گفتگو کے کوئی بات نہ کرے۔

(۴): ہمیشہ خلوت اختیار کرے۔

(۵): ذکر کی پابندی کرے اور وہ ذکر یہ ہے کہ ''لا الہ الا اللہ'' کہے۔ اکثر مشائخ نے لا الہ الا اللہ کے ذکر کو پسند کیا ہے اور اس کو ترجیح دی ہے، البتہ اگر کوئی تلاوت قرآن یا نماز میں مشغول ہو کر وسوسوں اور حدیث نفس کو دور کرنے پر قادر ہو تب بھی کافی ہے۔

(۶): تمام واردات کی نفی کرے۔

(۷): اپنے شیخ کے ساتھ اپنے دل کا رشتہ جوڑے رکھے اور اپنے شیخ سے علم واقعات سیکھے، یہاں تک کہ اس کا تصرف شیخ کے تصرف میں فنا ہو جائے اور شیخ کے ہاتھ میں ایسے ہی ہو جائے جیسے مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

(۸): رب تعالیٰ کی جانب سے جو چیز بھی اسے پہنچے، خواہ وہ نقصان دہ ہو یا نفع بخش، اس پر بالکلیہ اعتراض نہ کرے۔ یعنی رب تعالیٰ کی جانب سے جو چیزیں بھی اس کو پہنچ رہی ہیں، خواہ نقصان دہ ہوں یا نفع بخش، ان پر راضی رہے اور رب تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے اور رب تعالیٰ سے کبھی بھی جنت کی طلب یا جہنم سے پناہ کا سوال نہ کرے۔ یعنی حق تعالیٰ سے نہ جنت مانگے اور نہ جہنم سے پناہ چاہے۔ ہر ایک کی تفصیل عنقریب معلوم ہو جائے گی۔

لا مطلوب الا ھو

پیر دست گیر قطب عالم قدس اللہ روحہ فرماتے تھے: سالک کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کی ذات کے علاوہ کچھ نہ چاہے اور اس کے علاوہ کسی اور چیز کی طلب کو اہم نہ سمجھے۔

آپ یہ بھی فرماتے کہ حضرت رابعہ بصریہ نے مناجات کی: بارالہا! اگر رابعہ نے دوزخ کے خوف سے تیری عبادت کی ہے تو اس کو دوزخ کی آگ میں جلادے، اگر جنت کی امید میں تیری عبادت کی ہے تو اس پر جنت کو حرام کردے اور اگر محض تیری خاطر عبادت کی ہے تو اپنے دیدار سے اسے محروم نہ فرما۔

ہاں ہاں !! اے عزیز! طالبان مولیٰ ہمت والے لوگ ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اس کے سوا کچھ اور طلب ہی نہیں کرتے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے خود اس کو بھی طلب نہیں کرتے؛ کیوں کہ وہ طلب کو عین حجاب سمجھتے ہیں۔ ایک عارف ایسے حضرات کے بارے میں فرماتے ہیں۔

مردان رہش زندہ بجانند بجانند   تا ظن نہ بری زندہ بنانند بنانند
گر یک دمی کہ از نظر دوست برافتند   شاید کہ ز حسرت ہمہ خوں نابہ چکانند
ایں قوم چہ قومند کہ پیچیدہ رخ از غیر   از غایت مستی ز چپ و راست ندانند

(۱) مردان راہ الٰہی جان وروح سے زندہ ہیں، یہ گمان نہ کرنا کہ وہ روٹی پر زندہ ہیں۔

(۲) لمحے بھر کے لیے بھی ان کی نگاہ دوست سے محروم ہوجائے تو مارے حسرت کے آنکھوں سے سارا خون بہادیں۔

(۳) یہ وہ قوم ہے جس نے غیر سے اپنا رخ اس طرح موڑ لیا ہے کہ فرطِ مستی میں ان کو دائیں بائیں کی بھی خبر نہیں ہے۔

عشق وہبی اور عشق کسبی

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہٗ فرماتے تھے: عشق وہبی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسب اور بغیر اختیار کے بندے کو اپنا عاشق اور اپنی محبتوں کا اسیر کردے اور اپنی کشش اور اپنا جذبہ عطا

فرمادے۔ إِذَا أَحَبَّ اللهُ عَبْدًا عَشِقَه وَأَعْشَقَه عَلَيْهِ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اس کو اپنا معشوق اور عاشق بنا دیتا ہے اور کسبی عشق یہ ہے کہ اپنے اختیار وکسب سے بندہ محبت الٰہی حاصل کرے اور اس کی صورت یہ ہے کہ بندہ خانۂ دل کو آراستہ وپیراستہ کرکے انتظار میں بیٹھا رہے۔ع

روخانہ بروب کہ شاہ بخرگاہ آید (جا اور جا کر جھاڑو لگا کہ بادشاہ اپنے خیمے میں آرہا ہے)

فائدہ:

پہلی شرط: دوامِ طہارت

سالک کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وضو کی پابندی کرے، ہمیشہ باوضو رہے، حدث کی صورت میں تاخیر نہ کرے اور ایک لمحے سے کم مدت کے لیے بھی بے وضو نہ رہے۔

فقیر کے پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہٗ فرماتے تھے: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: میں نے اپنے پروردگار جل جلالہ سے سنا، وہ فرماتا ہے: جس شخص کا وضو ٹوٹ جائے اور وہ وضو نہ کرے تو وہ جفا کرنے والا ہے، جس شخص کا وضو ٹوٹ جائے، وہ وضو کرے اور دو رکعت نماز نہ ادا کرے وہ بھی جفا کرنے والا ہے، جس شخص کا وضو ٹوٹ جائے، وہ وضو کرے، دو رکعت نماز ادا کرے اور اللہ کے رسول ﷺ پر درود نہ پڑھے وہ بھی جفا کرنے والا ہے، جس شخص کا وضو ٹوٹ جائے، وہ وضو کرے، دو رکعت نماز ادا کرے، درود پڑھے اور کوئی حاجت طلب نہ کرے وہ بھی اپنے اوپر جفا کرنے والا ہے اور جو شخص اس کے بعد حاجت طلب کرے اور میں اس کی حاجت پوری نہ کروں تو یقیناً میں جفا کرنے والا ہوں گا، جب کہ میں جفا کرنے والا رب نہیں ہوں۔[1]

حضرت مخدوم شاہ مینا کا فکر و معمول

پیر دست گیر حضرت قطب عالم کی عادت تھی کہ نیند سے بیدار ہوتے ہی تیمم کر لیتے اور اس کے بعد وضو کی تیاری کرتے۔ فرماتے تھے: انسان کی تخلیق پانی اور مٹی سے ہوئی ہے اور انہی دونوں چیزوں سے دنیا کی آگ بجھائی جاتی ہے اور کل قیامت کے روز بہت امید ہے کہ مولیٰ تعالیٰ

---

(۱) صغانی نے الموضوعات (۵۳) میں اسے موضوع قرار دیا ہے۔

کے فضل و کرم سے آخرت کی آگ بھی انہی دونوں سے بجھ جائے۔

پانی اور مٹی کی حکمت

مظفر دریا نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ہم نے تم کو پانی اور مٹی سے پیدا کیا۔ آخر اس کی حکمت کیا ہے؟

حضرت خضر نے جواب دیا اس کی حکمت یہ ہے کہ تم پانی سے طہارت اور مٹی سے تیمم کرو، جب قیامت کا دن آئے گا تو اس روز بھی تمھارے وجود سے مٹی اور پانی کی بو آئے گی۔ دوزخ مولیٰ سے عرض کرے گی: مولیٰ! ان بندوں سے دو قسم کی ایسی بو آرہی ہے جو پیغمبروں سے آتی تھی اور پیغمبروں کا گوشت آگ پر حرام ہے۔

بارگاہ مولیٰ سے فرمان پہنچے گا: اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو اُن لوگوں کو بھی تو مت جلا۔

چنانچہ پانی اور مٹی سے انسان کو پیدا کرنے کی حکمت یہ تھی کہ ان دونوں چیزوں کے سبب اس کو جہنم سے نجات اور جنت میں داخلہ مل جائے۔ حضرت خضر نے مزید فرمایا: اے مظفر دریا! آگ کو دو چیزوں کے ذریعے بجھایا جاسکتا ہے؛ ایک پانی اور دوسری مٹی، تم دونوں سے طہارت حاصل کرو تاکہ جب قیامت کا دن آئے تو جہنم کی آگ ان دونوں کے ذریعے بجھائی جاسکے۔

حضرت مخدوم شاہ مینا کا فکر و معمول

حضرت قطب عالم کی صحبت میں میں بیس سال رہا، کبھی بھی آرام سے بیٹھا ہوا نہیں پایا، آپ ہمیشہ قبلہ رو ہو کر نماز کی ہیئت میں بیٹھتے، اسی طرح میں نے یہ کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے اپنے لیے کوئی خاص کھانا منگوا کر کھایا ہو، یا اپنے لیے کسی خاص چیز کی خواہش کی ہو،، یا اپنی مرضی سے کوئی اچھا کپڑا سلوایا ہو یا آپ نے یہ فرمایا ہو کہ درزی نے یہ کپڑا ایسا کیوں سل دیا۔ نیز آپ ارشاد فرماتے کہ جو اپنی خواہش سے کھانا پینا کھاتا ہے یا اپنی پسند کا کپڑا پہنتا ہے وہ ہرگز ہرگز صوفی نہیں ہے، بلکہ حضرت مصطفیٰ ﷺ کے دین کا رہزن ہے۔ نیز آپ قدس سرہ ہمیشہ قبلہ رو اپنی پاپوش رکھتے تھے، اسی سمت اتارتے اور اسی سمت سے پہنتے۔

پیر دست گیر قطب عالم اگرچہ باوضو ہوتے لیکن ایک دو گھنٹے کے بعد اٹھ کر آپ دوبارہ وضو کرتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ آپ فرماتے تھے کہ تازہ وضو ظاہری قساوت اور ظلمتوں کو دور کر دیتا ہے اور دل میں تازہ نور داخل کر دیتا ہے۔ وضو سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے وضو کی نیت سے برتن میں پانی بھر کر رکھے رہتے اور فرماتے کہ شیطان جب اس حالت کو دیکھتا ہے تو اس کو کوفت ہوتی ہے۔ یہ پانی جب تک برتن میں رہتا ہے، تسبیح میں لگا رہتا ہے اور متعلقہ شخص کے نام سے وضو کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

فائدہ: باطن کی طہارت ندامت وپشیمانی اور خوف وحیا کے پانی سے

اے عزیز! تم پر واضح ہو کہ جس طرح شریعت میں بغیر طہارت کے نماز درست نہیں ہوتی، اسی طرح حقیقت میں بھی طہارت کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی اور جس طرح ظاہر کی طہارت ہے اسی طرح باطن کی بھی طہارت ہے۔ ظاہر کی طہارت آسمان کے پانی سے ہوتی ہے اور باطن کی طہارت ندامت وپشیمانی اور خوف وحیا کے پانی سے ہوتی ہے۔ جس نے اپنے آپ کو ندامت وشرمندگی اور خوف وحیا کے پانی سے پاک نہیں کیا اور غیر کو اپنے دل سے نہیں نکالا، حقیقت میں اس کی نماز درست نہیں ہوئی، نہ اس کی نماز اَلصَّلاۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ (نماز اہل ایمان کی معراج ہے) کے زمرے میں داخل ہوگی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: پاکی آدھا ایمان ہے۔ اس لیے کہ کافر جب مسلمان ہوتا ہے تو ایمان واسلام کے ذریعے دو چیزوں کی بنیاد ڈھا دیتا ہے، ایک کفر اور دوسرا گناہ۔ اور بے وضو شخص جب طہارت حاصل کر لیتا ہے تو اس کی طہارت ایک چیز یعنی گناہوں کی بنیاد منہدم کر دیتی ہے۔ لہٰذا یقیناً طہارت آدھا ایمان ہوئی۔

حضرت مخدوم شاہ مینا کا قول وعمل

پیر دست گیر قطب عالم حضرت شاہ مینا قدس روحہ فرماتے تھے: اگر کوئی شخص بے وضو کھانا کھاتا ہے یا پانی پیتا ہے تو شیطان اس کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ جب

شیطان کھانے میں شریک ہوجائے تو طہارت باطن اور سلامتی قلب کہاں سے حاصل ہوگی؟

پیر دست گیر کی عادت تھی کہ جب کھانا تناول فرمانا چاہتے تو باضو ہونے کے باوجود تجدید وضو فرماتے اور فرماتے کہ جب کھانا باوضو ہوکر کھایا جاتا ہے تو دل تسبیح میں لگا رہتا ہے، وہ کھانا قلب کو منور و روشن کرتا ہے اور اس سے عبادت میں کاہلی نہیں آتی۔ جب آپ کھانے سے فارغ ہوجاتے پھر وضو فرماتے اور فرماتے کہ کھانے سے فارغ ہوکر وضو کرنے سے کھانے کی گرانی نہیں پیدا ہوتی اور اس سے نور بالائے نور پیدا ہوتا ہے۔

حکایت

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک کمزور شیطان کی ایک طاقتور شیطان سے ملاقات ہوگئی۔ طاقتور شیطان نے کمزور شیطان سے پوچھا کیا بات ہے، بہت دبلے پتلے نظر آرہے ہو؟ اس نے جواب دیا: میرا حال مت پوچھو، جس شخص پر میں مسلط ہوں وہ وضو کیے بغیر اور بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا نہیں کھاتا جس کی وجہ سے میں کھانا نہیں کھا پاتا، اسی وجہ سے دبلا پتلا نظر آرہا ہوں۔ اس کے بعد کمزور شیطان نے طاقتور شیطان سے پوچھا کہ تم کیسے اتنے موٹے نظر آرہے ہو؟ اس نے جواب دیا میرا معاملہ تم سے بالکل الٹا ہے، جس شخص پر میں مسلط ہوں وہ کھاتے وقت نہ وضو کرتا ہے اور نہ ہی بسم اللہ پڑھتا ہے، اس لیے میں اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہوجاتا ہوں، کھانے سے لطف اندوز ہوتا ہوں اور خوش رہتا ہوں۔

پیر دست گیر قطب عالم حضرت شاہ مینا قدس روحہ کا یہ بھی معمول تھا کہ بے وضو گفتگو نہیں فرماتے اور نہ کبھی بے وضو سوتے۔

آپ یہ بھی فرماتے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص باوضو سوتا ہے اس کی روح کو عرش الٰہی کے گرد طواف کرنے اور رب تعالیٰ کے حضور سجدہ کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ (۱)

(۱) بیہقی/شعب الایمان (۲۵۲۷) بہ الفاظ: إِنَّ الْأَرْوَاحَ تَعْرُجُ بِهَا فِي مَنَامِهَا، وَتُؤْمَرُ بِالسُّجُودِ عِنْدَ الْعَرْشِ، فَمَنْ كَانَ طَاهِرًا

حضرت پیر دست گیر کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ جب آپ ایک پہلو سو کر بیدار ہوتے تو بے وضو دوسرے پہلو پر نہیں سوتے بلکہ اٹھ کر وضو فرماتے اور دو رکعت نماز ادا کر کے یا تو ذکر میں مشغول رہتے ، یا پھر سو جاتے ۔ آپ فرمایا کرتے : صوفی کے لیے ایک کروٹ سے دوسری کروٹ بے وضو سونا حرام ہے ۔ کیا پتا کہ اسی وقت اجل آجائے اور جان جسم سے بے وضو باہر نکلے ۔ بے وضو وفات پانا ایک سزا ہے اور باوضو وفات پانا ایک دائمی نعمت ہے ۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ کل بروز قیامت جب تمام لوگوں کو سربسجود ہونے کا حکم ہو گا اس وقت باوضو وفات پانے والے سجدے پر قادر ہوں گے اور فوراً سجدہ ریز ہو جائیں گے ، لیکن جن لوگوں کی بے وضو موت آئی ہوگی وہ سجدے پر قادر نہیں ہوں گے ، سجدہ نہیں کر سکیں گے اور بڑی مصیبت میں گرفتار ہوں گے ۔ اللہ ہمیں اس مصیبت سے اپنی پناہ میں رکھے ۔

فرض، واجب اور مستحب وضو

حضرت شاہ مینا قدس سرہ فرماتے تھے: شریعت میں وضو فرض ہے، واجب ہے اور مستحب ہے ۔ پنج گانہ نماز ، نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت کے لیے وضو فرض ہے، خانۂ کعبہ کے طواف اور اس جیسی چیزوں کے لیے واجب ہے اور سونے سے پہلے، غیبت و دروغ گوئی کرنے، قہقہہ لگانے اور لایعنی کام کرنے کے بعد، اسی طرح وضو علی الوضو اور دوسرے نیک کاموں کے لیے وضو مستحب ہے ۔

جب سالک طہارت کی پابندی کرتا ہے تو عکس و تجلی کے واسطے سے اس کے سینے میں ربانی انوار چمک اٹھتے ہیں ، یہ سینے کا مقام ہے اور پھر وہی عکس و تجلی منعکس ہو کر آئینۂ خیال تک پہنچتی ہے اور وہ مقام قلب ہے ۔ اس وقت وہ دل کی نگاہ سے اس نور کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہ مکاشفات کا مقام ہے، پھر وہ تاریکیوں میں وہ سب کچھ دیکھتا ہے جو اس نے اس سے قبل نہیں دیکھا تھا ۔

سَجَدَ عِنْدَ الْعَرْشِ، وَمَنْ كَانَ لَيْسَ بِطَاهِرٍ سَجَدَ بَعِيدًا مِنَ الْعَرْشِ ۔ حاکم /المستدرک، کتاب تعبیر الرؤیا (۸۱۹۹) بہ الفاظ: مَا مِنْ عَبْدٍ وَلَا أَمَةٍ يَنَامُ فَيَمْتَلِئُ نَوْمًا إِلَّا عُرِجَ بِرُوحِهِ إِلَى الْعَرْشِ فَالَّذِي لَا يَسْتَيْقِظُ دُونَ الْعَرْشِ فَتِلْكَ الرُّؤْيَا الَّتِي تَصْدُقُ وَالَّذِي يَسْتَيْقِظُ دُونَ الْعَرْشِ فَتِلْكَ الرُّؤْيَا الَّتِي تَكْذِبُ

وضو کا نور

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے :قرآن ،ایمان اور اسلام کا ایک نور ہوتا ہے اور وضو کا بھی ایک نور ہوتا ہے۔ حکایت ہے کہ خواجہ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے ایک مرید با وضو تھے، جب وہ خلوت خانہ میں داخل ہوئے تو ایک نور ان کی نگاہوں کے سامنے ظاہر ہوا۔ انھوں نے اسے دیکھ کر ایک نعرہ مارا اور یہ کہتے ہوئے باہر نکلے کہ میں نے اپنے رب کو دیکھ لیا۔ خواجہ ابو سعید جو اِس راہ کے کامل تھے، ان کے احوال پر مطلع ہو گئے، ان کو آواز دی اور فرمایا: نادان !یہ تمھارے وضو کا نور تھا، کہاں تم اور کہاں اس بارگاہ کا نور؟

فائدہ:

دوسری شرط دوامِ صوم

دوسری شرط یہ ہے کہ روزے کی پابندی کرے اور افطار کے وقت غذا کم لے، اس طرح کہ نہ بھوک کی شدت سالک کے لیے نقصان دہ ثابت ہو اور نہ شکم سیری معدے کی گرانی کا باعث ہو۔

بھوکے رہنے کے فوائد

جہاں تک ہو سکے بھوک برداشت کرے اور آہستہ آہستہ خوراک کم کرتا جائے؛ کیوں کہ بھوکے رہنا تمام عبادتوں کی اصل ہے۔ جب تک سالک بھوکے رہنے کو اختیار نہیں کرے گا اور بھوکا نہیں رہے گا نفس کے شر اور حرص و ہوا سے نجات نہیں پا سکے گا، نہ راہِ سلوک کے حقائق تک رسائی حاصل کر سکے گا اور نہ اس کا وجود اس پاک بارگاہ کے لائق ہو سکے گا۔

رئیس درویشاں و محتسب عارفاں شیخ قوام الدین فرماتے ہیں کہ ہمارے پیران پیر شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ کا فرمان ہے:

جس شخص کو حیات ابدی کی خواہش ہے اسے موت موجل (مقررہ) سے پہلے چار موت معجل (پیشگی) کو گلے لگا لینا چاہیے؛ فقر دائم، صبر دائم اور جوع دائم کو اختیار کر لینا چاہیے اور لباسِ رعونت اتار دینا چاہیے جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے:

جَوِّعُوْا بُطُوْنَكُمْ، وَعَطِّشُوْا أَكْبَادَكُمْ وَأَعْرُوْا أَجْسَادَكُمْ حَتّٰى يَرَى اللهَ قُلُوْبُكُمْ

عَیَانًا فِی الدُّنْیَا (۱) اپنے شکم کو بھوکا رکھو، اپنے جگر کو پیاسا رکھو اور اپنے جسم کو ننگا رکھو تا کہ تمھارے دل اللہ تعالیٰ کو دنیا میں بلا حجاب دیکھ لیں۔

جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے: تَجَوَّعْ تَرَانِی، تَجَرَّدْ تَصِلْ إِلَیَّ (۲) اپنے شکم کو بھوکا رکھو، میرے دیدار کی لذت سے بہرہ مند ہو گے، لوگوں سے کنارہ کش ہو جاؤ، میرا وصال حاصل ہو جائے گا۔

خواجہ بشر بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بھوکے رہنا قلب کو صاف کر دیتا ہے اور مقام قلب تک پہنچاتا ہے۔ بھوک نفس کو ختم کرتی ہے، اس کو مار ڈالتی ہے، علم دقائق کو ظاہر کرتی ہے اور اس سے سینے کو آباد کرتی ہے۔

خواجہ یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مرید جب بسیار خوری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو فرشتے اس سے بطور شفقت کہتے ہیں: اے عزیز! جو کھانے کی حرص کا شکار ہو جاتا ہے وہ شہوت کی آگ میں جلایا جاتا ہے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آدمی کی ذات میں شر کے ایک ہزار اعضا ہیں اور وہ تمام اعضا شیطان کی مٹھی میں ہیں۔ جب کوئی شخص بھوکا رہتا ہے اور اپنے حلق کو شہوتوں سے پاک رکھتا ہے تو وہ تمام اعضا خشک ہو جاتے ہیں۔ بھوکے رہنے کی نورانیت ان اعضا کو جلا دیتی ہے۔ شیطان اس شخص کے سائے سے بھاگتا ہے اور کسی بھی طرح اس کے دل میں وسوسہ ڈالنے پر قدرت نہیں پاتا اور جب کوئی شخص شکم سیر ہو کر کھاتا ہے اور اپنے حلق کو شہوتوں سے نہیں روکتا بلکہ اس میں مشغول رہتا ہے تو یہ چیز اس کے تمام اعضائے شر کو تر و تازہ کر دیتی ہے۔ شیطان کو اس پر غلبہ حاصل کرنے کی گنجائش مل جاتی ہے اور پھر وہ جس طرح چاہتا ہے اس کو مختلف خواہشات

(۱) تخریج احادیث احیاء علوم الدین (۲۴۷۹) ابوطالب مکی/قوت القلوب، الفصل السابع والعشرون (۱/۱۷۰)
(۲) یہ روایت متونِ حدیث میں نہیں ملی لیکن صوفیہ نے اس کو حدیث قدسی کے طور پر حضرتِ عیسی سے نقل کیا ہے۔ شیخ نجم الدین کبری نے تاویلات نجمیہ، القصص: ۶۲ کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ امام غزالی کے رسائل میں بھی روایت مذکور ہے۔

میں گرفتار رکھتا ہے۔

بزرگوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شکم سیری نفسانیت کی نہر ہے جہاں شیاطین پہنچتے ہیں اور بھوکے رہنا روحانیت کی نہر ہے جہاں فرشتوں کی رسائی ہوتی ہے۔ شیطان تو اس بھوکے شخص سے بھی بھاگتا ہے جو سویا ہوتا ہے پھر جب وہ بیدار ہو گا تو شیطان اس سے کس قدر دور بھاگے گا! شیطان شکم سیر ہو کر کھانے والے سے بغل گیر ہوتا ہے، اگرچہ وہ بیدار ہو، پھر وہ سونے کی حالت میں اس پر کس قدر حاوی ہو گا! ہاں ہاں! دنیا میں جو جتنا زیادہ کھانے والا ہو گا وہ اسی قدر ذلیل ہو گا اور جو جس قدر کم کھانے والا ہو گا وہ اسی قدر کم ذلیل ہو گا۔

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے: ایک دن حضرت یحییٰ علیہ السلام سے شیطان کی ملاقات ہوئی۔ شیطان کے ساتھ بہت سے جال تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے پوچھا یہ کیسے جال ہیں؟

شیطان نے کہا: یہ شہوتیں ہیں جن کے ذریعے میں آدمی کو اپنا شکار بناتا ہوں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے پوچھا: ان شہوتوں میں کوئی شہوت میرے اندر ہے جس کے ذریعے تم مجھ پر کامیابی حاصل کر سکتے ہو؟

شیطان نے جواب دیا: نہیں! البتہ جس رات آپ نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا تھا اس رات میں نے آپ پر نماز اور ذکر کو ثقیل کر دیا تھا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا: آج سے میں کبھی بھی شکم سیر ہو کر نہیں کھاؤں گا۔

شیطان نے کہا: آج سے میں نہ کسی کے ساتھ کوئی خیر خواہی کا کام کروں گا اور نہ خیر خواہی کی کوئی بات بتاؤں گا۔

حضرت شیخ عبداللہ یافعی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

تَجَوَّعْ فَإِنَّ الجُوْعَ مِنْ عِلْمِ التُّقٰی ۔۔۔ وَإِنَّ طَوِیْلَ الجُوْعِ یَوْمًا سَیَشْبَعُ

(بھوکے رہو؛ اس لیے کہ بھوکا رہنا تقویٰ کی نشانی ہے۔ بہت زیادہ بھوکا رہنے والے کے لیے عنقریب ایک دن ایسا آئے گا جس دن وہ مکمل سیر ہو جائے گا۔)

پیر دست گیر قطب عالم بارہا یہ شعر پڑھا کرتے:

جوع طعام خویش کن تابقبول حق رسی ‏ ‏ ‏ ‏ چون کہ قبول حق شدی باہمہ خلق ناز کن

(بھوک کو اپنی خوراک بنالو تاکہ مقبول بارگاہ حق ہو جاؤ اور جب مقبول حق ہو جاؤ تو ساری مخلوق کے ساتھ ناز کرو۔)

رزق حلال، رزق طیب

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے: ایک روز ایک بزرگ کو منت وسماجت کر کے ایک بادشاہ کے دسترخوان پر لے جایا گیا۔ جب کھانا لگ گیا تو وہ بزرگ اپنی آستین سے چند روٹیاں نکال کر کھانے لگے۔ بادشاہ نے کہا یہ کھانا حلال ہے تناول فرمائیں۔ بزرگ نے فرمایا: واللہ اعلم، یہ کھانا حلال ہو تو ہو لیکن پاک تو نہیں ہے؛ کیوں کہ میرا دل اس کے کھانے کی اجازت نہیں دے رہا ہے۔ تھوڑے وقفے کے بعد بادشاہ نے اپنی بادشاہی کا رعب دکھانا شروع کیا اور کہا: میں یہ کہہ رہا ہوں کہ کھانا حلال ہے، کھانا کیوں نہیں کھاتے؟ میرا کھانا کھانے سے ایمان نہیں چلا جائے گا۔ یہ سن کر انھوں نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ ایمان نہیں جائے گا لیکن ایمان کی چاشنی اور اس کی حلاوت ضرور رخصت ہو جائے گی۔

فائدہ:

تیسری شرط: دوامِ سکوت

سالک کے لیے تیسری شرط یہ ہے کہ ذکر الٰہی کے علاوہ ہمیشہ خاموش رہے۔ لایعنی اور بے سود چیزوں سے بالکل تعلق نہ رکھے، خواہ اس لایعنی چیز کا تعلق قول سے ہو یا عمل سے یا فکر سے۔ جب کسی قول، عمل یا فکر سے کوئی فائدہ اور نفع نہ پہنچنے والا ہو تو خاموش رہے اور ان چیزوں سے احتراز کرے۔

خاموشی زبان کے ساتھ خاص نہیں

خاموشی زبان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے، بلکہ دل اور اعضا کی خاموشی بھی مطلوب ہے۔ لہٰذا اعضا و جوارح اور دل سے دوست کے خیال کے علاوہ کوئی بھی چیز ظاہر نہ ہو۔ یہ اہم ترین خاموشی ہے۔ طالبان سلوک نے اس خاموشی کو حاصل کرنے کے لیے خون کے گھونٹ پیے ہیں اور اس کے حاصل ہونے کے بعد ہی وہ فرشتوں کی صف میں شامل ہو گئے ہیں۔

گویائی ذکر الٰہی ہو

پیر دست گیر قطب عالم نے فرمایا کہ ایک بزرگ نے کسی کو خرقۂ خلافت پہنانے اور مقام دعوت و ارشاد پر فائز کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے لیے چند بزرگوں کو جمع کیا تاکہ ان کی موجودگی میں خرقہ پہنا کر مقام ارشاد پر فائز کر دیں۔ ہوا گرم تھی اور آفتاب تمازت پر تھا۔ جن کو خلافت ملنی تھی ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ سورج کس قدر گرم ہے! وہ تمام بزرگ جو جمع ہوئے تھے یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے کہ یہ شخص اس منصب کے لائق نہیں ہے، یہ لغو اور بے مقصد گفتگو کرتا ہے۔ اس

گفتگو میں کوئی دینی منفعت نہیں تھی۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

تامل بکردن خطا و صواب   بہ از ژاژخایان حاضر جواب
کمال است در نفس انسان سخن   تو خود را بگفتار ناقص مکن
چو غنچہ گرت بستہ بودی دہن   دریدہ نگشتی چو گل پیرہن

(۱) غلط اور صحیح میں غور وفکر کرنا، بے کار اور لایعنی حاضر جوابی سے بہتر ہے۔
(۲) اپنی بات اپنے باطن میں رکھنا کمال ہے۔ زبان کھول کر تم خود کو ناقص مت بناؤ۔
(۳) اگر تم غنچے کی مانند اپنے منھ کو بند رکھتے تو پھول کی طرح تمھارا پیرہن چاک نہ ہوتا۔
اے عزیز! اللہ تعالیٰ نے زبان کو دل کا ترجمان اور خیر وشر کی کنجی بنایا ہے۔ اس سے خیر وشر دونوں نکلتے ہیں۔

خاموش رہنے کا مجاہدہ

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے کہ ایک بزرگ نے نذر مانی کہ اگر میں نے کوئی لغوبات کہی تو ایک روزہ رکھوں گا، لیکن لغو گفتگو سے خود کو روکنے کے لیے یہ سزا بہت آسان معلوم ہوئی۔ جب وہ گفتگو سے باز نہیں آئے تو انھوں نے پھر نذر مانی کہ اگر میری زبان سے کوئی لغوبات نکلی تو میں اس کے عوض ایک درہم صدقہ کروں گا۔ اس نذر کو پورا کرنا ان کے لیے مشکل معلوم ہوا۔ ہر بار ایک درہم صدقہ کرنا بھاری پڑا اور اس طرح آخر کار وہ لایعنی باتوں سے باز آ گئے۔

صدیق اکبر کا انداز سکوت

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ آپ منھ میں پتھر رکھے رہتے اور کھانا کھانے، نماز ادا کرنے یا ذکر کرنے کے علاوہ کسی بھی وقت اسے باہر نہیں نکالتے۔ آپ ایسا اس لیے کرتے تھے تاکہ آپ گفتگو کم کریں اور خاموشی کی عادت پڑ جائے۔ جب آپ کچھ بولنا چاہتے تو اس پتھر کی وجہ سے گفتگو میں تاخیر ہوتی اور دل میں سوچتے کہ جو بات میں بولنا چاہتا ہوں وہ بولنے کے لائق ہے یا اس کا نہ بولنا ہی مناسب ہے۔ اس طرح آپ یقینی طور سے لایعنی باتوں سے بچ جاتے اور لایعنی باتوں میں گرفتار نہ ہوتے۔

زباں درکش اے مرد بسیار دان　　　که فردا قلم نیست بر بے زبان
چو مردم سخن گفتہ باید بہوش　　　وگر نہ شدن چو بہائم خموش

(۱) اے بہت علم رکھنے والے! اپنی زبان بند رکھو؛ کیوں کہ کل بروز قیامت بے زبانوں کی گرفت نہیں ہوگی۔

(۲) انسان کو ہوش و حواس کے ساتھ گفتگو کرنی چاہیے، ورنہ جانور کی طرح خاموش رہنا چاہیے۔

نگاہ بے عبرت کی نحوست

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے کہ کسی نبی کے عہد میں یہ حکمت الٰہیہ جاری تھی کہ کوئی بھی عبادت گزار چند متعیّن سال تک عبادت میں مشغول ہوتا اور گناہ نہیں کرتا تو مقبولیت کی علامت اس کی پیشانی میں ظاہر ہوجاتی۔ ایک عبادت گزار ایک متعیّن مدت تک عبادت میں مشغول رہا لیکن قبولیت کی نشانی اس کی پیشانی میں ظاہر نہیں ہوئی تو وہ فکر مند اور غمگین ہوگیا۔ اس زمانے کے پیغمبر کے پاس فرمان الٰہی پہنچا کہ اس عبادت گزار نے اس متعیّن مدت میں ایک گناہ کیا ہے، اس لیے اس کی پیشانی میں مقبولیت کے آثار نمایاں نہیں ہوئے ہیں اور وہ گناہ یہ ہے کہ اس نے ایک رات آسمان کی جانب عبرت سے خالی نگاہ ڈالی اور ہر وہ شخص جس کی نظر عبرت سے خالی ہو، وہ غافل ہے اور غافلوں کو میری بارگاہ میں کوئی مقام حاصل نہیں ہوتا اور اس کو میری درگاہ میں کوئی مقبولیت حاصل نہیں ہوتی۔

نقل ہے کہ خواجہ ابراہیم ادہم نے ایک روز کچھ لوگوں کو مہمان بنایا اور ان کے سامنے کھانا لے کر آئے۔ جب انھوں نے کھانا شروع کیا تو غیبت میں لگ گئے۔ خواجہ ابراہیم ادہم نے فرمایا: جو حضرات ہم سے پیشتر تھے وہ گوشت سے پہلے روٹی کھاتے تھے اور تم لوگ روٹی سے پہلے گوشت کھا رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًاؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا (الحجرات: ۱۲) تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟

فائدہ:

چوتھی شرط: دوامِ خلوت

سالک کے لیے چوتھی شرط دوامِ خلوت ہے۔ باطنی حواس کو کھولنے کے لیے ظاہری حواس کو بند کرنے کا نام خلوت ہے۔ اس کا مطلوب یہ ہوتا ہے کہ سالک کو وہ باتیں بیداری میں نظر آنے لگیں جسے دوسرے خواب کی حالت میں دیکھتے ہیں۔ قلبی حواس کو کھولنے کے لیے ظاہری حواس کو بند کرنا شرط ہے۔ دیکھتے نہیں کہ تم کو بیداری میں کچھ بھی نظر نہیں آتا لیکن جب سوجاتے ہو تو خواب میں تم کو بہت سی چیزیں نظر آتی ہیں۔ اسی طرح جب تم بیداری میں حواس ظاہری کو بند کرلو گے تو عالم غیب سے تمھارے لیے دوسرے حواس کے دروازے کھل جائیں گے۔ اُن کو حواس باطن اور عالم دل کہا جاتا ہے۔

الغرض جب تک تم اپنے لب، آنکھ اور کان بند نہیں کر لیتے، یوں ہی دوسرے حواس کو بند نہیں کر لیتے، تب تک قلبی حواس اور باطنی آنکھیں نہیں کھلیں گی اور عالم دل کی نعمتوں سے محروم رہو گے۔

پیر دست گیر قطب عالم جو اس راہ کے شناور تھے، اکثر یہ شعر پڑھا کرتے:

لب ببند و چشم بند و گوش بند — گر نہ بینی سرِّ حق بر ما بخند

(لب سی لو، آنکھ اور کان بند کر لو، اور اگر پھر بھی اسرار حقانی کا مشاہدہ نہ کرو تو ہمارے اوپر ہنسنا۔)

آپ فرمایا کرتے کہ جماعت صوفیہ نے سلوک دین اور مقامات یقین کی بنیاد خلوت

وعزلت اور مخلوق سے کنارہ کشی پر رکھی ہے۔ تمام انبیا واولیا نے ابتدا میں خلوت اختیار کیااور پھر اپنے مقصود تک پہنچے۔

پیر دست گیر حضرت قطب عالم فرماتے تھے: سالک جب وضو، نماز جمعہ یا جماعت کے لیے خلوت خانہ سے باہر نکلے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی نگاہ سامنے کی طرف رکھے، دائیں بائیں نہ دیکھے اور اپنے دل اور زبان کو ذکر میں مشغول رکھے، تاکہ باطن پراگندہ نہ ہو اور جب جمعہ کے لیے باہر نکلے تو زوال آفتاب کے بعد باہر نکلے۔

خلوت خانہ کیسا ہو؟

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے: خلوت خانہ اگر تاریک نہ ہو تو پردہ ڈال لے اور کوشش کرے کہ اندر آواز بھی نہ آئے تاکہ خارجی چیزوں سے حواس معطل ہوجائیں۔ جب روح کا تعلق حواس ظاہری سے کٹ جاتا ہے تو اس وقت عالم غیب کے ساتھ اس کا تعلق قائم ہوجاتا ہے اور وہ حجابات جو حواس کے دریچوں سے اندر داخل ہوتے ہیں، حواس کے معطل ہونے کے بعد ذکر اور نفی خواطر کے ذریعے محو ہوجاتے ہیں۔ روح کو عالم غیب سے ایک انسیت حاصل ہوجاتی ہے، خلق سے وحشت محسوس کرتی ہے اور مکمل طور سے حق کی جانب متوجہ ہوجاتی ہے۔ اس وقت عالم باطن اور مقام دل کھل جاتا ہے اور آہستہ آہستہ دوسرے مقامات بھی ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

حضرتِ شبلی اور ایک چور

پیر دست گیر قطب عالم حضرت شاہ مینا فرماتے تھے کہ ایک چور کو دار پر چڑھادیا گیا تھا، حضرت شبلی نے اس کی قدم بوسی کی اور اس کے سامنے اپنی دستار رکھ دی۔ لوگوں نے آپ سے عرض کی: اے امام طریقت! کیابات ہے، آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ یہ سن کر حضرت خواجہ نے اپنی زبان سے یہ اشعار گنگنائے:

چون بدیدم دار چوبیں جائے او　　　بوسہ زاں دادم لبسے بر پائے او
چون تمام افتاد او در کار خویش　　　زاں نہادم پیشِ او دستار خویش

مرد باید خواہ خاص و خواہ عام کو بود در فنِ کار خود تمام

(۱) جب میں نے تختۂ دار پر اس کی جگہ دیکھی تو میں نے اس کے پاؤں کو بوسہ دیا۔

(۲) چوں کہ وہ اپنے کام میں کمال کو پہنچ گیا تھا، اس لیے میں نے اس کے سامنے اپنی دستار رکھ دی۔

(۳) آدمی کوئی بھی ہو، اس کا تعلق خواص سے ہو یا عوام سے، اسے اپنے فن میں کامل ہونا چاہیے۔

میرے عزیز! جماعت صوفیہ نے جو کچھ کہا ہے، اس سے ان کا مطلوب و مقصود حق تعالیٰ کی ذات ہے، اس کے علاوہ ان کا کوئی اور مقصود نہیں ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام:۱۶۲) تم کہہ دو! میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔

دنیا ست بلا خانہ، و عقبیٰ ہوس آباد ما حاصل ایں ہر دو، بیک جو نستانیم

ایں فتنہ بدنیا شد و آں غرہ بہ عقبیٰ ما فارغ ازیں ہر دو، نہ اینیم نہ آنیم

(۱) دنیا بلا خانہ ہے اور آخرت ہوس آباد، ہم ان دونوں کو ایک جو کے بدلے بھی نہیں لے سکتے۔

(۲) ادھر دنیا کی آزمائش ہے اور اُدھر آخرت کا غرور، ہم دونوں سے جدا ہیں، نہ ادھر ہیں نہ اُدھر ہیں۔

عاشقوں کے عشق کی شین وہ آتش شوق ہے جسے حق تعالیٰ نے اپنے محبین اور عشاق کے سینے میں بھڑکا دیا ہے، تاکہ وہ ان کے اندر سے حق تعالیٰ کے سوا تمام چیزوں کو خاکستر اور کالعدم کر دے۔

عشق آتشے افروختہ تا ہرچہ بی حق سوختہ آتش بسوزد قلب را، واں قلب بر لشکر زند

(عشق نے وہ آگ بھڑکائی کہ حق کے علاوہ ہر چیز راکھ ہوگئی، آگ دل کو جلاتی ہے، پھر وہ دل ہر لشکر کو زیر کر دیتا ہے۔)

فائدہ: سالک کے ضروری اوصاف

اس کی طبیعت شرم گاہ اور پیٹ کی خواہشات سے پاک ہو؛ کیوں کہ جو شخص شہوات وخواہشات کا بندہ ہو گا وہ حضرت حق کا بندہ نہیں ہو گا۔ حضرت حق کا بندہ وہ ہو گا جو شہوتوں اور انسانی آرزوؤں کو ایک گوشے میں ڈال کر مجاہدہ ومخالفت نفس کی تلوار اپنے ہاتھ میں لے لے۔

پیر دست گیر قطب عالم بارہا فرماتے کہ خواہش پرست سے مولیٰ پرستی نہیں ہو سکتی اور خود پرست خدا پرستی کی راہ پر نہیں چل سکتا۔ ع

یا رضائے دوست باشد یا ہوائے خویشتن

(یا رضائے دوست ہوگی یا ہوائے نفس ہو گا)

انہی صفات میں ایک تواضع ہے اور تواضع یہ ہے کہ اپنے آپ کو قدر و منزلت اور نعمت والا نہ سمجھے۔

انہی اوصاف میں فروتنی، انکساری، عاجزی اور خشوع وخضوع بھی ہیں۔ خلوت نشین کو چاہیے کہ ہمیشہ غریبوں اور مسکینوں کی طرح شکستہ دل، غم زدہ، ماتم کناں، خوف زدہ اور شرمندہ رہے، ہمیشہ عجز وانکساری کا مظاہرہ کرے، اپنے آپ کو اور اپنی نیکیوں کو کسی حساب و شمار میں نہ رکھے اور اپنے آپ کو ہمیشہ عصیاں شعار اور پر تقصیر سمجھے۔

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سپاسش کہ سزاوار اوست گے بتواند کہ بجا آورد

(۱) بندہ وہی بہتر ہے جو بارگاہ الٰہی میں اپنی کوتاہی کا عذر پیش کرے۔

(۲) ورنہ اس کے شایان شان کون اس کی اطاعت وشکر گزاری کر سکتا ہے۔

نفس کی ایک اچھی خصلت

پیر دست گیر قطب عالم فرمایا کرتے تھے کہ نفس کی تمام خصلتیں بری ہیں لیکن اس کی ایک خصلت اچھی ہے اور وہ یہ کہ اس کو جس چیز کا عادی بنا دیا جاتا ہے اس کو قبول کر لیتا ہے اور جب

تک عادی نہ بنایا جائے وہ اسے قبول نہیں کرتا۔ ناپاک نفس اس وقت تک اپنی عادت نہیں بدلتا اور اصلاح قبول نہیں کرتا جب تک ایک لمبی مدت تک اس کی مخالفت والے کام نہ کیے جائیں اوراس کی خواہشات کا دروازہ بند نہ کردیا جائے۔

اے عزیز! زندگی اس کی ہے جو اپنے نفس کو تکلیف میں رکھتا ہے، شدت سے اس کی مخالفت کرتے ہوئے اس کو دشمن سمجھتا ہے اور ہرگز ہرگز اس کی موافقت نہیں کرتا۔ کہنے والے نے کیا ہی اچھا کہا ہے ؎

گر حیات خوب خواہی نفس را گردن بزن　　زاں کہ از نفست قوی تر ہیچ دشمن دار

(اگر تم اچھی زندگی چاہتے ہو تو نفس کی گردن اڑا دو؛ کیوں کہ نفس ہی تمھارا سب سے بڑا دشمن ہے۔)

حب جاہ کی مذمت

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے کہ جاہ کی محبت بری چیز ہے۔ حضرات صدیقین مقام صدیقیت پر فائز ہونے کے باوجود جاہ کو دور کرنے میں عاجز رہے۔ مشائخ نے کہا ہے: آخِرُ مَا یَخْرُجُ مِنْ رُؤُوْسِ الصِّدِّیْقِیْنَ حُبُّ الْجَاہِ جو چیز صدیقین کے سروں سے سب سے آخر میں نکلتی ہے وہ حب جاہ ہے۔

روح الارواح میں لکھا ہے: اگر تم اس بارگاہ عالی میں ہزار سال تک اپنے قدم جمائے رہو اور اس کے بعد تم اپنی نیکی کو قابل قبول سمجھ لو اور تمھارے دل میں یہ خیال گزرے کہ یہ نیکی مقبول ہونی چاہیے تو تم طالب جاہ ہو، طالب راہ نہیں ہو۔ تم اس وقت تک اس کی راہ کے محقق نہیں ہوسکتے جب تک ترک جاہ نہ کردو، نہ مخلوق کے نزدیک جاہ طلب کرو اور نہ خالق کے نزدیک۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مخلوق کے نزدیک جاہ و مرتبہ کے خواست گار نہیں، بلکہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں جاہ کے طلب گار ہیں۔ تم اپنے لیے کہیں بھی جاہ مت طلب کرو، نہ یہاں نہ وہاں، بندگی میں لگے رہو، کمر کس لو اور مردانہ وار جاروب کشی کرتے رہو، مقام تجرید و تفرید حاصل

کرواور ہر روز ہزار باراس کی بارگاہ میں اپنے وجود کی وحشت کو دور کرو۔ اگر ایسا ہو کہ ہزار سال تک تم اس بارگاہ میں رہو اور اس کے بعد تم کو کہا جائے کہ چلے جاؤ، تم ہماری بارگاہ کے لائق نہیں ہو، تو یہ عین عدل وانصاف ہوگا۔

راہ را با جاہ آمیزش مداں　　　جاہ جز در زیر قعر چاہ نیست

(راہ حق میں جاہ کی آمیزش مت کرو، اس لیے کہ جاہ طلبی جہنم میں لے جانے والی چیز ہے۔)

فقیر کے پردادا پیر حضرت قوام الدین عباسی لکھتے ہیں کہ شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ چوگان طلب ہاتھ میں لے کر نیاز مندی کی گیند سے کھیلے۔ اس گیند کو کبھی آسمان کی طرف اچھالے تو کبھی لوح وقلم کی طرف، کبھی آسمان کی بلندی کی طرف تو کبھی زمین کی پستی کی طرف، تاکہ کم ازکم ایک بار سعادت حاصل ہوجائے اور اپنے سر پر عزت کا سہرا ڈال لے۔ اگر لباس شاہوں جیسا ہوگا تو منہ پر مار دیا جائے گا اور اگر لباس فقیروں جیسا ہوگا تو درویشی کے محل میں داخلہ ملے گا اور صدر نشینی عطا کی جائے گی۔

فائدہ: خلوت سے قبل ریاضت

سالک کو چاہیے کہ خلوت گزیں ہونے سے قبل ریاضت کرے اور مخلوق سے دوری اختیار کرلے، کم گوئی، کم خوری، کم خوابی، کم نوشی اور مخلوق کے ساتھ کم آمیزی کی عادت ڈال لے؛ کیوں کہ اگر کسی کو خلوت نشینی سے قبل ان چیزوں کی عادت نہیں ہوگی اور خلوت گزیں ہوجائے گا تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ الٹے پاؤں پلٹ جائے اور مقصود اصلی سے بھی باز رہ جائے؛ کیوں کہ یہ بات تجربہ سے ثابت ہوچکی ہے کہ بعض افراد نے جوش میں آکر اچانک خلوت اختیار کرلی اور پھر بعض اچھی بری چیزیں دیکھنے کے بعد خلوت سے نکل آئے، اس سے مکمل طور سے جدا ہوگئے اور دوبارہ سلوک، خلوت اور چلہ کشی کا نام بھی زبان پر نہیں لائے۔ دراصل ایسے لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ الأَمَنُ مِنَ الحَرْبِ حَيَاةٌ أَبَدِيَّةٌ- جنگ سے دور رہنے میں حیاتِ جاودانی ہے۔

اس لیے جو حضرات خلوت سے تعلق رکھنے والے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص خلوت کا ارادہ کرے اس کو چاہیے کہ خلوت سے قبل کچھ ریاضت اور مخلوق سے تھوڑی دوری اختیار کرنا شروع کردے؛ کیوں کہ عادت بن جانے کے بعد جب وہ خلوت گزیں ہوگا تو اس صورت میں خلوت میں استقامت حاصل ہوگی اور وہ خلوت کی شرطوں اور بیان شدہ باتوں کو بجا لائے گا؛ کیوں کہ اس راہ میں یہی اصل ہے۔ اسی لیے حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میری چار باتیں مان لو اور پھر تم مجھ سے جو بھی امید رکھو، اس کی تکمیل کے لیے میں تیار ہوں: کم کھانا، کم بولنا، کم آنا جانا اور کم سونا۔

پیر دست گیر قطب عالم کا طریقہ تھا کہ آپ مرغن غذاؤں سے سخت نفرت کا اظہار کرتے، آپ کو خشک کھانوں کی ایسی عادت پڑی ہوئی تھی کہ اگر کبھی روغن کی یا کسی دوسرے چربی دار کھانے کی بو آپ تک پہنچ جاتی تو آپ برداشت نہیں کرپاتے اور بیزاری کا اظہار فرماتے۔

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے کہ سالک جتنا بھی فقیر ہو، اسے چاہیے کہ اپنے فقر کو چھپائے، مخلوق کے سامنے اس کا اظہار نہ کرے، خواہش اور آرزوئے نفس کو ذلیل و خوار کرے، اپنے فقر کو عزیز سمجھے، ظاہری ذلت پر رنجیدہ نہ ہو، طبیعت میں کدورت نہ پیدا ہونے دے؛ کیوں کہ اسی ذلت میں ہی ساری عزت مستور ہے اور اسی بے نوائی میں ہی ساری مالداری ہے، بلکہ صاحبان جاہ و مال اور اہل عزت و وقار کے لیے اپنی لے میں یہ شعر گنگنائے اور انھیں کتوں کی طرح دھتکار دے۔

فقر ظاہر مبیں کہ حافظ را　　سینہ گنجینۂ محبت اوست

(تم حافظ کے ظاہری فقر کو مت دیکھو، اس کا سینہ محبت الٰہی کا گنجینہ ہے۔)

خلوت کے بغیر مقام ارشاد ممکن نہیں

اے عزیز! جب یہ باتیں معلوم ہو چکیں تو اب نگاہ انصاف سے فیصلہ کرو کہ رسول مصطفی ﷺ مرتبۂ نبوت پر فائز ہونے اور کمال عنایت سے سرفراز ہونے کے باوجود اس وقت تک مقتدا نہیں ہوئے، مسند دعوت و ارشاد پر جلوہ گر نہیں ہوئے جب تک کہ آپ نے مکمل خلوت

نہیں اختیار کرلی، اغیار سے منھ نہیں موڑلیا، دنیااور دنیاوی لذتوں کواپنادشمن نہیں بنالیا، گھربار رشتہ داروا حباب سے یک لخت قطع تعلق نہیں کرلیا، جتنی غذا سے بھوک مٹ سکے اس پر قناعت نہیں اختیار کرلی، خود سے فانی ہوکر بار گاہ الٰہی کی جانب مکمل طور سے متوجہ نہیں ہوگئے، ایسی صورت میں جولوگ اس راہ کے شناور نہیں، جنہوں نے اس راہ میں قدم نہیں رکھا، سفر کی تیاری نہیں کی، عادت میں شامل چیزوں کو چھوڑنے کی تلخی نہیں چکھی، خودی کوترک نہیں کیااور دونوں جہان سے اپنامنھ نہیں موڑاوہ کیسے مقتدابننے کے لائق ہوسکتے ہیں اور کیسے رہبری کرسکتے ہیں؟

رئیس درویشاں محتسب عارفاں شیخ قوام الدین قدس سرہ فرماتے ہیں:

طالب کوچاہیے کہ غور وفکر سے کام لے اور ایسا شخص جومنصب دعوت پرفائز نہ ہواور جسے بدعتی یاگم راہ گرکہاگیاہے، اسے اپنی خواہش کی بناپر مقتدااور شیخ نہ بنائے تاکہ وہ کتاب وسنت کے مخالف اعتقادات کی وجہ سے فاسق، گنہ گار اور گناہوں پراصرار کرنے والانہ بن جائے۔ اللہ کی ذات ہر مثل و مثال سے پاک ہے، دیکھیے! اگر کوئی جاہل صاحب سلطنت کے ساتھ وزیر مملکت کودیکھ لیتاہے توسمجھتاہے کہ یہی بادشاہ ہے، لیکن عقل مند لوگ اس کی کم عقلی پر ہنستے ہیں اور اس کی اس بات کوناپسند کرتے ہیں۔ خاص اولیاحقیقی معنوں میں بادشاہ ہیں۔ البتہ یہ بات کیسے درست ہوسکتی ہے کہ گنہگار کو جنید وبایزید سمجھ لیاجائے اور اس کو بھی داعی اور ہادی کے زمرے میں شامل کرلیاجائے۔

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے: بدباطن انسان سے کچھ نہیں ہوسکتا، اس راہ کاایک راز بھی اس پر کبھی نہیں کھل سکتا، ایسا شخص ہوناچاہیے جس کی جہت ایک ہو، جس کی توجہ ایک ہو، جس کا قبلہ ایک ہواور ہر ایسی اچھی بری چیز سے گریز کرنے والا ہو جودوست سے روکنے والی ہو، بلکہ وہ اسے رہزن سمجھے؛ کیوں کہ مَاشَغَلَکَ عَنِ اللهِ فَھُوَ صَنَمٌ جوچیز بھی اللہ سے غافل کردے وہ بت ہے۔

بہرچ از راہ باز افتی چہ کفر آں راہ چہ ایماں ‌ ‌ ‌ ‌ بہرچ از دوست وامانی چہ زشت آں نقش

(ہر اس راہ سے دوری اختیار کرلو جوتم کو حق سے دور کرنے والی ہو، خواہ وہ ایمان کی راہ

ہو یا کفر کی راہ، اسی طرح ہر اس صورت کو بھلا دو جو تم کو محبوب سے غافل کر دے، خواہ وہ صورت اچھی ہو یا بری

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے کہ درویش جب بارگاہ عالی کا مقبول بن جاتا ہے تو اس کی زبان حکمت کا سرچشمہ بن جاتی ہے۔ جو بات بھی اس کی زبان سے نکلتی ہے سب حق اور درست ہوتی ہے اور قطعًا رد نہیں ہوتی۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

رفتم بر درویشاں تا حق طلبم ز ایشاں آنجا ہمہ حق دیدم حق جانب درویشاں

(میں حق کی تلاش میں درویشوں کی خدمت میں گیا اور وہاں میں نے واضح طور پر دیکھا کہ حق درویشوں کی طرف ہے۔)

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے: محبت کی علامت یہ ہے کہ غیر کی صحبت زہر قاتل معلوم ہو اور غیر کے ساتھ میل جول بالکل ہی اچھا نہ لگے۔ ہمیشہ رنجیدہ اور ماتم زدہ نظر آئے۔ فراق کے صدمے سے بے قرار اور بے سکون نظر آئے۔ آپ یہ شعر پڑھتے۔

ہر غم زدۂ قامت محبوب کہ دیدم خاکے بسر انداختہ دستے بکمرہا

(محبوب کی قد و قامت پر فریفتہ و دیوانہ جو شخص بھی ملا، خاک اڑاتا اور حسرت و افسوس کے عالم میں نظر آیا۔)

اے عزیز! جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ خلوت ایک دینی امر ہے اور یہ صاحبان ایقان کا عمل ہے تو سالک کو خلوت سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے بہت سے فائدے ہیں۔ البتہ یہ یاد رہے کہ خلوت اخلاص کے ساتھ اختیار کرنی چاہیے اور اس کا مقصد دین کی سلامتی، نفس کے احوال کی جستجو اور اس کا جائزہ ہونا چاہیے کہ جو احوال و معاملات نفس سے صادر ہو رہے ہیں ان میں بندگی کی صلاحیت ہے یا نہیں؟ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض حضرات نے جب یہ سنا کہ مشائخ صوفیہ خلوت میں عجیب و غریب چیزیں دیکھتے ہیں اور ان پر عجیب و غریب مکاشفات و کرامات اور واقعات ظاہر ہوتے ہیں، تو ان میں بھی خلوت اختیار کرنے کا داعیہ پیدا ہو گیا تاکہ وہ بھی خلوت میں وہ چیزیں دیکھ سکیں، یہ محض گمراہی ہے۔ ایسی خلوت کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس سے غرور و تکبر کا دروازہ کھلتا ہے اور

شیطان دخل انداز ہوکر گم رہی میں ڈالتا ہے۔اللہ تعالی ہمیں اس وبال سے محفوظ رکھے۔

فائدہ: تلاوت قرآن بھی ذکر ہے

اے عزیز!تم پر واضح رہے کہ جس طرح یہ مقام؛ خلوت گزینی اور لَآاِلٰہَ اِلَّا اللہ کے ذکر میں مشغول ہونے سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح تلاوت قرآن سے بھی حاصل ہوتا ہے۔اور حقیقت میں ایسا نہیں ہے جیساکہ بعض جاہل صوفیہ کی خام خیالی ہے کہ اس کام میں تلاوت قرآن کا کوئی اثر اور کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ حاشا وکلا! ایسا ہرگز نہیں ،بلکہ سالک جب دل کی موافقت کے ساتھ خلوت کی حالت میں تلاوت قرآن میں خوب مشغول رہتا ہے اور نفسانی خیالات کے بجائے قرآن کے معانی میں ڈوبا رہتا ہے تو ایسی صورت میں تلاوت قرآن اور نماز میں آسانی ہوتی ہے اور اس آسانی کی وجہ سے سالک کا باطن منور ہوجاتا ہے اور قرآن کا نور اس کے دل میں منتشر ہوکر گھر کرلیتا ہے اور جس طرح کلمہ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللہ سے ذکر ذات حاصل ہوتا ہے، اسی طرح تلاوت قرآن سے بھی ذکر ذات حاصل ہوتا ہے، البتہ کلمہ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللہ جلد اثر انداز ہوتا ہے اور دوسری عبادتیں دیر سے اثر انداز ہوتی ہیں؛ اسی وجہ سے اکثر مشائخ نے لَآاِلٰہَ اِلَّا اللہ کے ذکر کو اختیار کیا ہے اور اسی کے توسط سے اس راہ میں تیزی سے آگے بڑھے ہیں۔

صاحبِ خلوت کے لیے جماعت کی اہمیت

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ خلوت گزینوں کو نماز باجماعت کی پابندی اور حفاظت کی بہت زیادہ تاکید فرمایا کرتے تھے۔آپ فرماتے تھے کہ اگر کسی کو جماعت کے لیے خلوت خانہ سے باہر نکلنے میں پراگندگی قلب پیدا ہو تو اس کو چاہیے کہ کسی کو کہہ دے کہ وہ نماز کے وقت حاضر ہوجایا کرے اور اس کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرلیا کرے۔

آپ یہ بھی فرماتے کہ بعض خلوت گزینوں کو میں نے دیکھا کہ تشویش اور پراگندگی خاطر کی وجہ سے خلوت سے باہر نہیں نکلے تو انھوں نے بغیر جماعت ہی نماز ادا کرلی۔اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کی عقل اور ان کے مزاج میں تشویش وفرق پیدا ہوگیا۔اس لیے جماعت کی رعایت ایک اہم امر ہے۔

خلوت نشینوں کو چاہیے کہ جب جماعت کے لیے باہر نکلیں توذکر بند نہ کریں۔ راہ میں بھی ذکر میں مشغول رہیں۔ دائیں بائیں نہ دیکھیں اور راہ میں جو کچھ سنیں اس پر کان نہ دھریں، ادھر ادھر متوجہ نہ ہوں اور کوشش کریں کہ جماعت کے لیے اس وقت باہر آئیں کہ امام کی تکبیر تحریمہ پالیں اور جب امام سلام پھیر دے، جلدی سے خلوت خانہ کی طرف لوٹ جائیں، تاکہ تشویش میں مبتلا نہ ہوں۔

پیر دست گیر حضرت قطب عالم مریدوں کو کلاہ عطا کرنے اور توبہ سے فراغت کے بعد جب تربیت کرتے تو آپ فرماتے: جس بات کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم فرمایا ہے اس پر عمل کرو اور جس بات سے منع فرمایا ہے اس سے باز رہو۔ اور اس میں غسل جمعہ، جماعت کی پابندی، ایام بیض کے روزے اور اوابین کی چار رکعتوں کا خاص طور سے ذکر فرماتے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: سونے اور چاندی کے کان کی طرح لوگ بھی کان ہیں۔ [1] لہٰذا انہیں بھی کثرت ذکر و تلاوت، وضو کی پابندی، روزہ کی پابندی، نماز کی پابندی اور شہوتوں اور لذتوں کو ترک کرنے کی حاجت ہے؛ کیوں کہ شہوتوں اور لذتوں کی صورت میں لوگوں کو نفس کے جائز حقوق کی طلب نہیں ہوتی، بلکہ حقوق سے بڑھ کر ان باتوں کی طلب ہوتی ہے جن سے نفس کو حظ اور لذت حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح ظہور ولایت کے لیے مراقبہ، رب تعالیٰ کے ساتھ حضور قلب کی پابندی اور اس کے ساتھ مسلسل مناجات کی حاجت ہے۔

مفہوم یہ ہے کہ جس طرح سونے اور چاندی کی کان زمین میں ہوتی ہے اور اس کو کھودنے کی ضرورت ہوتی ہے، جب تک اس کو کھودا نہیں جائے گا سونا چاندی باہر نہیں نکلیں گے اور ہاتھ نہیں آئیں گے، اسی طرح آدمی کے باطن میں جو عالمِ دل ہے، اس میں ولایت کا نور بھی کان کی طرح ہے، بلکہ یہ انمول کان ہے، یہ اس وقت تک ظاہر نہیں ہوگا اور باہر نہیں نکلے گا جب تک کہ ذکر و تلاوت کی کثرت، وضو اور ریاضت نفس کی پابندی نہ کی جائے۔ انہی چیزوں کے

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب الارواح جنود مجندہ

ذریعے عالم دل کو کھودنے سے نورِ ولایت کا ظہور ہوتا ہے۔ پیر دست گیر قطب عالم یہ شعر بارہا پڑھا کرتے تھے:

تو بہ قیمت ورای دوجہانی　　چہ کنم قدر خود نمی دانی

(تم قیمت میں دونوں جہان سے بڑھ کر ہو، لیکن کیا کروں کہ تمھیں خود ہی اپنی اہمیت کا اندازہ نہیں۔)

اگر سعادت ازلی بندہ کی معین و مددگار رہی اور توفیق الٰہی نے اس کی رفاقت کی اور وہ مذکورہ بالا چیزوں میں مشغول ہوا تو رب کریم کے کرم سے امید ہے کہ عالم دل سے نور حقیقی کی کان ولایت ظاہر ہوجائے گی اور وہ نورِ حقیقی کا مالک اس پر قابض ہوجائے گا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

طلب و مجاہدہ شرط ہے:

اے عزیز! مجاہدہ اور طلب شرط ہے۔ جب تک بے راہ روی سے باز نہیں آؤگے اور جب تک شک و شبہہ سے باہر نہیں نکلوگے اس وقت تک یہ ملک ہاتھ آنے والا نہیں ہے۔ چنانچہ جس نے بھی کمر ہمت کس لی اور ظاہر و باطن کے ساتھ اس راہ میں نکل پڑا، وہ یقیناً مقصود تک پہنچ گیا اور جو شخص دنیاوی خواہشات اور نفس کا غلام ہوگیا اور اس راہ میں کوشاں نہیں ہوا، وہ یقیناً محروم رہا۔ کسی نے کیا ہی اچھی بات کہی ؎

تو راہ نہ رفتہ ازان نہ نمودند　　ورنہ کہ زد ایں در کہ برو نکشودند

(تم تو اس راہ پر چلے ہی نہیں اسی لیے اس کا ظہور نہیں ہوا، ورنہ کون ہے جس نے اس در پر دستک دی ہو اور اس کے لیے یہ در نہ کھلا ہو۔)

پیر دست گیر حضرت قطب عالم فرماتے تھے کہ ایک روز ایک شخص امام شبلی رحمہ اللہ کے پاس آیا اور عرض کی کہ کچھ وصیت فرمائیں۔ حضرت شبلی نے فرمایا: اِلْزَمِ الوَحْدَةَ وَامْحُ اسْمَكَ عَنِ القَوْمِ وَاسْتَقْبِلِ الجِدَارَ حَتّٰى تَمُوْتَ یعنی تنہائی کو لازم کرلو، اپنا نام و نشان مخلوق سے مٹادو، یہاں تک کہ لوگوں کو تمھاری زندگی اور موت کا بھی پتہ نہ چلے اور وہ تمھاری تعریف یا مذمت میں

مشغول نہ ہوں اور قبلہ کی طرف منھ کیے رہو یہاں تک کہ تم کو موت آجائے۔

پیر دست گیر قطب عالم حضرت شاہ مینا بار ہا فرمایا کرتے کہ غیر کا خیال اور غیر کی فکر دل کو جلا کر خاکستر اور فنا کر دیتی ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص ذکر الٰہی سے اعراض کرتا ہے، ہم اس کے اوپر شیطان مسلط کر دیتے ہیں، وہ شیطان اس کا دنیا میں قرین اور ہم نشین ہو جاتا ہے، وہ قیامت میں اور دوزخ میں بھی اس کا قرین و ہم نشین ہوگا۔ (الزخرف:۳۶)

اے عزیز! جو شخص ذکر الٰہی سے اعراض کرتا ہے شیطان اس کا ہم نشین بن جاتا ہے، پھر یقینی طور پر نفسانی خیالات اس کے اوپر غالب ہو جاتے ہیں اور وہ رب تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال و جمال کے مشاہدے سے محروم رہ جاتا ہے۔ اللہ کی پناہ!

یقین سے جان لو! اولیاء اللہ کو کسی دشمن کی دشمنی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ حق تعالیٰ کے ان حقیقی معنوں میں صادق اور مخلص بندوں کو باطل پرستوں کی بیہودگی سے کوئی ضرر نہیں پہنچنے والا

اگر جہاں ہمہ دشمن شود، ز دولت دوست   خبر ندارم از ایشاں کہ در جہاں ہستند

(اگر سارا جہاں دشمن ہے تو کیا ہوا، اللہ کا کرم ہے کہ مجھے اس بات کی خبر ہی نہیں کہ وہ دنیا میں موجود بھی ہیں۔)

تو خدا را شو اگر جملہ عالم دریا است   بخدا گر سر موئے قدمت تر گردد

(ایسے وقت میں جب کہ پوری دنیا دریا ہو جائے، تم رب تعالیٰ کے ہو جاؤ، اللہ کی قسم! اگر بال برابر بھی تمھارا پاؤں بھیگ جائے تو کہنا۔)

ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

تا ترا دل بستگی ہست با جہان   جانب حق باشد از چشمت نہان
ہر کہ اعمیٰ ہست در دنیا ز حق   ہم چناں اعمیٰ ست در عقبیٰ ز حق
ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دون   ایں خیالست و محالست و جنون
اجتماع دو نبود این بدان   با کسے حاصل نہ گردد این و آن

(۱) جب تک اس جہان کے ساتھ تمھارا دل لگا ہوا ہے، حق تمھاری آنکھوں سے پوشیدہ

ہی رہے گا۔

(۲) جو اس دنیا میں حق سے اندھا ہے، وہ اسی طرح آخرت میں بھی حق سے اندھا ہی رہے گا۔

(۳) مولیٰ تعالیٰ کو بھی چاہتے ہو اور اس کم تر دنیا کو بھی، یہ خیال محال اور جنوں ہے۔

(۴) یہ جان لو کہ یہ دونوں باتیں ایک ساتھ حاصل نہیں ہوسکتیں، کسی کو بھی یہ (دنیا) اور وہ (مولیٰ) دونوں حاصل نہیں ہوتے۔ (۱)

رئیس درویشاں محتسب عارفاں شیخ قوام الدین لکھنوی فرماتے ہیں کہ مشائخ طریقت نے فرمایا ہے کہ مرید کو اس قدر کوشش کرنی چاہیے کہ سوئی کے سوراخ کے برابر ہی سہی، عالم غیب کی طرف نگاہ پڑ جائے۔

---

(۱) حضرت داعی اسلام دام ظلہ العالی نے اسی مضمون کو اپنی مثنوی ''نغمات الاسرار فی مقامات الابرار'' میں اس طرح باندھا ہے:

طالب حق طالب دنیا نہ بن — نفس اور شیطان کا بندہ نہ بن
بندگیِ نفس امارہ فضول — اس کا کچھ حاصل نہ اس کا کچھ حصول
اہل دنیا کے لیے عقبیٰ نہیں — اہل عقبیٰ کے لیے دنیا نہیں
دین و دنیا دونوں ہاتھ آتے ہیں کب؟ — یہ ہوس دل میں نہ رکھ اے بے ادب

فائدہ:

پانچویں شرط: دوام ذکر

سالک کے لیے پانچویں شرط یہ ہے کہ حضور قلب اور پوری قوت کے ساتھ زبان سے ذکر کی پابندی کرے۔

ذکر کلمہ طیبہ کا طریقہ

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے: ذاکر پوری قوت و ہمت کے ساتھ اس طرح ذکر کرے کہ اس کے تمام اعضا پر لرزہ طاری ہو جائے اور وہ سب اس طرح بے قرار ہو جائیں کہ اس کا سارا وجود آتش ذکر کی تپش سے جھلس جائے۔

لا الہ الا اللہ کے ذکر میں جلدی نہیں کرنی چاہیے، لا الہ کہتے وقت مد کو مکمل طور پر کھینچے اور الا اللہ کہنے میں بھی آخر میں مد کو مکمل طور سے کھینچے۔

آپ یہ بھی فرماتے کہ شرح اوراد میں مذکور ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ قَالَ: لَاإِلٰهَ إِلَّااللهُ وَمَدَّهَا غَفَرَاللهُ لَه أَرْبَعَةَ آلَافِ ذَنْبٍ مِنَ الكَبَائِرِ [1] جس نے لَاإِلٰهَ إِلَّااللهُ کہا اور اس میں مد کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے چار ہزار کبیرہ گناہوں کو معاف فرمادے گا۔

مصباح السعادۃ میں بھی حضرت نافع کے حوالے سے ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ قَالَ: لَاإِلٰهَ إِلَّااللهُ مُخْلِصًا

---

(۱) کنز العمال، کتاب الایمان، فضل الشہادتین من الاکمال (۲۰۲) ابن نجار نے حضرت انس سے روایت کی ہے۔

وَمَدَّبِهَا صَوتَه أَسْكَنَه اللهُ دَارَالجَلَالِ، فَكَتَبَ اللهُ لَه الرِّضْوَانَ الأَكْبَرَ وَكَانَ مِمَّنْ يَنْظُرُ إِلَى اللهِ تَعَالَى غُدْوَةً وَعَشِيًّا[1] جس نے اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہا اور اس میں مد کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جلالت والے گھر میں ٹھہرائے گا، اس کے لیے ”رضوان اکبر“ لکھ دے گا اور وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔

بعض حضرات ترک مدّ کو اولیٰ قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کیا پتا کہیں اسی نفی کی حالت میں موت آجائے، اس لیے مد کو ترک کر دینا اولیٰ ہے، تاکہ لائے نفی سے اثبات کی طرف جلدی سے جلدی پہنچ جائے، البتہ مد کو صوفیہ نے مختار قرار دیا ہے؛ کیوں کہ فتاویٰ صوفیہ میں دونوں اقوال ذکر کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ مد کرنا اولیٰ ہے تاکہ مد کرتے وقت اضداد و انداد کی مخالفت و نفی تفصیلی طور پر دل میں آجائے، اور اس کے بعد ”الا اللہ“ کہے، اس صورت میں الوہیت کا اقرار اصفیٰ اور اکمل ہوگا۔

خزانۂ جلالی میں آیا ہے ذکر محبانہ ہوتا ہے اور محبوبانہ، محبوبانہ ذکر یہ ہے کہ کلمہ لا کی ادائیگی کے وقت لا کو ذوق و شوق کے ساتھ دراز کرے کہ عالم میں اصل بقا ہے اور امید ہے کہ کلمہ نفی سے اثبات تک پہنچ جائے گا۔ مد کی حالت میں نفی و اثبات کے اسرار کا دل میں خیال لائے، کلمۂ نفی کے مد کو کلمۂ اثبات کے مد سے زیادہ کھینچے اور فضل الٰہی سے جب کوئی کمال تک پہنچ جائے اور حق تعالیٰ کا محبوب ہو جائے تو وہ تمام وجوہ کے ساتھ اس طرح اس کے لیے مستعد اور منتظر رہے کہ شاید کلمہ لا الٰہ کہتے وقت ہی پیک اجل آجائے اور الا اللہ کہنے سے رہ جائے اس لیے وہ فوراً الا اللہ کہہ دے اور مد نہ کرے۔ ذکر درستگیٔ حروف، تعظیم اور حضوریٔ قلب کے ساتھ زبان پر لائے اور دل کو زبان کے مطابق بنائے؛ کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ ذَكَرَ اللهَ وَقَلْبُه سَاهٍ عَنِ اللهِ، فَاللهُ خَصْمُه يَوْمَ الْقِيٰمَةِ[2]

---

(۱) ابن حبان/المجروحین، تحت ترجمة عباد بن کثیر الثقفی الکاھلی (۹۶/۲)، ذہبی/میزان الاعتدال، تحت ترجمة عباد بن کثیر (۳۷۳/۲) بہ الفاظ: مَنْ قَالَ : لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَمَدَّ بِهَا صَوْتَهُ أَسْكَنَهُ اللهُ دَارَ الْجَلَالِ - دَارًا سَمَّى بِهَا نَفْسَهُ فَقَالَ : ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَام - وَرَزَقَهُ النَّظَرَ إِلَى وَجْهِهِ

(۲) یہ حدیث نہیں ملی، لیکن حضور قلبی کے ساتھ اللہ کا ذکر یا دوسری عبادت جیسے نماز ادا کرنے کی فضیلت پر صحیح حدیثیں وارد ہیں

جس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر اس حال میں کیا کہ اس کا قلب غافل تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کا حریف ہوگا۔

امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اُدْعُوا اللهَ وَأَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالإِجَابَةِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللهَ لَا يَسْتَجِيبُ دُعَاءً عَنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ وَسَاهٍ[1] اللہ تعالیٰ کو پکارو، وہ تمھاری پکار کو سنے گا، لیکن جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل، لہو و سہو میں ڈوبا ہوا دل رکھنے والے انسان کی دعا نہیں قبول فرماتا۔

فتاویٰ غیاثی میں کہا گیا ہے کہ جو شخص غافل دل کے ساتھ دعا کرتا ہو اور اس کے لیے حضوری قلب ممکن نہ ہو تو اس کے لیے دعا نہ کرنے سے دعا کرنا افضل ہے۔

اے عزیز! یقیناً حرف (زبانی ذکر) اور صرف (دل کا پھیرا) دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ مفتی حضرات جو اہل لسان ہیں، صاحبان دل صوفیوں کے لیے قلب کی پراگندگی پیدا کرنے والے ہیں جب کہ صوفیہ اجود الفریقین ہیں۔ یعنی صوفیہ کی جماعت دونوں جماعتوں میں عمدہ ترین ہے۔ فقہا اور محدثین آسانی اور سہولت کی طرف جاتے ہیں، جب کہ صوفیہ عزیمت و سختی کی طرف جاتے ہیں۔ یہ حضرات ہمیشہ معائنے اور مشاہدے کی طلب میں رہتے ہیں: وَلَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ – ع – شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے کہ ایک بزرگ کسی صاحب دل درویش کے پاس پہنچے۔ انھوں نے اس درویش سے مسئلہ پوچھا، اس دوریش نے دائیں بائیں دیکھا اور کوئی جواب نہیں

جیسے: مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هَذَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ لاَ يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (صحیح البخاری، کتاب الوضو، باب الوضو ثلاثا ثلاثا، ۱۵۹) جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا، پھر دو رکعت ایسی نماز ادا کی جس میں اللہ کے علاوہ دوسرے خیالات میں ڈوبا نہ رہا، اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اسی طرح صوفیہ اس آیت کریمہ سے بھی استدلال کرتے ہیں: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ (الماعون: ۵-۴) ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے جو نماز میں یاد الٰہی سے غافل رہتے ہیں، صرف ریا کے لیے نماز ادا کرتے ہیں۔

(۱) سنن الترمذی، ابواب الدعوات (۳۴۷۹)۔ مسند احمد، از عبد اللہ بن عمر (۶۶۵۵)

دیا۔ اس کے بعد آسمان کی طرف دیکھا، لیکن پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر تک سر جھکائے رہا اور پھر جواب دینا شروع کیا۔ جب وہ جواب سے فارغ ہو گئے تو ان سے آں بزرگ نے پوچھا: آخر کیا وجہ تھی کہ آپ نے دائیں بائیں دیکھا، پھر آسمان کی طرف دیکھا لیکن پھر بھی خاموش رہے۔ یہ دیکھنا کس لیے تھا اور آپ نے سر کس لیے جھکایا تھا؟ درویش نے کہا: اے عزیز! جب تم نے وہ مسئلہ پوچھا تو ظاہری کتاب میں اس کا کوئی جواب نہیں تھا، دائیں بائیں طرف کے فرشتوں سے پوچھا کہ تمھارے پاس اس کا کوئی جواب ہے انھوں نے کہا نہیں! پھر میں نے لوح محفوظ پر نظر ڈالی، وہاں بھی اس کا کوئی جواب نہیں ملا، تب میں اپنے مقام دل میں پہنچا اور میں نے اس سے جواب طلب کیا تو وہ جواب جو حق تھا وہاں تک مجھے شایانِ شان رسائی حاصل ہوئی اور میں نے وہ جواب جس طرح سننا چاہیے تھا اسی طرح سنا اور وہ جواب میں نے تم کو دے دیا۔

فائدہ: ذکر کے لیے چار ضروری چیزیں

بعض صوفیہ نے فرمایا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والے کے لیے چار چیزیں ضروری ہیں: (۱) تصدیق (۲) تعظیم (۳) حلاوت اور (۴) حرمت، تاکہ وہ کامیاب ہو اور مخلصین کے زمرے میں شامل ہو سکے۔ چنانچہ جس ذاکر کے یہاں تصدیق نہ ہوگی جو ایمان کا اصل رکن ہے، تو وہ منافق ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء:۱۴۵) (بے شک منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے) اور وہ ذاکر جس کے یہاں ذکر کی تعظیم نہیں ہوگی، یعنی جو عظمت وجلال کے احساس کے ساتھ ذکر نہیں کر رہا ہوگا وہ بدعتی ہوگا اور بدعتی دین اسلام سے خارج ہے۔[1] اور جس ذاکر کے یہاں ذکر کی حلاوت نہیں ہوگی، اس طرح کہ وہ حظ اور

---

(۱) حضرت مخدوم صاحب قدس سرہ نے یہ بات تشدیداً کہی ہے، ان کے سامنے یہ امر ہے کہ کوئی شخص تعظیم کے بغیر ذکر نہ کرے، یہ اہل ایمان کا شیوہ نہیں، ورنہ اہل حق کا اس امر پر اجماع ہے کہ بدعتی گمراہ ہے، جب تک اس کی بدعت کفر کی شکل اختیار نہ کر لے، البتہ فقہا بعض دفعہ بدعت پر بھی سد ذرائع کے طور پر حکم کفر جاری کر دیتے ہیں۔ ہاں! اگر کسی کے دل میں ذکر اللہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے، وہ اسے معمولی اور حقیر سمجھتا ہے تو ایسا شخص صرف بدعتی نہیں بلکہ منافق ہے۔ حضرات صوفیہ قدست اسرارھم کے یہاں اس طرح کے تشدیدی احکام بہت ملتے ہیں اس طرح کے احکامات قطب ربانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کی کتب مثلاً فتوح الغیب اور الفتح الربانی میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

ذوق کے ساتھ ذکر نہیں کر رہا ہوگا تو وہ ریاکار ہے اور ریاکار مشرک ہے۔ اور جس ذاکر کے یہاں ذکر کی حرمت نہیں ہوگی یعنی جو ذکر کی کوئی عظمت اور اس کی قدر و منزلت نہیں جانتا ہوگا، وہ فاسق ہے اور فاسق کو عذاب ہوگا اور وہ وصول و وصال سے محروم ہوگا۔

خواجہ سہل تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جمعہ کے روز مسجد سے باہر نکلے تو آپ نے لوگوں کی طرف دیکھا اور اس کے بعد فرمایا: لاالہ الااللہ کہنے والے تو بہت ہیں لیکن ان میں مخلصین بہت کم ہیں، یعنی زبان سے لاالہ الااللہ کہنے والے بے شمار ہیں، لیکن مخلصین جن کے گفتار کا مقصود عمل واخلاص ہوتا ہے، ایسے لوگ کم ہیں اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور ان خواص کے علاوہ جن کو آپ ﷺ کے طفیل منتخب فرمالیا گیا اور مخلصین میں سے کر دیا گیا اور کوئی ان مذکورہ صفات میں کمال کو نہیں پہنچا، یعنی یہ تمام صفتیں کسی کے اندر ایک ساتھ جمع نہیں تھیں۔ اسی لیے رسول مصطفی ﷺ سے فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (محمد:۱۹) فرمایا گیا، (جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں!) صرف لاالہ الااللہ کہنے کو نہیں کہا گیا۔ ایسا اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا مرتبہ بڑا ہے اور آپ کا درجہ بلند ہے اور یہ تمام باتیں آپ کے شایان شان اور آپ کے لیے ہی زیبا ہیں۔ اور دوسروں کو لاالہ الااللہ کہنے کے علاوہ کسی اور چیز کی جانب نہیں بلایا گیا؛ کیوں کہ طبیعت انسانی کے مختلف ہونے کے باوجود دوسروں کو اس بات کی طاقت نہیں تھی کہ پہلے ہی ان کو کلمۂ لاالہ الااللہ کے علم کا حکم دے دیا جائے۔ رسول مصطفیٰ ﷺ پیدائشی طور پر اللہ کے برگزیدہ تھے، ظاہری بشری صورت رکھنے کے باوجود آپ کو ان تمام باتوں پر قدرت تھی، اور جو آپ چاہتے تھے وہ آپ کو حاصل ہوجاتا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت کریمہ: فَاذْكُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ (نسا:۱۰۳) کا معنی یہ ہیں کہ جہاں بھی رہو، دن رات اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، خواہ خشکی میں رہو یا سمندر میں، سفر میں رہو یا حضر میں، غنا میں رہو یا فقر میں، مرض میں رہو یا صحت میں، خلوت رہو یا جلوت میں، اس آیت میں ”اذْكُرُوا“ امر کا صیغہ ہے اور امر کا صیغہ وجوب کے لیے آتا ہے، لہٰذا یقینی طور پر ذکر فرض ہوگا، حق تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ کسی بھی حال میں ذکر الٰہی سے غافل مت ہو؛ کیوں کہ اَلْغَفْلَۃُ عَنِ اللّٰہِ تَعَالٰی مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ اللہ تعالیٰ سے غفلت برتنا بڑے

گناہوں میں سے ایک ہے۔

اس فقیر کے پیر دست گیر کبھی کبھی جب اس آیت کو بیان فرماتے تو تفسیر بیان فرمانے کے بعد اس آیت کے مفہوم کے موافق ایک دوہا بیان فرماتے۔ اس سے حاضرین و متعلمین اور طالبین کو بڑا ذوق اور بڑی خوشی حاصل ہوتی ۔

اوٹھت بیٹھت لیٹت لیجے بھتی کو رکھ ادھیر نہ کیجے [1]

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ فرماتے تھے: حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ایسے فرشتے ہیں جو گلیوں اور راستوں میں گھوم کر اہل ذکر کو تلاش کرتے ہیں، جب وہ ان لوگوں کے پاس آتے ہیں جو ذکر الٰہی میں لگے ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مقصود کی طرف تیزی سے آؤ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ اپنے پروں سے آسمان دنیا تک کو گھیر لیتے ہیں اور ایک دوسرے کے نیچے آجاتے ہیں اور جب اہل ذکر جدا ہو جاتے ہیں تو وہ فرشتے آسمان کی طرف واپس چلے جاتے ہیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ جو تمام امور کا عالم ہے اور جو ذاکروں کے احوال کو جاننے والا ہے، وہ فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ کہاں سے آرہے ہو؟ وہ فرشتے جواب میں کہتے ہیں، زمین پر جو تیرے بندے ہیں ان کے پاس سے آرہے ہیں۔ رب تعالیٰ جو ان ذاکروں کے احوال کو خوب جانتا ہے وہ فرشتوں سے سوال کرتا ہے کہ میرے بندے کیا کہہ رہے تھے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں وہ تیری تسبیح و تہلیل بیان کر رہے تھے، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہہ رہے تھے، تیری تمجید و بزرگی بیان کر رہے تھے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ پڑھ رہے تھے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان بندوں نے مجھ کو دیکھا ہے۔ فرشتے جواب دیتے ہیں: اللہ کی قسم! انھوں نے تجھ کو نہیں دیکھا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھ کو دیکھ لیں تو کیا ہوگا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ دیکھ لیں تو وہ تیری اور زیادہ عبادت کریں گے، وہ تیری اور تمجید و تسبیح بیان کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کی مجھ سے طلب کیا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں وہ تجھ سے جنت کے طلب گار ہیں، پھر

---

(۱) فوائد سعدیہ میں ''او سر کیجے'' ہے۔ مجمع السلوک کی عبارت کو یہاں ترجیح دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انھوں نے جنت کو دیکھا ہے ؟فرشتے کہتے ہیں: واللہ !اے میرے رب !انھوں نے جنت کو نہیں دیکھا ہے۔ پھر حق تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ جنت کو دیکھ لیں تو پھر کیا ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر وہ جنت کو دیکھ لیں تو جنت کے لیے ان کی خواہش ورغبت اور بڑھ جائے گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں ؟فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ جہنم کی آگ سے پناہ طلب کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انھوں نے جہنم اوراس کی آگ کو دیکھا ہے ؟فرشتے عرض کرتے ہیں: واللہ اے میرے رب! انھوں نے نہیں دیکھا ہے۔ پھر فرمان الٰہی ہوتا ہے کہ اگر یہ لوگ جہنم کی آگ کو دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہو گا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر یہ جہنم کی آگ کو دیکھ لیں تو یقیناً یہ اس کی آگ سے بہت زیادہ فرار اختیار کریں گے اور اس سے ان کا خوف اور بڑھ جائے گا۔ فرشتے کہتے ہیں: تیرے یہ بندے تجھ سے مغفرت چاہتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرشتو! میں تم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا۔ ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے: پروردگار! ان ذاکرین میں فلاں شخص ایسا ہے جو ذاکرین میں سے نہیں ہے، وہ اپنی ضرورت سے آیا تھا، اتفاق سے ان کے درمیان بیٹھ گیا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے: هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ یہ ایسے لوگ ہیں جن کی صحبت میں بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا، ان کے ہم نشین کو بھی میں نے بخش دیا۔ (۱)

فائدہ:

دل میں اللہ تعالیٰ کو ثابت کرے اوراس کو جگہ دے، غیر کی نفی کرے اوراس کو داخل نہ ہونے دے، تاکہ ذکر، ذاکر کے تمام اعضا کا احاطہ کرلے، اس کے دل وجان اور رگ وپے میں سرایت کرجائے اوراغیار کے تمام خس وخاشاک جو ذاکر کے دل میں سرابھارے ہوئے ہوں، اس کے رگ وپے سے باہر نکل جائیں۔

خواہم کہ بیخ صحبت اغیار برکنم در باغ دل رہا نکنم جز نہال دوست

(۱) صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب فضل مجالس الذکر (۲۶۸۹)

(میں چاہتا ہوں کہ دل سے اغیار کی صحبت کی بیخ کو نکال پھینکوں، تاکہ اس باغیچے میں دوست کے پودے کے سوا کچھ بھی نہ رہے)

تاکہ جب ذکر دل میں مستحکم ہوجائے تو اس کے انوار و آثار ذاکر کے رگ و پے میں سرایت کر جائیں اور جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ (الاسراء:۸۱) (حق آگیا اور باطل فنا ہوگیا) کے مطابق اغیار کے آثار دل سے شکست خوردہ ہوکر باہر نکل جائیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (المائدہ:۵۴) یہ اللہ کا خاص فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

معرفۃ المریدین و دلیل السالکین میں ہے: بہترین ذکر یہ ہے کہ صبح کے وقت بلند آواز سے ذکر کرے تاکہ گھر والوں اور پڑوسیوں کو بھی حظ حاصل ہو کہ اگر اسی طرح ذکر کرتا رہے گا تو کبھی نہ کبھی وہ ذکر سن ہی لیں گے۔ اس طرح ذکر کی بڑی برکتیں ہیں۔ بعض علما فرماتے ہیں کہ آہستہ سے ذکر کرے، البتہ لفظ اللہ بلند آواز سے کہے اور اتنی بار ذکر کرے کہ اس کے بدن کا ہر ایک بال زبان بن جائے اور اس طرح احساس ہونے لگے کہ تمام اعضا زبان بن گئے ہیں۔

خزانۂ جلالی میں لکھا ہے کہ شیخ الاسلام امین الدین گازرونی نے فرمایا ہے: بلند آواز سے ذکر کرے اور بلند جگہ پر ذکر کرے تاکہ دوسرے اس کی آواز سن سکیں۔ اس ذکر سے وہ لوگ بھی بیدار ہوجائیں اور مولیٰ تعالیٰ کو یاد کریں۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے فرمایا کہ محمد ﷺ کی امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو اشراق کے وقت قیام کریں گے اور لا الہ الا اللہ کا ذکر کریں گے۔ میرے نزدیک ان لوگوں کا بدلہ انبیا جیسا ہوگا۔[1] شیخ امین الدین گازرونی فرماتے ہیں۔

چون بلبل بي قرار در موسم گل   مي نال دلا كه بعد ازيں نتواني

(اے دل! موسم بہار کی بے قرار بلبل کی طرح فریاد کرلے، کہ بعد میں پھر اس کا موقع

---

(۱) حلیۃ الاولیا و طبقات الاصفیا، تکملۃ کعب الاحبار (۶/۳۲)

نہیں مل سکے گا۔)

کنوز جلالی میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا: ذکر جہری اچھا ہے اور ذکر سری بہتر ہے، دونوں کا ثبوت صحیح احادیث سے ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: أَفضَلُ الذِّكرِ ذِكرُ الخَفِيِّ ذکر خفی افضل ہے۔[1]

لفظ خفی الفاظ اضداد میں سے ہے، یعنی سر و جہر دونوں معنی میں اہل لغت سے ثابت ہے۔ پھر یہ کہ ذکر خفی وہ ذکر ہے جس میں زبان بند ہو اور دل ذاکر ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ ذکر آہستہ ہو۔

طریقۂ ذکر جہری

ذکر جہری کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ چہار زانو سختی کے ساتھ بیٹھے، داہنا پاؤں پھیلا کر بایاں پاؤں اس پر رکھ لے، قبلہ رو بیٹھے، کمرہ تاریک ہو، اس میں کوئی کھڑکی نہ ہو تاکہ خلل نہ ہو، دونوں آنکھیں بند کر لے، بائیں طرف سے لا الہ کی نفی کرے اور جب تک سانس ساتھ دے لا کو کھینچ کر داہنی طرف لائے اور پھر الا اللہ کا اثبات بائیں طرف قوت و شدت کے ساتھ کرے۔ اس طریقے سے دل کی قساوت اور سختی دور ہوتی ہے۔

ذکر جہری و سرّی پر مخدوم صاحب کی رائے

بعض مشائخ رضوان اللہ علیہم نے ذکر جہری کو راجح قرار دیا ہے اور ان کا مقصود یہ رہا ہے کہ دوسروں کو نفع پہنچے، لوگوں کی رہ نمائی ہو، بھیڑ بھاڑ اور شور و شغب کی آواز نہ آئے اور مکمل حضوری حاصل ہو اور بعض مشائخ نے سری ذکر کو ترجیح دیا ہے اور ان کا مقصود یہ تھا کہ شہرت سے دور رہا جائے اور ریا کا گمان نہ آنے پائے۔ انھوں نے ذکر جہری اس لیے نہیں منع کیا کہ یہ حضرات ذکر جہری کو مکروہ و حرام سمجھتے ہیں، ہرگز نہیں۔

مخدوم سید جلال الدین بخاری اور دوسرے مشائخ ذکر جہری کو راجح قرار دیتے تھے اور حضرت مخدوم قوام الدین (جو کہ مخدوم سید جلال الدین بخاری کے مرید تربیت ہیں) اور بعض

---

(۱) مسند احمد، از سعد بن مالک (۱۴۷۷)، مسند عبد بن حمید (۱۳۷)، صحیح ابن حبان (۸۰۹).

دوسرے مشائخ ذکر خفی کو ترجیح دیتے تھے۔ حضرت بندگی شیخ سارنگ اور اس فقیر کے پیر دست گیر بھی ذکر جہری کو ترجیح دیتے تھے۔

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ ان میں سے ہر ایک کی نیت مختلف تھی اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: لِكُلِّ امْرِءٍ مَانَوىٰ [1] ہر انسان کو اس کی نیت کا بدلہ ملنا ہے۔

فَخُذْ أَيَّ بَابٍ تَرَاه صَوَابًا فَلِلْجَهْرِ بَابٌ وَ لِلسِّرِ بَابٌ

(جو در تم کو پسند آئے اسے پکڑ لو، ذکر جہری کا بھی ایک مقام ہے اور ذکر سری کا بھی ایک مقام ہے۔)

دورانِ ذکر تصور شیخ

طالب جب ذکر کے وقت ''لا'' کو کھینچے، اس وقت اپنے دل میں شیخ کا خیال جمائے اور دل میں کہے اور اس بات کا یقین رکھے کہ شیخ کی روحانیت میرے پاس حاضر ہے۔ اگرچہ شیخ کا جسم یہاں موجود نہیں ہے لیکن وہ عالم روحانیت میں حاضر ہیں اور میری مدد فرما رہے ہیں، یہاں تک کہ ایسا ہو جائے کہ وہ جسم کے ساتھ نظر آجائیں۔

تصور شیخ کی ضرورت

شیخ کی روحانیت کو حاضر جاننا اس لیے ضروری ہے کہ مرید کے ساتھ بہت سارے حجابات ہیں، جن کے ہوتے ہوئے وہ حضرت رب العزت کی جانب توجہ نہیں کر پائے گا؛ کیوں کہ وہ عالم شہادت کا خوگر ہے اور عالم غیب سے آشنا نہیں ہے، جب کہ شیخ کی صورت عالم شہادت سے تعلق رکھتی ہے۔ جب ارادت کا پیوند مضبوط ہو جائے گا تو شیخ کے دل کی جانب توجہ کرنا بھی بہت آسان ہو جائے گا۔ شیخ کا دل چوں کہ عالم غیب کا تربیت یافتہ ہے، بارگاہ رب العزت کی جانب متوجہ ہے اور عالم غیب سے ہر لمحہ شیخ کے دل پر رب تعالیٰ کا فیض نازل ہو رہا ہے، لہٰذا شیخ کے دل کی جانب مرید جس قدر متوجہ ہوگا اسی قدر شیخ کے دل سے اس کی جانب غیبی امداد و ربانی فیضان نازل ہوگا،

---

(۱) بخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ (۱) مسلم، کتاب الامارۃ، باب قولہ ﷺ انما الاعمال بالنیات (۱۹۰۷)

تاکہ مرید کا دل پہلے شیخ کے واسطے سے غیبی امداد و فیضان حاصل کرنے کا خوگر ہو جائے اور اس کی پرورش ہو جائے، پھر وہ آہستہ آہستہ بلا واسطہ رب تعالیٰ کے فیوض قبول کرنے کی استعداد حاصل کر لے گا۔ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (الانسان:۲۱) (اللہ تعالیٰ انھیں شراب طہور پلائے گا۔) یہ جام اگرچہ وہی جام ہے لیکن پہلے یہ شیخ کی ولایت کے جام میں اسے عطا کیا جائے گا، پھر نبوت محمدی کے جام میں عطا کیا جائے گا اور پھر ساقی شراب طہور و شہود بلاواسطہ عطا کرے گا۔

زاں می خوردم کہ روح پیمانۂ اوست　　زاں مست شدم کہ عقل دیوانۂ اوست

دودی برجست و آتشی در من زد　　زاں شمع کہ آفتاب پروانۂ اوست

(۱) ایسی شراب پی لی ہے کہ روح اس کا پیمانہ بن گئی ہے، ایسا مست ہوا ہوں کہ عقل اس کی دیوانی ہو گئی ہے۔

(۲) ایک دھواں اٹھا اور میرے وجود میں اس شمع سے آگ لگ گئی جس پر سورج نثار ہے۔

مرید کو چاہیے کہ شیخ کی جانب مسلسل متوجہ رہے، اس کو راہ سلوک میں اپنا رہ نما اور نگہباں سمجھے، اگر کوئی آفت اور کوئی خوف معلوم ہو یا کوئی خوف ناک اور ہیبت ناک چیز نظر آئے تو فوراً شیخ کی ولایت کی پناہ میں بھاگے اور دل ہی دل میں شیخ کی ولایت سے مدد طلب کرے؛ کیوں کہ شیخ کی ہمت و توجہ اور اس کی نگاہ ولایت تمام شیطانی اور نفسانی آفتوں سے حفاظت کرنے والی ہے۔

شرائط ذکر

ذکر کی بعض شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ذاکر مکمل طہارت کے ساتھ ہو؛ یعنی وضو اور غسل کیا ہوا ہو، اس کا بدن اور اس کا کپڑا پاک ہو اور اس کی جگہ بھی پاک ہو، تاکہ اُسے معلوم ہو کہ پاک کو حاصل کرنے کے لیے سب کچھ پاک ہونا چاہیے اور پاکی سے ہی تمام پاکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ جب سالک اپنے ظاہر کو پاک رکھے گا تو امید ہے کہ وہ شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رہے گا۔ الوُضُوْءُ سَلَاحُ المُؤْمِنِ (وضو، مومن کا ہتھیار ہے) کا یہی مطلب ہے اور وہ طہارت ظاہری سے طہارت باطنی تک پہنچ جائے گا۔

کپڑے کی طہارت کے سلسلے میں چار شرطیں بیان کی گئی ہیں: پہلی نجاست سے پاکی، دوسری یہ کہ وہ کپڑا ظلم سے حاصل کیا ہوا نہ ہو، ظلم کی نجاست سے پاک ہو، تیسری یہ کہ وہ کپڑا احرام نہ ہو، یعنی ریشم کا نہ ہو، چوتھی یہ کہ وہ کپڑا رعونت سے پاک ہو اور سنت طریقے کے مطابق چھوٹا ہو۔

ذکر کی ایک شرط یہ ہے کہ ذاکر پالتی مار کر بیٹھے، ذکر کے سوا تمام اوقات میں پالتی مار کر بیٹھنا ممنوع ہے؛ کیوں کہ رسول مصطفی ﷺ جب صبح کی نماز ادا فرما لیتے تو آپ اپنی جگہ پر آفتاب نکلنے تک پالتی مار کر بیٹھے رہتے۔

ذکر کی ایک شرط یہ ہے کہ ذاکر قبلہ کی طرف متوجہ ہو اور اپنا دونوں ہاتھ اپنے دونوں رانوں پر رکھے ہوئے ہو، یا اپنی بائیں ہتھیلی سے اپنی دائیں ہتھیلی کی پشت کو پکڑے ہو اور بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے پیٹ سے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی پشت کو پکڑے ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے، امام حلیمی نے ایسا ہی ذکر کیا ہے۔

لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے: ذاکر جب ذکر میں مشغول ہو تو کلمہ لَاالٰہَ اِلَّا اللہ کا مفہوم اپنے دل میں لائے تاکہ پریشان خاطری سے محفوظ رہے اور اس کا دل اور اس کی زبان دونوں یکساں ہو جائیں۔ اس لیے ذاکر کو چاہیے کہ زبان سے لَاالٰہَ اِلَّا اللہُ کہے اور دل میں لَامَوْجُوْدَ اِلَّا اللہُ، لَامَقْصُوْدَ اِلَّا اللہُ، لَامَعْبُوْدَ اِلَّا اللہُ، لَامَحْبُوبَ اِلَّا اللہُ، لَیْسَ کَرِیْمٌ اِلَّا اللہُ، لَیْسَ رَحِیْمٌ اِلَّا اللہُ، لَیْسَ غَفُوْرٌ اِلَّا اللہُ کا خیال لائے۔

کیفیتِ ذکر

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ فرماتے تھے: ذاکر جب پالتی مار کر بیٹھے اور دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں زانوؤں پر رکھے تو اس کو چاہیے کہ دائیں پاؤں کی انگلی کو رگِ کیماس پر رکھے۔ کیماس اس رگ کو کہتے ہیں جو باطن دل کے ساتھ مربوط ہے، جب ذکر کی قوت پہنچتی ہے تو حرارت باطنی میں مدد ملتی ہے۔

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ تلقین ذکر کے آغاز میں ان کے علاوہ ایک طریقہ اور سکھاتے تھے کہ ذکر کی حالت میں ذاکر اگر اس طرح بیٹھ کر ذکر کرتا تو وہ انداز نشست بھی حرارت باطنی میں مددگار ہوتا اور اس کا اثر زیادہ سرعت سے دل تک پہنچتا۔ چند روز کے بعد بیٹھنے کے تین اور طریقے سکھاتے جس سے کام اعلیٰ درجے تک پہنچتا اور عالم طیر و سیر کا ظہور ہوتا۔

مذکورہ صورتوں پر تلقین ذکر کے بعد شیخ کے ساتھ رابطۂ قلب، مراقبہ، پاس انفاس اور خواطر کی نفی جو مبتدی کی اہم ترین ریاضتیں ہیں، جس کو لائق اور قابل پاتے اسے سکھاتے۔ بیٹھنے کے مذکورہ طریقے، مراقبہ اور پاس انفاس میں سے ہر ایک کا تعلق مرشد کی حضوری سے ہے۔ اس کے اندر بہت زیادہ باریکی کے سبب، قلم میں اس کو لکھنے کی طاقت نہیں۔

حضوری قلب

اس فقیر کے پیر دست گیر نے فرمایا: ذاکر کو چاہیے کہ مکمل حضوری کے ساتھ ذکر کرے اور حق تعالیٰ کو حاضر دیکھے اور اگر ذاکر وہ مرتبہ نہ رکھتا ہو کہ حق تعالیٰ کو حاضر دیکھ سکے تو اس کو حاضر ضرور جانے تاکہ دائرۂ مسلمانی سے خارج نہ ہو اور ذکر میں غفلت سے یقینی طور پر دور رہے؛ کیوں کہ الغَفْلَةُ فِي الذِّكْرِ أَشَدُّ عَنِ الغَفْلَةِ عَنِ الذِّكْرِ ذکر کی حالت میں غافل ہونا ذکر سے غافل ہونے سے بھی بدتر ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ سے روایت ہے: مَنْ قَالَ: 'الله' وَقَلْبُه غَافِلٌ عَنِ الله فَخَصْمُه فِي الدَّارَيْنِ هُوَ الله[1] جس نے اس حال میں 'اللہ' کہا کہ اس کا دل اللہ سے غافل تھا تو دارین میں اللہ تعالیٰ ہی اس کا حریف ہوگا۔ ایک روایت میں ہے: فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ الله تو اس پر اللہ کی لعنت ہوگی۔

اہل خلوت نے اس معنی کا مشاہدہ کیا ہے کہ جب وہ حضورِ سر کے ساتھ ذکر کرتے ہیں تو ان کے سروں پر ایک نورانی بارش ہوتی ہے اور جب وہ غافل ہوتے ہیں تو نورانی بارش کدورت والی بارش میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

---

(۱) سخاوی/الضوء اللامع لاھل القرن التاسع (۱۴۵/۶)، سخاوی نے اس کے بارے میں کہا: ما اعرفہ۔

دیکھتے نہیں، حضرات مشائخ نے فرمایا ہے: شیطان ہمیشہ چاہتا ہے کہ طالب کے قلب میں ذکر کے وقت وسوسہ ڈالے اور اس کو تفرقہ اور باطنی پراگندگی میں مبتلا کر دے، بلکہ ذکر کے درمیان وہ یہ کہتا ہے کہ فلاں تسبیح کا اتنا ثواب ہے اور فلاں نماز کی تو بے شمار فضیلت ہے اور اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ طالب کو ذکر سے روک دے؛ کیوں کہ نفس کے اوپر ذکر سے بڑھ کر کوئی طاعت دشوار گزار نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نور ذکر جب باطن میں داخل ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے شیطان کی گزرگاہیں بند ہو جاتی ہیں۔ اسی مقام کے لیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ذاکر کے لیے واجب ہے کہ ذکر کے درمیان کسی اور طاعت میں مشغول نہ ہو اور یہ کہے کہ جب ذکر سے فارغ ہو جاؤں گا تو وہ طاعت بجالاؤں گا۔ ذکر سے فارغ ہونے کے بعد نماز یا تسبیح پڑھ لے تاکہ شیطان لعین خائب وخاسر اور ناکام ونامراد ہو جائے۔ اس کے بعد ذکر کے درمیان شیطان اس کو پراگندہ خاطری اور وسوسہ میں نہیں ڈالے گا۔

پیر دست گیر قطب عالم قدس اللہ روحہ نے فرمایا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہُ کی نفی کا آغاز بائیں طرف سے کرے، مکمل تعظیم کے ساتھ 'لا' کو ناف سے کھینچے اور ''إلٰہ'' کو سینے کے داہنی حصہ کی طرف گرائے، اور ''إلا'' کو وہاں سے اوپر لے جا کر لفظ ''اللہ'' کو سینہ کے بائیں حصے کی طرف جہاں دل کا لوتھڑا ہے، اس طرح گرائے کہ صنوبری شکل والے دل کے لوتھڑے تک اس کی حرارت پہنچے، اس سے دل متاثر ہو، انشراح صدر کا ظہور ہو اور اطمینان قلبی حاصل ہو۔

سالک طالب جب اپنے تمام اوقات میں اس طرح مذکور میں مستغرق ہو جائے گا کہ اس کا دل اور اس کی زبان ذکر اور معنی ذکر سے خالی نہیں ہوں گے اور اسی حال میں وہ ایک زمانہ گزار لے گا تو ذکر عالَم دل تک پہنچ جائے گا اور حجابات اٹھ جائیں گے اور جب ایک زمانہ اسی حال پر گزر جائے گا تو ذاکر مذکور میں فانی اور مذکور سے باقی ہوگا اور مقام مشاہدہ تک پہنچ جائے گا، اس وقت نہ ذکر رہ جائے گا اور نہ ذاکر، وہ حق تعالیٰ کی تجلی جلال وجمال کا آئینہ بن جائے گا، اس وقت ذاکر اور مذکور ایک ہو جائیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ اس فقیر کے پیر دست گیر بارہا یہ شعر پڑھا کرتے:

تو بہ قیمت ورای دو جہانی　　　چہ کنم قدر خود نمی دانی

(تم قیمت میں دونوں عالم سے بڑھ کر ہو، لیکن کیا کروں کہ تم کو خود اپنی قدر و قیمت کا پتا نہیں۔)

فائدہ: کلمۂ طیبہ کے علاوہ دیگر اذکار

یہ بات بھی سمجھ لو کہ حضرات مشائخ کے یہاں دوسرے اذکار کا بھی حکم دیا گیا ہے، البتہ لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ کے ذکر کو افضل ذکر قرار دیا گیا ہے۔

معرفۃ المریدین و دلیل السالکین میں آیا ہے کہ مشائخ جس ذکر کا اپنے مریدین کو حکم دیتے ہیں وہ تین طرح کے ہیں؛

(۱) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

(۲) سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ

(۳) یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ البَصِیْرُ

اگر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر کرے تو دسویں بار مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہے اور اگر سُبْحَانَ اللّٰہِ کے ذکر کو اختیار کرے تو ۲۱/بار سُبْحَانَ اللّٰہِ کہے اور اس کے بعد ایک بار مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہے۔

شیخ الاسلام حضرت صدر الحق والدین رضی اللہ عنہ کے وصایا میں لکھا ہے کہ خلوت کے اندر ذاکر لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ کے ورد میں مشغول رہے اور دسویں بار مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہے اور اگر لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ کا ذکر اس کو بے خود کر دے تو اور کہے اور کہتا رہے اور جب خودی کی طرف لوٹے تو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہے۔

قطب عالم مخدوم شاہ مینا کے معمولات

پیر دست گیر قطب عالم ذکر شروع کرنے سے قبل تین بار درود پڑھتے، اس کے بعد یہ آیت

کریمہ پڑھتے: فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (پھر اگر وہ اعراض کریں تو کہہ دو کہ اللہ میرے لیے کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میرا بھروسا ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔) اس کے بعد بلند آواز سے کلمۂ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے، تیسری بار مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتے اور پھر اس کے بعد بلند آواز سے ذکر شروع فرماتے اور دسویں بار محمد رسول اللہ کہتے۔ اس کے بعد جب پھر سے ذکر شروع فرماتے تو جب تک ذوق باقی رہتا اور سانس ساتھ دیتی بلند آواز سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے رہتے اور جب وقفہ کرنا چاہتے تو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتے۔

آپ فرماتے کہ اس طرح دونوں پر عمل ہوجاتا ہے، یعنی پہلی بار شروع کرتے وقت تیسری مرتبے میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا جائے تو یہ تلقین ذکر کے وقت کا عمل ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ تلقین ذکر کے وقت پیروں کی سنت ہے کہ وہ تین بار لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہیں اور تیسری بار مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتے ہیں۔ اس کے بعد دوسری بار جب ذکر شروع ہو تو دسویں بار مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا جائے، اس طرح بعض لوگوں نے جو یہ طریقہ بتایا ہے کہ دسویں بار مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہے اس پر عمل ہوجاتا ہے۔

آپ یہ بھی فرماتے کہ حضرت سلطان العارفین شیخ قوام الدین لکھنوی کا عمل اسی طرح تھا اور اساس الطریقت جو آپ کی تصنیف ہے، اس میں اس کی طرف اشارہ ہے؛ کیوں کہ اس میں مذکور ہے کہ ذاکر جس وقت ذکر میں مشغول ہونا چاہے اس وقت پہلے فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ پڑھے، اس کے بعد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے اور اس کے بعد جس طرح ذکر کی تعلیم دی گئی ہے اس طرح ذکر میں مشغول ہوجائے۔

اس فقیر کے پیر دست گیر قدس سرہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ذکر کرتے اور پھر یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اِنَّا ذَكَرْنَاكَ عَلٰى قَدْرِ قِلَّةِ عَقْلِنَا وَعِلْمِنَا وَفَهْمِنَا، فَاذْكُرْنَا عَلٰى قَدْرِ وُسْعَةِ

رَحْمَتِكَ وَفَضْلِكَ يَا خَيْرَ الذَّاكِرِيْنَ وَيَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ (یااللہ! ہم نے اپنی چھوٹی عقل اور تھوڑے علم وفہم کے حساب سے تجھ کو یاد کیا ہے، تو ہمیں اپنی رحمت اور اپنے فضل وکرم کی وسعتوں کے حساب سے یاد فرما، اے بہترین ذکر کرنے والے اور تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے!!)

اجتماعی ذکر کا استحباب

آپ یہ بھی فرماتے کہ اگر اجتماعی ذکر کرے تو بہتر ہے اور ذکر کرتے وقت حلقہ بنا کر بیٹھنا مشائخ کی سنت اور ایک جائز و پسندیدہ امر ہے۔

خزانۂ جلالی میں ہے: اگر اجتماعی طور پر ذکر کیا جائے تو یہ بہتر ہے۔

شارح کی تلقین ذکر کی سند

سعد بن بڈھن - ثَبَّتَهُ اللهُ عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ - (اللہ اسے صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے) نے پیر دست گیر قطب عالم شیخ محمد قطب معروف بہ شیخ مینا قدس سرہ سے تلقین ذکر حاصل کی، انھوں نے بندگی مخدوم برہان السالکین شیخ سارنگ قدس اللہ روحہ سے، انھوں نے مخدوم شیخ یوسف ایرچی سے، انھوں نے بندگی مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاری سے، انھوں نے شیخ امام الدین گازرونی سے، انھوں نے اپنے بھائی شیخ امین الدین گازرونی سے، انھوں نے اپنے چچا[1] شیخ اوحد الدین عبداللہ بن مسعود سے، انھوں نے شیخ اصیل الدین سے، انھوں نے شیخ رکن الدین ابوالقاسم بن فضل بن ابو قاسم الخطیب سے، انھوں نے شیخ قطب الدین ابورشید احمد بن محمد بن حفیفی[2] الابہری سے، انھوں نے شیخ ضیاء الدین ابونجیب عبدالقاہر بن عبداللہ سہروردی سے، انھوں نے شیخ احمد غزالی سے، انھوں نے شیخ ابوحفص عمر بن محمد بن عمویہ سہروردی سے[3]، انھوں

---

(۱) فوائد سعدیہ میں برادر ہے لیکن مجمع السلوک میں "اودر" اور خزانۂ جلالی میں "عم" کا لفظ ہے اس لیے ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا۔

(۲) فوائد سعدیہ میں "حفیف" ہے۔

(۳) اصل میں ایسا ہی ہے۔ غالباً سہو کتابت سے بعض اسما درج ہونے سے رہ گئے ہیں، درست شجرہ اس طرح سے ہے:

نے شیخ ممشاد دینوری سے ،انھوں نے خواجہ جنید سے ،انھوں نے خواجہ سری سقطی سے ، انھوں نے خواجہ معروف کرخی سے ، انھوں نے خواجہ داؤد طائی سے ،انھوں نے خواجہ حبیب عجمی سے ، انھوں نے خواجہ حسن بصری سے ،انھوں نے امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اور انھوں نے خواجۂ کائنات خلاصۂ موجودات محمد مصطفی احمد مجتبیٰ ﷺ سے۔

حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین کو مختلف جگہوں سے تلقین ذکر اور خرقۂ خلافت حاصل تھا۔ حضرت مخدوم شیخ سارنگ کو جس طرح شیخ یوسف ایرچی سے تلقین ذکر حاصل تھا، اسی طرح حضرت شیخ قوام الدین سے بھی آپ کو تلقین حاصل تھی، البتہ شیخ یوسف سے ترک اور زہد میں مشغول ہونے کے بعد تلقین حاصل ہوئی تھی، جب کہ حضرت شیخ قوام الدین سے دنیا میں مشغولی کے زمانے میں ہی حاصل ہوگئی تھی۔

مخدوم شیخ سارنگ کی تلقین ذکر

پیر دست گیر قطب عالم حضرت شاہ مینا فرماتے تھے کہ مخدوم شیخ قوام الدین کی ارادت میں داخل ہونے کے بعد مخدوم شیخ سارنگ آپ کی پابوسی اور قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئے، اس وقت حضرت مخدوم عالم کیف میں تھے۔ آپ نے فرمایا: ملک سارنگ! لباس یکتا(۱) کو بارانی(۲) کے طرز پر بنا کر آؤ، میں تم کو تلقین ذکر کروں گا، انھوں نے حسب حکم عمل کیا۔ حضرت مخدوم قوام الدین نے تلقین سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا: اگرچہ تمھارا لباس 'یکتا' ہے، ان شاء اللہ ایک وقت یہ تلقین کام آئے گی۔ حضرت مخدوم کی نظر ولایت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ایسا سبب پیدا فرمایا کہ

حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی کو شیخ احمد غزالی اور شیخ ابوحفص عمر بن محمد سہروردی (دونوں سے) اجازت ہے:
(الف) شیخ احمد غزالی کو شیخ ابوبکر نساج سے، انھیں شیخ ابوالقاسم گرگانی، انھیں شیخ ابوعثمانی مغربی سے، انھیں شیخ ابوعلی کاتب سے، انھیں شیخ ابوعلی رودباری سے اور انھیں حضرت جنید بغدادی سے۔ الخ
(ب) شیخ ابوحفص عمر بن محمد سہروردی کو شیخ محمد بن عبداللہ عمویہ سے، انھیں شیخ احمد اسود دینوری سے، انھیں شیخ ممشاد دینوری اور انھیں حضرت جنید سے۔ الخ۔ جیسا کہ خزانۃ الفوائد الجلالیۃ (الباب السابع عشر فی ذکر سند خرقۃ المشایخ الصوفیۃ) میں مذکور ہے۔

(۱) گرمی کا ایک خاص لباس

(۲) بارش کے موسم کا ایک خاص طرز پر بنا لباس

مخدوم شیخ سارنگ تارک الدنیا ہوگئے، انھوں نے شغل دنیا کو چھوڑ دیا، طلب مولیٰ میں لگ گئے، خانۂ کعبہ تشریف لے گئے اور حضرت مخدوم قوام الدین نے جو تلقین ذکر کی تھی وہ کام آئی۔

صاحب رسالہ مکیہ سے تلقین ذکر

حضرت شیخ قوام الدین کو مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری کے علاوہ دوسری جگہوں سے بھی تلقین ذکر حاصل تھی۔ نیز حضرت شیخ قطب الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ مصنف رسالہ مکیہ سے بھی انھیں تلقین ذکر حاصل تھی۔ ایک روز اِس فقیر نے حضرت شیخ قوام الدین کی کتاب معیار التصوف میں بھی اس کو لکھا ہوا دیکھا کہ آپ کو حضرت شیخ قطب الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ سے تلقین ذکر حاصل تھی۔

خواجہ قوام الدین معیار التصوف میں لکھتے ہیں:

قَالَ الفَقِيْرُ العَبَّاسِيُّ: الذِّكْرُ سَبَبُ الوُصُوْلِ وَتَصْفِيَةُ القُلُوْبِ، فَلَايَجُوْزُ لِلسَّالِكِ المُسَاكَنَةُ مَعَه، وَقَالَ الحَسَنُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ تَنْظِيْفُ السِّرِّ عَنِ الآلِهَةِ، وَإِذَا خَلَا السِّرُّ عَنْ تَعْظِيْمِ غَيْرِه فَلَا وَجْهَ لِهٰذَا القَوْلِ، وَقَالَ الفَقِيْرُ العَبَّاسِيُّ: سَمِعْتُ مِنَ الشَّيْخِ العَالِمِ العَارِفِ مُحَمَّدِ بْنِ الفَرْهِي- السَّاكِنِ فِيْ بَيْتِ المَقْدِسِ -أَنْشَدَ هٰذَيْنِ البَيْتَيْنِ -رَحْمَةُ اللهِ عَنْه-:

بِذِكْرِ اللهِ تَنشَرِحُ[1] القُلُوْبُ وَ تَنْكَشِفُ السَّرَائِرُ وَ الْغُيُوْب
وَتَرْكُ الذِّكْرِ أَفْضَلُ مِنْهُ حَالًا فَشَمْسُ الذَّاتِ لَيْسَ لَهَا غُرُوْب

وَسَأَلْتُ أَيْضًا مِنْ الشَيْخِ العَالِمِ بَقِيَّةِ السَّلَفِ قُطْبِ الحَقِّ وَالشَّرْعِ وَالدِّيْنِ الدِّمَشْقِي- مُؤَلِّفِ الرِّسَالَةِ المَكِّيَّةِ- حِيْنَ لَقَّنَنِی كَلِمَةَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَ بَيَّنَ كَيْفِيَّةَ النَّفْيِ وَالإِثْبَاتِ، فَقُلْتُ: يَاسَيِّدِي وَبَرَكَتِی! إِذَا لَمْ يَبْقَ فِی قَلْبِ السَّالِكِ وُجُوْدُ الغَيْرِ فَمَا يَنْفِی بَعْدَه؟ فَأَجَابَ الشَّيْخُ -رَضِیَ اللهُ عَنْهُ وَأَدَامَ بَرَكَتَه عَلَى العَالَمِيْنَ -: مَا دَامَ وَجُوْدُ السَّالِكِ بَاقٍ لَا بُدَّ لَه مِنَ النَّفْيِ لِمَنْ اعْتَبَرَ الوَجُوْدَ حَتّٰى تَزُوْلَ اثْنَيْنِيَّتُه-

---

(۱) فوائد سعدیہ میں "تسبیح" ہے۔

وَالجَوَابُ الثَّانِي: لَا بُدَّ لِلسَّالِكِ مِنَ النَّفْيِ، لِأَنَّ نَفْيَ الوُجُوْدِ فِي مَحَلِّ الجَمْعِ، وَأَمَّا فِي التَّفْرِقَةِ فَإِثْبَاتُ الوُجُوْدِ، بَلْ إِثْبَاتُ وُجُوْدِ جَمِيْعِ المَوْجُوْدَاتِ، لِأَنَّ النَّظَرَ إِلَى المُكَوِّنِ جَمْعٌ، وَالكَوْنِ تَفْرِقَةٌ، فَلَابُدَّ أَنْ يَنْفِيَ المَوْجُوْدَاتِ وَيَدْخُلَ فِي فَرَادِيْسِ الجَمْعِ، حَتّٰى يَصِيْرَ مُسْتَهْلِكاً فِي الجَمْعِ، وَهٰذا المَقَامُ عَزِيْزٌ لَايَصِلُ إِلَيْهِ إِلَّا أَفْرَادُ المُوَحِّدِيْنَ العَارِفِيْنَ، لِأَنَّ الجَمْعَ وَالتَّفْرِقَةَ يَتَنَافَيَانِ، إِلَّا أَنَّ المَشَايِخَ المُسْلِكِيْنَ نَظَرُهُمْ إِلَى الجَمْعِ أَكْثَرُ وَبَرَكَتُهُمْ فِي العَالَمِيْنَ أَوْفَرُ، اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ مُحِبِّيْهِمْ وَلَاتَحْرِمْنَا مِنْ بَرَكَاتِ أَنْفَاسِهِمْ بِحُرْمَةِ النَّبِيِّ وَآله الأَمْجَادِ(۱)

(فقیر عباسی کہتا ہے: ذکر، وصال حق کا سبب اور قلوب کی صفائی کا ذریعہ ہے، اس لیے سالک کو کسی بھی حال میں ذکر سے باز رہنا جائز نہیں ہے۔ حضرت حسن کا ارشاد ہے: لاإله إلا الله تمام معبودوں کی آلائش سے سر کی نظافت کا ذریعہ ہے اور جب سرّ میں غیر کی تعظیم موجود ہی نہ ہو تو اس قول کو کہنے کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ فقیر عباسی کہتا ہے کہ میں نے عارف حق آگاہ حضرت محمد بن الفرہی ساکن بیت المقدس کو یہ دو اشعار گنگناتے ہوئے سنا:

بِذِكْرِ اللهِ تَنْشَرِحُ القُلُوْبِ وَ تَنْكَشِفُ السَّرَائِرُ وَ الْغُيُوْب
وَتَرْكُ الذِّكْرِ أَفْضَلُ مِنْهُ حَالًا فَشَمْسُ الذَّاتِ لَيْسَ لَهَا غُرُوْب

(اللہ کی یاد سے ہی دل معمور ہوتے ہیں، اسی سے اسرار و رموز منکشف ہوتے ہیں، لیکن سچ یہ ہے کہ ترک ذکر اس سے افضل حال ہے، کیوں کہ ذات حق کے آفتاب کے لیے کبھی غروب نہیں ہے۔(۲)

---

(۱) نسخۂ کاکوری میں "الامجاد" نہیں ہے۔ اسی طرح "یتنافیان" کی جگہ اس میں "یتناویان" ہے۔
(۲) جس شخص کا ایمان ایسا راسخ ہو جائے کہ اسے کائنات کے ہر ذرہ سے اشہدان لاالہ الا اللہ کی آواز سنائی دینے لگے بلکہ ہر وقت وہ کانک تراہ (گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو) کی کیفیت سے سرفراز ہو جائے تو اب اسے ذکر لسانی کی حاجت نہیں رہ جاتی، کیوں کہ جب گویا مذکور بہ نفس نفیس سامنے موجود ہے، تو اب یہ وقت لسانی ذکر کا نہیں، مشاہدے کا ہے۔ مشاہدے کے ساتھ ذکر حالی تو متواتر قائم ہوتا ہے۔ شاعر نے ذات حق تعالیٰ کی آفتاب سے مثال دے کر اپنی بات سمجھانی چاہی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ

شیخ العالم، بقیۃ السلف، قطب الحق والشرع حضرت شیخ قطب الدین دمشقی مؤلف رسالہ مکیہ نے جب مجھ کو کلمہ لاالٰہ اِلا اللہ کی تلقین فرمائی اور نفی واثبات کی کیفیت بیان کی، تو میں نے ان سے عرض کیا: میرے سردار، باعث برکات! جب سالک کے قلب میں غیر کا وجود باقی نہ رہ جائے تو اب وہ کس کی نفی کرے گا؟

اس پر شیخ رضی اللہ عنہ- اللہ ان کی برکتوں کو سارے جہان پر قائم ودائم رکھے- نے جواب دیا کہ جب تک سالک کا وجود باقی ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ جس جس وجود کا قائل ہے اس کی نفی کرتا رہے، یہاں تک کہ دوئی زائل ہوجائے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ سالک کے لیے نفی ضروری ہے، اس لیے کہ مقام جمع میں وجود کی نفی ہوتی ہے اور مقام تفرقہ میں وجود کا اثبات ہوتا ہے، بلکہ تمام موجودات کے وجود کا اثبات ہوتا ہے۔ خالق کائنات کی جانب نظر کرنا مقام جمع ہے اور کائنات کی طرف نظر کرنا مقام تفرقہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ سالک موجودات کی نفی کرے اور جمع کے باغات میں داخل ہوجائے، یہاں تک کہ اسی مقام میں فنا ہوجائے۔ یہ مقام کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اس مقام تک اصحاب توحید ومعرفت ہی پہنچتے ہیں۔ جمع اور تفرقہ دونوں متضاد حالتیں ہیں، البتہ سلوک طے کرانے والے مشائخ کی نظر عام طور پر جمع کی طرف ہوتی ہے اور کائنات ان سے خوب فیض یاب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے محبین میں شامل فرمادے اور نبی کریم ﷺ اوران کی آل امجاد کے طفیل، ہمیں ان کے انفاس کی برکات سے محروم نہ فرمائے۔)

اس کی ذات ہر تشبیہ سے بالا ہے، تاہم ہم جیسے مبتدئین کو تشبیہ سے تفہیم میں آسانی ہوتی ہے۔ اس تشبیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جن کی نگاہ ایمانی ابھی بند ہے انھیں مسلسل ذکر لسانی کی حاجت ہے، نگاہ ایمانی کھلنے کے بعد اب ذکر لسانی کا نہیں مشاہدے کا مقام ہے۔ وہ لوگ جو صاحب نظر ہیں انھیں دن کے اجالے کا تصور جمانے اور سورج کا خیال لانے کی ضرورت نہیں۔ سورج جب بذات خود طلوع ہے اور سامنے موجود ہے تو اس وقت نہ کسی دلیل کی حاجت ہے نہ کسی قول وقرار کی۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب، مشاہدے کا مقام ہے ذکر وفکر کا نہیں۔

فائدہ: موتوا قبل أن تموتوا کا مفہوم

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کو حکم دیا: موتوا قبل أن تموتوا[1] یعنی مستقبل میں مرنے سے پہلے ہی فی الحال مرجاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو ایک متعیّن وقت پر مرنا ہے، وطن دنیا کو خیرباد کہنا ہے، اس وطن کو موت کے ذریعے الوداع کہنا ہے، تو پھر زندگی میں ہی خلوت اختیار کرکے کیوں نہ اللہ تعالیٰ کی طرف کوچ کرجایا جائے، اللہ تعالیٰ کی طرف رخت سفر باندھ لیا جائے، طاعت و ذکر الٰہی کی طرف کیوں نہ ہجرت اختیار کرلی جائے۔ ع

جان بجانان دہ، وگرنہ از تو بستاند اجل خود تو منصف باش اے دل این نکو یا آن

(اپنی جان محبوب کے حوالے کردو، ورنہ موت آکر یہ جان تم سے چھین لے گی، اب تم خود بتاؤ، یہ بہتر ہے یا وہ؟)

اے عزیز! ہر جان کو موت کا مزا چکھنا ہے، ہر جان کو موت کی تلخی سے گزرنا ہے، ہر جان کو جدائی کا رنج اور فرقت کی مشقت برداشت کرنی ہے، اس جہان سے یقینی طور پر جانا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچ کر جزا و سزا پانا ہے، اس لیے زندگی کو رب تعالیٰ کی اطاعت و عبادت میں گزارنا چاہیے اور عمر عزیز کو ذکر الٰہی میں نثار کرنا چاہیے:

صاحبا! عمر عزیز است غنیمت دانش گوی خیری کہ توانی ببر از میدانش

(اے عزیز! یہ زندگی بہت قیمتی ہے، اس کو غنیمت سمجھو اور جہاں تک ہوسکے بھلائی کی گیند میدان سے جیت لے جاؤ۔)

فائدہ: صفاتِ شیخ

یہ ضروری ہے کہ شیخ اپنے دین کے سلسلے میں امین ہو اور مخلوق کی خیر خواہی اور امانت کی ادائیگی کے سلسلے میں معروف ہو۔ امام ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ رب تعالیٰ سے اپنی مناجات میں کہا کرتے: یا اللہ! اگر تو جہنم کو لوگوں سے بھرنا چاہتا ہے تو اس بات پر تو قادر ہے کہ مجھ سے

---

(۱) امام سخاوی نے کہا کہ میرے شیخ حافظ ابن حجر نے کہا کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ (المقاصد الحسنۃ، ۱۲۱۳)

جہنم کو بھر دے اور سارے لوگوں کو بہشت میں ڈال دے۔ امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے:

امْلَأْهَا مِنَ الشِّبْلِيِّ وَاعْفُ عَنْ عَبِيْدِكَ لِيَتَرَوَّحَ الشِّبْلِيُّ بِتَعْذِيْبِكَ كَمَايَتَرَوَّحُ جَمِيْعُ عِبَادِكَ بِالْعَوَافِي

یا اللہ !تو جہنم کو شبلی سے بھر دے اور اپنے بندوں کو معاف فرمادے تاکہ شبلی تیرے عذاب سے راحت حاصل کرے جس طرح تیرے بندے ثواب سے راحت محسوس کریں۔

شبلی کی یہ بات اگرچہ دوسری دنیا کی ہے لیکن اس کا مقصود بندگان الٰہی کی خیر خواہی ہے، اسی لیے بزرگوں نے فرمایا ہے: اولیا کے اخلاق کی تین نشانیاں ہیں: (۱) نیکوں کی مدد کرنا (۲) بدکاروں کو نصیحت کرنا اور معاف کرنا۔ (۳) اور ہر کسی کے لیے اچھا چاہنا جیسا خود کے لیے چاہتا ہے۔

شیخ کے امین ہونے کا مطلب

امانت سے مراد خلافت عطا کرنا ہے؛ کیوں کہ خلافت پیروں کی امانت ہے، اس لیے درویش کو چاہیے کہ اس امانت کی ادائیگی میں امانت داری سے کام لے۔ جس طرح امانت کی ادائیگی کا حق ہے اسی طرح امانت کی ادائیگی کرے۔ نا اہل کو خلافت نہ دے اور اہل کو دینے میں کوئی دریغ نہ کرے۔

شیخ کے اوصاف

شیخ ایسا ہونا چاہیے جو شریعت و طریقت اور حقیقت کی راہ کی باریکیوں سے واقف اور آشنا ہو، اس راہ میں بال سے زیادہ باریکیاں ہیں، ہر کسی کو اُس کی اطلاع نہیں ہوتی، اس لیے مرشد ایسا ہونا چاہیے جو کامل ہو، ان باتوں سے آگاہ اور ان راہوں سے واقف ہو تاکہ دوسروں کو بھی منزل تک پہنچا سکے، اس لیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ مشائخ دلوں کے طبیب ہیں، اگر طبیب بیمار کی بیماری سے ناواقف ہوگا تو وہ اسے اپنے علاج سے ہلاکت کے گھاٹ اتار دے گا، چوں کہ وہ اس کی بیماری سے واقف نہیں ہے اور بیماری کے برخلاف دوا چلا رہا ہے۔ ہر بیماری کی الگ دوا ہے، ہر جنون کا الگ معجون ہے اور ہر مرض کے الگ الگ خواص ہیں، جس کو ماہر اطبا ہی جانتے ہیں، جاہل

اطبانہیں جانتے۔

مرید کے لیے صفت موسوی کی مثال

پیر دست گیر قطب عالم نے فرمایا کہ مرید کو ہمیشہ ایک صفت موسوی کا حامل ہونا چاہیے اور ایک کا نہیں ہونا چاہیے۔ حامل اس طرح ہونا چاہیے کہ وہ ہمیشہ حضرت موسیٰ-علیہ السلام کی طرح طالب دیدار مولیٰ رہے اور رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ (الاعراف:۱۴۳) کی رٹ لگائے اور ایک موسوی صفت کا حامل نہیں ہونا چاہیے اس طور پر کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت خضر سے ملاقات ہوئی تو ان کی صحبت سے مشرف ہوئے لیکن حضرت خضر کے افعال؛ مثلاً کشتی کو توڑنا، بچے کو قتل کرنا اور دیوار کو درست کر دینا، جب ان کو درست نہیں معلوم ہوئے تو وہ خاموش نہیں رہ سکے اور اعتراض کر بیٹھے اور ان تمام کاموں کو انھوں نے بظاہر خلاف شرع سمجھا جب کہ در حقیقت وہ خلاف شرع نہیں تھے اور پھر نتیجے کے طور پر حضرت خضر نے هٰذَا فِرَاقُ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنِکَ (الکہف:۷۸) (یہ مجھ میں اور آپ میں علاحدگی کا سبب ہے) سنا دیا، لہٰذا دل کی تختی پر یہ نقش کر لو کہ اعتراض فراق حقیقی کا سبب ہے، اگر حضرت موسیٰ اعتراض نہ کرتے تو وہ خضر کی صحبت سے جدا نہ ہوتے۔

اس طرح مرید کو چاہیے کہ اپنے شیخ کے افعال پر ظاہراً اور باطناً کسی بھی طرح اعتراض نہ کرے، تاکہ صحبت کی برکت اور خدمت سے فیض یاب ہو، شیخ کے جو بھی افعال ناقص معلوم ہوں ان کو اپنی آنکھوں کے نقص کے حوالے کر دے اور اگر خلاف شرع معلوم ہوں تو یہ اعتقاد رکھے کہ اگرچہ یہ مجھ کو خلاف شرع معلوم ہو رہے ہیں لیکن شیخ خلاف شرع نہیں کر سکتے اور اس باب میں ان کی ہی نظر کامل ترین ہے۔ شیخ جو بھی کر رہے ہیں اس کو وہ محض اپنے سر کی ظاہری آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

خواجہ یوسف چشتی کا واقعہ

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ نے فرمایا: فوائد السالکین میں مذکور ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایک مرتبہ میں خواجہ یوسف چشتی کی خدمت میں

حاضر تھا، تمام بزرگان چشت شیخ کی خدمت میں حاضر تھے، اولیا کی حکایت بیان ہو رہی تھی، اسی دوران ایک شخص بیعت کے ارادے سے حاضر ہوا اور اس نے اپنا سر خواجہ کے قدموں میں ڈال دیا۔ آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، وہ شخص بیٹھ گیا، اس نے عرض کی کہ میں آپ کی ارادت میں داخل ہونے کی نیت سے آیا ہوں۔ خواجہ اس وقت ایک خاص ''حال'' میں تھے۔ آپ نے فرمایا: اگر ایک کام کرو تو میں تم کو مرید کرلوں گا، اس نے عرض کیا حکم فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: جس طرح لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہو اسی طرح ایک بار لا الہ الا اللہ چشتی رسول اللہ کہو اور اس کا اقرار کرو تو میں تم کو مرید کرلوں گا۔ چوں کہ وہ اپنے ارادۂ بیعت میں راسخ تھا، اس نے فوراً لا الہ الا اللہ چشتی رسول اللہ کہہ دیا۔ یہ سن کر خواجہ نے ہاتھ دے کر فوراً اس کو بیعت کرلیا اور خلعت و نعمت سے نوازا۔ اس کے بعد آپ نے اس سے فرمایا: سنو! یہ جو میں نے لا الہ الا اللہ چشتی رسول اللہ پڑھنے کے لیے کہا تھا، میں کون ہوں اور میری کیا حقیقت کہ میں اس طرح کی بات کہوں؟ میں تو محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک کم ترین غلام ہوں اور کلمہ اسی طرح ہے (جس طرح تم پہلے پڑھا کرتے تھے) میں نے تو تمھاری ارادت کے کمال کو جاننے کے لیے کہا تھا اور تم کو آزمایا تھا کہ تم صدق اعتقاد کے ساتھ مجھ سے مرید ہونے کے لیے آئے ہو یا نہیں؟ جب میں نے دیکھا کہ تمھارا صدق درست ہے تو میں نے تم کو بیعت کرلیا۔ مرید کو شیخ کے ساتھ ایسا ہی راسخ الاعتقاد ہونا چاہیے۔ میں نے تمھارے صدقِ اعتقاد کا امتحان لیا تھا۔ (۱)

مرید کی تدریجی تربیت

شیخ جو بھی اس کو حکم دے، اس کی استعداد و لیاقت کے حساب سے لطف و نرمی کے ساتھ حکم دے، اگر کوئی شخص کم کھانے، کم بولنے، کم سونے اور لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے کے سلسلے میں صاحب استقامت نہ ہو تو ایسا شخص پاس انفاس اور نفی خواطر کی تعلیم کے لائق نہیں ہو سکتا اور اُسے ان عظیم کاموں میں لگانا اس کے لیے محض ہلاکت کا سبب ہے، بلکہ اس بات کا خوف ہے کہ وہ اس کام کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرلے اور دوبارہ اس کام کا نام بھی نہ لے، سوائے اس کے کہ

---

(۱) فوائد السالکین = ملفوظات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی / مرتبہ خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر، خطّی، ص: ۳۹

عنایت ایزدی شامل حال ہو تو بات الگ ہے؛ کیوں کہ عنایت ازلی سے سب کچھ ممکن ہے اور توفیق الٰہی رفیق ہو تو جو بھی طلب کیا جائے سب کچھ حاصل ہو جائے گا۔

وہ شیخ اس مرید کو ان احکام شرع کی جو اس کے حق میں ہیں مثلاً فرائض وواجبات، سنن ومستحبات، خیرات وحسنات کی تعلیم دے، ان باتوں کی تعلیم دے جن کے ذریعے مرید کو اجر وثواب اور قرب ومنزلت حاصل ہو، جن پر عمل کرنے سے فتح باب ہو اور ان اعمال کے بارے میں اس کو بتائے جو اس کے لیے نقصان دہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو ان باتوں کے بارے میں بتائے جو شرعی طور پر منہیات ومنکرات اور غیر کی محبت سے ہیں اور وہ تمام باتیں جو شہوات وخواہشات سے تعلق رکھنے والی ہیں، جن کی بنیاد پر اس کی گرفت ہوگی اور فتح باب سے محروم ہوگا؛ کیوں کہ شیخ ہی مریدوں کے دلوں میں دین وشریعت کو راسخ کرتا ہے۔

لقمۂ حلال ضروری ہے

خواجہ ابوبکر ورّاق رضی اللہ عنہ پندرہ روز بنی اسرائیل کی وادی تیہ میں بھٹکتے رہے، جب راہ مل گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس دوران چند لوگوں نے مجھ کو پانی پلایا تھا، اس پانی کی قساوت اور اس کی سختی کا اثر میرے قلب پر تیس سال رہا، اس سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ شاید اس پانی میں کسی قسم کا شبہہ تھا۔

اے عزیز! دیکھو ایک پیالہ پانی کا یہ حال ہے اور جس کا دن رات کھانا پینا اور پہننا حرام طریقے پر ہو اس کا کیا حال ہوگا؟

فائدہ: کسب حلال کی فرضیت

جب ادائے نماز جو کہ فرض ہے سے فارغ ہو جائے تو حلال کی طلب میں لگنا بھی فرض ہے۔ بعض صوفیہ نے فرمایا ہے کہ حلال کی طلب تمام مخلوق پر فرض ہے اور جماعت صوفیہ کے لیے ترک حلال فرض ہے؛ کیوں کہ صوفیہ مولیٰ کے طالب ہیں اور عام لوگ دوزخ سے نجات اور بہشت کے طالب ہیں اور دونوں کے مابین بہت فرق ہے۔ یہ بات علمائے ظاہر کے فتوے کے مطابق نہیں بلکہ علمائے آخرت کے فتوے کے مطابق ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو باب ارادت میں صادق و راسخ اور اس کے اہل تھے، جو کچھ مال و منال ان کے پاس تھا انھوں نے سب کچھ بارگاہ رسالت میں حاضر کر دیا اور خود کمبل پوش ہو گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے اس عمل کو پسند فرمایا۔ حضرت عثمان بن مظعون نے آکر جب یہ درخواست پیش کی کہ میں اپنا سارا مال قربان کر کے خود کو فقیر و محتاج بنا دینا چاہتا ہوں تو آپ ﷺ نے یہ بات پسند نہیں فرمائی اور ان کو اس کام سے روک دیا۔ در اصل جو باتیں خواص پر فرض ہیں وہ عوام پر فرض نہیں ہیں۔ جو ہمت عوام کو ہوتی ہے وہی ہمت خواص کی نہیں ہوتی۔ خواص بلند ہمت ہوتے ہیں اور عوام خود پرست۔

فائدہ: معرفت و تادیبِ نفس

نفس کے مرید کو چاہیے کہ وہ یہ پہچانے کہ نفس کیا ہے اور اس کی تادیب کس طرح کی جا سکتی ہے اور یہ کہ نفس کی ریاضت اس کی مخالفت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

سالک کو چاہیے کہ حتی الامکان نفس کو روکنے کی کوشش کرے اور اس کی مطلوبہ چیزیں اس کو فراہم نہ کرے۔ جو شخص نفس کی لگام خود اس کے ہاتھ میں دے دے گا وہ اس کے بگاڑ میں اس کے ساتھ شریک ہوگا۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ نفس لذتوں، شہوتوں اور مباح چیزوں کا داعی ہے اور شیطان نفس کی شرکت کے ساتھ محرمات کا داعی ہے۔

نفسانی خواہش اور شیطانی خواہش کا فرق

نفسانی خواہش اور شیطانی خواہش کے مابین فرق یہ ہے کہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے نفس جد و جہد اور اصرار کرتا ہے، یعنی نفس جس چیز کی آرزو کرتا ہے اس کے لیے جد و جہد اور لجاجت سے پیش آتا ہے تاکہ اس کی آرزو اسے حاصل ہو جائے۔

دوسری طرف شیطان کا معاملہ یہ ہے کہ اگر وہ ایک حرام چیز کو سامنے لاتا ہے اور اس سے اس کا مقصود حاصل نہیں ہو پاتا تو اس کے بعد وہ دوسری چیز لاتا ہے، پھر تیسری چیز سامنے لاتا ہے، اس کے بعد چوتھی چیز سامنے لاتا ہے اور جب تک وہ حرام کا مرتکب نہیں بنا دیتا اس وقت

تک وہ چین سے نہیں بیٹھتا۔ اس کا مقصود حرام کی کھائی میں گرانا ہے۔

درویشی رخصت پر نہیں عزیمت پر عمل سے ہے

درویشوں کا کام عزیمت کو اختیار کرنا ہوتا ہے رخصت کو نہیں۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ مرید کے لیے رخصت پر عمل کرنا زہر قاتل ہے، مرید جو بھی کرے عزیمت کے لحاظ سے کرے، رخصت پر عمل نہ کرے، اسی لیے رخصت میں شیخ کی پیروی کرنا مرید مبتدی کے لیے ممنوع ہے؛ کیوں کہ اس کے اندر ابھی بھی نفس کا حصہ باقی ہے، نفس کو رخصت سے راحت وحظ حاصل ہوتا ہے، چنانچہ جس عمل میں بھی نفس کو حظ حاصل ہو اس سے مرید احتراز واجتناب برتے۔

اسی طرح روز وشب کثرت سے اوراد ووظائف کرے، کثرت سے روزے رکھے، کثرت سے نوافل پڑھے، ماضی وحال کی شرعی خلاف ورزیوں پر نادم رہے اور نفس کو بری عادتوں سے نکال کر اس کو تلخیاں چکھانے کی کوشش کرے۔ نفس کو تلخیاں چکھانے کا طریقہ یہ ہے کہ نفس کی خواہشات وشہوات کو ترک کردے۔ مرید کو خواہشات ترک کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے اور توبہ کرنے سے قبل نفس نے جو خلاف ورزیاں کی ہیں اور جو خلاف ورزیاں ابھی کر رہا ہے، اس پر ندامت وپشیمان رہنا چاہیے؛ کیوں کہ اَلنَّدْمُ تَوْبَۃٌ[۱] ندامت ہی توبہ ہے۔ اسی طرح نفس کو تمام عادتوں سے، حتیٰ کہ جائز عادتوں سے بھی باز رکھے۔ چنانچہ اگر کسی کو نرم کپڑے یا موٹے کپڑے پہننے کی عادت ہو یا پر لطف چیزیں کھانے پینے کی خواہش ہو تو جہاں تک ہو سکے، نفس کو اس عادت سے بھی باز رکھے؛ کیوں کہ عادت کی پیروی بت پرستی ہے اور بت پرست سے مولیٰ پرستی نہیں ہو سکتی۔

اے عزیز! جب تک بیان کی ہوئی تمام باتیں حاصل نہ ہو جائیں اس وقت تک کوئی ''تائبین'' کے زمرے میں شامل نہیں ہوگا۔ یہ منزل بہت دور ہے، بہت دور۔ افسوس آج ایسے توبہ کرنے والے لوگ کہاں ہیں، ایسے میں بھلا کوئی مشیخت کے مقام تک کیسے پہنچے گا!!

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: توبہ کرنے والا جوان اللہ کا محبوب ہے، یہ توبہ کے شرف

---

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر التوبۃ (۴۲۵۲)

وبزرگی پر دلیل ہے اور یہ دولت بندے کو توبہ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا مقام توبہ بہترین مقام ہے۔ اس مقام کو درست کرنا طالبان مولیٰ کے لیے تمام کاموں میں سب سے اہم ہے۔ جوانی کی حد تیس سال ہے اور اس کی تکمیل چالیس پر ہوتی ہے۔ اسی لیے بعض سالکین نے فرمایا ہے کہ چالیس سال کی عمر تک اگر تصوف کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے تو حاصل ہو جائے گا اور اگر اس کے بعد حاصل کیا جائے تو حاصل نہیں ہوگا؛ کیوں کہ چالیس سال کے بعد ضعف اور سستی چھا جائے گی اور ریاضتیں کرنا ممکن نہیں رہے گا۔

بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کریم و رحیم ہے، اگرچہ ضعف و سستی لاحق ہو، اگرچہ چالیس کے بعد ہو لیکن پھر بھی اس راہ میں قدم رکھ دے، اپنی کم زوری اور اپنی سستی کی طرف نظر نہ کرے بلکہ اس کے رحم و کرم پر نظر لگائے رکھے۔

مخدوم صاحب کی تلقین ذکر حاصل کرنے کی کیفیت

فقیر مؤلف سعد بن بڈھن ثبتہ اللہ علی الصراط المستقیم والدین القویم (اللہ اسے صراط مستقیم اور دین قویم پر قائم رکھے) کہتا ہے کہ جب پیر دست گیر قطب عالم نے اس فقیر کو تلقین کی ذکر فرمایا تو آپ نے مذکورہ شرائط کے ساتھ روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ بعد نماز عشا اس فقیر کو طلب فرمایا، خود قبلہ کی طرف پشت کیے رہے اور اس فقیر کو قبلہ کی طرف رخ کر کے بیٹھایا۔ تھوڑی سی خوش بو منگوا کر اس فقیر کو دیا اور مجلس مبارک میں استعمال فرمایا اور اس کے بعد جس طرح مشائخ سے سلسلہ بہ سلسلہ تلقین کی سند چلی آئی ہے، آپ نے تلقین فرمائی۔

خواجہ فریدالدین گنج شکر کی حکایت

پیر دست گیر قطب عالم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مخدوم شیخ فریدالدین قدس سرہ نصف النہار کے وقت بیٹھے ہوئے تھے، وہ وقت وقتِ مکروہ تھا، اچانک آپ نے سجدہ کرنا شروع کر دیا، احباب و مصاحبین نے روکنے کے لیے زبان کھولی کہ مکروہ وقت میں سجدہ ممنوع ہے۔ حضرت مخدوم فرط مسرت میں اپنے دونوں ہاتھ اپنے منہ پر لے گئے اور اپنے عمل پر اصرار

کرتے ہوئے فرمایا: عزیزو! اللہ تعالیٰ کے واسطے مجھے مت روکو اور کچھ مت بولو، معشوق نظر آگیا ہے اور اب ضبط کا یارا نہیں رہا۔ اس حکایت کو بیان فرمانے کے بعد حضرت پیر دست گیر نے یہ ہندوی (دوہا) بھی سنایا:

سائیں چتّ چڑھی چہ آئے　　　　ریت کریت نہ دیکھن جائے

فائدہ:

مقصود ذکر استغراق حق

ذکر کا خلاصہ اوراس کا مقصود یہ ہے کہ مذکور میں استغراق حاصل ہوجائے اور ذاکر کو مذکور میں استغراق اس طرح سے حاصل ہوگا کہ اس کا دل نہ ذکر کی طرف التفات کرے اور نہ دل کی طرف، بلکہ بالجملہ مذکور میں مستغرق ہوجائے اور اگر ذکر کے دوران اس نے ذکر کی طرف التفات کیا تو یہ التفات ایک حجاب ہے جو مذکور سے غافل کرکے خودی میں مشغول کردیتا ہے، ذکر کی یہ استغراقی حالت وہ حالت ہے جس کی تعبیر عارفین نے فنا سے کی ہے۔

ذاکر کو مذکور میں بالجملہ استغراق اس طرح حاصل ہوگا کہ ذاکر اپنے نفس سے فانی ہوجائے یہاں تک کہ اس کو نہ اپنے اعضا میں سے کوئی چیز نظر آئے، نہ ہی کوئی خارجی چیز نظر آئے اور نہ ہی اسے اپنے اندرون میں پائے جانے والے باطنی عوارض نظر آئیں، وہ ظاہر و باطن، قول و فعل سب سے غائب ہوجائے، اس کے اوپر یہ حال طاری ہو کہ پہلے اپنے رب اور اپنے پروردگار کی جانب سالک ہو، پھر اس کے بعد دوبارہ اس مقام فنا میں سالک ہو، تاکہ آخر کار مقام بقا تک رسائی حاصل کرلے۔ کمال استغراق اور کمال فنا یہ ہے کہ ذاکر اپنے آپ سے فانی ہوجائے بلکہ فنا کی طرف توجہ سے بھی فانی ہوجائے، فنا سے فنا ہوجانا ہی فنا کی انتہا ہے، اسی کو بقا کہا جاتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب سالک مشاہدۂ ذات وصفات کے مقام میں استقامت و تمکین حاصل کرچکا ہو اور فنا کے سکر سے صحو کی طرف لوٹ آیا ہو۔

وہ بقا جو اس فنا میں ظاہر ہوتی ہے، یہ ہے کہ ذاکر بے اختیار ہوجاتا ہے اور اس منزل

پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ جو بھی کرتا ہے حق تعالیٰ کے ارادے اوراس کے اختیار سے کرتا ہے،اسی وجہ سے واصلین کومقام مکاشفات ومشاہدات میں کسی مشقت کا سامنانہیں کرنا پڑتا، ان کے قویٰ پریشانی وسستی سے محفوظ رہتے ہیں؛کیوں کہ وصول کے بعداگرکسی سبب سے کوئی تغیران کی جانب راہ پاجائے تووہ مقام وصول سے راجع ہوجائیں گے اور یہ ممکن نہیں ۔خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مَاوَصَلَ اِلَیہِ اَحَدٌ فَرَجَعَ''اس کا وصال حاصل کرنے کے بعد کوئی راجع نہیں ہوتا۔

ذاکر کے درجات

میرے عزیز!غور کرو۔شیخ رکن الدین قدس سرہ ذاکر کے درجات کوبیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱)ذاکر کا پہلا درجہ یہ ہے کہ نعمت کوعظیم سمجھتے ہوئے پوری دبدبے کے ساتھ اس طرح ذکرکرے کہ آتش عشق کے پرتوسے اس کا وجود جھلس جائے،یہاں تک کہ اللہ اللہ کاذکراس کے اوپراس طرح چھاجائے کہ بے اختیار نیند میں ، بیداری میں ،خلوت وجلوت میں اس کا دل ذاکرہواور ذکرمیں مستغرق ہو۔

(۲)ذاکر کا دوسرادرجہ جس میں حق تعالیٰ اس کا عاشق ہوجاتا ہے جیساکہ آیاہے کہ جس بندے پر میراذکرغالب ہوجاتاہےاور وہ عاشق ومست ہوجاتاہے تومیں اس کاعاشق بن جاتا ہوں اور جب وہ اس مقام پراستقامت حاصل کرلیتاہے توحق تعالیٰ کی تجلیاتِ صفات کے حضور سے بعض اسرارومعانی اس کے اوپر منکشف ہوتے ہیں اور اب وہ اللہ اللہ کہنے سے رک جاتا ہے؛کیوں کہ اللہ اللہ کہنا پردہ اور حجابات کے پیچھے سے ہوتاہے،اب جب کہ حجاب اٹھادیا گیاتو نام نہیں لیاجاسکتا،بلکہ وہ متحیر ہوکرکشف تجلیات میں لگ جاتاہے؛ملائکہ،جنت،اہل جنت اور جنت کے مختلف رنگ اور اس کی نعمتوں کے مشاہدے میں مصروف ہوجاتاہے۔جب ذاکراس مقام پراستقامت حاصل کرلیتاہے توپھر تیسرے مقام پر پہنچتاہے۔

(۳)یہ وہ مقام ہے جس میں ذاکرذکرسے رک جاتاہےاور حق تعالیٰ کے جلال میں فانی ہو

جاتا ہے۔ اس مقام پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کے اندرون سے بے اختیار ھوھو کی آواز آتی ہے، پھر ایک وقت وہ آئے گا کہ جو کیفیت اس کے اندرون میں موجود ہے، اس کے پرَتو سے اس کی زبان، اس کے دل اور اس کے تمام اعضائے ظاہری اور باطنی سے ھوھو کی آواز آئے گی، بلکہ جس جگہ وہ خلوت میں ہوگا اس کی دیواروں سے ھوھو یا اللہ اللہ کی آواز آئے گی۔ اب اگر مرد کامل، عامل و عاقل ہوگا اور ملائکہ کی صورتیں، عجائبات نظر آئیں گے تو وہ ان چیزوں کی جانب التفات نہیں کرے گا، وہ اپنے معشوق کے عشق میں ہوگا، وہ ان نورانی گھاٹیوں سے گزر جائے گا، خود کو اور ہوائے نفس کو فراموش کر جائے گا اور حق تعالیٰ اس کی صفائی کے لحاظ سے اس پر اپنے لقاو وصال کا کشف فرمائے گا اور حق تعالیٰ کو دیکھنے کے بعد اس کی معرفت میں کوئی شک و شبہہ نہیں رہ جائے گا، یہ وصال کا پہلا مقام ہے، اس کے بعد آہستہ آہستہ، لحظہ لحظہ اس میں ترقی اور اس میں اضافہ ہوتا رہے گا، اس مقام میں کبھی فنا ہوگا اور کبھی بقا، جب ہر طرف حق تعالیٰ کو دیکھے گا اور حق تعالیٰ سے دیکھے گا اور خود کو فانی سمجھے گا اور تمام مخلوقات کو فانی جانے گا، اس مقام کو مقام فنا کہتے ہیں ، پھر جب وہ اپنے آپ میں دیکھے اور حق تعالیٰ کو پائے اور اس کے اندر ایک عظیم قوت اور ایک زبردست سوز ہو تو اس مقام کو مقام بقا کہتے ہیں۔ وہ اسی مقام میں رہے گا یہاں تک کہ وہ مقام اتصال میں پہنچ جائے گا اور انقطاع و محرومی سے مامون ہو جائے گا، غفلت و سستی سے دور ہوگا، وہ قرار حاصل کر لے گا اور سکون پا جائے گا اور اٹھارہ ہزار عالم میں جو بھی حکم الٰہی جاری ہے اس کے تعلق سے اس کے باطن میں کوئی انکار اور کوئی چون و چرا نہیں پیدا ہوگا، اس کے اوپر جو بھی گزرے گی اس سے راضی ہوگا، یا دنیا اور آخرت کے جو احوال گزر رہے ہیں وہ اس سے راضی ہوگا، حق تعالیٰ بھی اس سے راضی ہوگا، وہ اپنے وجود کو رضائے الٰہی اور محبت الٰہی میں فانی سمجھے گا، اس کا دل کلی طور پر حق تعالیٰ کے ساتھ ہوگا، کلی اور جزوی طور پر، قول اور فعل ہر لحاظ سے اس کے نفس کا سارا اختیار عبودیت میں بدل جائے گا، وہ ہمیشہ حق تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی میں ہوگا، وہ ہمیشہ لذت میں ہوگا، کوئی شخص نہ اس مقام کی شرح کر سکتا اور نہ اسے لفظوں کا جامہ پہنا سکتا ہے۔

فنا کی مختلف تعریف اور اس کے اسباب

مصباح الہدایہ میں لکھا ہے کہ فنا سیر الی اللہ کی انتہا کا نام ہے اور بقا سیر فی اللہ کی ابتدا کا نام ہے؛ کیوں کہ سیر الی اللہ کی ایک وقت انتہا ہو جاتی ہے، اس طرح کہ پائے صداقت صحرائے وجود کو یکبارگی طے کر لے اور سیر فی اللہ اس وقت متحقق ہوتا ہے جب بندہ کو فنائے مطلق کے بعد حدوث سے پاک ایک ایسا وجود اور ایک ایسی ذات حاصل ہو جائے جس کے ذریعے سالک اوصاف الٰہی سے اتصاف اور اخلاق ربانی سے آراستگی کے عالم میں عروج کر سکے۔

بعض صوفیہ نے فرمایا ہے کہ فنا سے مراد احکام شریعت کی خلاف ورزیوں کا فنا ہو جانا ہے اور بقا سے مراد اتباع شریعت کی پابندی پر بقا ہے۔ اس معنی میں فنا و بقا توبۂ نصوح کے لوازم میں سے ہے، اسی معنی میں ایک بزرگ نے فرمایا ہے:

لَا أبَالِي امْرأَةً رَأيْتُ أمْ حَائطاً (میں ایک عورت کو دیکھوں یا دیوار کو، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔)

بقاء البقا آخرت کی طرف رغبت کا نام ہے اور یہ معنی مقام زہد کا لازمہ ہے۔

بعض صوفیہ نے فرمایا ہے کہ لذتِ دنیا اور لذتِ عقبیٰ کے مطلقاً زائل ہو جانے کا نام فنا ہے اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی جانب شوق و رغبت کے باقی رہنے کا نام بقا ہے، جیسا کہ شیخ ابوسعید خراز نے فرمایا ہے: عَلامَةُ مَنِ ادّعَی الفَنَاءَ ذِهَابُ حَظِّهِ مِن الدّنیَا وَالآخِرَةِ إلّا مِنَ اللهِ (مقام فنا تک رسائی حاصل کرنے والے کی پہچان یہ ہے کہ اس کے اندر حق تعالیٰ کے سوا، دنیا و آخرت کی طلب نہ رہ جائے۔)

یہ معنی محبت ذاتی کے صدق کی علامت ہے۔

بعض صوفیہ نے فرمایا ہے کہ اوصاف ذمیمہ کے زائل ہونے کا نام فنا اور اوصاف حمیدہ سے متّصف ہو جانے کا نام بقا ہے۔ یہ معنی تزکیہ اور تجلیۂ نفس کے تقاضوں میں سے ہے۔

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ کائنات سے بے خبر ہو جانے کا نام فنا اور حق تعالیٰ کے ساتھ

حضوری کا نام بقا ہے۔ یہ معنی سکر حال پر مبنی ہے۔

حضرت شیخ الشیوخ فرماتے ہیں: الفَناءُ المُطلَقُ هُوَمایَسْتَوْلِی مِنْ أَمرِالحَقِّ سُبْحَانَه وتَعالیٰ عَلَی العَبْدِ، فَیَغْلِبُ کَوْنُ الحقِّ سُبْحانَه عَلیٰ کَونِ العبدِ[1] (فنائے مطلق یہ ہے کہ امر حق بندے پر غالب آجائے اور بندے کے وجود پر حق تعالیٰ کے وجود کا غلبہ ہو جائے۔)

حقیقتاً فنائے مطلق یہی ہے۔ فنا کی دوسری قسمیں جو بیان کی گئی ہیں وہ من وجہٍ فنا ہیں۔

فنائے مطلق کی قسمیں

فنائے مطلق کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) فنائے ظاہر (۲) فنائے باطن

فنائے ظاہر افعال کے فنا ہونے کا نام ہے اور یہ افعال الٰہی کی تجلی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ایسا صاحب فنا افعال الٰہیہ کے سمندر میں ایسا غرق ہوتا ہے کہ وہ اپنا یا کائنات میں سے کسی غیر کا کوئی فعل حق تعالیٰ کے علاوہ کسی سے صادر ہوتا ہوا نہیں دیکھتا۔ وہ ایسا بے خود ہوتا ہے کہ اسے اپنے طور پر کسی بھی فعل کا کوئی اختیار نہیں رہ جاتا۔ وہ کسی کام میں دخل نہیں دیتا۔ بعض سالکین اس مقام میں رہے ہیں کہ جب تک حق تعالیٰ نے کسی کو ان کے لیے مقرر نہیں کیا تاکہ وہ ان کے کھانے پینے وغیرہ کا انتظام کریں اس وقت تک نہ انھوں نے کچھ کھایا اور نہ پیا۔

فنائے باطن یہ ہے کہ کبھی مکاشفۂ صفات میں غرق ہوکر اپنی صفات سے فانی ہو جائے اور کبھی ذات قدیم کی عظمت کے مشاہدے میں ایسا غرق ہو جائے کہ اپنی ذات سے فانی ہو جائے۔ اس کا باطن تمام وسوسوں اور تمام خیالات سے فانی ہو جائے۔ واضح رہے کہ فنا کے لیے ضروری طور پر یہ لازم نہیں ہے کہ احساس غائب ہو جائے بلکہ بعض کے ساتھ ایسی حالت آتی ہے اور بعض کو نہیں۔

فنا کے سلسلے میں شیخ الشیوخ کا سوال اور مسلم بن سیار کی حکایت

شیخ الشیوخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ایک بار شیخ ابو محمد بن عبداللہ بصری سے میں نے سوال کیا کہ فانی کے سِر اور وجود میں تخیلات باقی رہتے ہیں اور وسوسوں کا وجود جو شرک خفی ہے، کیا وہ

---

(۱) عوارف المعارف، باب: ۶۱، ص: ۴۹۸

بھی باقی رہتا ہے؟ شیخ ابو محمد نے جواب دیا کہ مقام فنا میں تخیلات باقی رہتے ہیں، البتہ انھوں نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ شرک خفی ہے یا نہیں ۔ اسی درمیان آپ نے مسلم بن سیار کی حکایت بیان کرنی شروع کردی اور آپ نے فرمایا کہ مسلم بن سیار نماز میں تھے کہ جامع مسجد کا ستون گر پڑا یہاں تک کہ اس کی شدید دھمک سے تمام بازار والے ہل گئے۔ مسجد میں آئے تو انھوں نے مسلم بن سیار کو خلوت میں پایا۔ ان کو ستون کے گرنے کی کوئی خبر نہیں ہوئی۔ یہ استغراق اور فنائے باطن ہے۔

ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ ان کے وجود کا برتن اتنا کمزور ہوتا ہے کہ ان کو عالم کی کوئی خبر ہی نہیں ہوتی اور جس وقت صاحب فنا کا برتن کشادہ ہو جاتا ہے اور وہ مقام فنا میں صاحب تحقیق ہو جاتا ہے اسے ہر چیز کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور اس کا اختیار اللہ کا اختیار بن جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل تمکین میں شامل ہو جاتا ہے اور مقام بقا میں داخل ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ: فنا حلول نہیں

صوفیہ کے نزدیک فنا کی تفسیر یہ ہے کہ سالک کو اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی نظر نہ آئے، اسے حق تعالیٰ کے علاوہ کچھ معلوم نہ ہو، وہ اپنے آپ کو اور حق تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کو فراموش کر چکا ہو، غلبۂ حال اور سکر کی وجہ سے اس کو ایسا لگتا ہے کہ وہی رب ہے، اس لیے کہ وہ حق تعالیٰ کے علاوہ نہ کسی چیز کو دیکھتا ہے اور نہ جانتا ہے، چنانچہ وہ یہ گمان کر بیٹھتا ہے کہ ہر شئے اللہ ہے، اسے یہ گمان ہو جاتا ہے کہ اس کی ذات بھی اللہ ہے، چنانچہ خود فراموشی، غلبۂ حال اور غلبۂ سکر میں أنا الحق کہہ جاتا ہے، جیسا کہ منصور حلاج نے کہا، اس کی زبان پر یہ بات آجاتی ہے کہ گھر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے (لَيْسَ فِي الدَّارِ إِلَّا اللهُ)، جیسا کہ یہ بھی کسی کا قول ہے، اسی طرح وہ یہ پکار اٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے (لَيْسَ فِي الوُجُوْدِ إِلَّا اللهُ)، جیسا کہ یہ بھی کسی کا قول ہے۔ جب عارف فانی سے ان کلمات کو کوئی دوسرا شخص سنتا ہے تو وہ حلول کا اعتقاد کر لیتا ہے جو سراسر گمراہی ہے۔

عارفین نے جب یہ بات کہی تھی اس وقت ان پر سکر و حال کا غلبہ تھا، اس وقت وہ ایک

ایسے مقام پر تھے کہ انھوں نے اس مقام پر اپنے آپ کو اور پوری کائنات کو فراموش کر دیا تھا، ظاہر ہے کہ اگر خود فراموشی کا عالم نہ ہو، سکر و حال کا غلبہ نہ ہو تو غیر کی موجودگی کے باوجود لَیْسَ فِی الدَّارِ اِلَّا اللّٰہُ کہنا کذب ہوگا، جس کا صدور ان مشائخ سے محال ہے۔ چنانچہ منصور نے جو کچھ کہا وہ عالم فنا اور غلبۂ حال و سکر میں کہا، ابویزید بسطامی نے سُبْحَانِی مَاأَعْظَمَ شَأنِیْ (پاک ہے میری ذات اور عظیم ہے میری حیثیت) کہا اور کسی کہنے والے نے کہا: لَیْسَ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا اللّٰہُ (وجود میں اللہ کے سوا کوئی نہیں) لَیْسَ فِی الدَّارِ اِلَّا اللّٰہُ (گھر میں اللہ کے سوا کوئی نہیں)، لَیْسَ فِی جُبَّتِیْ اِلَّا اللّٰہُ (میرے جبے میں اللہ کے سوا کوئی نہیں)، اس وقت یہ سارے لوگ عالم فنا اور غلبۂ سکر و غلبۂ حال کی کیفیت میں تھے۔ اس لیے اس حالت میں یہ لوگ معذور ہوں گے۔

منقول ہے کہ مجنوں پر جب خود فراموشی کا عالم طاری ہوا، لیلیٰ کی محبت میں استغراقی کیفیت ہوئی، اس حال میں کسی نے اس کا نام پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ میرا نام لیلیٰ ہے۔

میرے عزیز! اس مقام کو بیان کرنا اچھا نہیں لگتا۔ اس مقام کی حقیقت سے اس راہ کے شہسوار ہی واقف ہیں۔

قول منصور حلاج کی ایک انوکھی تاویل

پیر دست گیر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ منصور حلاج کے قول کی بعض لوگوں نے الگ ہی تاویل کی ہے، حق تعالیٰ کی طرف سے ان پر ایک وارد کا ورود ہوا، انھوں نے ایک ندا سنی: مَنْ یَفْدِیْ لَنَا رُوْحَہ؟ کون ہے جو اپنی جان میری راہ میں قربان کر دے؟ یہ سن کر منصور نے جواب دیا: أَنَا الحَقُّ أَیْ أَنَاالثَّابِتُ عَلیٰ فِدَاءِ الرُّوْحِی یعنی میں اس کے لیے تیار ہوں کہ میں اپنی جان قربان کر دوں۔ جب علماے شریعت نے ان کو قتل کرنا چاہا تو منصور نے اپنے کلام میں اسی لیے تاویل نہیں کی تاکہ دعویٰ جھوٹا نہ رہ جائے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت جنید بغدادی اور دوسرے علماے طریقت نے بھی علماے شریعت کی موافقت کی اور ان کو دار پر چڑھانے کی اجازت دے

دی، تاکہ منصور کا دعویٰ سچ ثابت ہو جائے اور وہ اپنے دعوے میں جھوٹے نہ رہ جائیں۔

بایزید بسطامی کے قول کی تاویل

بعض لوگوں نے حضرت ابو یزید بسطامی کے قول سُبْحَانِی مَاأَعْظَمَ شَأنِیْ کی بھی دوسری تاویل کی ہے اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے یہ بات حق تعالیٰ کی طرف سے بطور حکایت کہی تھی اور یہ ایسے ہی تھا جیسے قاری پڑھتا ہے: اِنَّنِیٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ (طٰہٰ:۱۴) بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے علاوہ کوئی معبود نہیں، لہٰذا میری عبادت کرو۔

فائدہ: ذکر کلمۂ طیبہ کے ضروری اوصاف

پہلا وصف: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا فہم

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والے کو کچھ ایسی صفات سے موصوف ہونے کی ضرورت ہے، جن کے بغیر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر فائدہ نہیں دے گا۔ ان میں پہلی صفت یہ ہے کہ ذاکر یہ بات یقین کے ساتھ جانے کہ وہ کون سا ذکر کر رہا ہے، کس چیز کی نفی کر رہا ہے اور کس چیز کا اثبات کر رہا ہے۔ ذاکر جن چیزوں کی نفی کرتا ہے، وہ ان معبودوں کی نفی ہے جو ربوبیت کے مدعی ہیں، مثلاً نفس، خواہشات، شہوت اور شیطان؛ کیوں کہ النَّفْسُ صَنَمٌ، مَنْ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنِ الشَّفَقَةِ فَقَدْ عَبَدَهَا، وَالهَوٰی أَبْغَضُ إِلٰهٍ عُبِدَ فِی الأَرْضِ (نفس ایک بت ہے، اس کی طرف شفقت کی نگاہ ڈالنے والا اس کا پجاری ہے۔ اسی طرح خواہش روئے زمین کا بدترین معبود ہے۔)

خواہش کی اقسام

خواہش کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ہویٰ ازروئے شریعت: کسی داعیۂ شرعی کے بغیر لذت کی چیزوں کی طرف نفس کے مائل ہونے کا نام ہے۔

ایسی خواہشات کی پیروی جنت سے محرومی کا سبب ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: وَ اَمَّا مَنْ

خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (النازعات: ۴۰،۴۱) (جو اللہ سے ڈرا اور جس نے اپنے نفس کو ہویٰ اور خواہش سے روکے رکھا تو جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔)

ایک عارف اسی سلسلے میں فرماتے ہیں:

یک نفس ار نفس بفرمان تست کفش بیاور کہ بہشت آن تست

(اگر ایک لمحہ بھی نفس تمھارے زیر حکم ہے تو عزم و ہمت باندھ لو کہ جنت تمھاری ہے)[1]

(۲) ہویٰ از روئے طریقت، خواہش کے بغیر لذت والی چیزوں کی طرف نفس کے مائل ہونے کا نام ہے، اس میں مباح خواہشات کی پیروی اور مباح چیزوں سے لطف اندوزی ہوتی ہے۔ یہ جنت سے محرومی کا باعث نہیں ہے لیکن ہدایت خاص سے محرومی کا سبب ہے۔

البتہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کہنے والا جس چیز کا اثبات کرتا ہے وہ یقیناً اللہ کی ذات ہے، وہ اللہ کی ذات کو ثابت کرتا ہے، چنانچہ ذاکر غیر اللہ کی نفی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اثبات کرتا ہے۔

فہم ذکر کی صورت

پیر دست گیر قطب عالم نے فرمایا کہ ذاکر، جس طرح زبان سے کلمہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کے حروف ادا کرے اسی طرح دل میں لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کے معنی کہے۔ یعنی ذکر لسانی کے ساتھ ہی ذکر قلبی بھی جاری رہے کہ میں اللہ کے سوا کسی کو نہیں چاہتا۔ ابتدا میں طالبین کے حال کے موافق اور مناسب یہی ہے کہ کلمہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کے ذکر کے وقت دل کی زبان سے اس کے معانی کو ادا کرے؛ کیوں کہ مبتدی کے دل میں ہوائے نفس بطور معبود گھر کیے ہوتا ہے اور وہ اس کو اپنی پرستش میں بلکہ در حقیقت بت پرستی میں مشغول رکھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) اصل مخطوطے میں اس طرح تھا: یک نفس از نفس بفرمان تست کفش بپاکن کہ بہشت آن تست

لیکن اس کی تصحیح: ganjoor.net/nezami/5ganj/makhzanolasrar/sh32 سے کی گئی ہے اس لیے کہ "کفش بپا کردن" کوئی محاورہ نہیں ہے بلکہ "کفش آوردن" "عزم و ارادہ کرنے کے معنی میں محاورہ ہے،، یہ شعر خمسہ نظامی گنجوی، مخزن الاسرار کا ہے۔

مَاعُبِدَصَنَمٌ عَلٰی وَجْہِ الأَرْضِ أَخْبَثُ مِنَ الْھَوٰیٰ یعنی روئے زمین پر ہوائے نفس سے زیادہ خبیث کسی بت کی پرستش نہیں ہوئی۔ [1] اسی لیے بزرگوں نے فرمایا:الشَّرُّ مُتابَعَۃُ الھَوٰی وَالخَیْرُ مُخَالَفتُہ . (ہوائے نفس کی پیروی کا نام شر ہے اور اس کی مخالفت کا نام خیر) کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے:

إِذَا طَلَبَتْکَ النَّفْسُ یَوْمًا بِشَھْوَۃٍ　　وَکَانَ إِلَیھَا لِلْخِلَافِ طَرِیقُ
فَدَعْھَا وَخَالِفْ مَا ھَوَیْتَ فَإِنَّمَا　　ھَوَاکَ عَدُوٌّکَ وَالخِلَافُ صَدِیقُ

(نفس جب تم سے کسی خواہش کا مطالبہ کرے،ایسی صورت میں اگر خواہش کی مخالفت تم سے ممکن ہو تو مخالفت کرو،اس لیے کہ ہوائے نفس تمھارا دشمن ہے اوراس کی مخالفت تمھارا دوست ہے۔)

دوسرا وصف:عظمت الٰہی کا احساس

دوسری صفت یہ ہے کہ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللہ کا ذکر تعظیم کے ساتھ ہو اور ذاکر کا دل عظمت واحترام سے لبریز ہو؛ کیوں کہ اللہ ہی ذاکر کا مطلوب اوراس کا محبوب ہے۔اس لیے یقینی طور پر مطلوب ومحبوب کی عظمت دل میں ہونی چاہیے، تاکہ اپنے مطلوب ومحبوب تک رسائی حاصل ہو سکے۔

تیسرا وصف:صدق ارادت

تیسری صفت یہ ہے کہ مشاہدۂ قلبی کے ذریعے وصال حق کے لیے ذاکر کے قلب میں صدق ارادت و محبت ہو اور مقصود قرب الٰہی ہو،کچھ اور نہ ہو۔کیوں کہ اگر اس کی ارادت ضعیف ہوگی تو وہ وصال کی آرزو اور تمنا تو کرے گا لیکن اس کی ارادت میں محبت اور سچائی نہ ہوگی اور جب تک محبت میں صدق نہ ہو اُس وقت تک محض تمنا،آرزو اور ضعیف ارادت سے کوئی کام

---

(۱) طبرانی/المعجم الکبیر (۷۵۰۲)،ابونعیم/حلیۃ اولیاء(۱۱۸/۶) بہ الفاظ:مَا تَحْتَ ظِلِّ السَّمَاءِ مِنْ إِلٰہٍ یُعْبَدُ مِنْ دُونِ اللہِ أَعْظَمُ مِنْ عِنْدِ اللہِ مِنْ ھَوًی مُتَّبَعٍ

بننے والا نہیں ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی تجربہ کرنے والا تجربہ کرنے کی غرض سے ذکر کر رہا ہو، یعنی یہ دیکھنے کے لیے ذکر کر رہا ہو اور خلوت میں مشغول رہا ہو کہ ذکر سے کوئی فائدہ ملتا ہے یا نہیں اور مشائخ صوفیہ مکاشفات و مشاہدات اور وصال وغیرہ کی جو باتیں کرتے ہیں، وہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں یا نہیں؟ واضح رہے کہ اس طرح کا ذکر جو امتحان کے طور پر ہو اور جس میں تردد اور شک ہو، اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

چوتھا وصف: ذکر کا ادب واحترام

چوتھی صفت یہ ہے کہ ذاکر اس کلمے کا ذکر حسن ادب اور احترام سے کرے، اس لیے کہ ذاکر کے پاس اگر ادب واحترام کی دولت نہیں ہوگی تو وہ سخت دل، درشت طبیعت، بے برکت، فسادی اور گمراہ ہوگا اور وہ مشائخ اور بزرگوں کی صحبت کے لائق نہیں ہوگا اور جب ایسا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے اوپر قرب ومشاہدہ اور اپنی ہم نشینی کا دروازہ نہیں کھولے گا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ذاکر جس کے نزدیک ذکر کا کوئی ادب واحترام نہ ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا مقرب نہیں ہو سکتا، نہ اس کو مقام مشاہدہ اور مکاشفہ عطا ہو سکتا ہے۔ اور نہ وہ أَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِىْ (میں اپنے ذاکر کا ہم نشیں ہوں) کے مقام پر فائز ہو سکتا۔ یہاں تک کہ جو اپنے حسن خلق کے سبب اعلیٰ علیین تک پہنچ گیا ہو، لیکن اس کے پاس حسن ادب کی دولت نہیں ہے تو یہ بے ادبی اس کو اسفل السافلین کے گڑھے میں پہنچا دے گی۔

مقصد یہ ہے کہ سالک جس قدر بھی بلند مقام تک پہنچ جائے اگر آداب میں سے وہ کسی حسن ادب کا تارک ہے تو یہ چیز اس کو اعلیٰ مقام سے اسفل تک پہنچا دے گی؛ کیوں کہ التصوُّفُ كله أَدبٌ، فَمَن مُنعَ عَن الأَدبِ مُنِعَ عَن الخَيرِ كله (تصوف سراسر ادب کا نام ہے، جو ادب سے محروم رہ گیا وہ تمام بھلائیوں سے محروم رہ گیا۔)

اس راہ میں حرمت وادب، اصل ہے۔ پیر دست گیر قطب عالم بارہا یہ فرماتے تھے کہ عمل سے جنت تک رسائی حاصل ہوتی ہے اور ادب سے خالق جنت تک۔

پانچواں وصف: مراقبہ

لاالٰہ الااللہ کے قائل کے لیے پانچویں صفت یہ ہے کہ ساری ہمتوں کو جمع کرکے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مراقب رہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام ارادوں کو جمع کرکے ایک دل میں ایک ہی محبوب کو باقی رکھے۔ وہ محبوب جوحی وقیوم ہے، غیر کی دوستی اور غیر کے خیال کو دل سے نکال دے۔ ایک عارف فرماتے ہیں:

یک دوست پسند کن کہ یک دل داری　　گر مذہب مردمانِ عاقل داری

اگر تمھارا مسلک ارباب دانش کا ہے تو صرف ایک دوست پسند کرو؛ کیوں کہ تمھارے باطن میں ایک ہی دل ہے۔

اے عزیز! یہ بات سب کو معلوم ہے کہ رعایا اگر دو بادشاہوں کو قبول کرلے تو وہ اپنی خرابی، تباہی اور بربادی کا سامان خود کرتی ہے:

فرمان عقل و عشق بہ یکجا نمی شود　　غوغا بود دو بادشہ اندر ولایتی

عقل وعشق کا فرمان یکجا نہیں ہوتا، دو بادشاہ ایک ملک میں ہوں تو شور وغوغا ہوتا ہے۔

فائدہ: مراقبہ کی تعریف

مراقبہ یہ ہے کہ ہمیشہ اس بات کا اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ حاضر وناظر اور سمیع وبصیر ہے۔ ایک ساعت کے لیے بھی اس سے غافل نہ ہو تاکہ اس راہ میں مشرک نہ بن جائے؛ کیوں کہ: سَھْوُ طَرْفَةِ العَیْنِ مِنَ اللہ تَعَالیٰ کُفْرٌ (چشم زدن کے لیے بھی اللہ سے غفلت کفر ہے) مراقبہ علی التحقیق اگرچہ یہی ہے لیکن جب تک کسی مرشد اور عارف کامل کی اجازت سے نہ ہو اور اس کے طریقے کے اتباع میں نہ ہو اُس وقت تک بندہ اس کی حقیقت اور اس کی ماہیت تک نہیں پہنچ سکے گا اور نہ اس کو حظ اور ذوق حاصل ہوگا؛ کیوں کہ ذکر تقلیدی الگ ہے اور تحقیقی الگ، ذاکر مقلد الگ ہے اور محقق الگ۔

بندے کو چاہیے کہ مراقبے میں رہے۔ مراقبے کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت اترتی ہے

اور ربانی عطیات حاصل ہوتی ہیں۔ وہی نفحات الٰہیہ جو رحمت الٰہی ہیں، ان کو ہی صوفیہ لمحہ، لمعہ، وجد اور وجود کا نام دیتے ہیں۔

لمحہ، لمعہ، وجد اور وجود

لمحہ؛ برق کی طرح سریع الزوال ہوتا ہے۔ لمعہ؛ لمحہ سے زیادہ ظاہر ہوتا ہے، اس کا زوال اتنی سرعت کے ساتھ نہیں ہوتا۔ وجد؛ ایسی چیز ہے کہ رب تعالیٰ کی جانب سے بلا تکلف خود بخود سالک کے باطن پر طاری ہوتا ہے، عشق کے سرور سے یہ وجد حاصل ہوتا ہے اور سالک کو اس کی حالت سے پھیر کر رب تعالیٰ کی طرف بینا کر دیتا ہے۔ وجود؛ صحرائے وجدان کی طرف نکل آنے کی وجہ سے حاصل ہونے والی فراخی اور کشادگی کا نام ہے، چنانچہ وجد وجدان کے ساتھ نہیں ہوگا، اس لیے کہ وجد اس کو ہوتا ہے جس نے حق کو نہ پایا ہو اور جب حق کو پالے گا تو یہ وجد نہیں رہ جائے گا، ایسا سالک اہل تمکین میں شامل ہو جائے گا، اس لیے کہ وجد کے لیے زوال ہے اور وجود پہاڑ کی طرح ثابت ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

قَدْ كَانَ يُطْرِبُنِي وَجْدِيْ فَأَفْقَدَنِي   عَنْ رُؤْيَةِ الوَجْدِ مَنْ فِي الوُجُودِ

الوَجْدُ يُطْرِبُ مَنْ فِي الوُجُوْدِ رَاحَتُهُ   وَالوَجْدُ عِنْدَ شُهُودِ الحقّ مَفْقُودُ

(۱) پہلے مجھ پر کیف و مستی چھایا کرتی تھی، پھر وہ ذات جو موجود حقیقی ہے، اس نے مجھے اس وجد سے بے خبر کر دیا۔

(۲) وجد اسی کو کیف میں لاتا ہے جسے اپنے وجود کا احساس باقی ہو، حق کی حضوری کے بعد وجد باقی ہی نہیں رہ جاتا۔

بہ تکلف ذکر کر کے وجد کو طلب کرنے کا نام تواجد ہے۔ اس کا تعلق کسب سے ہوتا ہے۔ بندہ اپنے آپ پر ستم کر کے خود کو اس حالت میں لاتا ہے اور اسی تواجد سے وجد پیدا ہوتا ہے۔[۱]

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ فرماتے تھے: مخلص درویش جب حق تعالیٰ کی بارگاہ

---

(۱) اس مقام پر تواجد کا تذکرہ ضمناً کر دیا گیا ہے، ورنہ یہ متن میں مذکور نہیں ہے۔

کا مقبول ہو جاتا ہے تو اس کی زبان، حکمت کا سرچشمہ بن جاتی ہے، پھر جو کچھ اس کی زبان سے نکلتا ہے وہ حق اور درست ہی ہوتا ہے، بلکہ وہ عین حق ہو جاتا ہے۔ آپ یہ شعر پڑھتے:

رفتم بر در درویشاں تا حق طلبم ز ایشاں آنجا ہمہ حق دیدم، حق جانب درویشاں

(میں درویشوں سے حق کی طلب کے لیے ان کے پاس گیا تو میں نے وہاں سب کچھ حق ہی دیکھا اور حق درویشوں کی جانب متوجہ پایا۔)

جہاں تک ذکر لسانی کا تعلق ہے تو یہ گویا ایسا ہے کہ ذاکر اس کے ذریعے قلب کو یاد الٰہی کی تذکیر کرتا ہے، جسے وہ فراموش کر چکا ہوتا ہے یعنی ذکر الٰہی کی یاد دلاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انتہائی قساوت اور غفلت کی وجہ سے دل جب ذکر الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیتا ہے تو ذاکر ذکر لسانی کے ذریعے قلب کو اس کی یاددہانی کراتا ہے اور اسے ذکر میں مشغول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (الکہف: ۲۴) جب تم بھول جاؤ تو اپنے رب کو یاد کر لو۔

رہا وہ ذکر جو زبان سے گزر کر نفس میں داخل ہوتا ہے تو وہ ایسا ذکر ہے جس کو حرف وصوت کے ذریعے سنا جاتا ہے، وہ بھی ذکر لسانی کی طرح مسموع ہوتا ہے۔ البتہ ذکر قلبی نسیان کی ضد ہے اور نسیان کی ضد یہ ہے کہ دل محبوب کی طرف ہر وقت ہر پل دیکھتا رہے۔ یعنی جس وقت بھی اپنے دل کو تلاش کرے اس وقت وہ اپنے آپ کو حق تعالیٰ کی ساتھ پائے، یہ ریاضت کی انتہا ہے اور ذکر سِر، اسرار الٰہی کے مکاشفہ کے لیے مراقبے کا نام ہے اور جہاں تک ذکر روح کا تعلق ہے تو یہ صفات صمدیت کی تجلیات کے انوار کے مشاہدے کا نام ہے۔ مروی ہے کہ بلعم باعوراسی مقام پر فائز تھا۔ اس کی طرف صفات صمدیت کی تجلی ہوتی تھی اور وہ ان صفات کے نور کا مشاہدہ کیا کرتا تھا۔

اور جہاں تک ذکر خفی کا معاملہ ہے تو یہ مقام صدق میں حضرت الٰہی کے انوار جمال کے معائنے کا نام ہے اور سارے جہان کے مالک، جزا اور سزا اور جلانے اور مارنے پر قدرت رکھنے والی ذات کے قرب میں اہل حق کی مجلس وہم نشینی کا مقام ہے۔

فائدہ: نفس اور بلاؤں پر صبر

حق سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مقدس میں نفس کو تین مختلف صفات کے ساتھ ذکر کیا ہے، جب کہ در حقیقت نفس ایک ہی ہے، البتہ اپنی صفات کے لحاظ سے اس کی حالتیں مختلف ہیں۔ نفس کی ایک صفت مطمئنہ ہے، جیساکہ گزر چکا، یہ مخلص مومن کا نفس ہے، نفس کی دوسری قسم لوامہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (القیامہ: ۱/ ۲) (قسم ہے روز قیامت کی، قسم ہے نفس لوامہ کی۔) یہ نفس لوامہ بعض کافروں کے پاس بھی ہوتا ہے، جو اپنے نفس پر ملامت کریں گے اور کہیں گے: يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ (الفجر: ۲۴) کاش میں نے بھی اپنی زندگی کے لیے پہلے سے کچھ عمل کر کے بھیجا ہوتا۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ نفس کافر اور مومن دونوں کے پاس ہوتا ہے، اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ کل قیامت کے روز ہر نفس ملامت کرنے والی ہوگی، اپنے اوپر ملامت کرے گی، فاسق کہیں گے کہ میں نے حرام کام کیوں کیا، جب کہ صالحین کہیں گے کہ میں نے زیادہ بھلائی کیوں نہیں کی۔ (۱)

نفس کی تیسری صفت امارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ (یوسف: ۵۳) (نفس برائی کا بہت زیادہ حکم دینے والا ہے۔) نفس کی یہ اصلی خلقی اور جبلی صفت ہے۔ یہ نفس ہر شخص کے پاس ہوتا ہے مگر اعانت و امداد الٰہی دست گیری فرماتی ہے تو اُس کو صفت مطمئنہ تک پہنچا دیتی ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (المائدہ: ۵۴) (یہ اللہ کا خاص فضل ہے، وہ جسے چاہے اسے اس سے نوازے۔)

مرصاد العباد میں ہے کہ نفس انسانی کو عالم بقا کی چاشنی ملی ہوئی ہے چنانچہ جنت میں ہو یا دوزخ

---

(۱) جزء من حديث النعالي (ص: ۴۵) مرفوعًا بہ الفاظ: مَا مِنْ نَفْسٍ إِلا تَلُومُ نَفْسَهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِنْ كَانَتْ مُحْسِنَةً وَدَّتْ أَنَّهَا أَفَادَتْ إِيمَانًا، وَإِنْ كَانَتْ مُسِيئَةً، قَالَتْ: يَا لَيْتَنِي كُنْتُ أَحْسَنْتُ، وَذَلِكَ عِنْدَ مَقَامِهِ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ اور رازي نے مفاتيح الغيب من القرآن الكريم (ص: ۴۵۹۲) میں موقوفا حضرت عباس سے ان الفاظ سے روایت کی ہے: إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ فَإِنَّهَا تَلُومُ نَفْسَهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَوَاءٌ كَانَتْ بَرَّةً أَوْ فَاجِرَةً ، أَمَّا الْبَرَّةُ فَلِأَجْلِ أَنَّهَا لَمْ تَزِدْ عَلَى طَاعَتِهَا ، وَأَمَّا الْفَاجِرَةُ فَلِأَجْلِ أَنَّهَا لَمْ تَشْتَغِلْ بِالتَّقْوَى۔

میں، قالب جسم سے جدائی کے بعد بھی ہر حال میں ہمیشہ نفس باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا (النساء: ۵۷) وہ وہاں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ جب کہ حیوانات کے نفوس کو عالم بقا کی چاشنی نہیں ملی ہے، اس لیے قالب جسم سے جدائی کے بعد ان کے نفوس ناپید ہو جائیں گے۔

فائدہ: عالم قلب

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ لفظ ''قلب'' کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے۔ ایک معنی میں قلب کا اطلاق صنوبری شکل کے گوشت کے لوتھڑے پر ہوتا ہے جو بائیں پہلو میں ودیعت کیا ہوا ہے۔ وہ ایک خاص قسم کا گوشت کا ٹکڑا ہے جو اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے اور اس میں تھوڑا سا سیاہ خون ہوتا ہے۔ یہ روح کا منبع اور ٹھکانہ ہے۔ یہ قلب بہائم بلکہ مردہ کے پاس بھی ہوتا ہے۔

قلب کا اطلاق دوسرے معنی میں لطیفۂ ربانی اور روحانی پر ہوتا ہے۔ اس کا تعلق قلب جسمانی سے ایسے ہی ہے جیسے اعراض کا اجسام سے اور اوصاف کا موصوف سے۔ یہی لطیفۂ ربانی انسان کی حقیقت ہے۔ عارف اسی لطیفے کا ادراک کرتا ہے۔ یہی لطیفہ مخاطبہ، معائنہ اور مکاشفہ کے قابل ہے۔ مذکورہ آیت اور قرآن میں جہاں کہیں قلب وارد ہے اس سے یہی معنی مراد ہے اور کبھی کبھی اس لطیفے سے اس قلب کا کنایہ کیا جاتا ہے جو سینے میں موجود ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس لطیفہ اور قلب کے درمیان ایک خاص تعلق اور ایک خاص رشتہ ہے۔

شیخ کلیب سنجاری کا بے مثال صبر

پیر دستگیر قطب عالم نے فرمایا: شیخ کلیب سنجاری نے خادم سے کہا دیکھو میرے جسم میں زبان کے علاوہ کوئی ایسی جگہ ہے جہاں کیڑے نہ ہوں؟ خادم نے کہا: ہاں زبان کو چھوڑ کر ہر جگہ کیڑے نظر آ رہے ہیں۔ شیخ کلیب نے جواب دیا: ہاں ایسا ہی ہے۔ میرے جسم میں دل و زبان کو چھوڑ کر ہر جگہ کیڑے ہیں۔ زبان کو شکر کے لیے اور دل کو حضور و فکر کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ اس کو مصیبت کی سختی کی کوئی خبر اور اس کا کوئی احساس نہ ہونے پائے۔

ایسا بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ کلیب کو کوڑھ ہو گیا تھا، وہ شہر سے باہر نکل کر بادیہ نشیں ہو گئے،

ایک شب حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب ان کے پاس گئے، ان کے گرد کھڑے ہوگئے اور سننے کی کوشش کی کہ وہ اس حالت میں کیا کہہ رہے ہیں، انھوں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا: یارَبِّ اسْمِی کُلَیْبٌ وَجِسْمِیْ مَجْذُوْمٌ وَأَکْلِی بَعْدَفَاقَۃٍفَأَیْنَ جِبْرِیْلُ وَمَنِ الْمُبَارِزُ؟ اے پروردگار! میرا نام کلیب (کتے کا بچہ) ہے، میرا جسم کوڑھ زدہ ہے، میں فاقہ کے بعد کھاتا ہوں، اس میدان بلا میں جبریل کہاں ہیں؟ تاکہ معلوم ہوجائے کہ دعوئ محبت میں کون بڑا ہے، وہ یا میں؟

فائدہ: ممشاد دینوری کا قابل رشک حال

روایت میں آیا ہے کہ حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوگئے، لوگوں نے پوچھا کہ اس مصیبت میں کیسا محسوس کررہے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ تم مصیبت سے پوچھو کہ وہ میرا حال کیسا پاتی ہے؟ لوگوں نے پوچھا آپ کے دل کا حال کیسا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ تیس سال ہوئے کہ مصیبت کی سختی سے اپنے دل کو بے خبر کررکھا ہے، دل کا حال اور کیا پوچھتے ہو؟

معلوم ہوا کہ بلا طالبین وذاکرین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت کی نشانی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے اس کو بلا سے نوازتا ہے۔ اے عزیز! بادشاہوں کے دسترخوان پر کسی مرد کو ہی زہر دیا جاتا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مناجات میں کہا کرتے تھے: اے اللہ! تو اپنے دوستوں کو کب تک اپنی محبت میں قتل کرتا رہے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب تک یہ اپنی دیت نہ پاجائیں۔ انھوں نے عرض کی: مولیٰ! ان کی دیت کیا ہے؟ اللہ نے فرمایا: میرا جمال اور میری ملاقات ان کی دیت ہے۔ مَنْ قَتَلْتُہ فَأَنَا دِیَتُہ. جس کو میں نے قتل کیا اس کی دیت میں خود ہوں۔ کہنے والے نے اچھی بات کہی ہے ؎

بے جرم و گناہ عاشقاں را می کش   پس بر سر گور شاں زیارت می کن

(بغیر کسی جرم وگناہ کے عاشقوں کو قتل کرتے ہو اور پھر ان کی قبر کے سرہانے آکر ان کی

زیارت کرتے ہو۔)[1]

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: طالبین وذاکرین کو بلاؤں کے ذریعے مہمیز لگائی جاتی ہے تو یہ لوگ حرکت میں آجاتے، اگر یہ پر سکون رہتے اور حرکت میں نہیں آتے تو واصل ہو جاتے ہیں۔

ابو یعقوب نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دنیا کے لوگ بلاؤں کی وجہ سے فریاد کرتے ہیں اور اس کے دور ہونے کی دعا مانگتے ہیں، جب کہ عارفان الٰہی بلاؤں کو شیریں سمجھتے ہیں اور ان نوازشات بلا کے ختم ہونے کی دعا نہیں کرتے۔

ایک عارف فرماتے ہیں ؎

کوتاہ دیدگاں ہمہ راحت طلب کنند　　　عارف کجا کہ راحت او در بلای اوست

(تنگ نظر راحت طلب ہوتے ہیں، جب کہ عارف کا معاملہ مختلف ہے، اس کی راحت بلاؤں میں ہے۔)

لوح محفوظ کا پہلا لفظ

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ پہلا لفظ جو لوح محفوظ میں لکھا گیا وہ "محبت" تھا، پھر حرف "ب" کو حرف "ن" سے بدل دیا گیا تو "محنت" ہو گیا، ترتیب وترکیب ایک ہی ہے، صرف نقطے کا فرق ہے، جب اچھی طرح غور وفکر کرو گے تو دونوں کو ایک ہی پاؤ گے۔ تم نے یہ قول سنا ہوگا: البَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالأَنْبِيَاءِ ثُمَّ بِالأَوْلِيَاءِ. (بلائیں انبیا پر اور اولیا پر متعیّن کی گئی ہیں۔)

اے بھائی! سورج کے عاشق کے لیے آرام محال ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! إِنِّي أُحِبُّ اللهَ میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہوں، تو آپ ﷺ نے جواب دیا: اسْتَعِدّ بِالبَلَاءِ.

---

(۱) گنجور میں ایک شعر مولائے روم کی طرف منسوب اس طرح ہے:

عاشق بی گناہ را بہر ثواب می کشی　　　بر سر گور کشتگان بانگ نماز می کنی

توتم بلاؤں کے لیے تیار رہو۔[1] اس سے اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ محبت پر دلیل وبرہان طلب کی جائے گی، دلیل وبرہان کے بغیر چھٹکارا نہیں ملے گا، ہر شخص راحت میں خیر ڈھونڈتا ہے اور مومن کو بلا سے نسبت ہوتی ہے، جب کہ محبت کا معاملہ بالکل ہی مختلف ہے، کیوں کہ محبت کی غذا ابلا ہے: ع

حلوہ بکسی دہ کہ محبت نچشید است (حلوہ اس کو دو جس نے محبت کی تلخی نہیں چکھی ہو۔)

حلوا دوسری چیز ہے اور حدیث عشق دوسری چیز، یہاں میٹھی بات کہاں ہوتی ہے۔

امتحانِ یعقوبی

دیکھتے نہیں کہ اس شان والے نے کسی کو حکم دیا کہ اپنے فرزند کو قربان کریں اور قربان کرتے وقت آہ بھی نہ کریں اس نے بیٹے کی فرقت میں مبتلا کیا۔ جگر گوشے کی محبت کی سوزش میں آنکھوں کو سل دیا، اس کا نام لینے پر بھی پابندی عائد کردی، یہاں تک کہ اس کا نام سننے کو بھی ممنوع ٹھہرا دیا۔

پیر دستگیر قطب عالم قدس اللہ سرہ سے سنا ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا غم زیادہ ہوگیا تو فرمان الٰہی پہنچا کہ اے یعقوب! اگر میں نے یوسف کو تمھاری نظروں سے دور کردیا تو کیا ہوا، دوسرے بیٹے تو تمھارے سامنے موجود ہیں، ان کو یاد کرو اور ان فرزندوں سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھو۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے عرض کی: وہ بیٹے میری آنکھوں کا تارا نہیں ہیں، میری آنکھوں کا تارا تو وہی میرا یوسف ہے، اگر یہ میری آنکھوں کا نور بن جائیں، ان کے دیدار سے میری بینائی واپس آجائے اور میری بند آنکھیں ان کا دیدار کرنے لگیں تو کیا فائدہ؟ کیوں کہ مجھے تو یوسف کا جمال چاہیے، میری آنکھوں کو دوسرا حسن نہیں بھاتا۔ فرمان باری پہنچا: اے یعقوب! تو نے میرے علاوہ کسی اور سے دل ہی کیوں لگایا کہ غموں کے آشیانے میں فروکش ہونا پڑا۔ جو چیز ہمیشہ رہنے والی نہ ہو اس سے دل نہیں لگانا چاہیے ۔

---

(۱) سنن الترمذي، ابواب الزہد، باب ماجاء في فضل الفقر (۲۳۵۰) بہ الفاظ: إِنْ كُنْتَ تُحِبُّنِي فَأَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا، فَإِنَّ الفَقْرَ أَسْرَعُ إِلَى مَنْ يُحِبُّنِي مِنَ السَّيْلِ إِلَى مُنْتَهَاهُ.

دل برو بند کو نخواہد مُرد   آں کہ میرد برو چہ دل بندی

(دل اس سے لگاؤ جسے موت نہیں آنی ہے، اس سے کیا دل لگی جسے ایک روز موت آلے گی۔)

اے یعقوب! تمھارے جد امجد ابراہیم نے اپنے بیٹے سے دل لگایا تو ہم نے بیٹے کی قربانی کے ذریعے ان کی آزمائش کی، تم نے اس ماجرے کو جان کر بھی اپنے بیٹے سے دل لگالیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے عرض کی: یا اللہ! بیٹوں سے محبت تو فطری ہوتی ہے، اس لیے تنہا مجھ پر عتاب نہ فرما۔

نہ تنہا من گرفتارم بدام زلف زیبای   کہ ہرکس بادل آرامی سری دار دو سودای

(تنہا میں ہی حسن کی زلف گرہ گیر کا اسیر نہیں ہوں، ہر شخص حسینوں سے محبت کرتا ہے اوران کا سودائی ہوتا ہے۔)

فرمان ربانی پہنچا: اے یعقوب! ہمارے ایسے مخلص دوست بھی ہیں کہ ہم نے ان سے ان کے بیٹوں کو چھین لیا اور ان کے مال و اسباب ہلاک ہوگئے، لیکن پھر بھی انھوں نے ذرہ برابر آہ وزاری نہیں کی اور ایسی کوئی فریاد نہیں کی جس طرح تم آہ وزاری اور فریاد کررہے ہو؟ حضرت یعقوب علیہ السلام نے عرض کی: مولیٰ! کسی کے پاس میری جیسی اولاد نہیں تھی اور کسی کے اوپر میری جیسی مصیبت نہیں آئی۔ فرمان الٰہی ہوا: اے یعقوب! وہ اولاد جو ہم دیتے ہیں اور وہ مال و دولت جو ہم عطا کرتے ہیں، اگر ہم اسے واپس لے لیں تو اس پر فریاد کرنے کا کیا مطلب؟

ایک کتاب میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ ایک بیابان میں پہنچے اور دیکھا کہ ایک اللہ کا ولی مردہ حالت میں پڑا ہوا ہے، اس کی آنکھیں کوّے اور گدھ کی خوراک بن چکی ہیں، کوّے اور گدھ پنجے اور چونچ سے اس کی آنکھوں کو نوچ رہے ہیں اور اس کی آنکھوں کی سیاہی اور سفیدی کو نکال کرلے جارہے ہیں۔ اس بزرگ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی: مولیٰ! اپنے اس دوست کو تو نے بیابان میں کیوں ڈال دیا اور اس کی آنکھوں کو کوّے اور گدھ کی خوراک کیوں بنادی؟ ندا آئی کہ اے فلاں! یہ ہمارا دوست ہے، اس کی آنکھیں ہماری ہیں، یہ کوّا ہمارا ہے اور یہ گدھ ہمارا، تم کو اس سے کیا لینا دینا؟ اس کا خیال دل سے نکال دو۔ اگر ہمارا کوّا ہمارے دوست کی آنکھیں نکال کر کھا رہا ہے

اوراسے اچک لے جارہاہے، تو یہ بات تم پر کیوں گراں گزر رہی ہے؟ مالک الملک اپنی ملکیت میں جیسے چاہے تصرف فرمائے ۔

گر خاک کند گہر کہ گوید کہ مکن ۔۔۔ ور آب کند جگر کہ گوید کہ مکن

باوے نتواں گفت ازیں باب سخن ۔۔۔ شاید کہ کند ترک، کہ گوید کہ مکن

(۱) اگر وہ موتی کو خاک کرنا چاہے تو کون یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ ایسا مت کر اور اگر جگر کو آب کرنا چاہے تو اسے کون روک سکتا ہے!

(۲) اس باب میں کسی کو مجال گویائی نہیں ہے، "ایسا نہ کر" کہنے سے بچنا چاہیے!!

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے یعقوب! ہم نہیں چاہتے کہ آج سے تم یوسف کا نام لو یا کسی کو اس نام سے پکارو۔ یہ سن کر آپ کا درد اور بڑھا کہ یوسف کے رخ زیبا کے دیدار سے محروم تھا تو اس کا نام ہی لے لیا کرتا تھا، کیوں کہ مَن مُنِعَ عَنِ النَّظَرِ تَسَلّٰی بِالْاَثَرِ (جو دیدار سے محروم ہوتا ہے وہ آثار (نشانیوں) سے ہی تسلی کر لیا کرتا ہے۔) آپ نے اپنے صاحب زادگان کو طلب کیا اور ان سے فرمایا کہ مجھے یوسف کا نام لینے سے منع کر دیا گیا ہے، لہٰذا اب میرے سامنے تم اس کا نام لو تاکہ اگر اس کا نام زبان پر لانے سے منع کر دیا گیا تو کم از کم یہ ہو کہ اس خوش نام اور خوش کلام کے نام کو سن کر میرے کانوں کو تو خوشی مل جایا کرے۔ پھر فرمان الٰہی پہنچا: اے یعقوب! ہم نہیں چاہتے کہ تم اس کا نام لو یا دوسروں سے بھی اس کا نام سنو۔ جگر سوختہ پر اور نمک پاشی ہو گئی، وہ یوسف کی یاد میں اور بے قرار ہو گئے۔ اب یوسف کے ذکر کی خواہش کرنے لگے؛ کیوں کہ محبوب سے دوری کی صورت میں اگر محبوب کا ذکر عاشق کا مونس و غم خوار نہ ہو تو اس کا حال اور بھی برا ہو جاتا ہے اور وہ ہلاک و برباد ہو جاتا ہے ۔

سعدی چو وصل دوست بدستت نمی رسد ۔۔۔ بارے بذکر دوست زمانی بسر بری

(سعدی! جب تمھیں دوست کا وصال حاصل نہیں ہو رہا تو کچھ لمحے اپنے دوست کے ذکر میں ہی گزار لو۔)

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا مجھ کو بازار کنعان میں لے جایا جائے اور وہاں

کھڑا کر دیا جائے تا کہ آنے جانے والے شاید کبھی یہ کہیں کہ یہ یوسف کے والد ہیں اور اس طرح مجھے یوسف کا نام سننے کو مل جائے اور میرے دل کی وحشت دور ہو جائے، آپ کے فرزند آپ کا دست مبارک پکڑ کر آہستہ آہستہ آپ کو بازار کنعان میں لے آئے۔ لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ یوسف کے والد ہیں ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس سے خوشی ملی اور ٹوٹے ہوئے دل کو تھوڑی دیر کے لیے تسلی حاصل ہوئی۔

پھر فرمان باری ہوا کہ اے یعقوب! اس طرح بھی یوسف کا نام نہ سنو اور بازار کنعان میں اس مقصد سے مت جاؤ۔ اب جب آپ کے پاس کوئی چارہ نہیں رہ گیا تو غم زدہ اپنے گھر پر پہنچے۔ چوں کہ غم زدہ انسان کو خواب زیادہ آتا ہے، آپ پر غنودگی طاری ہوگئی۔ آنکھ لگ گئی تو خواب میں یوسف کے اس جمال کو دیکھا جس کی شان قرآن میں اس طرح بیان کی گئی ہے: حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ (یوسف:۳۱) (اللہ اکبر! نہیں نہیں، یہ انسان نہیں، یہ تو فرشتہ ہے۔) فوراً بغل گیر ہوئے اور پھر تھوڑی دیر میں ہی ان کی نظروں سے وہ جمال اوجھل ہو گیا۔

تشویش دادہ رفت، ندانم ز بیخودی کاں دوست بودہ در نظرم یا خیال دوست

(وہ شخص پریشاں خاطر کر کے چلا گیا اور بے خودی کے عالم میں مجھے یہ بھی خیال نہیں رہا کہ میری نگاہوں کے سامنے جو آیا تھا وہ دوست تھا یا خیال دوست۔)

حضرت یعقوب فریاد کرتے ہوئے بیدار ہوئے اور کہنے لگے: اے میرے یوسف! تم کہاں چلے گئے ؟ اے میرے یوسف! تم کہاں چلے گئے ؟ اے میرے یوسف! تم کہاں چلے گئے ؟ انھوں نے جو کچھ دیکھا تھا اسے خواب و خیال سمجھنے کے بجائے یہ سمجھ لیا کہ سب کچھ بیداری کی حالت میں ہوا ہے۔ حالت مغلوبی کے باعث یوسف کا نام زبان پر نہ لانے کا حکم فراموش کر بیٹھے، فریاد کرنے لگے اور ان کا سینہ عشق کی آگ میں جلنے لگا۔

آپ کے صاحب زادگان اور دوسرے نیک بندوں نے جب یہ حال دیکھا، حضرت یعقوب کی زبان سے حضرت یوسف کا نام سنا تو فوراً عرض کی: اے یعقوب! یہ آپ نے کیا کر دیا، پھر یوسف کا نام زبان پر لے آئے، یہ نہیں خیال رہا کہ یوسف کا نام سننے سے بھی آپ کو منع کیا گیا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب یہ سنا، خاک اٹھائی اور اسے اپنے منھ میں ڈالنے کے لیے ہاتھ منہ کے قریب لے گئے، اس وقت حضرت جبریل سدرۃ المنتہیٰ پر تھے، فوراً انھیں حکم ہوا کہ اے جبریل! جاؤ، ان کا ہاتھ پکڑ لو اور خاک منھ میں ڈالنے نہ دو؛ کیوں کہ اگر خود فراموشی کی وجہ سے انھیں ہمارا فرمان یاد نہیں رہا تو ہمارے کرم کے بھی یہ شایانِ شان نہیں کہ ہم ان کو منھ میں خاک ڈالنے دیں۔ حضرت جبریل تشریف لائے اور فوراً انھوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ لیا اور ہاتھ منھ تک لے جانے نہیں دیا۔ واہ، کتنی بڑی بات ہے! کتنی عظیم بات ہے!! واہ رے معشوق کی دل ربائی، واہ رے محبوب کا ناز و انداز

بتاں را جملہ باشد ناز بازی   و لیکن نی ز راہ سرفرازی
برافگن پردہ آنگہ ناز می کن   رخم بنمائی آنگہ ساز می کن
نمی گویم کہ بامن ناز کم کن   و لیکن ناز را با مہر ضم کن

(۱) محبوب کے یہاں صرف ناز و ادا ہی ہوا کرتا ہے لیکن یہ تکبر کے انداز سے نہیں ہوا کرتا۔

(۲) اپنے رخ زیبا سے پردہ اٹھا لو اور پھر ناز و ادا کا مظاہرہ کرو، مجھے اپنا دیدار کراؤ اور پھر ساز چھیڑو۔

(۳) میں یہ نہیں کہتا کہ میرے ساتھ ناز و ادا کم کرو، ہاں! ناز و ادا کے ساتھ محبت اور رحم کا بھی مظاہرہ کرو۔

بے چارہ عاشق، معشوق کے در کو چھوڑ کر کہاں جائے اور اس کے بغیر سکون و آرام کہاں پائے

عجب کاری و مشکل ماجرای   گدائے، مبتلای بادشاہی
نہ آرامی گزارد در فراقش   نہ وصل شاہ درخورد گدای

(۱) عجیب حال ہے اور بڑا مشکل معاملہ ہے، ایک گدا، ایک بادشاہ کا دیوانہ ہے۔

(۲) نہ اسے بادشاہ کے فراق میں کسی طرح سکون ملتا ہے اور نہ وہ اس کے وصال کے

قابل ہے۔[1]

آزمائش موسیٰ

حضرت موسیٰ کو شان کلیمی وَ کَلَّمَ اللہُ مُوۡسٰی تَکۡلِیۡمًا (الشعراء:۴۴) کی عظمت عطا کرنے کے باوجود ایک مینڈک کے ذریعے ان کو متنبہ فرمایا اور اس سے جواب دلوایا۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مناجات الٰہی میں خاص حرارت اور بسط کی کیفیت حاصل ہوئی۔ دوسرے دن بھی اس کا خمار آپ پر چھایا رہا۔ آپ کے دل میں خطرہ گزرا کہ جو دولت کل مجھ کو ملی ہے کیا کسی اور مخلوق کو بھی یہ نعمت مل سکتی ہے؟ فوراً جبریل حاضر ہوئے اور یہ پیغام الٰہی پہنچایا: اے موسیٰ! اس بیابان میں میرا کوئی چاہنے والا ہے، جو صدیقین کے دلوں کا علاج کرتا ہے۔

امر الٰہی کی پیروی کرتے ہوئے حضرت موسیٰ جب اس جگہ پہنچے تو دیکھا کہ ایک مینڈک ہے جو پانی میں آواز لگا رہا ہے۔ حضرت موسیٰ کو دیکھ کر کہنے لگا: اے موسیٰ! میں بہت دیر سے آپ کا منتظر ہوں تاکہ میں آپ کے گمان کو آپ کے دل سے دور کردوں، خود کو منفرد و یگانہ نہ سمجھیے، وہ نعمت جو کل آپ کو رب تعالیٰ سے حاصل ہوئی ہے وہ پہلے مجھ پر پیش ہوئی پھر آپ تک پہنچی۔ دیکھیے اب دوبارہ ایسی غلطی نہ کیجیے گا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مینڈک کی اس شفقت

---

(۱) رسالہ مکیہ کے متن ''العظیم شانہ'' کے ذیل میں حضرت مخدوم شیخ سعد خیر آبادی قدس سرہ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کو بیان کیا ہے اور ''کل یوم ھو فی شان'' کی تفسیر وتشریح فرمائی ہے۔ اسی حوالے سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ اس سے شارح کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان صمدیت اور بے نیازی واضح ہوجائے۔ یہاں ممکن ہے کہ کسی ذہن میں یہ بات آئے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں حضرت یوسف کی اس قدر محبت کیوں تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ باپ کے دل میں بیٹے کی محبت فطری ہے اور یہ مقام نبوت کے منافی نہیں ہے۔ خود سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشری تقاضے کے تحت اپنے صاحب زادۂ گرامی کی وفات پر دلی رنج پہنچا تھا۔ لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس فطری محبت سے روکنا اور انھیں یک گونہ آزمائش میں ڈالنا ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' کے قبیل سے ہے۔ اس طرح سے اللہ کریم اپنے خاص بندوں کے مراتب مزید بلند فرماتا ہے۔

کو ملاحظہ کیا تو آپ نے اپنے سر سے کلاہ اتار دی۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ رب تعالیٰ کی جانب سے مقرر کردہ ہے۔ عرض کی: اے بارگاہ حق کے سفیر! توجہ فرما، میری مدد کر اور میرا قصۂ غم واندوہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کر تاکہ معافی مل جائے اور اس خطرہ وخیال پر میرا مواخذہ نہ ہو۔ [1]

عجیب شان والا بادشاہ اور عجیب شان والا سلطان ہے۔ کبھی کمزور مکھی کو مکڑی کی خوراک بنا دیتا ہے اور کبھی اس کو سید المرسلین خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی حمایت میں بھیج دیتا ہے، وہ ایسی توفیق وہمت عطا کرتا ہے کہ ایک مکڑی مقابلہ آرائی کرتی ہے، ایک مچھر سپہ سالاری کرتا ہے، پتھر مسیحائی کرتا ہے، کتا عاشقی کرتا ہے، غار امان دیتا ہے، پانی فرمان بجالاتا ہے اور کبھی آگ مونس وغم گسار بن جاتی ہے۔ کیا عزت وقدرت ہے! کیا عظمت وشوکت ہے! کسی مخلوق کے وہم وگمان میں تیری عظمت کو سمجھنے کی طاقت نہیں۔ پوری مخلوق تیری عظمت کے سامنے اپنی عاجزی کی معترف ہے۔

من کہ باشم کہ بود شرح جمالش ہوسم   کیستم من کہ در اوصاف کمالش برسم
من کیم، درچہ حسابم کہ صفاتش شمرم   کیستم من کہ کنم عد خصالش، چہ کسم

(۱) میں کون ہوں کہ اس کے حسن وجمال کی شرح وبیان کی خواہش کرسکوں؟ میں کون ہوں کہ اس کے اوصاف کمال کو تحریر کرسکوں؟

(۲) میں کون ہوں اور کس خانے میں ہوں کہ اس کی صفات کو شمار کرسکوں؟ میں کون ہوں، کیسے اس کی خصوصیتوں کو شمار میں لاؤں؟

گر صد ہزار قرن ہمہ خلق کائنات   فکرت کنند در صفت عزت خدا
آخر بعجز معترف آیند کہ ای الہ   دانستہ شد کہ ہیچ ندانستہ ایم ما

(۱) اگر سو ہزار سال تک ساری مخلوق رب تعالیٰ کی صفت عزت وقدرت میں غور وفکر کرتی رہے۔

---

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعے کے حوالے سے بھی سابق حاشیے کو ملحوظ رکھا جائے۔

(۲) پھر بھی آخر کار وہ اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہوئے پکار اٹھے گی کہ اے میرے معبود! ہم نے جان لیا کہ ہم کچھ نہیں جانتے۔

پیر دست گیر قطب عالم نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: إِنَّ اللهَ يُجَرِّبُ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالبَلَاءِ كَمَا يُجَرِّبُ أَحَدُكُمُ الذَّهْبَ بِالنَّارِ [1] جس طرح تم لوگ آگ کے ذریعے سونے کو جانچتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ مومن کو بلاؤں کے ذریعے آزماتا ہے۔ لہٰذا مومن کو اتنی بلائیں برداشت کرنی چاہیے کہ وہ عین بلا ہو جائے، اس کی ذات بلا میں گم ہو جائے، یہاں تک کہ وہ بلاؤں سے بے خبر ہو جائے۔ اس آیت کریمہ کے یہی معنی ہیں: اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً (النمل: ۳۴) (بادشاہوں کے قدم جب کسی بستی میں پڑتے ہیں تو وہاں فساد برپا ہوتا ہے اور وہاں کے عزت والے باشندوں کو ذلیل بنا دیا جاتا ہے۔)

سنو! اس راہ میں ذلت وخواری ہی عزت ہے، اس ذلت وخواری کی قدر وہی لوگ جانتے ہیں جو بلاؤں کی ذلت وخواری کے واسطے سے قرب الٰہی کی عزت سے بہرہ ور ہو گئے اور جنہوں نے راحت وآرام کے بستر کو لپیٹ کر رکھ دیا ہے۔

ایک عاشق کی بلا سے لذت اندوزی

منقول ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ایک مریض کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ وہ آپ کی موجودگی میں آہ و نالہ بلند کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا جو دوست کے مارنے پر صبر نہ کرے وہ شخص اپنی دوستی میں سچا نہیں ہے۔ وہ مریض خود بھی سچے محبین میں سے تھا۔ اس نے کہا: بَلْ لَيْسَ بِصَادِقٍ فِي حُبِّه مَنْ لَمْ يَتَلَذَّذْ بِضَرْبِه. بلکہ وہ شخص محبوب کی محبت میں صادق نہیں ہے جو محبوب کی مار سے لذت نہ حاصل کرے۔ اس مریض کے کہنے کا مطلب ومقصد یہ تھا کہ میرا آہ و نالہ، ضرب (مار) کی تکلیف کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ضرب کی لذت کے وجہ سے ہے۔

---

(۱) طبرانی/المعجم الکبیر (۱۶۶/۸) شعب الایمان (۳۱۸/۱۲) حاکم/ مستدرک، کتاب الرقائق (۳۵۰/۴) اسماعیل اصبھانی /ترغیب وترھیب (۳۳۲/۱)

محبت میں درد کا شکوہ

منقول ہے کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ پر ایک روز کیف ومستی طاری تھی۔ صوفیہ کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی۔ آپ نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو کہ میرے پاس آئے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم لوگ آپ کے دوست ہیں۔ حضرت شبلی نے ان پر پتھر اور ڈھیلے برسانا شروع کر دیا۔ ان میں سے کوئی بھی نہیں رکا اور سب کے سب بھاگ گئے۔ حضرت شبلی نے فرمایا: ان جھوٹے دعوے داروں کو دیکھو، مجھ سے محبت کا دعوی رکھتے ہیں اور میرے پتھر مارنے سے بھاگ گئے، تم لوگ میری دوستی کے لائق نہیں ہو، اب آئندہ میری دوستی کا دعویٰ مت کرنا، اسی لیے بعض صادقین نے فرمایا: لَيْسَ بِصَادِقٍ فِي دَعْوَاه مَنْ لَمْ يَصْبِرْ عَلى ضَرْبِ مَوْلَاه. جو شخص اپنے مولیٰ کی مار پر صبر نہیں کرتا وہ شخص اپنی محبت کے دعوے میں سچا نہیں ہے۔

کسی دوسرے صادق نے فرمایا: لَيْسَ بِصَادِقٍ فِي دَعْوَاه مَنْ لَمْ يَتَلَذَّذْ بِضَرْبِ مَوْلَاه. جو اپنے مولیٰ کی مار سے لذت نہیں حاصل کرتا وہ اپنے دعوے میں سچا نہیں ہے۔

ایک دوسرے صادق کی رائے یہ ہے: لَيْسَ بِصَادِقٍ فِي دَعْوَاه مَنْ لَمْ يَشْكُرْ عَلى ضَرْبِ مَوْلَاه. جو اپنے مولیٰ کی مار پر اس کا شکر گزار نہیں ہوتا وہ اپنی محبت کے دعوے میں سچا نہیں ہے۔

ایک صوفیانہ تفسیر

حضرت پیر دست گیر قطب عالم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ (فاطر: ۳۲) ان میں سے کچھ لوگ اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں، کچھ میانہ روی والے ہیں اور کچھ بھلائیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں۔ ظالم وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ بلاؤں پر جزع وفزع کرتے ہیں، معتدل وہ لوگ ہیں جو بلاؤں پر صبر کرتے ہیں اور بھلائیوں میں سبقت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو بلاؤں سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است　　زیر آں گنج کرم بنہادہ است

گر شراب لطف او خواہی مدام ۔۔۔ قطع کن وادی قہر او تمام
زانکہ تا ایں نبودت آں نبودت ۔۔۔ بے بلا و درد، درماں نبودت

(۱) حق تعالیٰ نے اس قوم پر جو بلا اتاری ہے اس کے اندر اس نے عنایت و کرم کے خزانے چھپا رکھے ہیں۔

(۲) اگر ہمیشہ اس کی شراب لطف و کرم سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہو تو پہلے اس کی وادی قہر کو مکمل طور سے طے کر لو۔

(۳) کیوں کہ اگر یہ نہیں ہوگا تو وہ بھی نہیں ملے گا، بلا اور درد کے بغیر درماں کا حصول نہیں ہوتا۔

لوح محفوظ کی پہلی تحریر

منقول ہے کہ سب سے پہلے لوح محفوظ پر جو چیز لکھی گئی تھی وہ یہ تھی: مَنْ لَمْ يَرْضَ بِقَضَائِي وَلَمْ يَصْبِرْ عَلٰى بَلَائِي وَلَمْ يَشْكُرْ عَلٰى نَعمائی فَلْيَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِي.[1] جو میرے قضا اور قدر پر راضی نہ ہو، جو میری تکلیفوں پر صابر نہ ہو اور جو میری نعمتوں پر شاکر نہ ہو، وہ میرے علاوہ کوئی اور رب تلاش کر لے۔

کمال رضا

راضی وہ شخص ہوتا ہے جس کو کسی بھی طرح تقدیر پر کوئی اعتراض نہ ہو۔ بزرگوں نے یہاں تک فرمایا ہے کہ یہ بھی رضا سے تعلق رکھتا ہے کہ بندہ یہ نہ کہے کہ یہ دن گرم ہے یا یہ دن سرد ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میرے بدن کو قینچی سے کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یہ اس بات سے مجھے زیادہ محبوب ہے کہ میں یہ کہوں کہ کاش ایسا ہوتا یا کاش ایسا نہیں ہوتا؛ کیوں کہ یہ بھی تقدیر پر اعتراض ہے۔

---

(۱) طبرانی/المعجم الکبیر از ابو ہند داری (۸۰۷) بہ الفاظ: مَنْ لَمْ يَرْضَ بِقَضَائِي وَيَصْبِرْ عَلَى بَلَائِي فَلْيَلْتَمِسْ رَبًّا سِوَايَ بیہقی/شعب الایمان (۱۹۶)

حضرت بایزید بسطامی کا واقعہ

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو پیٹ میں تکلیف تھی۔ جس جگہ آپ حالت سفر میں ٹھہرے ہوئے تھے وہاں کی مسجد میں پہنچے اور مسجد کے دروازے پر تھوڑی دیر کے لیے آرام کی غرض سے لیٹ گئے۔ مسجد کا موذن فجر کی اذان سے قبل دروازے کے اوپر اذان دینے کے لیے گیا تو اُس نے دیکھا کہ پیٹ کی تکلیف میں مبتلا ایک شخص پڑا ہوا ہے۔ وہ موذن بڑا ہی بے رحم تھا۔ وہ خواجہ کا پاؤں پکڑ کر چند پایوں تک گھسیٹتے ہوئے لے کر آیا اور پھر پاؤں چھوڑ کر ڈانٹتے ہوئے بولا: مسجد سے باہر نکل جاؤ۔ خواجہ کو ہر زینے پر مشاہدہ اور تجلی میں ترقی حاصل ہوئی۔ آپ بار بار فرماتے: کاش! اس موذن نے مجھے چند زینے اور گھسیٹا ہوتا تو تجلیات میں اور ترقی ہوتی اور مزید اضافہ ہوتا۔

البتہ غافلوں کے لیے جو دن رات دنیا میں، دنیاوی لذتوں میں اور دنیاوی نعمتوں میں مشغول و مصروف ہیں ان کے لیے بلا ہلاکت کا سبب ہے۔

بلا کی تین قسمیں

جریری نے کہا ہے کہ بلا تین طرح کی ہوتی ہے:

اول: غافلوں کے لیے انتقام اور سزا کے طور پر ہوتی ہے؛ کیوں کہ انھوں نے ان لذات و خواہشات کو مکمل طور سے اپنا رکھا ہے جن میں نہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور نہ رسول ﷺ کی خوش نودی، اس لیے انتقام اور سزا کے طور پر ان پر بلائیں نازل ہوتی ہیں۔

دوم: گنہگار مومنین کے اوپر ان کے گناہوں کو دھونے کے لیے بلائیں اترتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حُمّٰی یَوْمٍ کَفَّارَۃُ ذَنْبِ سَنَۃٍ[1] ایک دن کا بخار سال بھر کے گناہ کا کفارہ ہوتا ہے۔

---

(۱) مسند الشھاب القضاعي، از ابن مسعود (۶۲) بہ الفاظ: وَحَمّٰی لَیْلَۃٍ یُکَفِّرُ خَطَایَا سَنَۃٍ مجَرَّمَۃٍ۔ فوائد تمام، از ابوہریرہ (۱۳۱۵) بہ الفاظ: حُمّٰی یومٍ کفارۃُ سنۃٍ، وحُمّٰی یَومینِ کفارۃُ سَنتینِ، وحُمّٰی ثلاثۃِ أیامٍ کفارۃُ ثلاثِ سِنینَ۔ اس کے کئی شواہد ابن ابی الدنیا نے المرض والکفارات میں روایت کیا ہے۔

اس موقع پر اس فقیر کے پیر دست گیر فرماتے تھے کہ ’’ایک دن کا بخار بغیر کسی کمی بیشی کے ایک سال کا کفارہ ہوتا ہے۔‘‘ اس کے پیچھے راز یہ ہے کہ ایک روز کا بخار ایک سال کا خون پی جاتا ہے، لہٰذا یقینی طور پر ایک روز کا بخار ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔

سوم: انبیا اور صدیقین پر جو بلائیں نازل ہوتی ہیں وہ ان کے صدق اور خود ان کے اختیار کی وجہ سے ہوتی ہیں؛ کیوں کہ ان حضرات پر جب بلا نازل ہوتی ہے تو یہ اپنا قدم آگے بڑھا کر مقام صبر و رضا میں داخل ہوجاتے ہیں اور اس طرح ان کے درجات میں اور ترقی ہوجاتی ہے۔

فائدہ:

چھٹی شرط: نفی خواطر

چھٹی شرط نفی خواطر کی پابندی ہے، جو اصحاب مجاہدہ وریاضت کے اوپر سب سے زیادہ گراں ہے۔

خاطر اور وارد کے مابین فرق

مشائخ کرام نے خاطر اور وارد کے مابین فرق کیا ہے۔ خاطر اس وارد کو کہتے ہیں جو دل پر خطاب اور مطالبہ کی صورت میں اترے اور وارد خاطر سے عام ہے؛ کیوں کہ وارد ان کے ارشادات کے مطابق خاطر کے علاوہ دوسری چیز بھی ہوتی ہے، جیسے وارد غم، وارد خوشی اور وارد قبض وبسط۔ (۱)

اکثر صوفیہ فرماتے ہیں کہ خواطر کی چار قسمیں ہیں: ایک وہ خاطر جو حق سبحانہ تعالیٰ کی جانب سے ہو، دوسرا وہ خاطر جو فرشتے کی طرف سے ہو، تیسرا وہ خاطر جو نفس کی طرف سے ہو اور چوتھا وہ خاطر جو شیطان کی طرف سے ہو۔

خاطر حقانی: وہ علم ہے جسے اللہ تعالیٰ غیب سے صاحبان قرب وحضور کے دلوں میں بغیر

---

(۱) بندے کے دل پر مختلف کیفیات طاری ہوتی رہتی ہیں، بندہ ایک حالت پر قائم نہیں رہتا، کبھی حزن وملال، کبھی سرور ومستی، کبھی انبساطی کیفیت، کبھی انقباضی کیفیت، کبھی دل پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جس سے بندہ یہ محسوس کرتا ہے جیسے دل کچھ کرنے کو کہہ رہا ہو، دل کا یہ تقاضا کبھی خیر کے لیے بھی ہوسکتا ہے اور کبھی شر کے لیے بھی۔ ان تمام کیفیات کو وارد کہتے ہیں اور صرف اُن کیفیات کو خاطر کہتے ہیں جن میں کسی عمل کا تقاضا ہوتا ہے، خواہ خیر کے لیے یا شر کے لیے، اس طرح خاطر کی چند قسمیں ہوتی ہیں: خاطر رحمانی وملکوتی اور خاطر نفسانی وشیطانی۔

کسی واسطے کے ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے محمد ﷺ! آپ کہہ دیجیے بے شک میرا رب دلوں میں حق ڈالتا ہے اور تیزی کے ساتھ دلوں میں خواطر کو جماتا ہے۔ وہ غیوب کا جاننے والا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں جو حق و باطل ہے اس سے وہ باخبر ہے اور ہر کسی کو اس کے حال کے لحاظ سے جزا دینے پر قادر ہے۔

خاطر ملکی: وہ ہے جو نیکیوں پر ابھارتا ہے، بھلائی کی طرف رغبت دلاتا ہے، گناہوں اور ناپسندیدہ چیزوں سے اس کو ڈراتا ہے، شریعت کی مخالفت اور برائیوں کے ارتکاب پر ملامت کرتا ہے، کاہلی کرنے پر شریعت کی موافقت و پیروی اور اس کی پسندیدہ چیزوں کی ادائیگی نہ کرنے پر ملامت کرتا ہے۔

خاطر نفسانی: وہ ہے جو عارضی اور وقتی لذتوں کا مطالبہ کرتا ہے اور باطل دعووں کا اظہار کرتا ہے۔

خاطر شیطانی: وہ ہے جو معصیت اور شریعت میں ممنوع اور ناپسندیدہ باتوں کی طرف بلاتا ہے۔

خاطر حقانی اور خاطر ملکی کے مابین فرق یہ ہے کہ دل میں جب خاطر حقانی کا گزر ہوتا ہے تو کوئی چیز اس کے معارض و مقابل نہیں ہوتی، کیوں کہ ذکر کی کثرت سے جب دل صاف ہو جاتا ہے اور پھر خاطر حقانی کے سلطان کا ظہور ہوتا ہے تو اجزائے وجود میں سے ہر جز اس خاطر کا مطیع و فرماں بردار اور مامور ہو جاتا ہے اور بقیہ تمام خواطر ہلکے پڑ جاتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں:

جای کہ سلطان خیمہ زد غوغا نماند عام را (سلطان کی آمد ہوئی ہر سو خموشی چھا گئی)

خاطر حقانی کی پہچان

کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ خاطر حقانی کی دلیل و برہان کیا ہے؟ جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ خاطر حقانی ہے اور یہ خاطر حقانی نہیں ہے؟

انھوں نے جواب دیا: خاطر حقانی وہ وارد ہے جو سالک کے دل پر اترتا ہے اور نفس کو اس خاطر کی تکذیب پر زجر و ملامت کرتا ہے، یعنی خاطر جب حقانی ہوتا ہے تو نفس کو سرکشی اور سرتابی اور بے راہ روی کی مجال نہیں ہوتی اور خاطر ملکی وہ ہے جس کی موجودگی کے وقت خاطر نفسانی

اور خاطر شیطانی اس کے معارض و مقابل ہوتے ہیں ؛اس لیے کہ خاطر نفسانی نور ذکر سے منقطع نہیں ہوتا، بلکہ جب تک وہ اپنے مطلوب تک نہ پہنچ جائے وہ اپنے مطلوب کا تقاضا کرتا رہتا ہے، البتہ توفیق ازلی اگر دست گیر ہوجائے تو اس کے مطالبے کی رگیں کاٹ دیتی ہے، یعنی نصرت الٰہی جس کی ہم رکاب ہوتی ہے اسے نفس کے خطرے کو زائل کرنے کی توفیق ملتی ہے اور ایسی صورت میں وہ نفس کے مطالبوں اور اس کی تمناؤں کی تکمیل نہیں کرتا۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ بعض محبوبین و مقربین جن کے دل ذکر کی کہکشاں سے شیطان کے وسوسوں سے محفوظ ہوتے ہیں وہ عروج کرتے ہیں، ان کے دل آسمان کے طبقات میں سفر کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ کمال عروج پر متمکّن ہوجاتے ہیں، ان سے نفسانی خواطر دور ہوجاتے ہیں، وہ نور قرب سے منور ہوجاتے ہیں اور اس وقت خواطر حقانی بھی اس سے منقطع ہوجاتے ہیں، ایسا اس لیے کہ خواطر قاصد ہوتے ہیں اور مراسلت اس سے ہوتی ہے جو دور ہو، یہ مقام خالص اللہ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

جہاں تک خاطر شیطانی کا معاملہ ہے تو وہ نور ذکر کی وجہ سے منقطع ہوجاتا ہے، لیکن ممکن ہے کہ وہ خاطر لوٹے اور ذکر کو فراموش کرادے، ذاکر کو بے راہ روی میں گرفتار کردے اور وسوسہ اندازی کرے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ شیطان ابن آدم کے سینے پر بیٹھا ہوا ہے، اس پر چھایا ہوا ہے، جب ابن آدم ذکر میں مشغول ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو وہ منھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے اور دور چلا جاتا ہے اور جب ابن آدم ذکر سے غافل ہوجاتا ہے تو اس وقت شیطان اس کا دل نگل جاتا ہے، اس کو ”حدیث نفس“ میں مبتلا کردیتا ہے اور فاسد و باطل آرزوؤں اور تمناؤں میں لگا دیتا ہے۔[1]

بعض صوفیہ نے فرمایا ہے کہ خواطر دلوں پر نازل ہونے والا ایک خطاب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہر وہ خاطر جو فرشتے کی طرف سے ہو سالک کبھی اس کی موافقت کرتا ہے اور کبھی مخالفت

(۱) ابن شاھین/الترغیب (۲/۲۸۴) ابو نعیم/الحلیۃ (۲۶۸/۶) ابو یعلی/مسند (۱/۲۰۴) بیہقی/الشعب (۳۲۶/۱) از انس بن مالک مرفوعًا. حاکم/مستدرک، کتاب التفسیر، سورۃ الناس (۳۹۹۱) از ابن عباس موقوفًا

اور جہاں تک خاطر حقانی کا معاملہ ہے تو بندہ اس کی مخالفت نہیں کر پاتا۔

خاطر ربانی کی ایک مثال

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ نے فرمایا کہ ایک بار ایک بزرگ نے کسی نماز میں امامت کی، جب وہ امامت کے لیے آگے بڑھے تو انھوں نے نمازیوں سے کہا: اِسْتَوُوْا یعنی برابر ہو جاؤ اور اپنی صفیں درست کر لو۔ یہ جملہ کہ کر وہ بے ہوش ہو گئے اور اگلے روز تک بے ہوش رہے ۔ جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے آپ کا حال دریافت کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ جب میں نے تم لوگوں سے اِسْتَوُوْا کہا تو میرے دل میں اللہ تعالی کی جانب سے یہ خطرہ گزرا اور ایسا معلوم ہوا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: یَا عَبْدِیْ! هَلِ اسْتَوَيْتَ فِي طَرْفَةِ عَيْنٍ حَتّٰى تَقُوْلَ لِخَلْقِي: اسْتَوُوا. اے میرے بندے! کیا تم خود ایک لمحے کے لیے بھی درست ہوئے ہو جو تم میری مخلوق سے درست ہونے کے لیے کہہ رہے ہو؟

خیر کی راہ سے مکر شیطانی کی ایک مثال

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ نے فرمایا: ایک صوفی بزرگ نے فرمایا کہ میں خلوت و مجاہدہ میں مشغول تھا کہ شیطان نے میرے دل میں وسوسہ ڈالا اور دل میں یہ خطرہ گزرا کہ تم عالم آدمی ہو، متبع سنت ہو، البتہ اگر تم مشائخ کا کلام اور احادیث رسول ﷺ کو اسناد کے ساتھ طلب کرو جو اس مجاہدہ اور خلوت سے بہتر ہوگا اور اسناد و احادیث کی فضیلت سے بھی محروم نہیں رہو گے، اسی اثنا میں ایک غیبی آواز نے ندا دی کہ جو شخص بلا واسطہ خبریں سنتا ہے، اس کے لیے واسطوں سے خبریں سننا حرام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص خلوت و مجاہدہ میں مشغول ہو، اس کو حق تعالی بلا واسطہ احادیث مصطفی اور کلام مشائخ سنواتا ہے، لہٰذا اس کے لیے واسطے سے خبریں سننا حرام ہے۔ گویا ہاتف نے یہ آواز دی کہ مجاہدہ نہ چھوڑو اور خلوت سے قدم باہر نہ نکالو، اس وقت مجھے شیخ محمد بن حسین سلمی کا قول یاد آیا کہ وہ آخر میں فرمایا کرتے: أَسْتَغْفِرُ اللهَ، إِنَّ الْغُلُوَّ فِي الإِسْنَادِ مِنْ زَخَارِفِ الدُّنْيَا. (میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں، بے شک اسناد میں غلو

دنیاوی فریب ہے۔) میں سمجھ گیا کہ یہ خطرہ رحمانی نہیں بلکہ شیطانی ہے، میں نے اس خطرے کو دفع کیا اور ہوشیار ہو گیا۔ اچانک شیطان نے مجھے دوسرے وسوسے میں ڈالا اور اس نے کہا: کیا اچھا ہو کہ میری چالوں اور میرے حیلوں کی شناخت ہو جائے اور اس سے لوگوں کو آگاہی حاصل ہو جائے۔ اگر تم ایک کتاب لکھو اور اس کا یہ نام رکھو حِیَلُ المَرِیْدِعَلَی المُرِیْدِ تو تمھارے لیے دنیا اور آخرت کا ذخیرہ ہو جائے، کیوں کہ طالبان مولیٰ اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑ کر میرے مکر اور میرے حیلوں سے نجات پا جائیں گے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ میں ایک کتاب تصنیف کروں گا لیکن اس وقت میرے پیر نے میری دست گیری کی اور مجھ کو ہوشیار کیا کہ یہ بھی شیطان کا مکر اور اس کا حیلہ ہے، اس لیے کہ وہ چاہتا ہے کہ تم جس ذکر میں لگے ہو اور تم کو جو جمعیت قلبی اور انس حاصل ہے وہ ختم ہو جائے۔ میں ہوشیار ہو گیا اور اس کام سے رک گیا۔

عوارف المعارف میں لکھا ہے کہ شیخ ابو محمد بن عبد اللہ البصری فرماتے ہیں کہ جو خطرات نفس کی جانب سے ہوتے ہیں وہ دل کی نچلی جانب معلوم ہوتے ہیں، جو خطرات حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں وہ دل کے اوپری حصے کی طرف معلوم ہوتے ہیں، جو خطرات فرشتوں کی جانب سے ہوتے ہیں وہ دل کے دائیں جانب معلوم ہوتے ہیں اور جو خطرات شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں وہ دل کے بائیں جانب معلوم ہوتے ہیں۔[1]

غوث پاک کا ایک مرید مبتدی

پیر دست گیر قطب عالم مخدوم شاہ مینا قدس اللہ روحہ نے فرمایا: ایک مرتبہ ایک بیوہ عورت کا لڑکا حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے پاس آیا اور خلوت و مجاہدہ میں مشغول ہو گیا، مجاہدے کے جو آداب ہیں ان کے مطابق آپ نے اسے کم کھانے، کم بولنے اور کم سونے کا حکم فرمایا۔ ایک دن اس کی ماں آئی اور اس نے دیکھا کہ اس کا بیٹا بہت لاغر اور نحیف و ناتواں نظر آرہا ہے، اسے بتایا گیا کہ وہ بہت کم کھانا کھاتا ہے، وہ حضرت شیخ محی الدین عبد القادر

---

(۱) عوارف المعارف، باب: ۵۷، ص: ۴۵۱

جیلانی کی خدمت میں پہنچی، اس نے دیکھا کہ آپ عمدہ لباس زیب تن کیے ہوئے، مکمل فرح وانبساط کے ساتھ تروتازہ بیٹھے ہوئے کھانا تناول فرما رہے ہیں جس میں مرغ کا گوشت بھی ہے۔ عورت چوں کہ ناقص العقل تھی، فوراً شاکی ہوئی کہ میرے لڑکے کا آپ نے یہ حال کر رکھا ہے اور اس کو اس قسم کا کھانا کھلا رہے ہیں اور خود اس طرح رہتے ہیں اور اس طرح کا کھانا کھاتے ہیں؟ شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی نے اس سے کہا کہ پہلے تھوڑا سا کھاؤ، جب وہ کھانے کے لیے ہاتھ منھ تک لے گئی تو کیا دیکھتی ہے کہ وہ مرغ سانپ بن چکا ہے اور اس کا مزہ بھی بہت برا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ جب تمھارا بیٹا اس لائق ہو جائے گا کہ مرغ کو سانپ بنادے اور سانپ کو مرغ تب وہ اس کھانے کا حق دار ہوگا۔ وہ عورت شرمندہ ہوئی اور توبہ کرکے واپس لوٹ گئی۔

فائدہ: رخصت پر عمل

یہ بات جان لیجیے کہ بعض سالکین کاملین نے حق سبحانہ سے پہلے اجازت طلب کی اور پھر اس کے بعد نفس پر مہربانی کرتے ہوئے حظوظ نفس کی تکمیل میں مشغول ہوئے، بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ وہ چیز جس کا کھانا حرام اور شرعاً ممنوع تھا انھوں نے اجازت طلب کی تو فرمان الٰہی ہوا کہ میں نے اسے تمھارے لیے حلال کر دیا، اسے کھاؤ، تو انھوں نے کھالیا[1] لیکن یہ ہر شخص کا کام نہیں ہے، بلکہ یہ شہبازان الٰہی اور مقربین خاص کا کام ہے۔

دو عارفین باللہ کا واقعہ

پیر دست گیر قطب عالم حضرت مخدوم شاہ مینا نے فرمایا: ایک روز دو عارف بیٹھے ہوئے تھے، ایک عورت حلوہ بنا کر دونوں کے سامنے لے کر آئی، تاکہ دونوں حضرات تناول فرمالیں، ان

---

(۱) مشائخ کی یہ رائے محرمات اور ممنوعات قطعیہ کے حوالے سے نہیں ہے، بلکہ مکروہات اور خلاف اولیٰ امور کے تعلق سے ہے، جن کو وہ تکمیل سلوک سے پہلے خود پر حرام قرار دیتے ہیں، لیکن تکمیل سلوک کے بعد ان کے لیے نرمی روا ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ وہ اس حال میں بھی ان سے احتراز کرتے ہیں اور بعض دفعہ رحمت الٰہی سمجھ کر ان کا استعمال کر لیتے ہیں یا حق تعالیٰ کی طرف سے الہام خاص کے ذریعے انھیں رخصت مل جاتی ہے۔ آنے والا واقعہ اسی قبیل کا ہے جسے شیخ نے حضرت مخدوم شاہ مینا کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ یہ بات اس لیے بھی کہی جا سکتی ہے کہ مشائخ کبار کا اجماع ہے کہ سالک کسی حال میں بھی شریعت سے آزاد نہیں ہوتا، یہاں پر بھی یہی مسئلہ زیر بحث ہے اور یہی مشائخ کا موقف بھی ہے۔

میں سے ایک نے کہا: میرے بھائی! یہ حلوہ کھانا ہمارے لیے حلال نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ سود کے مال سے لایا گیا ہے، دوسرا شخص تھوڑی دیر تک سر جھکائے رہا اور پھر گویا ہوا: لاؤ ہم اسے کھالیں گے، حلوہ کو سامنے لایا گیا اور اس نے کھانا شروع کر دیا اور جس نے کہا تھا کہ یہ حلوہ کھانا ہمارے لیے حلال نہیں ہے اس کو بھی بلایا، اس نے کچھ نہیں کہا، فوراً حاضر ہو گیا اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اس سے لوگوں نے پوچھا کہ آخر بات کیا تھی کہ آپ نے پہلے کہا کہ حلوہ کھانا ہمارے لیے حلال نہیں ہے اور پھر بعد میں جب اس بزرگ نے آپ کو بلایا تو صرف بلانے پر آپ آ گئے اور کھانے میں مشغول ہو گئے۔ انھوں نے جواب دیا: جب وہ عورت حلوہ لے کر آئی تھی تو ہم کو یہ بات تحقیق کے ساتھ معلوم ہو گئی کہ یہ حرام مال کا ہے اور میں نے کہا کہ میں نہیں کھاؤں گا۔ اس بزرگ نے سر جھکا کر حق تعالیٰ سے اس کی اجازت چاہی تو فرمان ہوا کہ تمھارے لیے میں نے حلال کر دیا، کھالو اور تم جس کو چاہو کھلا دو اور جب میں نے یہ معاملہ دیکھا تو فوراً آ گیا اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔ (۱)

اس مقام پر حق اور صواب یہ ہے کہ جس پہلو میں نفس کی مخالفت محسوس کرے اسی کی کوشش کرے؛ کیوں کہ کسی ایک پہلو میں نفس کی خواہش پوشیدہ ہوتی ہے، اور نفس کی اکثر حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ کمینگی اور خساست کی طرف مائل ہوتا ہے اور بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ نفس کی نشاط کے ساتھ کوئی خطرہ دل میں گزرتا ہے اور مبتدی یہ سمجھتا ہے کہ یہ خطرۂ قلبی ہے، جب کہ معاملہ ایسا نہیں ہوتا۔

ارشاد حضرت خواجہ قوام الدین عباسی قدس سرہ

رئیس درویشاں محتسب عارفاں حضرت خواجہ شیخ قوام الدین عباسی فرماتے ہیں:

---

(۱) یقینی طور سے حلوے کا مال حرام سے معلوم ہونا کسی دلیل شرعی کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ الہام و کشف سے تھا، ایسی صورت میں ان کے لیے اس کھانے کا استعمال عند الشرع جائز تھا اور عند الطریقت حرام، کیوں کہ طریقت میں الہام پر عمل ہوتا ہے اور الہام کے ذریعے طریقت میں جو حرام ہوا تھا، اسے حلال ہونے کی اجازت بھی اسی طرح ہوئی نہ کہ از روئے شرع، شرع کے لحاظ سے تو وہ پہلے ہی سے حلال تھا۔

اے درویش! اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے شرط تجرید و تفرید اور ماسوائے حق تعالیٰ سے باطن کا خالی ہونا ہے، کوئی بھی شخص ان دو صفتوں کو حاصل کیے بغیر رب تعالیٰ کی طرف راستہ نہیں پاسکا، جو شخص مولیٰ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے اسے پالیا تو اس کے سامنے دنیا کے تاجدار، خالی ہاتھ والے گداؤں اور بے نواؤں کی طرح ہیں۔

در مملکت فقر زمانی گذری کن   تا قیصر و خاقانت نمایند گدایاں

(مملکت فقر میں ایک زمانہ زندگی گزار کر تو دیکھو تم کو قیصر و خاقان بھی گدا معلوم ہوں گے۔)

فائدہ:

ساتویں شرط: شیخ کے ساتھ قلبی ارادت

ساتویں شرط یہ ہے کہ شیخ کے ساتھ مکمل ارادت کے ساتھ دل کو مربوط رکھے، اس لیے کہ شیخ اس راہ کا رفیق ہے اور جب تک اس راہ کے رفیق اور ساتھی کے ساتھ قلب کا رابطہ محکم اور مضبوط نہ ہو، اس وقت تک منزل مقصود تک رسائی آسان نہیں ہوگی۔ شیخ سے قلب کو مربوط رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے دل کو شیخ کے ساتھ حاضر رکھے، شیخ کی روحانیت کو حاضر جانے اور باطنی طور پر اس سے استمداد اور ہمت طلب کرے، شیاطین کے ظاہر ہونے اور دوسرے عوارض و موانع پیش آنے کی صورت میں شیخ کی ولایت کے سائے میں پناہ لے اور ہر ذکر کے آغاز میں شیخ کو ضرور یاد کرے، وہ اس طور پر کہ یہ دعوی جو میں کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا میرا کوئی مطلوب نہیں، اے شیخ! تو اس دعوے پر گواہ رہ۔

توحید مطلب

پیر دست گیر قطب عالم حضرت مخدوم شاہ مینا قدس سرہ نے فرمایا: خلوت اور وصال مولیٰ کی بہت سی شرطیں ہیں، جن میں شیخ کے ساتھ رابطۂ قلب ایک بنیادی شرط ہے، جب تک توحید مطلب نہیں حاصل ہوگا اس وقت تک یہ شرط پوری نہیں ہو سکتی۔

رئیسِ درویشاں، محتسبِ عارفاں شیخ قوام الدین لکھنوی نے خلوت کی آٹھ شرطیں بیان کی ہیں، جس میں ”رابطۂ قلب“ کو ساتویں شرط شمار فرمایا ہے، فرماتے ہیں: ساتویں شرط یہ ہے کہ مرید اپنے دل کو مکمل ارادت کے ساتھ ہمیشہ شیخ کے ساتھ لگائے رکھے۔ شیخ کی روحانیت کو تمام احوال

میں حاضر جانے، شیخ سے باطنی طور پر استمداد کرے، اس کی جانب لو لگائے، شیطان اور نفس امارہ کی صفات کے ظہور کے وقت شیخ کی ولایت کی پناہ میں آئے اور ہر ذکر کے وقت شیخ کو یاد رکھے اور مقصد یہ ہو کہ میرا دعویٰ ہے کہ مولیٰ تعالیٰ کے علاوہ میں کسی اور کی ارادت نہیں رکھتا، اے میرے شیخ! آپ اس پر گواہ ہو جائیں۔ ہر وقت شیخ کو یاد رکھے اور مقصود یہ ہے کہ عالم غیب سے اس کو آشنائی حاصل ہو جائے۔ پہلے وہ اپنے دل کے ذریعے عالم غیب سے استفادہ کرے، بعد میں اس کے لیے انبیا، اولیا اور ملائکہ سے استفادہ اور حصول نور آسان ہو جائے گا اور وہ علم لدنی سے بھرپور حصہ پائے گا۔ یہاں بھی مرید شیخ کا محتاج ہو گا۔ حدیث نفس اور شیطانی وسوسوں سے شیخ اس کی حفاظت کرے گا۔ قلبی، سری، روحانی اور ملکی مکالمات کے مابین شیخ امتیاز بتائے گا، تاکہ وہ ان مکالمات کو الہام سے نہ ملا دے۔ جب وہ اس مقام تک پہنچ جائے گا تب بھی شیخ کی تربیت کا محتاج ہو گا۔ شیخ اسے ان چیزوں سے آشنا کرائے گا، تاکہ وہ الہام اور وحی کے مابین فرق کر سکے۔ جب وہ اوصاف کریمانہ سے متّصف اور بلند اخلاق سے آراستہ ہو جائے گا، پھر بارگاہ بے نیاز سے شیخ کے دل پر القا ہو گا کہ اس کو خلافت دے دی جائے تاکہ وہ مخلوق کے درمیان دعوت کا کام انجام دے سکے۔ اس وقت بھی وہ مرید اپنے شیخ کی تربیت اور اس کی توجہ و ہمت کا محتاج ہو گا۔ جس وقت وہ شیخ سے اپنی بے نیازی کا اظہار کرے گا، اسی وقت وہ راندۂ درگاہ، ذلیل و رسوا ہو جائے گا اور شیطان کے لیے مسخرہ بن جائے گا۔ ہم کمال کے بعد زوال سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

مقصود یہ ہے کہ مرید کو یہ بات تحقیق کے ساتھ جان لینی چاہیے کہ خاص اس شیخ کے بغیر اس کے لیے رسائی ممکن نہیں ہے اور جب تک شیخ کی ولایت سے اس کا رابطۂ ارادت مستحکم نہیں ہو گا، شیخ سے کوئی فائدہ حاصل کرنا مشکل ہے اور جب تک پہلے توحید مطلب حاصل نہیں ہو گی اس کا رابطۂ ارادت مضبوط نہیں ہو گا اور توحید مطلب یہ ہے کہ مرید پر یہ بات روشن ہو جائے کہ اگر سارا عالم مشائخ سے پر ہو جائے تب بھی خاص اس شیخ کے علاوہ کسی اور کے ذریعے اس کا کلی مطلوب حاصل نہیں ہو گا۔

شیخ کی بارگاہ کے آداب:

پہلا ادب

شیخ کی بارگاہ میں آداب ملحوظ رکھے، غیبت و شہود میں عالی مقامات تک پہنچنے کے لیے شیخ کی ہمت و توجہ طلب کرے، ہمیشہ رب تعالیٰ سے یہ دعا کرے کہ شیخ کے دریچۂ دل کو اس کے لیے کشادہ رکھے، جب تک شیخ کی اجازت نہ ملے کوئی واقعہ بیان نہ کرے، جب شیخ کی طبیعت میں انقباض محسوس کرے تو اپنی گفتگو مختصر کرے، شیخ کی موجودگی میں آواز بلند نہ کرے، وہ جس خدمت کا حکم دے کسی ملامت و کدورت کے بغیر دل و جان سے اس میں مشغول ہو جائے، شیخ کی بارگاہ میں خود کو مردہ کی طرح مقام تسلیم میں ڈال دے، تاکہ شیخ جو تصرف بھی کرنا چاہے کرے اور کوئی بھی چیز شیخ سے پنہاں نہ رکھے۔

جس مرید کے اندر یہ دو صفتیں نہ ہوں شیخ کی ولایت کا تصرف اس کے اندر کامل طور سے نہیں ہو سکتا۔ ایک یہ کہ وہ شیخ کی تعظیم و توقیر اس طرح کرے جس طرح بیٹا باپ کی تعظیم و توقیر کرتا ہے اور دوسرا یہ کہ شیخ سے اس طرح ارادت رکھے اور اس کی اطاعت و ادب اس طرح بجا لائے جس طرح غلام اپنے آقا کی کرتا ہے؛(۱) کیوں کہ مشائخ طریقت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ

---

(۱) عارف باللہ شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی فرماتے ہیں کہ شیخ کی تعظیم باپ کی طرح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم پر باپ کی تعظیم و توقیر اس وقت بھی واجب ہے جب وہ ہمارے اوپر یک گونہ ظلم کرتا ہے، ہمارے مال میں ہماری مرضی کے خلاف تصرف کرتا ہے، اپنے بیٹوں کے درمیان دو نظری روا رکھتا ہے، وغیرہ۔ اسی طرح اگر شیخ کا کوئی عمل بظاہر زیادتی معلوم ہو یا بظاہر خلاف شرع معلوم ہو، شیخ اپنی بشریت یا حکمت کی وجہ سے کوئی ایسا عمل کرے جو ہماری نظر میں درست یا مبنی بر انصاف معلوم نہ ہو، اس مقام پر بھی شیخ کا مکمل ادب و احترام اور تعظیم و توقیر واجب ہے۔ ہاں! ایسے امور جو شیخ اپنی بشریت، غلبۂ حال، نسیان اور خطا کے سبب انجام دے رہا ہو اور وہ عمل شرعی طور پر بظاہر ناروا یا غیر مستحسن ہو تو اس میں شیخ کی پیروی نہیں کی جائے گی، اگرچہ ادب و احترام اس وقت بھی واجب ہوگا۔
آقا کی طرح شیخ سے ارادت رکھنے اور اس کی اطاعت و خدمت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح غلام اپنے آقا کے کسی بھی حکم میں اطاعت و خدمت سے روگردانی نہیں کرتا اور اگر کرتا ہے تو اپنی ملازمت بلکہ جان و مال سے ہاتھ دھونا پڑ سکتا ہے، اسی طرح مرید کو بھی چاہیے کہ اختلافی مسائل میں بھی بہر حال اپنے شیخ کے احکام کی اطاعت کو اپنے اوپر واجب جانے،

مَنْ وَصَلَ بِالْاَدَبِ وَصَلَ جو بھی واصل بحق ہوا وہ ادب کے ذریعہ ہوا۔

فائدہ: شیخ تربیت کی حاجت

اے عزیز! یہ بات ذہن نشین کرلو کہ شیخ ایک ہونا چاہیے دو نہیں، یہ اس صورت میں ہے جب کہ شیخ قریب ہو اور زندہ ہو اور اگر شیخ زندہ تو ہو لیکن وہاں تک پہنچنا ممکن نہ ہو تو خود کو ہلاکت وگم رہی سے بچانے کے لیے کسی دوسرے کو شیخ تربیت اور شیخ صحبت بنانا جائز ہے، لیکن شیخ تربیت و صحبت ایسا ہو جو شیخ ارادت کے مخالف نہ ہو، تاکہ شیخ ارادت کے ساتھ مرید کے معاملے میں خلل واقع نہ ہو۔

یوں ہی شیخ کی وفات کے بعد ارشاد و تربیت کے لیے دوسرے شیخ کی جانب توجہ کرنا جائز ہے، تاکہ مرید محرومی سے دور اور کمال سے ہم کنار ہو سکے اور اگر شیخ ارادت زندہ ہو، قریب بھی ہو، تو ایسی صورت میں شیخ دو نہیں ایک ہونا چاہیے اور اسے چھوڑ کر دوسرے کی جانب توجہ نہیں کرنی چاہیے، لیکن یہ بھی اس صورت میں ہے جب شیخ مذکورہ تمام اوصاف کا جامع ہو۔ شیخ اسی وقت شیخ ہونے کا اہل ہوگا جب وہ طریقت و حقیقت کے معاملے میں مرید کی رہنمائی کرے اور اس کو مقصود تک پہنچا دے اور اگر شیخ ایسا نہ ہو تو ایسی صورت میں شیخ ارادت کے باوجود دوسرے کو شیخ تربیت و صحبت بنانا جائز ہے۔

اس سے روگردانی راہ سلوک میں زہر ہلاہل ہے۔ ایسا اس لیے کہ شیخ کے بارے میں یہ حسن ظن واجب ہے کہ وہ مصالح شرعیہ کو ہم سے زیادہ سمجھنے والا ہے۔ اگر یہ حسن ظن نہیں ہے تو پھر کس بات کی پیری اور کس بات کی مریدی۔ ایسے شخص کو شیخ بنایا ہی کیوں جو مصالح شرعیہ سے واقف نہیں ہے۔

ہاں! اطاعت شیخ میں یہ نکتہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ حرام قطعی میں شیخ کی اتباع نہیں کی جائے گی۔ اس لیے کہ جو صحیح معنوں میں مرشد ہوگا وہ ہرگز نہ حرام قطعی کا حکم دے گا اور نہ خود اس میں گرفتار ہوگا اور اگر خود حرام قطعی میں گرفتار ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس وقت کسی خاص حال میں مغلوب ہے اور مغلوب واجب الاتباع نہیں ہوتا، ایسا شخص اس قدر بے خود اور بے اختیار ہوتا ہے کہ وہ شرعی طور پر مکلف ہی نہیں رہ جاتا۔ اس لیے کہ

صاحب دل جو کہ ہو مغلوب حال — وہ ہے مرفوع القلم بے قیل و قال

بے خودوں کو شرع کی تکلیف سے — دور رکھا ہے خدائے پاک نے

فتاویٰ صوفیہ میں ہے: یہ جائز ہے کہ مرید کے لیے شیخ صحبت، شیخ ارادت اور شیخ ارشاد الگ الگ ہوں، ایک ہی شیخ بنانا اور اس سے تجاوز نہ کرنا اس پر واجب نہیں ہے۔ میں نے اس مسئلے میں اہل حضرات سے گفتگو کی تو بات یہیں پر آکر رکی کہ مرید کے مسئلے کی نوعیت شاگرد کی طرح ہے، لہٰذا اقتدا کے لیے ان میں سے افضل کو اختیار کرلے۔ ان میں جو افضل ہوگا وہ حقیقی والد کی طرح اور دوسرے مشائخ رضاعی والد کی طرح ہوں گے۔

شیخ اگر بدعتی ہو تو تجدید ارادت ضروری ہے

فصول الآداب میں ہے: اگر کوئی شخص اپنی نادانی کی وجہ سے کسی جاہل، بدعتی یا کسی ایسے شخص کی پیروی کرے یا اس کی ارادت میں داخل ہوجائے یا اس کا خرقہ قبول کرلے جس کے اندر تھوڑی سی بھی بدعت کی کوئی صورت ہو تو وہ شخص پھر سے شیخ برحق کی خدمت میں جائے، تجدید ارادت کرے اور اس کے ہاتھ سے خرقہ پہنے تاکہ گمراہ نہ ہو اور ہلاکت و گمراہی کی کھائی میں نہ گرے۔

رئیس درویشاں محتسب عارفاں شیخ قوام الدین قدس سرہ کی کتاب ارشاد المریدین میں لکھا ہے کہ علمائے شریعت جو ہادی الخلق الی الحق (حق کی جانب مخلوق کی رہ نمائی فرمانے والے) ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے کسی امام کی اقتدا کی اور گمان یہ تھا کہ وہ باوضو ہے اور نماز کے بعد پتا چلا کہ وہ جنابت کی حالت میں تھا تو ایسی صورت میں نماز کا اعادہ واجب ہے، اسی طرح علمائے ربانیین کے فتوے کے مطابق وہ لوگ جنھوں نے کسی کو کامل جان کر طریقت میں اس کی اقتدا کی اور پھر اس کے معاملات اور علمائے طریقت کے ارشادات کو دیکھنے کے بعد پتا چلا کہ وہ اقتدا کے لائق نہیں ہے، تو جیسا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی نے "مَنْ یُؤَهَّلُ لِلْاِقْتِدَاءِ وَمَنْ لَایُؤَهَّلُ لِلْاِقْتِدَاءِ" (کون اقتدا کے لائق ہے اور کون نہیں ہے؟) کے زیر عنوان عوارف المعارف میں بیان کیا ہے۔ ایسی صورت میں وہ مریدین از روئے طریقت اس شیخ کی اقتدا کرنا چھوڑ دیں اور کسی حقیقی شیخ کے دامن سے وابستہ ہوجائیں، تاکہ حق تعالیٰ انھیں کمال عطا کرے اور اگر کوئی شخص اسی نقصان پر قائم رہا، اسی شیخ پر اکتفا کرلیا، کمال کا طالب نہ ہوا اور اولیاء اللہ کے اس پسندیدہ طریقے کو اختیار نہ کیا تو وہ ابدی

خسارہ اٹھانے والا اور اولیاء اللہ کے طریقے سے روگردانی کو مستحسن تصور کرنے والا ہوگا۔

صدقِ ارادت ضروری ہے

ابوعثمان حیری، شاہ کرمانی کے ساتھ حضرت ابوحفص حداد کی زیارت کے لیے نیشاپور گئے۔ انھوں نے جب شیخ ابوحفص حداد کے نورولایت کا مشاہدہ کیا تو شیخ حداد کی سعادت بخش نگاہوں نے اپنے جذبات احوال کی قوت سے ابوعثمان حیری کو اپنی ارادت کے دام میں گرفتار کر لیا، یہاں تک کہ جب واپسی کا وقت آیا تو ابوعثمان حیری نے شاہ کرمانی سے وہاں ٹھہرنے کی اجازت لے لی، لیکن شیخ ابوحفص نے ان کو اپنے سامنے سے بھگا دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ ہماری مجلس میں نہ بیٹھنا۔ ابوعثمان حیری ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنا منھ شیخ ابوحفص کی طرف کیے ہوئے الٹے پاؤں پلٹ گئے تاکہ شیخ کی صورت نظروں سے اوجھل نہ ہو اور اپنے دل میں یہ عزم مصمم کر لیا کہ وہ ان کے گھر کے دروازے کے سامنے ایک گڈھا کھود کر بیٹھیں گے اور اس وقت تک باہر نہیں نکلیں گے جب تک کہ شیخ ابوحفص ان کو آنے کی اجازت نہیں دے دیتے۔ جب شیخ ابوحفص نے ان کے اندر ارادت کی سچائی دیکھی تو ان کو بلایا، ان کا استقبال کیا، اپنے قریب کیا، ان کو اپنے خاص احباب میں شامل کر لیا، اپنی لڑکی کا نکاح ان سے کر دیا اور ان کو اپنی خلافت سے نوازا، بعد میں شیخ ابوحفص کی وفات کے بعد وہ تیس سال تک ان کے جانشین رہے۔

فائدہ: شیخ پر اعتراض نہ کرے

شیخ پر ''ترک اعتراض'' یہ ہے کہ شیخ کو جس قول وفعل اور حال وصفت میں بھی پائے اس پر کوئی اعتراض نہ کرے، ظاہر وباطن سے اس کے تصرفات کو تسلیم کرے، شیخ کے مقامات واحوال کو ارادت کی نگاہ سے دیکھے، عقل کوتاہ بیں سے نہ دیکھے؛ کیوں کہ تسلیم کا مظاہرہ اس راہ کی سب سے بڑی شرط ہے، اس کی مثال وہی ہے کہ جیسے انڈا بچے میں تبدیل ہوتا ہے، اگر انڈا مرغی کے تصرف اور اس کے سامنے تسلیم وسپردگی سے تھوڑا بھی باہر نکل گیا اور مرغی کی مدد ختم ہوگئی تو انڈے کے اندر جو مرغی بننے کی خاصیت تھی وہ فوراً ہی ختم ہو جائے گی اور اب نہ وہ سالم انڈا رہ

جائے گا اور نہ وہ مرغی بن سکے گا، نیز یہ کہ ہر وہ انڈا جو ایک مرغی کے تصرف اور اس کی تربیت میں فاسد ہو گیا اگر پوری دنیا کی مرغیاں جمع ہو کر اس انڈے کو پھر سے درست کرنا چاہیں تب بھی اس کو درست نہیں کر سکتیں۔

مردود یکے مردود ہمہ

اسی لیے اگر کوئی مرید کسی شیخ کی ولایت سے مردود ہو گیا تو اس کو کوئی بھی شیخ کسی مقام تک نہیں پہنچا سکتا، وہ تمام مشائخ کی ولایت سے مردود ہو جائے گا۔

البتہ اگر کوئی مرید کسی عذر کی وجہ سے انجام ولایت تک پہنچنے سے پہلے ہی اپنے شیخ کی خدمت سے عاجز رہ گیا ہو اور اس کے لیے شیخ کی بارگاہ میں پہنچنا اور استفادہ کرنا مشکل و دشوار ہو گیا ہو، مثلاً شیخ وفات پا چکا ہو یا اتنا لمبا سفر ہو کہ مرید کے لیے وہاں تک پہنچنا ممکن نہ ہو، ان اعذار کے سبب اگر یہ مرید کسی دوسرے شیخ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس سے تعلق قائم کر لے تو وہ معذور ہے اور اس شیخ کے تصرف اور اس کی ہمت و توجہ سے یہ ممکن ہے کہ وہ اسے مرغی (یعنی مربی) کے مقام تک پہنچا دے۔

خواجہ قوام الدین عباسی کا ایک استفسار اور اس کا جواب

پیر دستگیر قطب عالم قدس سرہ فرماتے تھے کہ خزانۂ جلالی کے اس مکتوب میں جو شیخ قوام الدین قدس سرہ کے نام لکھا گیا ہے، یہ تحریر ہے کہ حضرت مولانا خواجہ قوام الدین محمد بن ظہیر الدین نے سوال کیا کہ مرید کی ارادت و ارشاد کی تکمیل سے قبل اگر شیخ کا انتقال ہو جائے اور مرید اس راہ میں خائب و خاسر رہ جائے، اسے اپنی صلاح و فلاح کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو اس کو مقام وصال کیسے حاصل ہوگا اور وہ کس طرح مشغولی اختیار کرے گا، اسے یہ بات معلوم نہ ہو تو کیا کرے؟ اگر وہ اپنے نفس کی تکمیل کے لیے مشائخ طبقات کے قانون کے مطابق شیخ واصل اور مرشد کامل کی ماتحتی میں چلا جائے اور جس طرح مردہ غسل دینے والے کے سامنے محکوم ہوتا ہے اسی طرح وہ بھی اس شیخ کا محکوم بن جائے اور اس کی اطاعت اپنے اوپر واجب کر لے، کیوں کہ مشائخ نے فرمایا ہے: مَنْ خَالَفَ الْمَشَایِخَ لَمْ یُفْلِحْ أَبَداً، وَمَنْ لَمْ یَرَ مُفْلِحاً لَا یُفْلِحُ اَبَداً.

(جس نے مشائخ کی مخالفت کی وہ کبھی فلاح یاب نہیں ہوا اور جو کسی فلاح یاب سے نہیں ملا وہ کبھی فلاح یاب نہیں ہو گا۔) اب اس صورت میں یہ مرید طبقات صوفیہ کے مشائخ کی موافقت کرنے والا ہو گا یا نہیں؟ کیوں کہ بعض مشائخ کے ساتھ اس طرح کا واقعہ پیش آیا ہے کہ انھوں نے خود کو دوسرے شیخ کے تصرف میں کر دیا تاکہ اس کے اندر نقصان اور کمی نہ رہ جائے۔ اس باب میں طبقات صوفیہ کا مستحسن طریقہ کیا ہے؟ اپنے کرم عمیم سے اس بے چارے کی دست گیری فرمائیں اور اسے جواب سے نوازیں۔

جواب: اس مسئلے کی تفصیل و تحقیق کتب سلوک میں یہ لکھی ہے کہ اس کو دوسرے شیخ کی صحبت میں جانا چاہیے تاکہ اس شیخ کے ہاتھوں اس کی تکمیل ہو جائے اور اس کی سابقہ سعی و کوشش ضائع اور بے کار نہ ہو جائے۔ تُحْفَۃُ الْبَرَرَۃِ میں لکھا ہے کہ اس کے اور حضرت رسالت پناہ ﷺ کے مابین مشائخ جتنے زیادہ ہوں گے، راہ اتنی زیادہ روشن ہو گی۔ جس جگہ چراغ جتنا زیادہ ہوتا ہے وہاں اتنی ہی زیادہ روشنی ہوتی ہے۔

حضرت شیخ نجم الدین کبری قدس سرہ کے اصحاب کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے تین شیخ تھے، ایک اسماعیل قصری، دوسرے شیخ عمار یاسر اور تیسرے شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اسی وجہ سے ان کو "شیخ ولی تراش" کہا جاتا تھا؛ کیوں کہ ان کی مدد اور ان کی قوت تین شیوخ کی طرف سے تھی۔

چوں کہ طبقات صوفیہ کے نزدیک یہ طریقہ مستحسن اور پسندیدہ ہے لہٰذا مرید پر واجب ہے کہ وہ خود کو ضائع اور بے کار نہ کرے اور کسی شیخ کی حاکمیت میں اپنے آپ کو لے آئے تاکہ حق تعالیٰ اس کو کمال سے نوازے۔

دوسرا ادب: شیخ کی موجودگی میں مصلی پر نہ بیٹھے اور نہ نوافل پڑھے

اسی طرح سے شیخ کی موجودگی میں مصلّے پر نہ بیٹھے۔ البتہ! فرض نمازوں کے اوقات اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جب فرض نماز سے فارغ ہو جائے تو فوراً مصلے کو اٹھا کر رکھ دے اور ایک گوشے میں

بیٹھ جائے۔شیخ کی موجودگی میں نوافل نہ ادا کرے، تاکہ حد ادب کی رعایت رہے اور بے ادبی نہ ہو۔

تیسرا ادب: حکم شیخ کی بقدر استطاعت پیروی

شیخ جو بات کہے اور جو حکم دے اس کی بقدر استطاعت بجا آوری کرے، اپنا اختیار ترک کرکے شیخ کے اختیار سے چلے، شیخ کی اجازت کے بغیر نہ کھائے نہ پیے، نہ پہنے نہ چکھے، نہ سوئے، نہ لین دین کرے۔اسی طرح روزہ وافطار، کثرت نوافل، فرائض پر اقتصار، ذکر، تلاوت، مراقبہ، یہ ساری عبادتیں شیخ کی اجازت اور اس کی تلقین کے بغیر شروع نہ کرے۔

مرید کو چاہیے کہ وہ شیخ کے سامنے سر جھکا کر بیٹھے اور اپنے سامنے دیکھے تاکہ شیخ کی موجودگی میں دل پراگندہ نہ ہو اور شیخ کی تعظیم اور اس کا وقار نہ اٹھ جائے، شیخ کی باتوں کو اچھی طرح سے کان لگا کر سنے، یہاں تک کہا گیا ہے کہ مرید کو چاہیے کہ مسلسل انتظار میں رہے کہ اب شیخ کی زبان سے کون سی بات نکلے گی۔

شیخ کو حق تعالیٰ کے کلام کا واسطہ جانے اور یہ یقین رکھے کہ وہ حق تعالیٰ سے گویا ہے اپنی خواہش سے نہیں، وہ بِی یَنطِقُ (مجھ سے گویا ہوتا ہے) کے مقام تک پہنچا ہوا ہے۔شیخ کے دل کو موجیں مارتا ہوا سمندر جانے، جو اسرار علوم اور جواہر معارف سے پُر ہے، جس میں ہر وقت عنایت ازلی کی ہوا چلنے سے ایک طوفان اٹھتا ہے اور اس میں سے کچھ جواہر اچھال کر ساحل زبان پر ڈال دیتا ہے۔

مرید کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ شیخ کی باتوں کے انتظار میں دل سے حاضر رہے، تاکہ شیخ کے کلام کے فوائد ومنافع سے محروم نہ رہے، شیخ کی گفتگو اور اپنے حال کے مابین وجہ مناسبت، مطابقت اور تعلق تلاش کرے اور اپنے آپ کو اس طرح تصور کرے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں استعداد کے مطابق اپنے حال کی بھلائی اور کامیابی تلاش کر رہا ہے اور یہ سمجھے کہ اس کی استعداد کی مناسبت سے اس پر غیب سے خطابات وارد ہو رہے ہیں۔

فائدہ: خواب میں زیارت رسول ﷺ

یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھنا برحق ہے اور شیطان آپ ﷺ کی صورت میں ظاہر نہیں ہوسکتا۔

یوں ہی تمام انبیا، فرشتے، سورج، چاند، روشن ستارے اور بادل کا وہ ٹکڑا جس میں بارش ہو ان چیزوں کو خواب میں دیکھنا برحق ہے، شیطان ان تمام چیزوں کی شکل میں ظاہر نہیں ہوسکتا، البتہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے کی کیفیت کے سلسلے میں علما کا اختلاف ہے۔

بعض علمانے فرمایاہے کہ جن صفتوں اور جن خوبیوں سے نبی کریم ﷺ دنیامیں آراستہ تھے اگراس طرح دیکھاہے تو یہ دیکھنا صحیح ہوگا؛ ترمذی کی نوادر الاصول[1] میں مذکور ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ رَآنِیْ فِی المَنَامِ فَقَدْرَآنِی، لِاَنَّ الشَّیْطَانَ لَایَسْتَطِیْعُ أَنْ یَّتَمَثَّلَ بِی،قَالَ عَبْدُ الله: قَوْلُه: مَنْ رَآنِیْ فِی المَنَامِ أَیْ رَآنِیْ عَلَى نَعْتِیْ الذِی أَنَاعَلَیْهِ، فَلَوْرَآهُ عَلَى غَیْرِنَعْتِه لَمْ یَکُنْ رَآهُ ،لِأَنَّه قَالَ: رَآنِیْ وَهُوَ اِنَّمَایَقَعُ عَلَىْ نَعْتِه.

جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے یقیناً مجھ کو ہی دیکھا۔ عبداللہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان من رآنی فی المنام کا مطلب یہ ہے کہ جس نے مجھ کو خواب میں میری اس صفت پر دیکھا جس صفت پر میں ہوں، اس لیے اگر کسی نے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف سے مختلف آپ ﷺ کو دیکھا اس نے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا؛ کیوں کہ آپ نے فرمایا: رآنی (مجھ کو دیکھا) اور اس کا اطلاق آپ کی صفت پر ہی ہوگا۔

مصابیح کی شرح مفاتیح الفتوح میں مرقوم ہے: ایک قول کے مطابق -واللہ اعلم- معنی یہ ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کو اسی صورت میں دیکھا جو آپ کی تھی تو اس نے یقیناً حق دیکھا۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے حقیقت میں اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا، یہ مطلب نہیں ہے کہ

---

(۱) نوادر الاصول: الاصل السابع والسبعون فی حقیقۃ الرؤیا (۳۸۶/۱)

جب بھی کسی ایسے شخص کو دیکھا جس کے رسول اللہ ہونے کا وہم ہو تو اس نے حق دیکھا؛ کیوں کہ آپ نے فرمایا ہے: شیطان میری طرح بن کر یعنی میری صورت میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔

اس کے بر خلاف بعض علما یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح بھی آپ کو دیکھا جائے درست ہے؛ مطالب میں مذکور ہے: آپ ﷺ کا دیدار اگر حقیقی صورت کے علاوہ دوسری صورت میں ہو تو اس میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ آپ کا دیدار نہیں ہوگا اور صحیح یہ ہے کہ یہ حقیقت میں آپ کا ہی دیدار ہے، خواہ آپ کو آپ کی معروف صفت پر دیکھا ہو یا اس حالت میں نہیں دیکھا ہو۔ کاشف میں اس کی صراحت ہے۔

فتاویٰ صوفیہ میں مذکور ہے:

قَالَ الجَامِعُ غفَرَ اللهُ لَه وَلِوَالِدَيَّ: وَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي المَنَامِ مِرارًا، مِنهَا مَا رَأيتُ النَّبِيَّ ﷺ وَقَدْ أَصَابَنِي جَنَابَةٌ فِي تِلْكَ الحَالَةِ مُبْتَسِمًا عَلَيَّ، فَلَمَّا انْتَبَهْتُ مِنَ المَنَامِ قَصَصْتُ القِصَّةَ عَلىٰ أَخِي شَرفِ المِلَّةِ وَالدِّيْنِ نَصْرِ الله، وَقُلْتُ لَه أَنْ يَذْكَرَ عِنْدَ الشَّيخِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَمَاقَصَدْتُّ مَجْلِسَته العَالِيَة حَياءً عَلَى الحَالَة الَّتِي رَأَيْتُه، فَلَمَّا فَرَغَ مِن قِصَّتِيْ فِيْ حَضْرَتِه رَضِيَ الله عَنْهُ وَلَمْ يُبَيِّنِ الحَالَ كَمَا وَصَّيْتُ بِه، قَالَ بِالفَارِسِيَّةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: خود چرا نیامد، جنب را روا باشد که حضرت را بخواب بیند، فَتَحَيَّرْنَا فِي دَرْكِه وَفِرَاسَتِه وَكَرَامَتِه رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَقَالَ أَخِيْ: قَالَ الشَّيْخُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: وهر صورت که باشد پیغامبر را بیند علیه السلام۔

جامع کتاب - اللہ اس کی اور اس کے والدین کی مغفرت فرمائے - کہتا ہے: میں نے نبی کریم ﷺ کو بارہا خواب میں دیکھا، ایک بار تو اس حالت میں آپ کو دیکھا کہ مجھے جنابت لاحق تھی، اس حالت میں آپ مجھے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ جب میں نیند سے بیدار ہوا تو میں نے اپنے بھائی شرف الملت والدین شیخ نصر اللہ سے پورا قصہ بیان کیا اور میں نے ان سے درخواست کی کہ آپ حضرت شیخ رضی اللہ عنہ سے بیان کریں اور میں نے جس حالت میں آپ ﷺ کا دیدار کیا تھا، اس حالت سے حیا کی وجہ سے خود شیخ کی مجلس عالی میں حاضر نہیں ہوا۔ جب میرے بھائی میرا

واقعہ آپ کی بارگاہ میں پیش کر چکے اور انھوں نے میری گزارش کے مطابق میری اس حالت کے بارے میں نہیں بتایا تو شیخ نے فارسی زبان میں ارشاد فرمایا: وہ خود کیوں حاضر نہیں ہوا؟ جنابت والے شخص کے لیے خواب میں رسول اللہ ﷺ کا دیدار ممکن ہے۔ یہ سن کر ہمیں ان کے ادراک و فراست اور ان کی کرامت پر بڑی حیرت ہوئی۔ میرے بھائی نے مجھے بتایا کہ حضرت شیخ رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا: جس صورت میں ہو، زیارت نبی کریم ﷺ کی ہی ہوگی۔

فائدہ: مخدوم جہانیاں کا روحانی کمال

اس فقیر کے پیر دست گیر فرماتے تھے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین قدس سرہ کے بعض مریدین و معتقدین نے ان کی دعوت کی، آپ نے سات آٹھ جگہ دعوت قبول فرمالی اور افطار کے وقت ہر جگہ حاضر تھے، جس کے یہاں بھی تشریف لے گئے اس نے سمجھا کہ حضرت میرے یہاں تشریف لائے ہیں اور خانقاہ والوں نے یہ سمجھا کہ حضرت مخدوم خانقاہ میں حاضر ہیں۔

فائدہ: شیخ سے استفادہ کے لیے رابطۂ قلبی ضروری ہے

اگر شیخ سے مرید کا قلبی رابطہ کامل ہوگا تب ہی شیخ کی روحانیت اس کی جانب الہام کرے گی، رابطہ قلبی کے بغیر اگرچہ ہزار بار شیخ شیخ چلائے اس کے دل میں کوئی الہام نہیں ہوگا، پیر سے قلبی رابطہ جس کا جتنا زیادہ ہوگا پیر کی نعمتیں اس کو اسی قدر بے شمار حاصل ہوں گی؛ کیوں کہ جب پیر کے ساتھ مرید کا قلبی رابطہ زیادہ ہوتا ہے تو حق تعالیٰ جو مقلب القلوب ہے، شیخ کے قلب اور اس کی روحانیت کو اس مرید کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ مشہور ہے کہ جو جس کے ساتھ رہتا ہے وہ شخص ہمیشہ اسی کے ساتھ ہوتا ہے اور جو جس کے خیال میں ہوتا ہے وہ بھی اس کے خیال میں ہوتا ہے۔ اَلْقُلُوْبُ مَعَ الْقُلُوْبِ تَتَشَاهَدُ (دلوں کا باہم مشاہدہ ہوتا ہے) کے یہی معنی ہیں۔

گر تو با مائی بدل ، دوری نمی دارد زیاں ۔۔۔ ور دلت با ما نباشد، ہم نشینی سود نیست

(اگر تو دل سے ہمارے ساتھ ہے تو ظاہری دوری سے کوئی نقصان نہیں، اور اگر تیرا دل

ہی ہمارے ساتھ نہ ہوا تو ہم نشینی کا کوئی فائدہ نہیں!)

ایک بادشاہ اور غلام کا واقعہ

فقیر کے پیر دست گیر فرمایا کرتے تھے کہ ایک بادشاہ تھا جس کے بہت سے خوب صورت غلام اور متعلقین تھے، لیکن وہ سب سے زیادہ شفقت ور حمت کا معاملہ اس غلام سے کرتا تھا جو بد صورت تھا۔ اس کی وجہ سے بادشاہ کے سارے درباری اور دوسرے غلام بادشاہ کو مطعون کرتے تھے اور اس غلام سے قلبی تعلق رکھنے کو نگاہ حقارت سے دیکھتے تھے۔ اگرچہ بادشاہ کو یہ بات معلوم تھی لیکن اس نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی، راز کو فاش نہیں کیا اور ان کی اہانت و بے عزتی پر کوئی دھیان نہیں دیا۔

ایک روز بادشاہ سفر پر نکلا ہوا تھا، ہوا گرم تھی، وہ ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا، ایک طرف اس نے چند بار اس طرح نظر ڈالی کہ گویا اس کو کوئی چیز مطلوب ہے۔ اس غلام نے بادشاہ کے فرمان اور کسی کے کہے بغیر ہی جس طرف بادشاہ نے نظر کی تھی اس طرف گھوڑا دوڑا دیا اور جو چیز بادشاہ کو مطلوب تھی اس نے بادشاہ کے سامنے لاکر رکھ دیا۔ جب اس نے گھوڑا دوڑایا تو بادشاہ کے متعلقین اور غلام جن کو حسد کی عادت تھی ہنسنے لگے۔ انھوں نے کہا کہ ایسا احمق جو بیہودہ کام کرتا رہتا ہے اس پر بادشاہ کی خاص نظر ہے۔ جب وہ غلام بادشاہ کے سامنے اس کی مطلوبہ چیز لے کر آیا تو بادشاہ نے کہا کہ میں نے تو تم سے کہا نہیں تھا پھر بھی کیسے تم نے گھوڑا دوڑا دیا اور تم کو کیسے معلوم ہوا کہ میں یہ چیز چاہتا ہوں؟ اس غلام نے جواب دیا کہ بادشاہ عالم! میں نے دیکھا کہ آپ بار بار اس طرف دیکھ رہے ہیں تو میں سمجھ گیا کہ شاہ عالم کا اس طرف دیکھنا بغیر کسی سبب کے نہیں ہو سکتا، لہٰذا میں نے اس طرف یقین کے ساتھ گھوڑا دوڑا دیا اور وہ چیز لے کر بارگاہ میں حاضر ہو گیا جس طرف شاہ عالم کا دل لگا ہوا تھا۔ اس پر بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اس نے کہا: اے میرے ساتھیو اور غلامو! تم ہی انصاف کرو کہ تم اپنے خیال میں مشغول ہو اور تمھیں میرے حال اور میرے مقصود سے کچھ غرض نہیں ہے اور یہ غلام اپنے مقصود اور اپنے خیال میں نہیں ہے، اب جو کسی کے خیال میں ڈوبا ہو وہ اس کے خیال میں کیوں نہیں ہو گا؟

اللہ کی رحمت ہو اس شخص پر جو اپنے پیشوا کی خوشنودی اور اس کی رضا جوئی کے لیے اس کی پیروی کر رہا ہے اور اپنی حیات عزیز کو اس میں صرف کر رہا ہے۔[1]

شیخ سے عقیدت اور اس کی پیروی کا ذکر

یہ فقیر حقیر اپنے وجود اور اپنے عمل سے پیر دست گیر قطب عالم مخدوم شیخ مینا رضی اللہ عنہ کی حتی الوسع پیروی کرتا ہے اور مکمل امید ہے کہ جناب احمد مجتبیٰ ﷺ اور مرشد کے تعلق سے اپنے اعتقاد کے صدقے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں شرمندہ نہیں ہوگا ع

چہ غم، دیوار امت را کہ دارد چون تو پشتیباں! (جسے تیرا سہارا ہو اسے فکر جہاں کیوں ہو؟)

یہ خاکسار گنہ گار، جسے شامت نفس نے عاجز و درماندہ کر رکھا ہے، اگرچہ اس لائق نہیں تھا لیکن پیر دست گیر نے جب مجھے بارگاہ مولیٰ میں قبول کروا کر جامۂ خلافت پہنا دیا تو اب میں اپنے پیر کے صدقے و طفیل ہزار ہزار بار اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہوں اور ہمیشہ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر:۵۳) (اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو!) ورد زبان رکھتا ہوں۔ ع

---

(۱) عارف ربانی شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی دام ظلہ نے اس مقام پر فرمایا کہ اطاعت شیخ کے حوالے سے بطور خاص موجودہ زمانے میں لوگ بہت متردد رہتے ہیں۔ بعض حضرات اس معاملے میں اتنی شدت اور افراط برتتے ہیں کہ اپنے شیخ اور امیر کے مسلک و موقف کو دوسروں پر بھی تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں، جب کہ اس معاملے میں بعض دوسرے حضرات ایسی تفریط کا شکار ہیں کہ وہ سرے سے اطاعت شیخ کا ہی انکار کر دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اطاعت صرف اللہ و رسول کی ہوگی، کسی اور کی کیوں ہوگی؟ جب کہ آپ غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ قرآن مقدس میں تین اطاعتوں کا ذکر آیا ہے۔ اطاعت الٰہی، اطاعت رسول اور اطاعت امیر۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء:۵۹) اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اپنے امیر کی بھی۔ اسی طرح احکام شرعیہ کے بھی تین درجات ہیں: ۱۔ فرض/حرام ۲، واجب/مکروہ تحریمی اور ۳۔ سنن و مستحبات/مکروہات و خلاف اولیٰ۔ یہاں اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ حق تعالیٰ کی اطاعت پہلے درجے کی اطاعت ہے، نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا درجہ اللہ کی اطاعت کے بعد کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احناف بعض اوقات کتاب اللہ کے بالمقابل ثابت بالسنۃ کو فرض کا نہیں بلکہ واجب کا درجہ دیتے ہیں، جس کی تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں ہے۔ رہی امیر اور شیخ کی اطاعت، تو یہ فقط مستحبات و مکروہات اور سنن و نوافل کی سطح پر ہوگی۔ یعنی مرید کو چاہیے کہ مستحبات و مکروہات اور سنن و نوافل کی ادائیگی میں اپنے شیخ کا اتباع کرے۔ اطاعت شیخ کے ذیل میں امر الٰہی اور امر رسول کی خلاف ورزی جائز نہیں ہو سکتی، ورنہ لازم آئے گا کہ شیخ کا مرتبہ نعوذ باللہ اللہ و رسول سے بڑھ جائے۔ ہاں! جہاں امر اللہ اور امر الرسول کی تشریح میں علما کا اختلاف ہو جائے اس وقت چاہیے کہ اصحاب تحقیق اپنی تحقیق پر عمل کریں اور عامۃ المسلمین اس میں اپنے امیر، پیشوا اور شیخ کی اطاعت کریں۔

مقبول آستان توہادی و مہتدی (مقبول آستاں تراہادی و مہتدی)

ہمارے پیر دست گیر کو حضرت سلطان العاشقین شیخ سارنگ سے خلافت تھی۔آپ ہمیشہ اپنے شیخ کے قول وفعل اور حرکات وسکنات کی پیروی میں لگے رہتے تھے اور اپنے پیر کے علاوہ کسی کی جانب بالکل کوئی توجہ نہیں فرماتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ پیر کی حیات ظاہری میں اگر مرید اپنے پیر کے علاوہ کسی اور کی پیروی یا تلقین کے لیے توجہ کرے گا تو ہرگز کامیاب نہیں ہوگا۔

آپ فرماتے کہ پیر کی موجودگی میں کسی اور سے کلاہ محبت قبول کرنا اور خلافت حاصل کرنا جائز نہیں۔

پیر دست گیر قدس اللہ روحہٗ کے پاس کوئی ایسا شخص آتا جو آپ کا مرید نہ ہوتا اور آپ سے کلاہ محبت طلب کرتا تو آپ اس سے دریافت فرماتے کہ تمھارے پیر زندہ ہیں یا نہیں ؟اگر کہتا کہ پیر زندہ ہیں تو آپ اسے کلاہ نہیں عطا فرماتے اور فرماتے کہ اس قدر محبت اپنے پیر کے ساتھ رکھنی چاہیے، یہی کافی ہے، پیر کی محبت جتنی زیادہ ہوگی اتنی ہی زیادہ روحانی ترقی ہوگی۔

قطب عالم شیخ نور اور خواجہ کریم الدین کا واقعہ

آپ نے فرمایا کہ ایک روز سلطان ابراہیم کے منشی خواجہ کریم الدین جو یمن میں رہتے تھے اور حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری قدس سرہ سے ارادت رکھتے تھے، قطب عالم شیخ نور سے ملاقات کے لیے پہنچے۔ شیخ موصوف نے کلاہ محبت پیش کی۔ خواجہ کریم الدین نے کہا کہ حضور سے مجھے بڑی عقیدت ہے لیکن اس کے باوجود میں آپ سے رشتہ ارادت و محبت قائم نہیں کرسکتا؛ کیوں کہ ایک مسلمان کے دل میں دو چیز کی محبت ایک ساتھ نہیں ہوسکتی اور نہ اس طرح سے اس کی محبت میں صدق واخلاص ہوسکتا ہے ؛ کیوں کہ جتنی محبت میں آپ سے کروں گا اتنی اپنے شیخ حضرت سید جلال الدین سے کیوں نہیں کروں گا؟ حضرت شیخ قطب عالم ان کی اس گفتگو سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ احباب واخوان کو ارادت واعتقاد کی سند خواجہ کریم الدین سے لینی چاہیے؛ کیوں کہ پیر کی موت کے بعد اگر چہ دوسرے پیر کی جانب توجہ کو صوفیہ نے جائز قرار دیا ہے ،لیکن یہ خواجہ پھر بھی اپنے پیر کے علاوہ کسی کی جانب توجہ نہیں کرتے۔ واہ کیا اعتقاد و کمال

ہے! واہ موت کے بعد بھی کیا پیر سے ارادت ہے! اس کے بعد شیخ نوراٹھے، ان کو بغل گیر کیا اور اپنے سر سے دستار اتار کر خواجہ کو عطا کر دی۔ خواجہ نے اسے قبول کرلیا، اسے اپنے سر پر باندھ لیا اور کہا کہ میں اسے قبول کر سکتا تھا، لیکن میرے پیر جو میرے احوال پر حاضر و ناظر ہیں، ان کی غیرت محبت آپ کی کلاہ محبت وارادت قبول کرنے سے مانع ہے۔

ایک قلندر کی اپنے پیر سے عقیدت

اس موقع پر حضرت پیر دست گیر نے فرمایا کہ ایک روز حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی پالکی پر سوار ہو کر جا رہے تھے، کہاروں میں ایک کہار بہت زیادہ تھک گیا تھا، اس سے صحیح طور سے ہلا بھی نہیں جا رہا تھا، مریدین واحباب فرط عقیدت میں باری باری پالکی اٹھاتے، یہاں تک کہ ایک قلندر آیا جو آپ کا مرید نہیں تھا، اس نے اس تھکے ہوئے کہار کی جگہ پالکی اپنے سر پر لے لی اور منزل تک پہنچا دیا۔ حضرت مخدوم اس وقت غنودگی کے عالم میں تھے۔ آپ کے مریدین واحباب نے اس قلندر کی مدد نہیں کی اور وہ مسلسل پالکی اپنے سر پر لیے رہا۔ جب منزل آگئی تو آپ پر واضح ہوا کہ قلندر دیر سے پالکی اٹھائے ہوئے ہے۔ آپ نے خوش ہو کر اسے قریب بلایا اور اپنا لعاب مبارک اس کے منہ میں ڈال دیا۔ فوراً ہی قلندر کی حالت بدل گئی اور وہ صاحبان مقام اور صاحبان حال میں سے ہو گیا۔

دگر کردند خوباں شیوۂ حسن حسنؔ را ہم سخن طرزی دگر شد

(حسن والوں نے اپنا انداز جلوہ نمائی بدلا، اس لیے حسن نے بھی اپنا طرز کلام بدل دیا۔)

وہ قلندر فرط مسرت میں رقص کرنے لگا اور کہنے لگا: میرے پیر نے مجھ کو نعمت عطا کر دی اور مجھے غفلت کی راہ سے ہٹا کر حقیقت کی راہ پر ڈال دیا۔ احباب و مریدین نے اس قلندر کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور اسے ملامت کرتے ہوئے کہا: اے قلندر! قلندری چھوڑ دے، تجھ کو حضرت مخدوم نے یہ نعمت عطا فرمائی ہے، یہاں تیرے پیر کہاں ہیں؟ قلندر نے جواب دیا: اے دوستو! اگر میرے پیر مجھے قبول نہیں فرماتے تو حضرت مخدوم بھی مجھے ہرگز قبول نہیں فرماتے؛ کیوں کہ بزرگوں نے فرمایا ہے ”مقبول اہل دلے مقبول جہانے“ (ایک صاحب دل کا مقبول

سارے جہاں کا مقبول ہوتا ہے۔) حضرت مخدوم اس قلندر کی منصفانہ گفتگو سے بہت خوش ہوئے اور مزید نعمتیں عطا فرمائیں اور کہا: اے دوستو! اس قلندر سے عقیدت و اردات کا انداز سیکھو؛ کیوں کہ مریدی ایسی ہوتی ہے۔ پیر کے ساتھ قلبی ربط، اس سے گہری عقیدت اور اس کی پیروی کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا، عقیدت ہی ایسی چیز ہے جو مرید کو صاحب مقام کرتی ہے۔ پیر دست گیر قطب عالم ہمیشہ یہ شعر پڑھا کرتے:

کس بصد سال نیاید بدر عزتِ یار　　　تا بصد عزت ازیں درنکشد خواری را

(کسی کو بھی محبوب کے در دولت پر سیکڑوں سال میں بھی عزت نہیں مل سکتی، جب تک کہ وہ اس در کی ذلت و خواری پر سیکڑوں عزتوں کو قربان نہیں کر دیتا۔)

اس کے بعد حضرت پیر دست گیر نے اسی موقع سے فرمایا: [کسی درویش نے خواب میں دیکھا کہ] ایک بار نبی کریم ﷺ کفار کے لشکر کے ساتھ جنگ میں مشغول تھے، جنگ کے وقت کفار ایک عَلَم لے کر آئے اور اسے بیچ میں رکھ دیا۔ مسلمانوں کی تعداد اگرچہ زیادہ تھی لیکن اس کے باوجود انھیں غلبہ نہیں حاصل ہو سکا اور کافروں کو اس علم سے دور کر کے شکست نہیں دے سکے۔ بالآخر کافروں کو غلبہ حاصل ہوا اور مسلمانوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا، یہاں تک کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: اس علم میں کوئی راز ہے جس کی وجہ سے ہم ان کو ایک قدم بھی پیچھے نہیں کر سکتے، اگر ممکن ہو تو اس حملے میں ہم اس عَلَم کو اپنے قبضے میں لے لیں۔ حضرت علی نے مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ حملہ کر کے علم کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ علم کو ہاتھ میں لیتے ہی کفار کو شکست ہو گئی۔ کفار میں سے کچھ مارے گئے اور کچھ قید ہوئے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد علم کھولا گیا تو اس علم میں ایک آیت کریمہ انتہائی تعظیم کے ساتھ چند کپڑوں میں لپٹی ہوئی ملی، وہ آیت یہ تھی: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران: ۱۸)

(اللہ تعالیٰ نے اس بات کی گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ انصاف قائم کرنے والا ہے، فرشتوں اور علم والوں نے بھی اس بات کی گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں

،وہی غالب اور حکمت والا ہے اور بلا شبہ دین تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔)

ایک قیدی سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات تھی کہ ہمارے ساتھ پورا قرآن تھا لیکن ہمیں غلبہ حاصل نہیں ہو رہا تھا اور تم ایک آیت کی وجہ سے پناہ میں تھے؟ اس نے جواب دیا: ہم سب اس آیت کی پناہ میں تھے اور اسی کی بدولت تم لوگوں پر ہم نے غلبہ حاصل کیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم کو غلبہ کیسے حاصل ہو گیا؟ اس نے جواب دیا کہ اعتبار، اعتقاد کا ہوتا ہے، تمھارے ساتھ اگرچہ پورا قرآن تھا لیکن تمھارا اعتقاد کم تھا۔ (۱)

اولیاے صادقین اور مدعیان کاذبین

اے عزیز! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ بندگی مخدوم شیخ سارنگ قدس سرہ کا پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ اور مخدوم مولانا حسام الدین صوفی قدس سرہ کے علاوہ کوئی دوسرا خلیفہ اور صاحب سجادہ نہیں تھا۔

اسی طرح اس فقیر سعد بن بڈھن اور پیر دست گیر قطب عالم کے برادر زادے صاحب سجادہ شیخ قطب الدین کے علاوہ، حضرت قطب عالم کا اور کوئی خلیفہ نہیں تھا۔

اے عزیز! بعض بزرگان دین اور صاحبان یقین نے مرشدین کاملین کی طرف سے خلافت عطا کیے جانے کے باوجود خلافت قبول نہیں کی اور خود کو اس کے لائق نہیں سمجھا۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوئے کہ ان کو صحیح خلافت ملی ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود انھوں نے کسی کو بیعت نہیں کیا۔

پیر دست گیر سے میں نے سنا ہے کہ حضرت مخدوم قاضی فخر الدین بجنوری، شیخ الاسلام حضرت نظام الدین اولیا قدس سرہٗ کے مرید تھے، لیکن انھیں حضرت شیخ الاسلام سے خلافت نہیں تھی۔ حضرت شیخ الاسلام کے انتقال کے بعد مخدوم قاضی فخر الدین ایک دن حضرت شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہٗ سے ملاقات کے لیے پہنچے۔ انھوں نے حضرت شیخ نصیر الدین کی خانقاہ کے بعض صوفیہ کے بارے میں سفارش کی کہ اگر ہو سکے تو انہیں خلافت عطا کر دیں اور ان پر کرم کا معاملہ

---

(۱) یہ حکایت موضوع ہے۔ ممکن ہے کہ کسی بزرگ نے واقعہ عالمِ واقعہ/خواب میں ایسا دیکھا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فرمادیں۔ حضرت مخدوم شیخ نصیر الدین نے یہ کہتے ہوئے خلافت دینے سے انکار کر دیا کہ ان میں کوئی بھی خلافت کا مستحق نہیں ہے، کیسے خلافت دے دوں؟ خلافت پیروں کی امانت ہے اسے نااہلوں کو نہیں دیا جاتا اور اہل کو دینے میں دریغ نہیں کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا (النساء:۵۸) (اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ تم امانت اس کے مستحقین کو دے دو۔)

البتہ اگر آپ قبول کریں تو بہتر ہوگا۔ حضرت قاضی فخر الدین نے فرمایا کہ میں اگر خلافت کے لائق ہوتا تو حضرت نظام الدین اولیا ضرور مجھے خلافت عطا فرما دیتے۔ حضرت شیخ نصیر الدین نے فرمایا: آپ اس وقت خلافت کے لائق نہیں تھے، اب آپ لائق ہو گئے ہیں۔ حضرت قاضی فخر الدین نے عرض کی: آپ عجیب بات فرما رہے ہیں، کیا میرے پیر کی اس پر نظر نہیں تھی اور میری ابتدا اور انتہا کا علم میرے شیخ کو نہیں تھا؟ بہر کیف! حضرت شیخ نصیر الدین نے بہت چاہا کہ آپ خلافت قبول کر لیں لیکن آپ نے اسے قبول نہیں کیا اور معذرت کر لی۔

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے کہ مخدوم شیخ عبد العزیز ساکن بانگر مؤ حضرت نظام الدین اولیا قدس سرہ کے خلیفہ تھے۔ ایک روز ایک بزرگ نے حضرت مخدوم سے التماس کی کہ اسے اپنے حلقۂ ارادت میں داخل فرمالیں۔ حضرت مخدوم شیخ عبد العزیز نے انکار کیا اور کلاہ نہیں عطا کی۔ اس بزرگ نے عرض کیا کہ اتنے درویش جن کے پاس تصوف کی دکان داری ہے، انھوں نے دکان لگا رکھی ہے، کلاہ بانٹتے ہیں اور آپ، حضرت شیخ نظام الدین سے خلافت اور اتنے فضل وکمال رکھنے کے باوجود تصوف کی دکان نہیں لگا رہے ہیں؟ شیخ عبد العزیز نے مسکرا کر فرمایا: اے خواجہ! معاملہ تو ایسا ہی ہے کہ اس فقیر کے پاس دکان داری کے سامان ہیں لیکن اس کے باوجود دکان لگانے کا دل نہیں کرتا؛ کیوں کہ شہرت میں آفت ہے اور گم نامی میں راحت ہے۔ امید ہے کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیا بھی معاف کر دیں گے اور اس بے چارے کو بخش دیں گے۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! صالحین وصادقین شہرت سے اس طرح پرہیز کرتے تھے اور صحیح خلافت اور بلند مقام رکھنے کے باوجود بیعت نہیں کرتے تھے، دوسری طرف آج کچھ لوگ ایسے

ہیں جو فریب دے کر خود کو خلیفہ قرار دے رہے ہیں اور اپنی زندگی جھوٹ اور فریب میں بسر کر رہے ہیں۔

بعض اسلاف کے ساتھ بھی کچھ لوگوں نے ایسا ہی کھیل کھیلا اور ان کے ساتھ دغابازی کی، ان کا نام ذکر کرنا فضول ہے، اللہ تعالیٰ ان کے معاملات کو بہتر جانتا ہے۔

حالت خواب کی خلافت ناقابل قبول

اسی طرح کچھ ایسے لوگ بھی گزرے اور آج بھی موجود ہیں، جنھوں نے خواب کی حالت میں خلافت کا دعویٰ کیا کہ میرے پیر نے مجھ کو خواب کی حالت میں خلافت عطا کی ہے، جب کہ معلوم ہے کہ خواب سے کوئی بھی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا، پھر خلافت کا ثبوت، جو ظاہری امور سے متعلق ہے، اس کا ثبوت خواب سے کیسے ہو جائے گا؟

جاہ ومرتبہ حجاب راہ ہیں

اے عزیز! اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھیں تو یقین ہو جائے گا کہ یہی کلاہ اور یہی مریدین راہ سلوک کا حجاب بن جاتے ہیں اور راہ راست سے ہٹا کر بیہودگی کی راہ پر ڈال دیتے ہیں۔ خواجہ سنائی فرماتے ہیں ؎

چہ روی با کلاہ بر منبر — چہ شوی با زکام در گل زار
خود کلاہ و سرت حجاب تو اند — چہ فزایی تو بر کلہ دستار
کلہ آں گہ نہی کہ بر فتدت — سنگ در کفش کیک در شلوار

(۱) منبر پر کلاہ کے ساتھ کیوں جلوہ افروز ہوتے ہو؟ زکام ہوتے ہوئے باغ میں کیوں جاتے ہو؟

(۲) خود تمھاری کلاہ اور تمھارا سر تمھارے لیے حجاب ہیں، تم کلاہ و دستار پر کیوں اترا رہے ہو؟

(۳) کلاہ اس وقت سر پر رکھو جب کہ تم مجبور ہو جاؤ اور کوئی چارہ نہ رہ جائے۔[1]

---

(۱) یہ خواجہ سنائی کے اشعار ہیں۔ سنگ در کفش بودن عاجز و مجبور ہونے سے کنایہ ہے۔

عزیمت اور ہمت مطلوب ہے

مشائخ طریقت نے فرمایا ہے کہ جو شخص دوسرے پر تکیہ کرنے کا عادی ہے اس سے نہ دنیا کا کام ہوسکتا ہے اور نہ آخرت کا، سالک کو بلند ہمت ہونا چاہیے، تاکہ تمام نفسانی اور شرعی مشقتوں کو برداشت کرے اور بارگاہ الٰہی کی جانب متوجہ ہوجائے۔

صوفی کہ لقمہ جوید مشنو حدیث عشقش   کزدل نصیب نبود، درماندۂ شکم را

(وہ صوفی جو تلاش معاش میں لگا ہو، اس سے داستان عشق مت سنو؛ پیٹ کا غلام دل والا نہیں ہوتا۔)

رباعی

آں کس کہ ز دنیا نرہد وای برو   بر خلق جہاں دل بہ نہد وای برو
بر دست فقیر نیست نقدی جز وقت   آں نیز گر از دست دہد وای برو

(۱) جو شخص اس دنیا سے رہائی حاصل نہ کرے، اس پر افسوس ہے اور جو لوگوں سے دل لگائے اس پر افسوس ہے۔

(۲) وقت کے علاوہ فقیر کے پاس کوئی نقد نہیں ہوتا، یہ بھی نعمت اگر ضائع ہوجائے تو اس پر افسوس ہے۔

ایسے زمانے میں جب کہ دین کے نام پر محض چند رسمیں رہ گئی ہیں، اولیائے دین، ہادیان صراط مستقیم اور داعیان ہدایت مآب نے اپنے چہروں پر نقاب ڈال لیا ہے، ہر گوشہ اور ہر محلہ میں خلافت کی جتنی کثرت اس زمانے میں ظاہر ہوئی ہے ایسے میں کسی پر اعتماد کیسے کیا جاسکتا ہے؟ یہ لوگ انتشار قلب اور جمعیت خاطر سے کوئی حصہ نہ رکھنے کے باوجود خود کو جنید و شبلی کی طرح سمجھتے ہیں اور مخلوق کے سامنے اپنے آپ کو انھیں کی طرح ظاہر کرتے ہیں، یہ محض گمراہی اور خطا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی صحبت سے اپنی پناہ میں رکھے۔

دوزخ آشاماں بودند ایشاں، وآنہاں کاملاں   ایں چناں را کے تواں ہم سنگ ایشاں

(یہ لوگ تو دوزخ کا عذاب چکھنے والے ہیں اور وہ لوگ کاملین میں سے تھے، ایسی صورت حال میں ایسے لوگوں کو ان کی صف میں رکھنا کہاں درست ہوگا؟)

اتباع شیخ

واضح رہے کہ سلطان العارفین شیخ سارنگ قدس سرہ کو نسبت ارادت حضرت مخدوم شاہ قوام الدین لکھنوی سے اور خلافت حضرت قطب عالم سید راجو قتال بخاری سے حاصل تھی۔ آپ ہمیشہ ان دونوں بزرگوں کے اقوال و افعال کی پیروی کرتے اور ان کی پیروی سے ذرہ برابر تجاوز نہیں کرتے۔

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ فرماتے تھے کہ ایک روز مخدوم شیخ سارنگ جُبّہ کو بارانی [1] طرز پر جو علمائے دنیا کا لباس ہے، پہنے ہوئے تھے، میں نے عرض کی کہ حضرت مخدوم شیخ قوام الدین جُبّہ کو بارانی طرز پر نہ پہننا ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا: میں بھول گیا تھا اور اسی وقت درزی کو بلا کر اُس جبے کو پیشواز [2] کے طرز پر بنوا دیا۔

واضح رہے کہ حضرت شیخ قوام الدین لکھنوی قدس سرہ کو حضرت شیخ الاسلام نصیر الدین محمود اودھی قدس سرہ سے بیعتِ ارادت تھی اور خرقۂ خلافت حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری سے حاصل تھا۔ حضرت قطب عالم سید راجو قتال بخاری قدس سرہ کو بھی حضرت مخدوم سید جلال الدین سے خلافت حاصل تھی اور حضرت مخدوم جہانیاں کو شیخ الاسلام شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے اور دوسری بہت سی جگہوں سے خلافت حاصل تھی، لیکن چوں کہ ہندوستان چشتیوں کی ولایت ہے، اس لیے آپ اکثر چشتی کلاہ ہی عطا فرماتے۔

حضرت شیخ نصیر الدین سے لے کر حضرت رسول کریم ﷺ تک ہر شخص کی خلافت بہت مشہور و معروف ہے۔ جیسا کہ شجرۂ چشتی اور سہروردی میں لکھا بھی ہوا ہے۔ تمام مشائخ اپنے

---

(۱) بارش سے محفوظ رکھنے والا لباس۔ (فرہنگ عامرہ) وہ چغہ یا کوٹ جو بارش سے بچاؤ کرتا ہے۔ (فیروز اللغات)

(۲) ایک خاص قسم کا قبا جو اوپر سے نیچے تک چاک ہوتا ہے اور بیچ میں بٹن یا بندھن ہوتا ہے۔ گاؤن

اپنے مشائخ کی پیروی کرتے رہے اوران کی رضا و خوش نودی سے ذرہ برابر انحراف نہیں کیا۔ سب نے اپنے پیر کی پیروی پورے صدق واخلاص کے ساتھ کی اور دارین کی دولت سے بہرہ مند ہوئے۔

فائدہ: شیخ بننے کے لائق کون؟

واضح رہے کہ مجذوب تربیت کرنے اور شیخ بننے کے لائق نہیں ہوتا؛ کیوں کہ اسے اگرچہ مقصود کی چاشنی حاصل ہوتی ہے اور واصلین کے زمرے میں داخل ہوچکا ہوتا ہے، لیکن اس نے راہ الٰہی کو طے نہیں کیا ہوتا ہے۔ یعنی مجذوب راہ الٰہی کو سلوک اور مشقت سے حاصل نہیں کیا ہوتا ہے اور بتدریج مذموم و محمود چیزوں کی اس کو معرفت حاصل نہیں ہوئی ہوتی ہے، بلکہ وہ تو یکایک مقصود تک پہنچ جاتا ہے اور واصل و مقرب ہوجاتا ہے، لہٰذا مجذوب عارف تو ہوتا ہے لیکن مرشد نہیں ہوسکتا اور جب تک وہ مرشد نہیں ہوگا تربیت کرنے کے لائق نہیں ہوگا۔

مجذوب ہی کی طرح مجرد سالک بھی شیخ و مقتدا بننے کے لائق نہیں ہوتا، البتہ مجذوب سالک اور سالک مجذوب[1] مقتدا، رہبر اور شیخ بننے کے لائق ہیں، یہ الگ بات ہے کہ مجذوب سالک، سالک مجذوب سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کا خاص اور نائب ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اس کا رشتہ استوار ہوتا ہے اور وہ آپ ﷺ کا محکوم و تابع ہوتا ہے۔ یہ باتیں تشریح و توضیح کے ساتھ گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہیں۔

مشیخت کے ارکان خمسہ

مذکورہ دونوں حضرات مقتدا اور شیخ بننے کے لائق ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیہ نے شیخ اور مقتدا بننے کی اہلیت کی بنیاد پانچ ارکان پر رکھی ہے اور وہ پانچوں باتیں ان کے اندر موجود ہیں۔ ان پانچوں ارکان کا استخراج صوفیہ نے قرآن سے کیا ہے۔

---

(۱) مجذوب سالک: وہ شخص جو پہلے مجذوب تھا بعد میں اس نے راہ سلوک میں قدم رکھا اور سلوک کی تکمیل کی۔
سالک مجذوب: وہ شخص جو پہلے سلوک و مجاہدہ سے گزرا پھر جذب الٰہی نے اس کی یاوری کی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَیۡنٰہُ رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَ عَلَّمۡنٰہُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا (الکہف:۶۵) ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جس کو ہم نے اپنی خاص رحمت عطا کی اور اپنا خاص علم عطا کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مرید و متعلم بنا کر خواجہ خضر کے پاس بھیجا تو مشیخت اور مقتدائی کے منصب پر ان کو پانچ مراتب و درجات سے یاد کیا:

(۱): عبدیت میں خاص ہونے کو بیان کیا، کیوں کہ وہاں مِنْ عِبَادِنَا آیا ہے۔

(۲): ان کے اندر رب تعالیٰ کی عطا سے قبول حقائق کی استعداد و لیاقت بیان کی گئی اور اٰتَیْنٰہُ رَحْمَۃً آیا۔

(۳): خاص رحمت پانے کی خصوصیت اور مقام عندیت کو بیان کیا گیا کیوں کہ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِنَا فرمایا گیا۔

(۴): بلا واسطہ علوم الٰہی سے مشرف ہونے کا بیان کیا گیا اور عَلَّمْنٰہُ آیا۔

(۵): علم لدنی کی دولت کو بیان کیا گیا اور مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا آیا۔

یہ پانچ مراتب جملہ کمالات کو جامع اور تمام درجات و مقامات کو شامل ہیں۔

ہر عالم مشیخت کے لائق نہیں ہوتا، بلکہ مشیخت کے لائق وہی ہو گا جو صفات کمال سے آراستہ ہو، دنیا کی محبت اور جاہ و مال کی محبت سے بے گانہ ہو اور اس کی دوسری بری صفتوں سے اعراض کرنے والا ہو۔

معلوم ہوا کہ شیخ وہ ہو گا جو کتاب و سنت کا عالم ہو۔ صفات کمال سے مزین ہو، دنیا کی محبت، جاہ و مال کی محبت اور دوسری محبتوں سے اعراض کرنے والا ہو۔ ایسا شخص عالم باللہ ہو گا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے:

وَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ (مجادلہ:۱۱) جن کو علم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو درجوں بلند فرماتا ہے۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ حدیث آئی ہے:يَشْفَعُ يَوْمَ القِيٰمَةِ ثَلاثَةٌ: الأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ العُلَمَاءُ، ثُمَّ الشُّهَدَاءُ[1] قیامت کے روز تین لوگ شفاعت کریں گے؛ انبیا، پھر علما اور پھر شہدا۔

البتہ وہ عالم جو صفات کمال سے موصوف نہ ہو، دنیا کی محبت اور جاہ ومال کی محبت سے منہ پھیرنے والا نہ ہو، وہ عالم باللہ! اور شفاعت کا اہل نہیں ہوگا، ایسے لوگوں کو عالم دنیا کہتے ہیں اور عالم دنیا شیخ بننے بلکہ مرید بننے کے بھی لائق نہیں ہوتا، بلکہ معاذاللہ ایسے لوگ عذاب اور وبال والوں میں سے ہیں۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ بڑا بننا، اپنے آپ کو بلند ظاہر کرنا اور جاہ ومرتبہ کی طلب کرنا فرعون وقارون کا کام اور شداد ونمرود کی رسم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شیخ تواضع وانکساری والا ہو اور کسی کا دل دکھانے والا نہ ہو۔

دنیا مطلب کہ جملہ زینت باشد　　دنیا طلبی نہ آں نہ اینت باشد
بر روئے زمین، زیر زمیں و از بری　　تا زیر زمین روئے زینت باشد

(۱) دنیا مت طلب کرو؛ کیوں کہ یہ زنیت ہے، اگر تم طلب کروگے تو یہ نہ یہاں تمھاری ہوگی اور نہ وہاں۔

(۲) زمیں پر اپنی خواہشات کو دفن کردو، تاکہ زمین کے نیچے تمھیں زمین مل سکے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ خود کو کوئی چیز خیال کرنا خود کو ناچیز کرنا ہے۔ اس فقیر کے پیر دست گیر حضرت شاہ مینا بارہا یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

ساقی بیار بادہ کہ نزدیک عارفاں　　مے خوارہ بہ ز زاہد معجب ہزار بار

(ساقی! شراب لاؤ کہ عارفوں کے نزدیک ایک شرابی، عجب میں گرفتار زاہد سے ہزار درجے بہتر ہے۔)

---

(۱) سنن ابن ماجہ (۴۳۱۳) بیہقی/شعب الایمان (۱۵۸۰) مسند بزار (۳۷۲)

اولیا کی شناخت مشکل ہے

رئیس درویشاں محتسب عارفاں خواجہ قوام الدین عباسی لکھنوی فرماتے ہیں: یہ حضرات ہدایت سبحانی کے قصر پر متمکّن اور عنایت ربانی کے منظور نظر ہیں۔ یہ شاہ کے خلوت خانے کے ہم نشیں ہیں اور بارگاہ الٰہی کے محبوبین ہیں۔ چوں کہ اولیاء اللہ قصر الٰہی کے خلوت نشیں ہیں، اس لیے اس نے ان کے حال باکمال پر غیرت کا نقاب ڈال دیا ہے، انھیں اپنے حرم سرائے عزت میں متمکّن فرمادیا، تاکہ غیروں کی نظر سے پوشیدہ رہیں۔ اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ لَا یَعْرِفُھُمْ سِوَائِیْ (۱) میرے اولیا میری قبائے عزت میں پوشیدہ ہیں، انھیں میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔

مشائخ کی عظمت

اے عزیز! ہر کوئی ان جواں مردوں کے احوال سے واقف نہیں ہوتا کہ یہ کیسی پرواز والے ہیں۔ یہ لوگ ذات رحمن کے عاشق ہیں، وجہ سبحان کے مشتاق ہیں، بارگاہ یزداں کے طالب ہیں، انھوں نے اپنے جسم وجان میں آگ لگادی ہے بارگاہِ الٰہی کے قلندر ہیں، معصوم دیوانے ہیں، بادشاہ کے شوریدہ سر ہیں۔

ان دیوانوں کا عجیب حال ہے، نہیں نہیں !! ان عقل والوں کا عجب کمال ہے کہ خم خانۂ الفت کی شرابِ عشق مشائخ کرام کی تلقین کے واسطے سے پی چکے ہیں اور اپنی آنکھوں کو غیر سے سی چکے ہیں۔

میرے عزیز! ان کے احوال و اعمال میں غور کرو تاکہ ان کے حال کا راز تم پر عیاں ہوجائے، یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی نیکی سراسر گناہ اور ان کی معصیت بے گناہ ہوا کرتی ہے۔ نہیں نہیں !! ان کی نیکی سراسر معصیت اور ان کی معصیت سراسر طاعت ہوتی ہے۔ ان کا گفتار سراپا کردار اور ان کا کردار سراسر گفتار، وہ غائب ہوتے ہوئے بھی حاضر ہوتے ہیں اور حاضر ہوتے ہوئے بھی غائب ہوتے ہیں۔ یہ کہنہ پوش بادشاہ اور کہنہ پوشان نوفروش ہیں۔

---

(۱) غزالی/احیاء علوم الدین، کتاب المحبۃ والشوق والانس والرضا (۳۵۷/۴)

شیخ رموز تربیت سے آشنا ہو

البتہ طریقت میں ضروری ہے کہ شیخ راہ الٰہی میں مختلف قسم کے علاج اور ہر مرید کے لائق مختلف قسم کے مجاہدات سے واقف ہو، تاکہ جس مرید کو جس مجاہدے کے لائق سمجھے اس کے ذریعے اس کی تربیت کرے اور مجاہدہ کروائے۔ اگر کوئی ریاضت سفلی کے لائق ہو تو اس سے ریاضت علوی نہ کروائے، کم کھانا، کم سونا، کم بولنا، لوگوں کے ساتھ کم ملنا اور ذکر میں لگے رہنا ریاضت سفلی ہے۔ خواطر و خطرات کی نفی اور پاس انفاس ریاضت علوی ہے؛ کیوں کہ فقیر کی عبادت خواطر کی نفی ہے اور مجاہدہ کرنے والوں کے اوپر یہ سب سے زیادہ شاق ہے۔

اس فقیر کے پیر دست گیر فرماتے ہیں:

بعض لوگوں نے ارشاد و تربیت میں طریقت کی مخالفت کا دروازہ کھول دیا ہے۔ وہ عمومی طور پر سلوک کی جانب توجہ کرنے والے ہر طالب علم کو ترک علم پر ابھارتے ہیں، وہ بے چارہ جو ابھی ابتدائی مرحلے میں ہے، اس کو نہ ابھی ابرار کا مقام حاصل ہوا اور نہ وہ سابقین و مقربین کے مرتبے پر فائز ہوا، اس کو ترک علم پر ابھارنا اس کے اوپر بھلائیوں کا دروازہ بند کر کے بطالت و بے کاری کی راہ کھولنا ہے۔ پھر دوسری مصیبت یہ ہے کہ یہ لوگ توبہ پر استقامت حاصل ہونے سے قبل ہی مریدوں کو غیر اللہ کے وجود کی نفی، فنافی اللہ اور تجرید توحید کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ بے چارے جن کو ابتدائے حال میں ابھی مقام ابرار کی خبر بھی نہیں مذکورہ ارشاد انھیں ضلالت و گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور وہ بالکلیہ کام سے رک جاتے ہیں، البتہ جو شیخ صاحب ملکیت، صاحب تصرف اور صاحب ولایت ہو اور وہ اپنی قوت ولایت سے ایک آن میں مرید کی ذات میں تمام باتیں پیدا کر سکتا ہے وہ سفلی اور علوی ریاضت کا ایک ساتھ حکم دے سکتا ہے، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایک آن میں حق تعالیٰ تک اس کی رسائی کرا دے، اس کو تشویش و تفرقہ کی حالت سے نکال کر اس کے اندر ذکر کا ذوق پیدا کر دے، اس طرح سے کہ اس کے دشمن اس کے زوال کی خواہش میں مر جائیں اور دوست اس کو محبت کے ساتھ قبول کر لیں۔

فائدہ:

شطحات کی تعریف اور اس کا حکم

جیسا کہ بعض بزرگوں نے حال وسکر اور وجد کے غلبے میں بعض کلمات کہے ہیں، ہم ان کو نہ قبول کریں گے اور نہ ان کو رد کریں گے، نہ ان کی تقلید کی جائے گی اور نہ ان کی تردید کی جائے گی۔ جیسا کہ شیخ ابن عربی نے کہا: أَنَا أَصْغَرُ مِنْ رَبِّي بِسَنَتَيْنِ (میں اپنے رب سے دو سال چھوٹا ہوں۔) خواجہ بایزید بسطامی کا قول ہے: سُبْحَانِي مَا أَعْظَمَ شَأْنِي (میرے لیے پاکی ہے، میری شان کتنی عظیم ہے!) منصور حلاج نے کہا: أَنَا الحَقُّ (میں حق ہوں) اسی طرح کسی صوفی کا قول ہے: لَيْسَ فِي جُبَّتِي سِوَى الله (میرے جبے میں سوائے اللہ کے کچھ نہیں ہے)

ان اقوال کا حکم یہ ہے کہ انھیں نہ قبول کیا جائے اور نہ رد کیا جائے۔ قبول اس لیے نہیں کیا جائے کہ انبیا کے سوا کوئی معصوم نہیں ہو سکتا ہے کہ اس مقام پر لغزش ہو گئی ہو، لہٰذا اس مقام پر قبول نہیں کیا جانا چاہیے؛ کیوں کہ باطل کو قبول کرنا دین کے لیے ضرر رساں ہے۔ ان اقوال کو رد بھی نہیں کیا جائے گا کیوں کہ یہ صاحبان معرفت کا قول ہے، ہو سکتا ہے کہ ان کی نظر ایسے معنی پر ہو جو دوسروں پر مخفی ہو، لہٰذا اس مقام پر رد کرنا ایک حق بات کو رد کرنا ہوگا اور حق کو رد کرنا بھی نقصان دہ ہے، لہٰذا زیادہ سلامتی اسی میں ہے کہ ایسا قول نہ قبول کیا جائے نہ رد، نہ اسے اخذ کیا جائے اور نہ اس پر مواخذہ کیا جائے، کیوں کہ ان اقوال کے دونوں پہلو میں اضطراب ہے، اس لیے ان کی مراد ہم انھیں کے حوالے کرتے ہیں، اسے وہی جانتے ہیں اور وہی سمجھتے ہیں۔

فائدہ: حضرت خضر سلطان المشائخ کی بارگاہ میں

پیر دست گیر قطب عالم حضرت شاہ مینا فرماتے تھے کہ مولانا ضیاء الدین سنامی کو حضرت شیخ نظام الدین اولیا قدس سرہ کے ساتھ سماع کی وجہ سے جور و جفا اور عداوت کا جو معاملہ تھا وہ تو مشہور ہے، البتہ ان دونوں حضرات کے مابین صلح واتفاق کا واقعہ یہ ہے کہ وہاں ایک مجرد صوفی رہتا تھا، جو روز وشب اپنے حجرے میں مشغول رہا کرتا تھا۔ اس کو کسی چیز کی حاجت نہیں تھی۔ ایک جولاہا ان کے قریب رہتا تھا، وہ افطار کے وقت کھانا پہنچا دیا کرتا۔ مولانا کو اس صوفی کے ساتھ عقیدت و محبت تھی۔ انھوں نے اس صوفی سے کہا کہ ایسی کوئی صورت ہے کہ خواجہ خضر سے ملاقات ہو جائے؟

اس صوفی نے کہا کہ جس دن حضرت نظام الدین اولیا کے یہاں سماع ہوتا ہے اس روز خواجہ خضر تشریف لاتے ہیں، وہ دربانی کرتے ہیں اور صوفیہ اور حاضرین کی جوتیوں کی نگہبانی کرتے ہیں۔

اس واقعے کے بعد مولانا کو حضرت سلطان المشائخ سے عقیدت ہو گئی، حضرت سے محبت والفت کا اظہار کرنے لگے اور پرانی عدوات ترک کر دی۔ [۱]

---

(۱) اس واقعے سے بظاہر حضرت خضر علیہ السلام کی اہانت کا شبہہ ہوتا ہے۔ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اس شبہے کے تین جوابات دیے ہیں، جو ملخصاً حسب ذیل ہیں:

جواب اول: اولیائے کرام قدست اسرارہم کو اس میں اختلاف ہے کہ یہ حضرت خضر جو اکثر اکابر سے ملاقی ہوتے ہیں آیا وہ خضر موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام ہیں جن کی نبوت میں اختلاف ہے اور صحابیت میں شبہہ نہیں، یا ہر دور [عہد] میں ایک ولی بنام خضر ہوتا ہے یعنی مناصب ولایت سے ایک عہدے کا نام خضر ہے کہ جو اس عہدے پر قائم ہو گا اسی نام سے پکارا جائے گا۔ صوفیہ کرام کی ایک عظیم جماعت اسی قول پر ہے۔

کیا ضروری ہے کہ عہد کرامت مہد حضرت سلطان الاولیاء محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خضر حضور سے افضل ہو بلکہ ممکن ہے کہ حضور کا خادم ہو۔ حضور کا لقب ساقِ عرش پر قطب الدین لکھا ہے اور یہ قطب اور غوث شی واحد ہے، نہ وہ قطب کہ ہر شہر ہر قریہ ہر لشکر کا جدا ہوتا ہے۔ غالباً اس لیے حضور کا نام سلطان المشائخ ہوا کہ قطب سلطان اولیائے دورہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور خادم کہ اپنے مخدوم کے مہمانوں کی خدمت کرے وہ در حقیقت مخدوم ہی کی خدمت ہے اور اس سے خادم کی کوئی اہانت نہیں ہوتی۔

جواب دوم: حکایت مذکورہ میں صرف ذکر نگہبانی ہے، یہ بیان نہیں کہ وہ حفاظت بطور خدمت تھی نہ حفاظت معنی خدمتگاری

خضر ملنے آگئے

پیر دست گیر یہ بھی فرماتے کہ ایک شخص حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی خدمت میں آیا، چند روز قیام کیا، مخدوم نے اس سے پوچھا کہ کوئی حاجت ہو تو بتاؤ، اس شخص نے کہا میری حاجت یہ ہے کہ خواجہ خضر سے ملاقات ہو جائے، حضرت مخدوم نے ایک مقام کا نام لیا جو دور تھا اور آپ نے فرمایا کہ وہاں ایک منشی رہتا ہے اور اس کے دروازے کے سامنے ایک مسجد ہے، اس مسجد میں خواجہ خضر روزانہ آتے ہیں، وہاں ملاقات ہو جائے گی، مخدوم نے حضرت خضر کا

میں متعیّن، باپ اپنے بچوں یا استاد اپنے شاگروں کو تعلیم شناوری کے لیے کہ سنت ہے اگر دریا میں بھیجے اور خود کنارے بیٹھا ان کے لباس و نعال کی حفاظت کرے، کوئی عاقل اسے خدمت گار نہ کہے گا بلکہ رحمت و شفقت و نوازش پرورش۔
جواب سوم: یہ دونوں جواب اہل ظاہر کے مدارک پر تھے ورنہ لسان حقائق کے طور پر معاملہ بالکل معکوس ہے۔ وہم کرنے والا اصطلاح قوم سے ناواقفی کے باعث کمال عظمت کو معاذ اللہ موجب اہانت گمان کرتا ہے اور اہل ظاہر پر انکار کلمات اہل اللہ میں اکثر بلا اسی دروازے سے آتی ہے۔ ان کی اصطلاح کو اپنے مفہوم پر حمل کرتے اور خطا میں گرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ:

هندیاں را اصطلاح هند مدح　　سندیاں را اصطلاح سند مدح
در حق او مدح در حق تو ذم　　در حق او شهد و در حق تو سم
در حق او درد و در حق تو خار　　در حق او نور و در حق تو نار
تو چه دانی زبان مرغاں را　　که نه دیدی گہ سلیماں را

محمد شاہ بادشاہ دہلی کے حضور مجمع علماء تھا بعض کلمات منسوبہ باولیاء پر رائے زنی ہو رہی تھی، ہر ایک اپنی سی کہتا اور اعتراض کرتا ایک صاحب کہ اس جماعت میں سب سے اعلم تھے خاموش تھے، بادشاہ نے عرض کی: آپ کچھ نہیں فرماتے، فرمایا: یہ سب صاحب میرے ایک سوال کا جواب دیں تو میں کچھ کہوں۔ سب ان عالم کی طرف متوجہ ہوئے، انہوں نے فرمایا: آپ حضرات بولی کتے کی سمجھتے ہیں؟ سب نے کہا: نہ، کہا بلی کی؟ کہا: نہ، کہا: سبحان اللہ تم مقر ہو کہ ارذل خلق اللہ کی بولی تم نہیں سمجھتے اولیاء کہ افضل خلق ہیں ان کا کلام کیونکر سمجھ لو گے۔
اب سنئے اصطلاح قوم میں نعلین، کونین کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنے بندے موسی علیہ السلام سے فرمایا: فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی اپنے دونوں جوتے اتار ڈالو کہ تم پاکیزہ جنگل طویٰ میں ہو۔ مفسر علام نظام الدین حسن بن محمد قمی غرائب القرآن ورغائب الفرقان معروف بتفسیر نیشاپوری میں اس آیہ کریمہ کی تاویل یعنی بطور اہل اشارات وحقائق میں فرماتے ہیں: اترک الالتفات الی الکونین انک واصل الی جناب القدس۔ یعنی نعلین سے دونوں جہان مراد ہیں، انہیں اتار ڈالو یعنی ان کی طرف التفات نہ کرو کہ تم بارگاہ قدس میں پہنچ گئے۔
لہٰذا سیدنا خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوت و مدد سے ان کی دنیا و آخرت کی یعنی بنیہ بشری و عقل تکلیفی کی حفاظت فرماتے تھے، کہئے یہ کمال عظمت ہے یا معاذ اللہ اہانت! (فتاویٰ رضویہ: ۳۰/۹۱-۸۵)

حلیہ اور شکل و صورت بھی اس کے سامنے بیان کیا۔ وہ شخص روانہ ہو گیا اور چند روز کے بعد وہاں پہنچ گیا۔ اس مسجد میں اسی حلیے میں خواجہ خضر لیٹے ہوئے تھے۔ اس نے ان کو پکڑ لیا اور عرض گزار ہوئے: حضرت خضر، اٹھیے! خواجہ خضر نے کہا: تم کو کیسے پتا چلا کہ میں خضر ہوں ؟ اس نے کہا: میں حضرت نظام الدین اولیا کا فرستادہ ہوں۔ خواجہ خضر نے کہا: اگر کوئی حاجت ہو تو کہو۔ اس شخص نے کہا کہ حاجت تو میں بعد میں بیان کروں گا، پہلے یہ بتائیں کہ آپ روزانہ اس مسجد میں کیوں آتے ہیں ؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہاں مسجد کے سامنے ایک منشی ہے، اس سے ملاقات کے لیے آتا ہوں اور میری ان سے ملاقات نہیں ہو پاتی۔

وہ شخص خواجہ خضر کو چھوڑ کر اس منشی کی طرف دوڑا، کیا دیکھتا ہے کہ وہ منشی بادشاہ کے پاس جانے کے لیے اپنی سواری پر سوار ہو رہا ہے۔ اس کے بغل میں بندگان الٰہی کی عرض داشتیں اور دوسرے بہت سے کاغذات رکھے ہوئے ہیں۔ اس منشی نے پوچھا: کیا بات ہے ؟ اگر کوئی حاجت ہو تو بتاؤ، اس نے کہا مجھے کوئی حاجت نہیں، تم یہ بتاؤ کہ خواجہ خضر تم سے ملاقات کے لیے آتے ہیں لیکن تم ملاقات کیوں نہیں کرتے ؟ منشی نے جواب دیا کہ ہاں ! مجھ کو معلوم ہے کہ خواجہ خضر آتے ہیں لیکن مجھے اتنی فرصت نہیں کہ میں ان سے ملاقات کر سکوں۔ اس نے کہا: تعجب ہے ! منشی نے جواب دیا کہ تعجب کی بات نہیں ہے، سنو ! میں ایک بادشاہ کا نوکر ہو گیا ہوں، اس کے لیے میں نے کوئی تنخواہ قبول نہیں کی ہے اور میں نے کہہ دیا ہے کہ جب میں بندگان خدا کا کام لے کر تمھارے پاس آؤں تو تم ان کا کام کر دو، یہی میری تنخواہ ہو گی، دیکھو میرے بغل میں بندگان الٰہی کی اتنی درخواستیں ہیں۔ میں کسی حاجت مند کی حاجت پوری کروں، یہ بہتر ہے یا میرا خواجہ خضر سے ملاقات کرنا بہتر ہے۔

فائدہ:

آٹھویں شرط: ترکِ اعتراض

آٹھویں شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے، مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے قبض وبسط، رنج و راحت، صحت و بیماری، کشادگی وتنگ دستی جوکچھ آئے اس پر راضی رہے، تسلیم ورضا کا پیکر بن جائے اور حق تعالیٰ سے روگردانی نہ کرے، چون وچرا میں نہ پڑے۔ لَا یُسأَلُ عَمَّا یَفعَلُ (مستقبل میں صادر ہونے والے اس کے احکام پر سوال نہیں ہوگا) پر ایمان رکھے اور لَا یُقَالُ عَمَّا فَعَلَ (نہ ماضی میں انجام پانے والے اس کے احکام پر کسی طرح کی گفتگو ہوسکتی ہے) کو بھی ذہن نشین رکھے۔

مرید کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ عطا وجفا پر تسلیم ورضا کا مظاہرہ کرے، تمام کاموں کو اللہ کے سپرد کردے اور اس پر توکل کرے، اللہ تعالیٰ پر بالکلیہ اعتراض نہ کرے، اگر اس کے رزق میں اللہ تعالیٰ کشادگی عطا فرمائے تو اس پر شکر کرے اور یہ یقین رکھے کہ بلاشبہ باسط اور کشادگی عطا فرمانے والا اللہ تعالی ہی ہے اور اگر اسے اللہ تعالیٰ قبض اور تنگی میں مبتلا کردے تب بھی شکر کرے، اس پر صبر کرے اور دم نہ مارے اور یہ یقین رکھے کہ بلاشبہہ قابض اور تنگی پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مناجات میں ایک بار عرض کی: مولیٰ! تیرے نزدیک مخلوق میں سب سے مبغوض وناپسندیدہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے مجھ پر تہمت لگائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: مولیٰ! تجھ پر کون تہمت لگا سکتا ہے؟ ارشادِ

ربانی ہوا: وہ شخص جو استخارہ کرتا ہے اور اپنے لیے امر خیر کو دریافت کرنا چاہتا ہے اور جس میں اس کی بھلائی ہے، میں اس کو ظاہر کرتا ہوں تو وہ اس کو اچھا نہیں لگتا اور وہ میرے فیصلے پر راضی نہیں رہتا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

سوال: مصیبت پر صبر کی صورت میں بندے کو درجات کیسے ملیں گے؟ کیوں کہ وہاں تو معاملہ اس کے اختیار سے باہر ہے، وہ مجبور ہے، وہ چاہے یا نہ چاہے، اس کو صبر کرنا ہی ہوگا، اور اگر مراد صبر سے یہ ہے کہ اس کا نفس مصیبت کو مکروہ اور ناپسند نہ سمجھتا ہو تو یہ بھی اختیار میں نہیں ہے۔

جواب: یہ بات صاف طور پر سمجھ لو کہ بندہ صابرین کے زمرے سے اس وقت نکلے گا جب وہ جزع و فزع کرنے لگے، گریبان پھاڑے، سینہ کوبی کرے اور حد سے زیادہ نالہ و شیون کرے۔ کہا گیا ہے کہ صبر جمیل یہ ہے کہ پتا نہ چل سکے کہ کس پر مصیبت اتری ہے، بالکل دوسروں کی طرح رہے، پہننے، کھانے، سونے جیسی عادتوں میں تبدیلی کے ذریعے غم کا اظہار نہ کرے اور اظہار غم کے ان تمام طریقوں سے بچے جن سے بچنا اس کے اختیار میں ہے، حق تعالیٰ کے فیصلے سے رضا کا مظاہرہ کرے، معمول کے مطابق زندگی گزارے اور یہ اعتقاد رکھے کہ حق تعالیٰ نے جو چیز اس سے لی ہے، وہ اس کے پاس بطور امانت رکھی ہوئی تھی جسے اس نے واپس لے لیا۔

حضرت ام سلیم کا واقعہ

رُمَیْصَا ام سلیم کے بارے میں آیا ہے کہ وہ بیان کرتی ہیں: میرا ایک لڑکا وفات پا گیا، اس وقت میرے شوہر ابو طلحہ موجود نہیں تھے۔ میں نے اٹھ کر اس کو چھپا دیا اور گھر کے ایک کونے میں رکھ دیا۔ جب ابو طلحہ آئے تو میں نے کھانا حاضر کیا اور وہ کھانا تناول کرنے لگے۔ انھوں نے پوچھا لڑکے کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا: الحمدُ للہِ! اچھے حال میں ہے۔ اس روز جب وہ واپس ہوئے تھے تو وہ رنجیدہ تھے، چنانچہ ان کی دل جوئی کے لیے اس سے بہتر کوئی وقت نہیں تھا، اس لیے میں نے خوب اچھی طرح سنگار کیا تاکہ وہ مجھ سے اپنی حاجت پوری کریں۔ پھر میں نے ان سے کہا: کیا آپ کو ہمارے پڑوسی پر تعجب نہیں ہے؟ انھوں نے کہا ان کو کیا ہوا؟ میں نے جواب دیا: ان کو ایک چیز بطور امانت دی گئی تھی جب ان سے وہ چیز واپس لے لی گئی تو انھوں نے آہ و فغاں شروع

کر دیا۔ میرے شوہر نے جواب دیا: انھوں نے برا کیا۔ میں نے کہا: یہ جو تمھارا لڑکا تھا، تم کو حق تعالیٰ نے اسے بطور امانت دیا تھا، اب اس نے اس کو واپس لے لیا ہے۔ ابو طلحہ نے اللہ کی حمد بیان کی اور إِنَّاللهِ وَإِنَّاإِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ صبح کو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْ لَيْلَتِهِمْ[1] (یا اللہ! ان کی اس رات میں برکت عطا فرما۔) راوی حدیث کہتے ہیں، اس دعا کی وجہ سے میں نے ان کی سات اولاد کو مسجد نبوی میں دیکھا، سب قرآن پڑھنے والے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا: رَأَيْتُنِيْ دَخَلْتُ الجَنَّةَ فَإِذَا أَنَا بِرُمَيْصَا اِمْرَأَةِ أَبِيْ طَلْحَةَ[2] میں نے خود کو جنت میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو اس وقت مجھے ابو طلحہ کی بیوی رمیصا نظر آئی۔

واضح رہے کہ دل کے غم زدہ ہونے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہونے کی وجہ سے کوئی شخص صابرین کے زمرے سے خارج نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہ تو بشریت کا تقاضا ہے اور جب تک موت نہ آجائے بشریت جدا نہیں ہوگی۔

مروی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ نے ہم کو اس سے منع فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ هٰذِه رَحْمَةٌ مِنَ اللهِ وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءِ[3] یہ تو حق تعالیٰ کی رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے رحم کرنے والے بندوں پر رحم فرماتا ہے۔

دل کے غم زدہ ہونے اور آنسو جاری ہونے کی وجہ سے بندہ مقام رضا سے بھی نہیں نکلتا؛ کیوں کہ جو شخص فصد کھلوانے کے لیے جاتا ہے، وہ اس عمل سے راضی ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود فصد کھلوانے کی وجہ سے وہ تکلیف میں ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ درد اگر بڑھ جائے

---

(۱) طبرانی/المعجم الکبیر (۳۱۱) ابونعیم/حلیۃ الاولیاء (۵۹/۲)

(۲) صحیح البخاری، کتاب اصحاب النبی ﷺ (۳۶۷۹) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ تعالی عنھم (۲۴۵۷)

(۳) صحیح البخاری، کتاب الجنائز (۱۲۸۴) صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب البکاء علی المیت (۹۲۳) لیکن روایتوں میں نبی کریم ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم کی جگہ حضرت زینب بنت نبی کے فرزند کی وفات کا ذکر ہے۔

تواس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

منقول ہے کہ ایک عارف نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: کون سا صبر زیادہ مشکل ہے؟ انھوں نے فرمایا: حق تعالیٰ کے کاموں پر صبر۔ اس نے کہا: نہیں! انھوں نے جواب دیا: اللہ کے لیے صبر۔ اس نے کہا: نہیں! انھوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ صبر۔ اس نے کہا: نہیں! حضرت شبلی نے پوچھا: پھر کون سا صبر مشکل ترین ہے؟ اس عارف نے کہا: حق تعالیٰ سے صبر۔ یہ سن کر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا نعرہ مارا کہ ہلاک ہونے کے قریب ہو گئے۔

کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صبر عنا (مشقت) ہے، اللہ تعالیٰ کے سبب صبر بقا ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ صبر وفا ہے اور اللہ تعالیٰ سے صبر جفا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

وَالصَّبْرُ فِيْ سَائِرِ الْأَشْيَاءِ مَحْمُوْد   الصَّبْرُ عَنْكَ فَمَذْمُوْمٌ عَوَاقِبُه

(تجھ سے صبر کا انجام مذموم ہے، اور بقیہ تمام چیزوں میں صبر محمود ہے۔

فائدہ: کاملین کا خوف

کاملین کا حال یہ ہے کہ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں مولیٰ تعالیٰ ان سے قطع تعلق نہ فرمالے۔ وہ یہ دعا کیا کرتے ہیں کہ یا اللہ! ہم سے قطع تعلق کا معاملہ نہ فرما، اس کے علاوہ تو جو معاملہ کرنا چاہے کرلے۔ ایک عارف کہتے ہیں:

من از تو ہیچ مرادی دگر نمی خواہم   ہمیں قدر بکنی کز خودم جدا نہ کنی

(میری تجھ سے کوئی اور التجا نہیں صرف اتنی سی التجا ہے کہ مجھ کو اپنی بارگاہ سے جدا نہ کرنا۔)

طالب حق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کوئی حزن و خوف عطا ہو تو اس پر اعتراض نہ کرے بلکہ اس سے راضی رہے۔ کیوں کہ حق تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ یَفْعَلُ مَایَشَاءُ وَلَایُبَالِیْ (وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور کسی کی پروا نہیں کرتا۔) مالک الملک اپنی ملکیت میں جس طرح چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔ کسی کو غم دیتا ہے، کسی کو خوف میں مبتلا کرتا ہے اور کسی کو امید بخشتا ہے۔ اَلإِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ ایمان امید و بیم کے درمیان ہے، جو ان دونوں سے خالی ہو وہ خسارے میں ہے۔

بندہ جب محبت عامہ سے نکل کر محبت خاصہ کی ابتدامیں قدم رکھتا ہے اس وقت وہ صاحب حال، صاحب قلب اور صاحب نفس لوامہ ہوجاتا ہے۔اس وقت باری باری قبض وبسط کی کیفیت وارد ہوتی رہتی ہے؛ کیوں کہ وہ بندہ محبت خاص کے اوائل کے قریب پہنچ گیا ہے اور مرتبۂ ایمان سے مرتبۂ ایقان کی طرف اور محبت عام سے محبت خاص کی جانب ترقی کرگیا ہے۔ حق تعالیٰ اس بندے کو کبھی قبض کی کیفیت میں رکھتا ہے اور کبھی بسط کی کیفیت میں۔

حاصل یہ کہ غلبۂ قلب اور صفت قلبی کے ظہور کے وقت بسط پایاجاتا ہے۔نفس جب تک نفس امارہ رہے گا اس وقت تک قبض وبسط کی کیفیت نہیں پیدا ہوگی اور نفس جب لوامہ ہو جائے گا، تواس وقت کبھی وہ غالب ہوگا اور کبھی مغلوب۔اس وقت سالک کے اندر غلبۂ نفس اور اس کی صفت کے ظہور کی وجہ سے قبض کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور غلبۂ وقت اور صفت قلبی کے ظہور کے سبب بسط کی کیفیت وارد ہوتی ہے۔

اصطلاحات صوفیہ میں لکھاہے:بسط مقام قلب میں ایسے ہی ہے جیسے مقام نفس میں رخاء (فراخی)، یہ ایک وارد ہونے والا حال ہے جو اشارتاً قبولیت، لطف ورحمت اورانسیت کا تقاضا کرتا ہے۔اس کے مقابلے میں قبض ہوتا ہے اور یہ ایسے ہی ہوتا جیسے مقام نفس میں خوف، رجا کے بالمقابل ہوتا ہے۔

مقام خفی میں بسط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو مخلوق کے ساتھ ظاہری طور پر بسط عطافرما دے اور خلق پر رحم فرماتے ہوئے باطنی طور سے اس کو قبض میں رکھے۔ حق تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو تمام اشیا کو محیط ہے، ہر شئے میں موثر ہے اور اس میں کوئی شئے اثر ڈالنے والی نہیں ہے۔

بعض عرفا کا قول ہے کہ قبض مکمل طور سے قبض اسی وقت ہوتا ہے جب نفس کی حرکت ہوتی ہے اوراپنی صفت میں اس کا ظہور ہوتا ہے اور یہ اس سالک کو پیش آتا ہے جس کے نفس میں ادب اوراعتدال نہیں ہوتا۔اہل دل سالکین کو کبھی بھی قبض کی کیفیت نہیں پیدا ہوتی، وہ ہمیشہ راحت وانسیت میں ہوتے ہیں۔اسی لیے کہا گیا ہے کہ بسط کی کیفیت میں افراط کی وجہ سے قبض کی کیفیت تھوڑی سی سزا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل دل سالک کے اوپر جب واردات الٰہی کا

نزول ہوتا ہے اوراس کی وجہ سے دل بہت زیادہ راحت اور خوشی پاتا ہے تواس وقت نفس چپکے سے اس میں سے اپنا حصہ لے لیتا ہے تاکہ جب واردات کا اثر نفس کی طرف پہنچے تووہ اپنی طبیعت وجبلت کے مطابق نافرمانی کرے اور بسط میں افراط سے کام لے، تاکہ بسط کی کیفیت اس نشاط کے مشابہ ہوجائے جو نفس کی جانب خود ہی سے ہوتا ہے۔اس وقت حق تعالیٰ اس کیفیت کے بالمقابل بطور سزا قبض کی کیفیت پیدا کردیتا ہے۔

یہ ساری باتیں معلوم ہوگئیں تواب یہ جان لو کہ سالک جب عالم قلب سے اوپر جاتا ہے اور قلب کے حجاب سے باہر نکلتا ہے کیوں کہ اہل قلب کو قلب کا وجود ہی حجاب ہوتا ہے، قلب کے نورانی وجود سے نجات پاجاتا ہے اور عالم فناوبقا تک پہنچ جاتا ہے تو قبض وبسط کی دونوں حالتیں اس کو اپنے قید میں نہیں لیتیں، حال اس کے اندر تصرف نہیں کرپاتا، اس وقت نہ قبض کی کیفیت ہوتی ہے اور نہ بسط کی۔

فارسی نے کہا ہے: محب پہلے قبض کی کیفیت پاتا ہے پھر بسط کی، پھر نہ قبض رہ جاتا ہے اور نہ بسط، اس لیے کہ قبض وبسط وجود کی حالت میں واقع ہوتے ہیں، فنا اور بقا کی حالت میں یہ کیفیتیں واقع نہیں ہوتیں۔

فائدہ: انس و ہیبت کی اقسام

انس و ہیبت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ انس و ہیبت جن کا ظہور فنا سے پہلے صفات جمال وجلال کے مطالعے سے ہوتا ہے۔ یہ مقام تلوین ہے۔

(۲) وہ انس و ہیبت جن کا ظہور فنا کے بعد تمکین اور بقا کے مقام میں، فنا سے گزر جانے کے بعد ذات کے مطالعے سے ہوتا ہے۔ یہ انس ذات اور ہیبت ذات کہلاتے ہیں۔ یہ ایک شریف اور عمدہ حالت ہے جو طہارت باطنی، صدق زہد، کمال تقویٰ سے باطن کی آراستگی، اسباب وعلائق سے قطع تعلق اور خواطر کو محو کرنے کے بعد سالک کو حاصل ہوتی ہے۔

خواجہ سہل فرماتے ہیں: مَنْ أَحَبَّ اللہَ فَهُوَ العَيْشُ وَمَنْ أَحَبَّ اللہَ فَلَاعَيْشَ لَہ (جس نے اللہ سے محبت کرلی اس کی زندگی بن بھی گئی اور بگڑ بھی گئی۔)

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے: فَهُوَ العَيْشُ (اس کی زندگی بن گئی) کے معنی یہ ہیں کہ اس کی زندگی خوش و خرم ہوجاتی ہے؛ کیوں کہ محب محبوب کی طرف سے آنے والی ہر شئے سے لذت حاصل کرتا ہے، خواہ وہ ناپسندیدہ ہو، یا پسندیدہ، اس کی طبیعت کو مرغوب ہو یا نامرغوب، اور لَا عَيْشَ لَہ (اس کی زندگی بگڑ گئی) کے معنی یہ ہیں کہ محب وصال اور وصول کا طالب ہوتا ہے اور اسے ہمیشہ قطع تعلق کا کھٹکا لگا رہتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں یقیناً وہ عیش و عشرت سے دور ہی رہے گا۔

زندگانی نتواں گفت حیاتی کہ مرا است　　زندہ آنست کہ با دوست وصالی دارد

(جو زندگی میں جی رہا ہوں اسے زندگی نہیں کہا جاسکتا، زندہ تو وہ ہے جس کو دوست کا وصال حاصل ہے۔)

فائدہ: محبت عام اور محبت خاص

واضح رہے کہ محبت کی دو قسمیں ہیں: (۱) محبت عام، (۲) محبت خاص، محبت عام، صفات کی محبت ہے اور محبت خاص، ذات کی محبت ہے۔ محبت ذات وہبی ہوتی ہے اور محبت صفات کسبی۔ جس چیز کا تعلق وہب و عطا سے ہوتا ہے اس کا بندے کے کسب و عمل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور جس کا تعلق کسب و عمل سے ہے، اس کے حصول و اکتساب کا طریقہ یہ ہے کہ ماسویٰ اللہ سے قلب کو خالی کرکے ہمیشہ اس کے ذکر میں رہا جائے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ محبت کے باب میں عمدہ احوال میں سے ایک حال شوق ہے جو محبت کے وقت پیدا ہوتا ہے۔ محبت کے بعد شوق کا پیدا ہونا بھی عطائے الٰہی سے ہے۔ اس میں بھی کسب کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ شوق کا تعلق محبت سے ایسے ہی ہے جیسے زہد کا تعلق توبہ سے۔ جب توبہ قرار پاجاتی ہے تو زہد ظاہر ہوجاتا ہے اور جب محبت قرار پاجاتی ہے تو شوق ظاہر ہوجاتا ہے۔

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے: رب تعالیٰ کی محبت تمام درجات واحوال میں سب

سے بلند درجہ ہے۔ محبت الٰہی کو پانے کے بعد شوق وانس جیسے ثمرات محبت کے علاوہ کوئی حال نہیں ہے اور محبت سے پہلے کوئی مقام نہیں ہے؛کیوں کہ اس سے پہلے توبہ، ورع، زہد جو بھی ہے وہ سب محبت کے مقدمات ہیں۔

شیخ ابوعثمان نے فرمایا: شوق محبت کا ثمرہ ہے، جو اللہ سے محبت رکھتا ہے وہ اس کی ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے۔

نصرآبادی نے کہا: ساری مخلوق کے لیے مقام شوق ہے، مقام اشتیاق نہیں ہے۔ جو مقام اشتیاق میں داخل ہوگیا، وہ اس میں گم ہوگیا۔ اس کا نہ کوئی نام ونشان رہ جاتا ہے اور نہ اس کے لیے کوئی سکون وقرار باقی رہتا ہے۔(۱)

اس سے اشارہ ملتا ہے کہ اشتیاق، شوق سے اعلیٰ مقام ہے؛کیوں کہ شوق میں ملاقات سے سکون مل جاتا ہے لیکن اشتیاق کی صورت میں ملاقات سے سکون نہیں ملتا، بلکہ مزید بے قراری پیدا ہوجاتی ہے۔

کسی بزرگ سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے ایک صدیق پر الہام کیا کہ میرے کچھ ایسے بندے ہیں جو مجھ سے محبت رکھتے ہیں اور میں ان سے محبت رکھتا ہوں، وہ میرے مشتاق ہیں اور میں ان کا مشتاق ہوں، وہ مجھ کو یاد کرتے ہیں اور میں ان کو یاد کرتا ہوں، وہ مجھ کو دیکھتے ہیں اور میں ان کی جانب نظر رحمت فرماتا ہوں، اگر تم ان کے طریقے پر چلوگے تو میں تم کو محبوب بنالوں گا اور ان کی راہ سے ہٹوگے تو میں تم کو دشمن بنالوں گا۔ اس صدیق نے عرض کی: مولی! ان کی پہچان کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ دن کا اس قدر خیال رکھتے ہیں اور اس کی اس قدر حفاظت کرتے ہیں جیسے مہربان چرواہا اپنی بکریوں کی حفاظت کرتا ہے اور غروب آفتاب کے اس طرح خواہاں رہتے ہیں جیسے غروب آفتاب کے وقت پرندے اپنے آشیانوں کے لیے مشتاق ہوتے ہیں۔ جب رات اپنی تاریکی پھیلا دیتی ہے، بستر لگ جاتے ہیں، مسہریاں آراستہ ہوجاتی ہیں اور ہر

---

(۱) وصل کی شب ہائے بے حد دل کی بے تابی رہی — تشنگی ہی تشنگی تھی گرچہ سیرابی رہی

(عارفِ باللہ سیدی شیخ احسان اللہ صفوی محمدی)

دوست اپنے دوست کے ساتھ خلوت میں چلا جاتا ہے، اس وقت میرے یہ بندے میرے لیے اٹھتے ہیں، اپنا چہرہ زمیں پر رکھ دیتے ہیں اور مجھ سے مناجات کرتے ہیں اور مجھ کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کچھ فریاد وگریہ کرتے ہیں، کچھ حسرت ونالہ میں کھو جاتے ہیں، کچھ قیام وقعود کی حالت میں ہوتے ہیں تو کچھ رکوع و سجود میں، وہ میرے لیے جو مشقتیں برداشت کرتے ہیں اسے میں دیکھتا ہوں اور میری محبت میں جو نالہ وفریاد کرتے ہیں اسے میں سنتا ہوں۔ تین چیزیں میں سب سے پہلے ان کو عطا کرتا ہوں۔(۱) اپنا نور ان کے قلب میں ڈال دیتا ہوں، تاکہ وہ میرے بارے میں بتائیں جس طرح میں ان کے بارے میں بتا رہا ہوں۔(۲) آسمان وزمین اور ان کی تمام چیزیں ان کے ترازو میں ڈال دی جاتی ہیں تب بھی میں ان چیزوں کو ان کے لیے تھوڑا قرار دیتا ہوں۔(۳) میں اپنی توجہ ان کی طرف کر دیتا ہوں اور جس کی طرف میں اپنی توجہ کر دوں، اس کے بارے میں تمھیں کیا پتا اور میں اسے کیا عطا کروں گا کسی کو کیا معلوم؟

ابویعقوب سوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بندے کو جتنا بھی قرب حاصل ہو جائے لیکن اگر اس کو قرب کا علم موجود ہے تو ابھی قرب حاصل نہیں ہوا؛ کیوں کہ جب تک قرب کا علم فنا نہ ہو جائے، قرب نہیں ہے۔

فائدہ: معیت کا مفہوم

یہ بات ذہن نشیں رہے کہ بندوں کے ساتھ اللہ کی معیت کے سلسلے میں علمائے ظاہر کا عقیدہ یہ ہے کہ چوں کہ وہ ہمارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے، ہمارا ظاہر و باطن اس کی نظر میں ہے۔ اس معنی میں وہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس کے برخلاف صوفیہ کا کہنا ہے کہ کوئی چیز اگر کسی چیز کے ساتھ ہو تو اُسے معیت کہتے ہیں۔ البتہ مخلوق کے ساتھ اور دنیا کے ہر ذرے کے ساتھ اس کا ہونا ایسے نہیں ہے جیسے ایک جسم دوسرے جسم کے ساتھ ہوتا ہے، نہ ایسے ہے جیسے ایک عرض دوسرے عرض کے ساتھ ہوتا ہے اور نہ ایسے جیسے جوہر؛ جسم اور عرض کے ساتھ ہوتا ہے؛ کیوں کہ حق تعالیٰ نہ جسم ہے، نہ جوہر اور نہ عرض، بلکہ وہ ان تینوں اجناس کا خالق ہے۔ جسم، جوہر اور عرض کی ایک دوسرے کے

ساتھ معیت ایک دوسرے کی قربت سے ہوتی ہے، یا ایک دوسرے کو مس کرنے سے یا اتصال سے ہوتی ہے، جب کہ اللہ جل شانہ ایسی قربت سے، مس ہونے سے اور اتصال سے منزہ ہے۔ اس کی ذات ان باتوں سے بلند اور پاک ہے۔ اس لیے اس کی معیت مذکورہ تینوں صورتوں سے بالاتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معیت ایک چوتھی قسم کے ساتھ ہوتی ہے جس کی کیفیت کا ادراک عقل سے نہیں ہو سکتا، لیکن چوں کہ اللہ نے اپنے کلام میں اس کا ذکر فرمایا ہے لہٰذا اس کا اعتقاد رکھا جائے گا کہ وہ ہمارے ساتھ ہے۔

مذہب صوفیہ کے مطابق کمال تنزیہ و تقدیس کے ساتھ اور مکان و کیف کے تصور کے بغیر تمام ذرات عالم کو اس کی معیت ذاتی حاصل ہے۔ صوفیہ فرماتے ہیں کہ عالم میں اس کی معیت کی مثال ایسی ہے، جیسے روح بدن کے ساتھ ہے، کہ روح نہ جسم کے اندر ہے اور نہ جسم کے باہر، نہ وہ جسم سے متّصل ہے اور نہ اس سے منفصل، ان سب کے باوجود اس قالب خاکی کا کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ روح بذاتہ موجود نہ ہو۔

فائدہ: توبہ فرض ہے

اے عزیز! بندے کو ہر حال میں توبہ کرنا چاہیے۔ توبہ کرنا تمام مومنوں پر فرض ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَتُوبُوٓا إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (النور: ۳۱) (اے ایمان والو! تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ فلاح پاجاؤ۔) اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے: تُوبُوٓا إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا (التحریم: ۸) (اللہ کی بارگاہ میں توبۂ نصوح کرو۔)

توبۂ نصوح کی حقیقت اور علامت

توبۂ نصوح دل کا عمل ہے۔ توبۂ نصوح یہ ہے کہ دل کو گناہوں سے پاک وصاف کرلیا جائے۔ توبۂ نصوح کی علامت یہ ہے کہ معصیت کو دشوار اور ناپسند جانے اور جس طرح دودھ پستان میں نہیں لوٹتا اسی طرح بندہ گناہوں کی طرف نہ لوٹے۔ گناہ کی لذت کا خیال بالکل ہی دل میں نہ آئے۔

اسی لیے علما نے فرمایا ہے کہ توبہ کی تین قسمیں ہیں: (۱) اصح (۲) صحیح (۳) اور فاسد۔ توبۂ نصوح توبۂ اصح ہے اور توبۂ صحیح یہ ہے کہ گناہ کرے پھر فوراً صدق دل کے ساتھ توبہ کر لے، اگرچہ پھر اس گناہ میں ملوث ہو جائے اور توبۂ فاسد یہ ہے کہ زبان سے توبہ کرے اور گناہ کی لذت دل میں باقی ہو۔

توبہ کی تعریف میں دو اقوال

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: التَّوْبَةُ أَن لَاتَنْسٰی ذَنْبَكَ (توبہ یہ ہے کہ تم اپنے گناہ کو فراموش نہ کرو) اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: التَّوْبَةُ أَنْ تَنْسٰی ذَنْبَكَ (توبہ یہ ہے کہ تم اپنا گناہ فراموش کر جاؤ، یعنی اس کا خیال بھی دل سے نکال دو۔)

مخدوم شاہ مینا کی تطبیق

پیر دست گیر قطب عالم شیخ مینا قدس اللہ روحہ نے فرمایا: دونوں اقوال میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن در حقیقت ایسا نہیں ہے، اس لیے کہ حضرت سری سقطی نے مبتدی کے حق میں یہ بات فرمائی ہے کہ مبتدی کو چاہیے کہ وہ کسی بھی لمحہ گناہ کو فراموش نہ کرے تاکہ اس کی نیکیوں میں عجب و خود پسندی شامل نہ ہونے پائے اور حضرت جنید بغدادی کا فرمان منتہی اور کامل کے حق میں ہے۔ جب کسی کو حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انتہائی مقام پر پہنچا دے تو اسے چاہیے کہ گناہ کو فراموش کر دے۔ اس لیے کہ ذِكْرُ الجَفَاءِ فِي حَالَةِ الوَفَاءِ جَفَاءٌ وفا کی حالت میں جفا کی یاد بھی جفا ہے۔

قبولیت توبہ کی شرط

اے عزیز! تمھاری توبہ اس وقت قابل قبول ہوگی جب تم صدق دل اور مکمل خشوع و خضوع کے ساتھ توبہ کروگے، اپنے تمام اعضا کو راہ حق میں ڈال دوگے اور رضائے الٰہی کی خلاف ورزی سے باز رکھوگے، اپنی آنکھوں کو ان چیزوں سے باز رکھوگے جن کا دیکھنا ممنوع ہے، اپنے ہاتھ سے ان چیزوں کو نہیں پکڑوگے جن کا پکڑنا شرعاً درست نہیں، اپنے پاؤں کو وہاں لے

جانے سے روکو گے جہاں جانا درست نہیں، کانوں سے ایسی باتیں نہیں سنو گے جن کے سننے کی اجازت نہیں اور ہمیشہ اسی راہ پر استقامت کے ساتھ گام زن رہو گے، تب جاکر اس راہ کی معرفت حاصل ہوگی اور گوہر مراد پاؤ گے اور اگر تم کبھی توبہ کرو گے اور کبھی خود کو گناہ میں ملوث کرو گے تو شریعت تو تمھاری توبہ قبول کرلے گی لیکن گوہر مراد ہاتھ نہیں آئے گا اور ایمان کامل نہیں حاصل ہوگا۔ جب تک تمھاری توبہ کا قبلہ اور اس کی سمت درست نہیں ہوگا، تب تک صلح وآشتی اور قرب الٰہی کا مقام حاصل نہیں ہوگا۔ ع

گر تو یک رنگ شوی، جائے مبارک باداست (اگر تو یک رنگ ہو جاتا ہے تو یہ تیرا بہت مبارک قدم ہوگا)

اے عزیز! جب تک توبہ کا دروازہ بند نہیں ہو جاتا یا جان حلق تک نہیں پہنچ جاتی تب تک توبہ کا وقت باقی ہے۔ عَجِّلُوا الصَّلَاةَ قَبْلَ الفَوتِ وَعَجِّلُوا التَّوبَۃَ قَبْلَ المَوتِ (نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے نماز پڑھو اور موت سے قبل جلد از جلد توبہ کرلو۔) اس فقیر کے پیر دست گیر بارہا یہ شعر پڑھا کرتے:

بشتاب گر تو عاقلی، دریاب گر صاحب دلی ۔۔۔ باشد کہ نتواں یافتن دیگر چنیں ایام را

(اگر تم صاحب عقل ہو تو دوڑو اور اگر صاحب دل ہو تو جلدی پہنچو، ہوسکتا ہے یہ ایام دوبارہ نہ ملیں۔)

خزانۂ جلالی میں ہے کہ توبۂ استقامت کی پہچان یہ ہے کہ فسق وفجور کے زمانے میں جو دوست رہے ہوں ان سے ترک تعلق کرلے اور جس مقام پر اس نے فسق وفجور کا ارتکاب کیا ہو وہاں نہ جائے۔

فضولیات سے گریز

مرید مبتدی کو چاہیے کہ فضول باتیں سننے، فضول باتیں بولنے اور دوسری تمام فضولیات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: إِنَّ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ المَرْءِ تَرْكُهُ

مَالَا يَعْنِيْهِ[۱] (انسان کے حسن اسلام کی علامت یہ بھی ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے۔)

لایعنی کا معنی و مفہوم

پیر دست گیر قطب عالم حضرت شاہ مینا قدس سرہٗ نے فرمایا: بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ فرض، واجب، سنت اور مستحب میں یاران طریقت کی پاس داری اور ان کی محبت کے علاوہ جو کچھ ہے سب لایعنی ہے۔ بعض مشائخ فرماتے ہیں: ہر وہ قول و فعل جو بغیر اخلاص کے ہو وہ لایعنی ہے۔ بعض فرماتے ہیں: ہر وہ چیز جو اللہ سے غافل کر دے وہ لایعنی ہے، چاہے وہ خیر ہو یا شر۔[۲]

بادشاہوں اور دنیادار علما و فقرا کی صحبت سے پرہیز

مرید مبتدی کو یہ بھی چاہیے کہ دنیاداروں سے تعلق نہ رکھے، اس لیے کہ ان کا تعلق زہر قاتل ہے۔

فائدہ: ارکان توبہ

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اہل سنت کے نزدیک توبہ کے تین ارکان ہیں:

(۱) فوری طور پر گناہ ترک کر دے۔ (۲) جو مخالف شرع اور ناپسندیدہ کام اس نے کیے ہیں ان پر شرمندہ ہو۔ (۳) مستقبل میں اس گناہ کا قصد و ارادہ نہ ہو۔ جب یہ تین ارکان پالیے جائیں گے تو توبہ درست ہوگی۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ[۳] (پشیمانی توبہ ہے) کے معنی یہ ہیں کہ اَلنَّدَمُ مِنْ مُعَظَّمِ أَرکانِ التَّوبَةِ ندامت توبہ کے ارکان میں ایک بڑا رکن ہے، یہ ایسے ہی ہے جیساکہ: اَلحَجُّ عَرَفَةُ[۴] حج عرفہ کا نام ہے) أي مُعَظَّمُ أَرکانِ الحَجِّ یعنی عرفہ حج کے عظیم ارکان میں سے ہے۔

---

(۱) سنن الترمذي، کتاب الزہد، باب: ۱۱ (۲۳۱۷)، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب کف اللسان فی الفتنۃ (۳۹۷۶)

(۲) یعنی بظاہر، ورنہ لایعنی چیز خیر نہیں ہو سکتی اور نہ خیر لایعنی ہو سکتا ہے۔

(۳) سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر التوبہ (۴۲۵۲)

(۴) سنن الترمذی، أبواب الحج، باب ماجاء فیمن أدرک الامام...، (۸۸۹) سنن نسائی، کتاب مناسک الحج (۳۰۱۶)

محققین فرماتے ہیں کہ صرف ندامت کافی ہے؛کیوں کہ ندامت ان دونوں کے بغیر پائی ہی نہیں جائے گی۔ اس لیے کہ اصرار گناہ کے ساتھ ندامت یا آئندہ گناہ کرنے کے عزم کے ساتھ ندامت کا پایا جانا محال ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ توبہ ظاہر میں ہوتی ہے اور انابت باطن میں ۔ مفہوم یہ ہے کہ توبہ ظاہری افعال میں سے ہے اور وہ یہ ہے کہ بندہ معصیت سے نکل کر طاعت میں آجائے اور انابت باطن میں ہوتی ہے اور یہ اس کے اور اس کے رب تعالیٰ کے مابین کا معاملہ ہے۔

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ توبہ خوف کا نام ہے اور انابت رغبت کا نام ہے، خوف کا تعلق عذاب اور جہنم کی سزا سے ہوتا ہے اور رغبت کا تعلق نعمت اور جنت کے عیش و آرام کی امید سے۔

خواجہ ابوعلی دقاق فرماتے ہیں کہ توبہ کے تین درجے ہیں: پہلا درجہ توبہ ہے، دوسرا درجہ انابت ہے، تیسرا اور آخری درجہ اوبہ [1] ہے۔ توبہ ابتدا ہے، انابت درمیان ہے اور اوبہ انتہا ہے۔ یہاں توبہ کو ابتدا میں، انابت کو بیچ میں اور اوبہ کو آخر میں رکھا گیا ہے، جو سزا کے خوف سے توبہ کرتا ہے ہ مقام توبہ پر ہے، جو ثواب کی لالچ میں توبہ کرتا ہے وہ مقام انابت پر ہے اور جو شخص ثواب کی رغبت اور عقاب کے خوف کے بغیر، صرف حکم الٰہی بجالانے کے لیے توبہ کرتا ہے وہ مقام اوبہ پر ہے۔

فائدہ: ورع کی قسمیں

ورع کی چار قسمیں ہیں: (۱) ورع عدول، (۲) ورع صالحین، (۳) ورع متقین، (۴) ورع صدیقین۔ چوں کہ ہر شخص کے حال و مقام کے لحاظ سے کسی کام کا کرنا محذور و ممنوع ہوتا ہے، لہٰذا یقینی طور پر اس کے ترک کا تعلق بھی ورع سے ہوگا۔

ورع عدول ان محظورات کا ترک ہے جو فتوے کے مطابق حرام ہوں، ان کے ارتکاب سے فسق لازم آئے گا اور مرتکب کی عدالت باقی نہ رہ سکے گی۔ وہ ارتکاب معصیت کہلائے گا اور ایسا مرتکب مستحق عذاب ٹھہرے گا۔

---

(۱) واپسی، حق کی طرف

ورع صالحین یہ ہے کہ اس سے بھی باز رہا جائے جس میں حرمت کا احتمال نکل رہا ہو، لیکن مفتی ظاہر پر عمل کرتے ہوئے اس کے کھانے کی رخصت دے دے۔ ایسی صورت میں ترک کر دینا صالحین کا ورع ہے، مثلاً ایک شکار کو زخم لگا اور پھر وہ نظر سے غائب ہو گیا بعد میں وہ مردہ ملا تو اس کو نہیں کھانا چاہیے؛ کیوں کہ اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ گرنے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اس کی موت ہوئی ہو، شکاری کے زخم سے اس کی موت نہ ہوئی ہو۔ اس میں مذہب مختار یہ ہے کہ وہ شکار حرام نہیں ہے لیکن اس کو نہ کھانا صالحین کا ورع ہے۔ البتہ جس چیز میں حرمت کا احتمال نہ ہو اس کو چھوڑ دینا وسوسہ والوں کا ورع ہے- مثلاً کوئی شخص اس شبہے کی وجہ سے شکار نہ کرے کہ ممکن ہے کہ وہ شکار کسی آدمی کے پاس سے بھاگ کر آیا ہو جو اس کا مالک ہو۔

متقیوں کا ورع یہ ہے کہ فتویٰ کے مطابق حرام نہ ہو، اس کے حلال ہونے میں بھی کوئی شبہہ نہ ہو، لیکن اس بات کا خوف ہو کہ اس کے ذریعے وہ کسی حرام میں گرفتار ہو جائے گا، گویا کسی ایسی چیز کو جس میں کوئی خوف نہ ہو، کسی دوسری ایسی چیز کی وجہ سے ترک کرنا جس میں خوف ہو، یہ متقیوں کا ورع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَايَبْلُغُ العَبْدُ دَرَجَةَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَالَابَأسَ بِهِ مَخَافَةَ مَابِهِ بَأسٌ [1] (بندہ اس وقت تک متقین کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک وہ بے حرج چیز کو اس چیز کی وجہ سے نہ چھوڑ دے جس میں حرج ہے۔)

وہ واقعہ بھی اسی سے متعلق ہے جو شیخ علی معبد سے منقول ہے کہ میں ایک گھر میں کرائے پر تھا اور خط لکھا کرتا تھا۔ میں نے دیوار کی مٹی سے روشنائی کو خشک کرنا چاہا، دل نے کہا کہ دیوار میری ملکیت نہیں ہے لیکن میرے نفس نے کہا دیوار کی مٹی کتنی سی ہوگی! بالآخر وہ خاک میں نے لے لی۔ جب میں رات کو سویا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے: اے علی! کل ان لوگوں کو پتا چلے گا جو یہ کہتے ہیں کہ دیوار کی مٹی کتنی سی ہوگی! مطلب یہ ہے کہ کل ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کیسے ان کا مرتبہ کم ہو گیا؛ کیوں کہ مقام تقوی ایسا مقام ہے جو متقیوں کے ورع کے

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض (۲۴۵۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب الورع (۴۲۱۵)

فوت ہو جانے کی وجہ سے خود بھی فوت ہو جاتا ہے۔

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے کہ مخدوم قوام الحق عباسی قدس اللہ سرہ کے ایک کاتب تھے جن کا نام مولانا احمد تھا۔ وہ حضرت مخدوم کے کتب خانے میں اجرت پر کتابت کیا کرتے تھے۔ جب رات ہو جاتی تو حضرت مخدوم سے تیل مانگ لیتے اور چراغ کی روشنی میں لکھا کرتے لیکن جب کھانا حاضر ہوتا تو اس چراغ کی روشنی میں کھانا نہیں کھاتے، چراغ بجھا دیتے، اس کے بعد کھانا کھاتے۔ کھانے سے فارغ ہو کر پھر چراغ روشن کرتے اور لکھنے میں مشغول ہو جاتے۔

ورع کی چوتھی قسم یہ ہے کہ جسے تناول کرنے سے گریز کیا جا رہا ہو، اس چیز میں اصلاً کوئی خوف نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی دوسری خوف والی چیز کی طرف لے جانے والی ہو، لیکن اس کا تناول کرنا نہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور نہ اس نیت سے ہو کہ وہ عبادت الٰہی میں قوت عطا کرے گی، اس وجہ سے تناول نہ کرنا، یا اس وجہ سے اس کھانے سے ہاتھ کھینچ لینا کہ اس کو تناول کرنے سے آسانی پیدا ہوگی اور اس کے سبب کسی مکروہ یا معصیت کی راہ کھل جائے گی۔ یہ صدیقین کا ورع ہے۔

امام بشر رحمۃ اللہ علیہ بادشاہوں کی کھدوائی ہوئی نہروں سے پانی نہیں پیتے۔ فرمایا کرتے کہ یہ نہریں مزدوروں کی محنت سے کھودی گئی ہیں اور ان بادشاہوں نے ان مزدوروں کو حرام مزدوری دی ہوگی۔

اے عزیز! جب تمھیں حقیقت معلوم ہو گئی تو اب اختیار کی لگام تمھارے ہاتھ میں ہے، تم چاہو تو زیادہ سے زیادہ احتیاط کرو اور اگر چاہو تو آسانی اختیار کرو، رخصت مت طلب کرو کہ کل اختیار کا ثمرہ تمھارے سامنے ہوگا اور آسانی کا انجام بھی تمھارے سامنے آئے گا۔ عقل و دین کا مطالبہ یہ ہے کہ رخصت تلاش کرنے والے مت بنو۔ احتیاط کی کوشش کرو۔ سنو! خواجہ سنائی فرماتے ہیں:

فقہ نہ بود گرد رخصت گشتن از تر دامنی ۔۔۔ فقہ چہ بود عقل و جان و دیں بساماں داشتن

(تردامنی سے رخصت اختیار کرنا فقہ نہیں ہے، عقل اور جان و دین کی حفاظت ہی اصل فقہ ہے۔)

اے عزیز! خلاصۂ کلام کے طور پر زمانے کے لحاظ سے یہ کم ہمتی کی بات کہتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے ورع عدول، یعنی جو فتوی کے مطابق حرام ہے کو ضرور اختیار کرنا؛ کیوں کہ اگر تم اس

سے بھی عدول کروگے تو خود کو اپنے ہی ہاتھوں رسوا کروگے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔ البتہ اگر ہمت کر سکو اور عقل و علم سے کام لو اور صالحین، متقین اور صدیقین کا ورع اختیار کرو تو پھر اس سعادت و دولت کا کیا کہنا کہ اس سعادت و دولت پر تو دونوں جہاں تم پر قربان؛ کیوں کہ عمر عزیز، عقل ناصح اور علم نافع کا فائدہ تو یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی میں داخل ہو جاؤ اور خواہشات سے باز آ جاؤ، ورنہ قیامت کے روز اپنے بے دلیل دعوے کی وجہ سے اس کی بارگاہ میں شرمسار حاضر ہوگے۔(۱)

ترا تیغے بکف دادند تا غزوے کنی بر تن　　　تو از وے چون سپر سازی نمانی زندہ

(تمھارے ہاتھ میں تلوار دی گئی تاکہ تم سرفروشانہ جہاد کرو، تم جب اس کو ڈھال اور سپر بنالوگے تو تم میدان کارزار میں زندہ نہیں رہ پاؤگے۔)(۲)

ہر وہ دل جو غیر حق تعالیٰ میں مشغول ہو وہ ویرانہ ہے۔ ویران گھر ہمارے اور تمھارے لائق نہیں ہوتا تو پھر حق تعالیٰ کے لائق کیسے ہو سکتا ہے۔

ہرچہ در دنیا خیالت آں بود　　　تا ابد راہ وصالت آں بود

(تم دنیا میں جس کے خیال میں گم ہوگے ابد تک تمھارے وصال کی راہ اسی کی طرف جائے گی۔)

اے برادر! غیر کے ساتھ مشغولی پر ہزار بار افسوس! صرف ایک کو نظر میں رکھو، دل جو اس کی نظر کا مقام ہے اس کو کہاں بھٹکائے پھرتے ہو اور کہاں رکھتے ہو۔ ع

دریغ باشد یوسف بہر چہ بفروشی　(یوسف کی بیع بہر قیمت گھاٹے کا سودا ہے)

حضرت رابعہ بصریہ مناجات کرتیں اور کہتیں کہ تو نے دنیا کا جو حصہ میرے لیے لکھ دیا ہے وہ اپنے دشمنوں کو دے دے اور آخرت کا جو حصہ تو نے رابعہ کے لیے رکھا ہے وہ اپنے دوستوں کو دے دے۔ دنیا میں تیرا غم ہی رابعہ کے لیے غم گسار ہے اور آخرت میں تیرا نام ہی یادگار ہے۔

---

(۱) خود حضرت مخدوم صاحب قدس اللہ روحہ کی عالی ہمتی کا واقعہ اس کتاب کے مقدمہ میں مذکور ہے۔ سلطان سکندر لودھی کی دعوت پر اس کے یہاں دوران قیام ۱۲ روز بغیر کھائے پیے رہے۔ وہاں تفصیل ملاحظہ ہو۔

(۲) ھَیجا: جنگ، عربی زبان کا لفظ ہے

فائدہ:

زہد کا بیان

وہ زہد جس میں بندے کو قدرت ہے، اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) دنیا کی جو چیز اس کے پاس نہ ہو اُس کی طلب ترک کر دے۔

(۲) دنیا کی جو چیز اس کے پاس ہو اس کو دور کر دے۔

(۳) باطن میں جو دنیا کی طلب ہو اس کو بھی ترک کر دے۔

وہ زہد جس میں بندے کو قدرت نہیں ہوتی وہ یہ ہے کہ زاہد کے دل میں دنیا کی خواہش بالکل سرد ہو جائے۔ البتہ بندہ جب زہد مقدور بجا لائے گا تو اس کو زہد غیر مقدور بھی اللہ کے فضل وکرم سے حاصل ہو جائے گا۔ دنیا کی خواہش اور اس کی طلب دل سے نکال دینا زہد کے باب میں مشکل ترین کام ہے۔ بسا اوقات ظاہر میں تم لوگوں کو زاہد و تارک پاؤ گے لیکن باطن میں وہ دنیا سے محبت رکھنے والے ہوں گے۔ اس لیے اہم یہ ہے کہ دنیا کی چاہت دل سے نکل جائے۔ کام در حقیقت یہ ہے۔

جس شخص کا ہاتھ پوری کائنات کی ملکیت سے خالی ہو لیکن جب تک اس کا دل دنیا کی طلب سے خالی نہ ہو اس کے لیے مقام زہد درست نہیں ہے؛ کیوں کہ طالب راغب ہوا کرتا ہے اور زہد رغبت کی ضد ہے اور اجتماع ضدین محال ہے۔

دیکھو زاہدوں کے امام، انبیا علیہم السلام ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ملکیت میں پوری دنیا تھی لیکن پھر بھی وہ بلا شبہ زاہد تھے، اس لیے یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ ملک وملکیت

کے باوجود اگر دل طلب سے خالی ہو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ہاتھ ملک و ملکیت سے خالی ہو اور دل میں طلب موجود ہو۔

خواجہ سری سقطی فرماتے ہیں: اَلزُّھدُ: تَرکُ حُظُوظِ النَّفسِ مِن جَمِیعِ مَافِی الدُّنیَا (دنیا کی تمام چیزوں سے جڑی نفسانی لذتوں کو ترک کر دینے کا نام زہد ہے۔)

حضرت شبلی سے لوگوں نے زہد کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: زہد غفلت کا نام ہے، اس لیے کہ دنیا لاشے ہے اور لاشے سے زہد اختیار کرنا غفلت ہے۔

سہل بن عبداللہ نے فرمایا کہ عقل کے ہزار نام ہیں اور ہر نام میں ہزار نام ہیں اور ہر نام میں پہلا نام ترک دنیا ہے۔

ترک دنیا گیر تا سلطاں شوی   ورنہ گر چرخی تو سرگرداں شوی
جملہ در باز و فروکش پای راست   گر کفن را ہیچ نگزاری رواست

(۱) ترک دنیا کرو تاکہ تم بادشاہ بن جاؤ، ورنہ چرخے کی طرح سرگرداں رہو گے۔

(۲) سب کچھ قربان کر دو اور اچھے سے پاؤں جما دو، اگر کفن کے لیے بھی کچھ نہ چھوڑو تب بھی روا ہے۔

حدیث پاک میں ہے: اَلْعُلَمَاءُ أُمَنَاءُ الرُّسُلِ مَالَمْ یَدْخُلُوْا فِی الدُّنْیَا فَاِذَا دَخَلُوْا فَاحْذَرُوْهُمْ عَلٰی دِیْنِکُمْ[1] علما جب تک دنیا میں قدم نہ رکھیں اور خود کو دنیا کی محبت اور اس کو جمع کرنے میں نہ لگائیں اس وقت تک وہ رسولوں کے امین ہیں اور جب وہ دنیا میں ملوث ہو جائیں اور اس کی محبت اور اس کو جمع کرنے کے فراق میں لگ جائیں تو اپنے دین کے سلسلے میں ان سے بچتے رہو، یعنی اب ان سے دین مت سیکھو اور ان کی صحبت میں مت بیٹھو۔

منقول ہے کہ حضرت سفیان ثوری جو متقیوں کے سلطان اور اہل شریعت کے مقتدا تھے،

---

(۱) دیلمی/مسند الفردوس (۴۲۱۰) رافعی (۲/۴۴۵) اس حدیث کو ابن جوزی نے موضوع قرار دیا ہے لیکن سیوطی نے اس کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے چالیس سے زائد شواہد ہیں، ہم اس پر حسن کا حکم لگاتے ہیں۔ (اللآلیء المصنوعۃ، ۱/۲۰۰)

وہ اپنے زمانے میں ایسے تھے کہ ولید مسلم کہتے ہیں کہ میں نے رسول مصطفی ﷺ کو خواب میں دیکھا، میں نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم اللہ کے دین اورآپ کی سنت کو کس سے حاصل کریں ؟آپ ﷺ نے فرمایا: عَلَيْكُمْ بِسُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ فَإِنَّه عَلَى الجَادَةِ (سفیان ثوری کی صحبت اختیار کرو؛ کیوں کہ وہ جادۂ حق پر قائم ہیں ۔) سفیان ثوری کا دامن تھام لو، تاکہ وہ تم کو رضائے الٰہی تک پہنچادیں۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص آسمان وزمین والوں کی طاعت بجالائے اور دنیا کو محبوب رکھے تو اس کو آفتاب قیامت میں خوف وہیبت کے ایک برج کے پاس بھیج دیا جائے گا اور اس کے ساتھ اس برج سے منادی ندا کرے گا: هٰذَا رَجُلٌ أَحَبَّ مَا أَبْغَضَهُ اللهُ تَعَالَى اے اہل قیامت! یہ وہ شخص ہے جس نے اس چیز سے دوستی کی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے راندۂ درگاہ کردیا تھا:

چون ز دل دنیات [۱] دور افگنده نیست   جای تو جز دوزخ سوزنده نیست

(اگر تمھارا دل دنیا سے دور نہیں ہے تو جلانے والی دوزخ کے علاوہ تمھارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔)

تمھارا کیا خیال ہے ؟ اگر کسی سے کوئی کافر طبیب یہ کہہ دے کہ گوشت روٹی مت کھاؤ؛ کیوں کہ اس میں تمھارا نقصان ہے، تو وہ شخص فوراً چھوڑدے گا اور گوشت روٹی نہیں کھائے گا، مگر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران عظام صلوات اللہ علیہم اجمعین تشریف لائے اور سب نے کہا: حُبُّ الدُّنيَا رَأسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ [۲] دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ لیکن کسی نے بھی دنیا کی محبت کو ترک نہیں کیا۔ اس کافر طبیب کو سچا جانا لیکن ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام کو سچا نہ جانا۔ اس مقام پر اپنے آپ پر ماتم کرنا چاہیے۔ کہاں ہم اور کہاں دعویٔ مسلمانی ؟ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

ترا یزداں ہمی گوید کہ در دنیا مخور بادہ   ترا ترسا ہمی گوید کہ در صفرا مخور حلوا
ز بہر دین نگزاری حرام از گفتۂ یزدان   ولیک از بہر تن مانی حلال از گفتۂ ترسا

---

(۱) اصل میں ”دل از دنیات“ ہے، مصیبت نامۂ عطار (گنجور) سے تصحیح کی گئی ہے۔

(۲) از حسن بصری مرسلاً، بیہقی/ شعب الایمان (۱۰۰۱۹) ابن ابی الدنیا/ الزھد (۹) یہ روایت حضرت حسن بصری تک کی سند حسن ہے، ارسال کی وجہ سے بعض لوگوں نے ضعیف اور کسی نے تو موضوع کہہ دیا ہے۔ اس کے علاوہ سفیان ثوری نے حضرتِ عیسیٰ کے قول کے طور پر روایت کی ہے، ابونعیم/ حلیۃ الاولیاء (۳۸۸/۶)

(۱)تم سے رب تعالیٰ کہتا ہے کہ دنیا میں شراب مت پیو اور نصرانی طبیب کہتا ہے کہ صفرا میں حلوا مت کھاؤ۔

(۲) دین کے لیے تم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے باوجود بھی حرام کو ترک نہیں کیا، لیکن جسم کے لیے ایک نصرانی طبیب کے کہنے پر حلال کو چھوڑ دیا۔

حضرت شبلی فرماتے تھے: اگر مجھ سے دنیا قبول کرنے کو کہیں اور یہ بھی کہیں کہ اگر دنیا قبول نہیں کروگے تو میں تم کو دوزخ میں جلاؤں گا، تب بھی میں دوزخ کو تو قبول کرلوں گا لیکن دنیا کو قبول نہیں کروں گا:

پاک بازانی کہ درویش آمدند　　　ہر نفس در محو خود پیش آمدند

پاک باز لوگ جو درویش کہلاتے ہیں، ہر لمحہ اپنے آپ کو مٹانے میں مصروف نظر آتے ہیں۔

منقول ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے ایک بوڑھی، بدحال، سیاہ رو، کریہ المنظر عورت کو دیکھا تو آپ نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں دنیا ہوں۔ حضرت عیسی نے دریافت فرمایا: تو نے شادی کی ہے؟ اس نے جواب دیا: میرے شوہر بے حد اور بے شمار ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا: ان میں تمھارا کوئی ایسا شوہر بھی ہے جس نے تم کو طلاق دے دی ہو؟ اس نے جواب دیا نہیں، سب کو میں نے قتل کر دیا، وہ سب ختم ہو گئے اور میں ابھی تک زندہ ہوں:

زانکہ گر یک لقمہ زان باشد ترا　　　صد بلائی بعد آں باشد ترا

کار عالم جز طلسم و پیچ نیست　　　جز خرابی در خرابی ہیچ نیست

(۱) اگر دنیا سے تمھیں ایک لقمہ بھی ملتا ہے تو اس کے بعد تمھارے اوپر سو بلائیں آئیں گی۔

(۲) دنیا کا کاروبار طلسم، پیچیدگی اور خرابی در خرابی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ تمام برائیوں کو ایک گھر میں جمع کیا گیا اور دنیا کی محبت اس کی کلید بنادی گئی اور تمام نیکیاں ایک گھر میں جمع کی گئیں اور دنیا کی نفرت اس کی کلید بنادی گئی۔ تم نے یہ قول تو سنا ہو گا: الدُّنْیَا کَنِیْفُ آدَمَ دنیا آدم علیہ السلام کا بیت الخلا ہے۔

روایتوں میں آیا ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے گندم کھالیا اور انسانی حاجت پیش آئی چوں

کہ جنت اس کی جگہ نہیں تھی، فرمان الٰہی آیا: اے آدم! جنت اس کی جگہ نہیں ہے، دنیا میں جانا ہوگا اور وہاں تم کو یہ گندگی ڈالنی ہوگی۔ اس سے پتا چلا کہ دنیا حضرت آدم علیہ السلام کا بیت الخلا تھی۔

فائدہ: تنگ دست فقیر کے احوال

واضح رہے کہ جو فقیر کنگال ہو، اس کی پانچ حالتیں ہو سکتی ہیں:

پہلا حال: یہ بلند ترین حال ہے، اور وہ یہ ہے کہ وہ فقیر اس طرح ہو کہ اگر اس کو مال ملے تو اس کو کراہت ہو، اسے اس سے اذیت کا احساس ہو، اس کو لینے سے بھاگے، اس سے نفرت کرے، اس کے شر اور اس میں مشغول ہونے سے احتراز کرے، یہ زہد ہے اور اس صفت کا حامل زاہد ہے۔

دوسرا حال: اُسے مال کی رغبت نہ ہو، لیکن ایسی رغبت نہ ہو کہ مال کی تحصیل میں لگ جائے اور اسے ایسی کراہیت بھی نہ ہو کہ اس سے اس کو تکلیف ہو، ایسا حال رکھنے والے کو ہم راضی کہتے ہیں۔

تیسرا حال: مال کا ہونا اس کے نزدیک مال نہ ہونے سے بہتر ہو، مال میں اس کی رغبت ہو لیکن وہ رغبت اس حد تک نہ ہو کہ اس کی طلب میں لگ جائے، بلکہ اگر آسانی سے اسے مل جائے تو لے اور اس پر خوش ہو جائے اور اگر اس کی طلب میں مشقت کی ضرورت ہو تو اس کی طلب میں مشغول نہ ہو۔ ایسا حال رکھنے والے کو ہم قانع کہتے ہیں؛ کیوں کہ اس کا نفس موجود پر قانع ہے، چنانچہ اس نے طلب چھوڑ دی ہے یا اس وجہ سے کہ دنیا میں اس کی رغبت کمزور ہے۔

چوتھا حال: وہ عاجز ہونے کی وجہ سے طلب مال سے دور ہو، فی الواقع اس کو مال کی رغبت ہو، اگر مال کی طلب کی کوئی راہ نکل آئے، اگرچہ اس کے طلب میں کچھ مشقت ہو، پھر بھی وہ اس کی طلب میں مشغول ہو جائے، ایسا حال رکھنے والوں کو حریص کہتے ہیں۔

پانچواں حال: مال نہ ہو اور وہ اس کے لیے بے چین ہو، اس بھوکے کی طرح جس کے پاس کھانے کو روٹی نہ ہو اور اس ننگے کی طرح جس کے پاس پہننے کے لیے کپڑے نہ ہوں، ایسا حال رکھنے والے کو مضطر کہتے ہیں۔ مال کی طلب اس کے اندر بہر حال ہو، خواہ ضعیف ہو یا قوی،

یہ حالت مال کی طلب سے خالی نہیں ہوگی۔

یہ کل پانچ حالتیں ہیں جس میں بلند ترین رتبہ زہد کا ہے اور اگر اس میں اضطرار کی صفت ضم ہو جائے اور اضطرار کے باوجود زہد ہو تو یہ زہد کا بلند ترین درجہ ہوگا۔

ان پانچ حالتوں کے علاوہ ایک اور حال ہے جو زہد سے بھی عالی تر ہے اور وہ حال یہ ہے کہ مال کا وجود و عدم اس کے نزدیک برابر ہو، اگر مال آجائے تو اس پر نہ خوشی حاصل ہو اور نہ اسے رنج پہنچے، اور اگر مال نہ ملے تب بھی اس کی وہی حالت ہو، اس کی حالت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی ہو کہ جب ایک لاکھ درہم ان کو عطیے میں ملے تو انھوں نے اسی روز تقسیم کر دیا، آپ کی خادمہ نے کہا کہ اگر ایک درہم کا ہم نے گوشت خرید لیا ہوتا تو اچھا ہوتا، انھوں نے جواب دیا، تم نے ہمیں یاد نہیں دلایا۔ جس کی حالت ایسی ہو، اگرچہ ساری دنیا اس کے ہاتھ میں ہو اور خزانہ اس کے قبضے میں ہو، پھر بھی دنیا اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہوگی؛ کیوں کہ وہ مال کو اللہ تعالیٰ کے خزانے میں سمجھتا ہے، اپنے ہاتھ میں نہیں، وہ فرق نہیں کرتا کہ کیا اس کے ہاتھ میں ہے اور کیا دوسروں کے ہاتھ میں ہے۔ ایسا حال رکھنے والے کو مستغنی کہنا چاہیے کہ وہ مال کے ہونے نہ ہونے سے بے نیاز ہے۔ لیکن ایسا حال رکھنے والے کو غنی نہیں کہیں گے مستغنی کہیں گے۔ غنی اس کو کہا جائے گا جس کو تمام چیزوں سے مطلقاً غنا حاصل ہو، یہ بندہ اگرچہ مال کے ہونے نہ ہونے سے بے نیاز ہے لیکن اس کو دوسری تمام چیزوں سے بے نیازی حاصل نہیں ہے۔

زہد وہ درجہ ہے جس میں ابرار کا کمال ہے، اور اگر ایسا حال رکھنے والا مقربین میں سے ہے، تو یقینی طور پر زہد اس کے حق میں نقص ہے؛ کیوں کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ اور یہ اس لیے ہے کہ دنیا سے کراہیت رکھنے والا اسی طرح دنیا میں لگا ہے جس طرح دنیا کی رغبت رکھنے والا دنیا میں لگا ہے، اس کا غیر حق تعالیٰ میں مشغول ہونا ہی حجاب ہے؛ کیوں کہ تمھارے اور حق تعالیٰ کے مابین کوئی فاصلہ ہی نہیں ہے جو تمھارے لیے حجاب بن جائے۔

زاہد کی مثال ایسی ہے کہ کسی مجلس میں عاشق و معشوق جمع ہوں اور اس میں اس کا رقیب بھی موجود ہو، اب اگر عاشق کا دل رقیب اور دشمن کی طرف گیا اور اس کی موجودگی کی ناپسندیدگی کا اسے

خیال آیا تو فوراً اس کا دل دشمن کے ساتھ مشغول ہو جائے گا اور وہ معشوق کے مشاہدے کی لذت حاصل کرنے سے محروم رہ جائے گا اور وہ اگر اپنے عشق میں مستغرق ہو جائے تو خود بخود وہ غیر معشوق سے غافل ہو جائے گا اور رقیب کی جانب اس کی توجہ نہیں ہوگی، چنانچہ جس طرح معشوق کی موجودگی میں غیر معشوق کو دیکھنا شرک ہے اور عشق کے معاملے میں نقص ہے اسی طرح دشمنی کے لیے معشوق کے غیر کی جانب دیکھنا بھی عشق میں شرک ہے اور یہ عشق کا نقص ہے۔

جب تم یہ سب جان چکے، تو اے عزیز! سنو کہیں ایسا نہ ہو کہ پیک اجل آجائے اور تم اس وقت بھی دنیا میں ہی مشغول رہو اور پھر كَمَا تَعِيْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ (جس طرح کی زندگی گزارو گے اسی حالت پر موت آئے گی۔) کا نظارہ سامنے ہو اور جب دنیا سے تمھارا رشتہ ختم ہو تو معاذ اللہ! كَمَا تَمُوْتُوْنَ تُبْعَثُوْنَ (جس حالت میں تم کو موت آئے گی اسی حالت میں اٹھائے جاؤ گے۔) کا منظر سامنے ہو اور اسی کے مطابق بدلہ دیا جائے۔ جب تک موقع ہے غنیمت ہے۔ اس کو غنیمت جان کر اپنا کام کر لو؛ کیوں کہ غفلت ہلاکتوں کا سبب بنے گی اور ابدی حسرتوں اور ندامتوں میں گرفتار کر دے گا، تب تم کہو گے ؎

برد غفلت روزگارم چون کنم برنیاید ہیچ کارم چون کنم

(غفلتوں نے میری زندگی کو برباد کر ڈالا، ہائے! اب میں کیا کروں؟ میرا کوئی کام نہیں بن پایا، ہائے! اب میں کیا کروں؟)

اور اس وقت یہ کہنے سے کیا فائدہ ہوگا؟

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے: فقیر وہ ہے جو اس دنیا کی ملکیت سے اس دنیا میں اور عالم آخرت کی ملکیت سے اس عالم میں بے نیاز ہو، بلکہ کونین اس کی میزان فقر کے پلے میں اور اس کے بازار عدم میں ایک ریشے اور ایک دانے کے بھی برابر نہ ہوں۔

شیخ کنانی فرماتے ہیں:

إِذَا صَحَّ الافْتِقَارُ إِلَى اللهِ تَعَالٰى عَزَّ وَجَلَّ صَحَّ الغِنیٰ بِاللهِ، لِأَنَّهُمَا حَالَانِ لَا يَتِمُّ

أَحَدُهُمَا إِلَّا بِالآخَرِ

(جب احتیاج الی اللہ ثابت ہو جائے گا تو غنا باللہ بھی ثابت ہو جائے گا؛ کیوں کہ یہ دونوں ایسے احوال ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے بغیر نہیں پایا جا سکتا۔)

یہ بھی کہا گیا ہے:

لَيْسَ الفَقْرُ عِنْدَهُمْ الفَاقَةُوَالعَدَمُ، بَلِ الفَقْرُ المَحْمُوْدُ الثِّقَةُ بِالله تَعَالى وَالرِّضَا بِمَا قُسِّمَ

(صوفیہ کے نزدیک فقر؛ فاقہ اور قلاشی کا نام نہیں ہے، بلکہ فقرِ محمود یہ ہے کہ بندہ اللہ پر بھروسہ رکھے اور اس کی تقسیم پر راضی رہے۔)

منقول ہے کہ ابن جلا سے لوگوں نے فقر کی حقیقت پوچھی تو وہ خاموش رہے یہاں تک کہ انھوں نے نماز ادا کی پھر اندر گئے اور واپس لوٹ کر آئے اور پھر انھوں نے کہا کہ میرے پاس ایک درہم موجود تھا اس لیے میں نے فقر پر گفتگو نہیں کی، یہاں تک کہ میں نے جا کر اس درہم کو نکال دیا۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آئی کہ میں فقر پر گفتگو کروں اور وہ ایک درہم میرے پاس موجود رہے۔ اس کے بعد ابن جلا بیٹھے اور انھوں نے بیٹھ کر فقر کا مفہوم بیان فرمایا۔

حضرت نوری فرماتے ہیں: فقیر کی تعریف یہ ہے کہ نہ ہونے کی صورت میں راضی رہے اور ہونے کی صورت میں عطا کرے۔

حضرت ابوالحسن دراج فرماتے ہیں کہ ایک روز میں اپنے شیخ کا تھیلا ٹٹول رہا تھا تو اس میں ایک سرمہ دانی نظر آئی جس میں چاندی کا پرگار (سرمہ لگانے والی تیلی) تھا، مجھے حیرت ہوئی اور میں شیخ کی تلاش میں نکل گیا۔ جب شیخ سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے عرض کی: مجھے آپ کے تھیلے میں چاندی کا ایک ٹکڑا ملا ہے۔

شیخ نے کہا کہ میں نے بھی اس کو دیکھ رکھا ہے، اس کو پھینک دو۔ پھر انھوں نے فرمایا: اس کو لے لو اور جا کر تم کچھ خرید لو۔

اس پر میں نے کہا: میں کون ہوں کہ چاندی کا ٹکڑا میرے حق میں جائز ہو جائے گا؟ آپ خود بتائیے کہ آپ نے اسے کیوں رکھا تھا اور اس کو رکھنے میں کیا مصلحت تھی؟

شیخ نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے چاندی کے اس ٹکڑے کے سوا اس دنیا سے مجھے کچھ بھی سونا اور چاندی عطا نہیں کیا، اس لیے میری یہ خواہش تھی کہ میں یہ وصیت کردوں گا کہ اسے میرے کفن میں باندھ دیں تاکہ اسے میں اللہ تعالیٰ کو لوٹادوں اور حساب میں گرفتار ہونے سے بچ جاؤں۔

حضرت سہل بن عبداللہ سے فقیر صادق کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

اَلَّذِیْ لَایَسْأَلُ وَلَا یَرُدُّ، وَلَا یَحْبَسُ

(سچا فقیر وہ ہے جو کسی چیز کا سوال نہ کرے، خود سے کوئی کچھ دے تو اسے رد نہ کرے اور مل جائے تو جمع نہ کرے۔)

اقسامِ فقر

حضرت عبداللہ انصاری فرماتے ہیں کہ فقر کی تین قسمیں ہیں: فقر اضطراری، فقر اختیار، اور فقر حقیقی۔

فقر اضطراری کی بھی تین قسمیں ہیں: فقر کفارہ، فقر عقوبت اور فقر قطعیت

فقر کفارہ کی نشانی صبر ہے، فقر عقوبت کی نشانی اضطرار ہے اور فقر قطعیت کی نشانی شکایت ہے۔

فقر اختیاری کی بھی تین قسمیں ہیں: فقر درجات، فقر قربت اور فقر کرامت۔

فقر درجات کی پہچان قناعت ہے، فقر قربت کی پہچان رضا ہے اور فقر کرامت کی پہچان ایثار ہے۔

فقر حقیقی کے بھی تین درجے ہیں: پہلا یہ کہ مخلوق کے سامنے اپنی حاجت نہ رکھے، دوسرا یہ کہ دست حاجت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہی بلند کرے اور تیسرا یہ کہ حق تعالیٰ کے علاوہ جو کچھ ہے سب کو پس پشت ڈال دے۔

منتسبین تصوف کی اقسام

واضح ہو کہ شرح آداب میں لکھا ہے کہ فقر، تصوف سے جدا ایک الگ شئے ہے، بلکہ فقر کی انتہا تصوف کی ابتدا ہے، صوفی وہ نام ہے جس نام سے کاملین اور محققین اولیا کو پکارا گیا ہے اور اہل صفا کی طرف نسبت رکھنے والوں کی تین قسمیں ہیں: (۱) صوفی، (۲) متصوف، اور (۳) مستصوف

صوفی: وہ ہے جو اپنی ذات سے فانی اور حق تعالیٰ کی ذات سے باقی ہو، وہ طبیعتوں کے چنگل سے آزاد ہو کر حقائق کی حقیقت تک پہنچ چکا ہو۔

متصوف: وہ ہے جو مجاہدے کے ذریعے اس مقام کو طلب کر رہا ہو اور اس طلب میں اس نے خود کو ان کے طریقے پر صحیح طور سے لگا رکھا ہو۔

مستصوف: وہ ہے جو دنیاوی جاہ و منصب کے لیے ان کی طرح اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہو اور در حقیقت وہ صوفی اور متصوف کے طریقے اور ان کی حقیقت سے خالی ہو۔

ایک شخص حضرت ابراہیم بن ادہم کے پاس دس ہزار درہم لے کر آیا لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا۔ لانے والے نے قبول کرنے کی درخواست کی تو حضرت ابراہیم نے فرمایا: تم دس ہزار کی وجہ سے میرا نام درویشوں کے دفتر سے نکلوانا چاہتے ہو؟ میں ہرگز اسے قبول نہیں کروں گا۔

حضرت شیخ شرف الدین فرماتے ہیں: درویشی میں مکمل راحت ہے؛ کیوں کہ انسان دنیاوی آفتوں سے مامون ہے۔ درویشی میں سختی صرف یہ ہے کہ اُسے فاقے کی نوبت پیش آتی ہے۔ لیکن ایسی رات درویش کے لیے معراج کی رات ہوتی ہے۔ اہل تصوف فرماتے ہیں: مِعْرَاجُ الفَقِیْرِ فِیْ لَیْلَةِ الفَاقَةِ (شب فاقہ فقیر کے لیے شب معراج ہوتی ہے۔) اس لیے درویشی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے:

گرچہ چندانی سلیماں کار داشت　　کز زمیں تا عرش گیر و دار داشت
مسکنت را قدر چون بشناخت او　　قوت از زنبیل بافی ساخت او

(۱) اگرچہ حضرت سلیمان کے پاس بہت سارا کام تھا، زمین سے لے کر آسمان تک ان کی حکمرانی پھیلی ہوئی تھی۔

(۲) لیکن جب انھیں فقر کی عظمت کا ادراک ہوا تو انھوں نے ٹوکری بننے کو اپنی گزر بسر کا ذریعہ بنا لیا۔

اے عزیز! فقر اسرار الٰہی میں سے ایک سِر ہے۔ معراج کی شب اللہ تعالیٰ نے ملک و ملکوت کی ساری نعمتیں آپ ﷺ کی نگاہوں کے سامنے رکھ دیں لیکن آپ نے کنکھیوں سے بھی

انھیں نہ دیکھا بلکہ فرمایا: الفَقْرُ فَخْرِيْ فقر میرا فخر ہے۔ آدم علیہ السلام کو مسجود ملائک بنا دیا گیا، آٹھوں جنتیں جائیداد میں ملیں۔ جب ان کی نظر فقر پر پڑی تو ایک گندم کے بدلے اس کو فروخت کر دیا اور خرقۂ فقر پہن لیا۔

جان آدم چون بسِر فقر سوخت | ہشت جنت را بیک گندم فروخت

(سِرِ فقر کی وجہ سے جب جان آدم خاکستر ہو گئی تو انھوں نے ہشت بہشت کو ایک گندم کے بدلے فروخت کر دیا۔)

نمرود اور فرعون کو جو کچھ دیا گیا ہے اگر وہ تم کو نہیں ملا ہے تو اس میں کوئی راز سمجھو، دیکھتے نہیں کہ سلطان انبیا، سرور اولیا محمد رسول اللہ ﷺ جب معراج کی شب لوٹے تو گھر میں ایک وقت کی بھی روزی نہیں تھی۔ یہودی سے ایک پیمانہ جَو ادھار مانگا تو اس نے کہا: تمھارے پاس باغ اور کھیتی نہیں ہے، تم کہاں سے ادا کرو گے؟ آپ نے اپنی مبارک زرہ گروی رکھی تب اس نے ایک پیمانہ جَو دیا۔ اسی لیے کہنے والے نے کہا ہے:

مصطفیٰ چون آمد از معراج در | وام می خواست از جھودی جَو مگر

از برای قوت جَو می خواستش | واں جھود سگ گرو می خواستش

ہر دو عالم دید آں شب ارزنی | تا نبودش روز آں جَو یک منی

لا جرم چون این وآن یکسانش بود | ہر دو عالم زیر یک فرمانش بود

(۱) رسول مصطفی ﷺ جب معراج سے واپس آئے تو ایک یہودی سے جَو ادھار مانگا۔

(۲) آپ نے ضرورت بھر روزی کے لیے اس سے جَو مانگا مگر اس یہودی کتے نے جَو کے بدلے میں گروی طلب کی۔

(۳) اس رات آپ کو دونوں عالم کی زیارت ارزانی ہوئی لیکن اس دن آپ کے پاس تھوڑا سا جَو بھی نہیں تھا۔

(۴) یقیناً دنیا و آخرت ان کے لیے برابر ہیں اور دونوں عالم ان کے زیر فرمان ہیں۔

پیر دست گیر قطب عالم قدس اللہ روحہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ اگر مرید کے اندر یکبارگی اموال واملاک سے الگ ہونے کی استعداد ولیاقت نہ دیکھے تو اس کو اس وقت اس کام کی اجازت نہ دے، شیخ اس وقت اس کی اجازت دے جب وہ اس کے عوض مرید کو وہ حال دے سکے جو اس کے لیے تسلی اور جمعیت خاطر کا سبب ہو اور مرید خود بھی اس کے قابل ہو، جیساکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تمام مال خرچ کرنے کی اجازت دے دی اور اگر شیخ یہ دیکھے کہ ابھی مال کی طرف توجہ باقی ہے تو ضرورت بھر مال چھوڑ دے اور سب کو خرچ کرنے کی اجازت نہ دے۔ جیساکہ حضرت جنید بغدادی کے مریدوں میں سے کسی نے تمام مال خرچ کرنا چاہا تو انھوں نے اس کی اجازت نہیں دی اور فرمایاکہ اپنی ضرورت کے بقدر مال اپنے پاس رکھے رہو اور اس سے اپنی روزی روٹی کا انتظام کرو؛ کیوں کہ مجھے خطرہ ہے کہ تم سارا مال خرچ کردو اور اس کے بعد نفس تم سے مطالبہ کرنے لگے۔

فائدہ:

ارادت اور خرقہ پوشی

شیخ کا قلب آئینہ ہوتا ہے

پیر دست گیر قطب عالم حضرت مخدوم شاہ مینا قدس سرہ فرماتے تھے کہ شیخ کا دل صیقل شدہ آئینے کی طرح ہے، اس پر حضرت رب العزت کا فیض اتر تا رہتا ہے، وہ ذات، صفات، اسما اور افعال کی تجلیات سے متجلی ہوتا ہے اور اس طرح شیخ ہر لمحہ غیبی لطائف سے آراستہ ہوتا رہتا ہے۔ جب مرید صادق مکمل ارادت کے ساتھ اپنے دل کو ایسے آئینے کے سامنے لاتا ہے تو شیخ کا دل مرید کے دل پر عکس تجلی ڈالتا ہے اور تمام کمالات بغیر کسی کسب اور محنت و مشقت کے اس مرید کے دل میں اتر جاتے ہیں، شرط یہ ہے کہ اس کا دل غیریت کی کدورت سے پاک اور طبیعت کے زنگ سے صاف ہو اور اس کو اس کی استعداد کے مطابق وہ صفات و احوال ایک لمحے میں حاصل ہو جاتے ہیں، جو عمر بھر کی ریاضت اور مجاہدے سے حاصل نہیں ہو پاتے۔

جب مرید کو ایسا شیخ مل جائے تو اس کی خدمت پر مضبوطی سے جم جائے؛ کیوں کہ جب تک اس کی خدمت اور اس کی غلامی اختیار نہیں کرے گا اس وقت تک محض صحبت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا، اس لیے اپنے آپ کو اس شیخ کے سپرد کر دے، یہاں تک کہ اس کا اپنا کوئی تصرف، اس کی کوئی حرکت اور اس کا کوئی اعتراض نہ رہ جائے۔ نفسانی تصرفات سے نکل کر اس طرح ہو جائے جس طرح مردہ غسل دینے والے کے سامنے ہوتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مرید جب تک اپنے وجود سے باہر نہیں آئے گا، اپنے سِر و باطن اور

اپنے جان وتن سے دست بردار نہیں ہو گا، جو چیز بھی حجاب بن رہی ہو جلد اس کو دور نہیں کرے گا تب تک وہ میدان تصوف کا مرد نہیں کہلائے گا، جیسا کہ ایک عارف فرماتے ہیں:

سیر آمدہ ای ز خویشتن می باید   برخاستہ ای ز جان و تن می باید
در ہر قدمی ہزار بند افزون است   زین کرم روی بند شکن می باید

(۱) اپنی خودی سے باہر نکلنے والا ہونا چاہیے، اپنے جان وتن سے دست بردار ہونے والا چاہیے۔
(۲) ہر قدم پر ہزار بندشیں ہیں، اس لیے تیز رو اور بندھنوں کو توڑنے والا ہونا چاہیے۔

فائدہ: مرید و مراد کے دو معنی

واضح رہے کہ اہل تصوف لفظ مرید کا اطلاق دو معنی پر کرتے ہیں، ایک مقتدی کے معنی میں، دوسرا محب کے معنی میں۔ مرید بمعنی مقتدی یہ ہے کہ اپنے دیدۂ بصیرت کو نور ہدایت سے بینا کرلے، اپنی کمی کو دیکھے اور طلب کمال کی آگ کو اور روشن کرلے اور جب تک اس کو مراد اور حق تعالیٰ کا قرب نہ حاصل ہو جائے اس وقت تک آرام کا نام نہ لے۔ ایسے میں جو شخص اہل ارادت اور مرید کے نام سے موسوم ہو، اگر دونوں جہان میں حق تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی دوسرا مراد، مطلوب، انیس اور محبوب ہو یا ایک لمحہ کے لیے بھی وہ مراد کی طلب سے جدا ہو کر آرام میں لگا ہو تو اُس پر صفت ارادت کا اطلاق عاریتاً اور مجازاً ہو گا، وہ حقیقت ارادت سے بالکل بے بہرہ ہو گا۔

حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اَلْمُرِیْدُ الَّذِیْ مَاتَ قَلْبُه عَنْ كُلِّ شَيْئٍ دُوْنَ اللهِ، فَيُرِيْدُ اللهَ وَحْدَه وَيُرِيْدُ بِه قُرْبَه وَيَشْتَاقُ إِلَيْهِ حَتّٰى يُذْهِبَ شَهَوَاتِ الدُّنْيَا مِنْ قَلْبِه شِدَّةُ شَوْقِه إِلٰى رَبِّه مرید وہ ہے جس کے دل کو اللہ کے سوا ہر شئے سے موت آگئی ہو، وہ صرف اللہ تعالیٰ کا ارادہ رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ سے اس کے قرب کا ارادہ رکھتا ہو اور اُس کا مشتاق ہو، یہاں تک کہ شوق مولیٰ کی شدت نے اس کے دل سے دنیا کی خواہشات کو ختم کر دی ہو۔

البتہ! مرید بمعنی محب، سالک مجذوب کو کہتے ہیں۔

جس طرح مرید کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے اسی طرح مراد کا اطلاق بھی دو معنی پر ہوتا

ہے۔ ایک مراد بمعنی مقتدا اور دوسرا مراد بمعنی محبوب۔ مراد بمعنی مقتدا یہ ہے کہ از روئے تصرف اس کی ولایت میں اتنی قوت ہو کہ ناقصوں کو مکمل بنا سکے اور مختلف قسم کی استعداد و صلاحیت اور طریقۂ ارشاد و تربیت سے وہ اچھی طرح واقف ہو، ایسا شخص یا تو سالک مجذوب ہوگا کہ اس نے پہلے صفات نفس کے تمام صحراؤں اور ہلاکت بھرے راستوں کو دیکھا ہوگا، پائے سلوک سے انھیں طے کر لیا ہوگا، پھر جذبات الٰہی کی مدد سے قلبی مدارج و معارج سے گزر کر عالم کشف و یقین تک پہنچا ہوگا اور پھر مقام مشاہدہ اور معائنہ تک پہنچا ہوگا، یا پھر وہ مقتدا مجذوب سالک ہوگا جس نے پہلے جذبۂ الٰہی کی مدد سے مقامات کا سفر طے کیا ہوگا، عالم کشف و عیان تک پہنچا ہوگا، اس کے بعد پھر اس نے اس راہ کے منازل و مراحل کو قدم سلوک سے چل کر پھر سے دیکھا ہوگا اور علم کی صورت میں حقیقت حال کی بازیافت کی ہوگی۔ مشیخت و مقتدائی اور پیشوائی کا مرتبہ ان ہی دونوں طرح کے لوگوں کے لیے مسلم ہے۔ البتہ! سالک محض جو مجاہدے کی تنگی سے نکل کر مشاہدے کے حقائق اور اُس کی وسعتوں میں نہ پہنچا ہو اور وہ مجذوب محض جو سیر و سلوک کے دقائق، مقامات و منازل، ہلاکت اور خوف کی گھاٹیوں سے واقف نہ ہو، وہ ابھی منصب مشیخت کے لائق نہیں، مرید کی صلاحیت میں تصرف کی ولایت اور قانون طریقت کے مطابق تربیت کی ذمہ داری اس کو نہیں ملی ہے۔ وہ جو بھی تصرف کرے گا اس میں صلاح سے پہلے فساد ہوگا اور وہ جو تصوف بیان کرے گا اس میں خیر سے قبل شر ہوگا۔

البتہ! مراد، محبوب کے معنی میں مجذوب سالک کو کہتے ہیں۔ مراد پہلے معنی میں عام ہے اور دوسرے معنی میں خاص۔ (۱)

مرید کی قسمیں

واضح ہو کہ مرید کی تین قسمیں ہیں: (۱) حقیقی (۲) رسمی (۳) صوری

---

(۱) کیوں کہ مراد اپنے پہلے معنی میں مجذوب سالک اور سالک مجذوب دونوں کو شامل ہے جب کہ دوسرے معنی میں یہ لفظ صرف مجذوب سالک کے ساتھ خاص ہے۔

مرید حقیقی: وہ ہے جو شیخ کا متبع اور ظاہر و باطن اور قول و فعل سے اس کا پیرو کار ہو۔

مرید رسمی: وہ ہے جو اپنی طاقت اور اپنی استطاعت بھر صورت و معنی کے اعتبار سے شیخ کی مشابہت کرنے والا ہو۔

مرید صوری: وہ ہے جو صرف صورت میں شیخ کی مشابہت کرنے والا ہو اور یہ امید رکھتا ہو کہ اس نیک بخت قوم سے مشابہت کی برکت سے وہ بھی نیک بخت ہو جائے اور ان کے ساتھ اس کا حشر ہو۔ کیوں کہ ھٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا یَشْقیٰ جَلِیْسُھُمْ[1] یہ وہ جماعت ہے جس کا ہم نشین بھی محروم نہیں رہتا۔

فائدہ: خرقہ، اجازت اور مثال

حضرت سید محمد گیسو دراز کے ملفوظ میں مذکور ہے کہ مولانا عمر بن شیخ سعید حضرت شیخ نصیر الدین محمود کی بارگاہ میں حاضر خدمت تھے، انھوں نے پوچھا کہ خرقۂ مشائخ کی جو روایت آئی ہے کہ جبرئیل خرقہ لے کر آئے تھے اور اسے نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کو دیا، کیا یہ روایت صحیح ہے؟ حضرت مخدوم نے فرمایا: ہاں! صحیح ہے، سلوک کی کتابوں میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کی شب بہشت میں سونے کا ایک گھر دیکھا جس کا دروازہ سونے کا تھا اور اس پر تالا بھی سونے کا لگا تھا۔ آپ نے اس میں جبریل کے ساتھ داخل ہونا چاہا۔ آپ نے فرمایا: اسے کھولو، میں اس کے اندر دیکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت جبرئیل نے عرض کی: اگر اللہ تعالیٰ سے اجازت مل جائے تو میں اسے کھول دوں گا، رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی، حکم پہنچا کہ کھول دو، پھر ایک بڑا صندوق کھولا گیا جو سونے کا تھا اور اس پر سونے کا تالا لگا تھا۔ حضرت جبریل سے آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس میں کیا ہے؟ اسے کھولو، انھوں نے حق تعالیٰ سے اجازت چاہی، حکم ہوا کھول دو۔ اس میں ایک دوسرا صندوق تھا، اس پر بھی سونے کا تالا لگا ہوا تھا، آپ نے

---

(۱) صحیح البخاري، کتاب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عزوجل (۶۴۰۸) بہ الفاظ: ھُمُ الجُلَسَاءُ لَا یَشْقَی بِہِمْ جَلِیسُھُمْ۔ صحیح مسلم، کتاب العلم، باب فضل مجالس الذکر (۲۶۸۹) بہ الفاظ: ھُمُ الْقَوْمُ لَا یَشْقَی بِہِمْ جَلِیسُھُمْ

اس کو بھی کھولنے کی خواہش کی، حکم ہوا کہ اس کو بھی کھول دو، اس میں سونے کا ایک چھوٹا صندوق نظر آیا، اس پر بھی سونے کا تالا لگا تھا، اس کو بھی آپ نے کھولنے کی خواہش کی، اس میں بھی ایک چھوٹا صندوق نکلا، اجازت کے بعد اس کو بھی کھولا گیا، اس کے اندر مشائخ کا خرقہ رکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے رب تعالیٰ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ یہ خرقہ آپ کا ہو جائے۔ حکم ہوا کہ اتنے انبیا گزرے ہیں لیکن کسی کو یہ خرقہ نہیں دیا گیا، آج اسے ہم آپ کو عطا کریں گے، یہ آپ ہی کے لیے رکھا ہوا تھا، آپ اسے پہن لیجیے، آپ نے اسے پہن لیا۔

آپ نے اپنی عادت کریمہ کے مطابق فرمایا: مولیٰ! یہ میرے ساتھ خاص ہے یا میری امت میں بھی کسی کو پہنچے گا؟ حکم ہوا کہ آپ کی امت میں پہنچے گا۔ ایک بات آپ کو تلقین کی گئی اور حکم ہوا کہ آپ کے چار یار میں جو اِس کا جواب دے اس کو یہ خرقہ دے دیجیے۔

جب آپ ﷺ دنیا کی طرف واپس آئے تو آپ نے اپنے چاروں صحابہ کو جمع کیا اور ان سے فرمایا: یہ خرقہ مجھ کو دیا گیا ہے اور ایک بات کہی گئی ہے جو اس کا جواب دے دے گا میں اس کو یہ خرقہ دے دوں گا۔ حضرت ابو بکر اٹھے، ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم کو یہ خرقہ دے دوں تو تم کیا کرو گے؟ انھوں نے فرمایا: صدق اختیار کروں گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اجلِس مَكَانَكَ اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔ حضرت عمر کھڑے ہوئے، آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ اگر میں تم کو یہ خرقہ دے دوں تو تم کیا کرو گے؟ انھوں نے فرمایا: عدل اختیار کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اجْلِسْ مَكَانَكَ تم بھی اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔ حضرت عثمان کھڑے ہوئے، ان سے آپ نے پوچھا کہ اگر میں تم کو یہ خرقہ دے دوں تو تم کیا کرو گے؟ انھوں نے فرمایا کہ حیا اختیار کروں گا اور خوب خوب عبادت الٰہی کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اجْلِسْ مَكَانَكَ تم بھی جا کر اپنی جگہ بیٹھ جاؤ۔ حضرت علی کھڑے ہوئے، آپ نے ان سے فرمایا: اگر میں تم کو یہ خرقہ دے دوں تو تم کیا کرو گے؟ انھوں نے کہا: اللہ کے بندوں کی عیب پوشی کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: أَنْتَ له

وَهُوَ لَكَ تم اسے پہن لو، تم اس کے لیے ہو اور یہ تمھارے لیے۔ [1]

خرقۂ مشائخ کی روایت یہی ہے، تمام مشائخ کا شجرہ حضرت علی کے واسطے سے نبی کریم ﷺ تک پہنچتا ہے، تمام اولیا کے سردار حضرت علی ہیں۔ البتہ! صحیح اور حسن احادیث کی کتابوں میں یہ واقعہ میری نظر سے نہیں گزرا۔

فائدہ: صوفیہ کے چودہ خانوادے

صوفیہ کے چودہ خانوادے مشہور ہیں، ان سب کا تعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے۔ شرح عوارف میں ہے کہ ۱۲/امام ہیں، لہٰذا در اصل خانوادے بھی بارہ ہیں:

(۱) ادہمیہ، یہ حضرت ابو اسحاق ابراہیم بن ادہم قدس سرہٗ سے منسوب ہے۔

(۲) طیفوریہ، یہ حضرت ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بسطامی قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہے۔

(۳) محاسبیہ، یہ حضرت ابو عبداللہ بن حارث محاسبی قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہے۔

(۴) قصاریہ، یہ حضرت ابو صالح حمدون قصار قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہے۔

(۵) جنیدیہ، یہ حضرت ابو القاسم جنید بغدادی قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہے۔

(۶) نوریہ، یہ حضرت ابو الحسین محمد نوری قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہے۔

(۷) سہلیہ، یہ حضرت ابو محمد سہل بن عبداللہ تستری قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہے۔

(۸) حکیمیہ، یہ حضرت ابو عبداللہ بن علی حکیم ترمذی قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہے۔

(۹) خرازیہ، یہ حضرت ابو سعید احمد بن عیسی الخراز قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہے۔

(۱۰) حلاجیہ، یہ حضرت ابن منصور [2] حلاج قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہے۔

(۱۱) سیاریہ، یہ حضرت ابو العباس قاسم مہدی سیاری قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہے۔

---

(۱) ”خرقہ پوشی“ کی کوئی روایت محدثین کے نزدیک ثابت نہیں ہے لیکن عرفا و صوفیہ کے یہاں ان کی اپنی سند سے متداول ہے، کم سے کم اس رسم کے ذریعے آثار صحابہ اور سلف صالحین سے تبرک حاصل کرنے میں کسی کو کلام نہیں ہونا چاہیے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: عجلونی/کشف الخفاء، باب اللام (۲۰۳۵)

(۲) اصل میں ”ابو منصور“ ہے۔ کتبِ تراجم و طبقات سے تصحیح کی گئی ہے۔

(۱۲) خفیفیہ، یہ حضرت ابو عبداللہ محمد بن خفیف قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہے۔

خانوادۂ چشتیہ، ادہمیہ کی شاخ ہے اور خانوادۂ سہروردیہ، جنیدیہ کی شاخ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام مشائخ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ (آمین)

فائدہ: حضرت مخدوم شاہ مینا کا طریقۂ بیعت

پیر دست گیر قطب عالم حضرت مخدوم شیخ مینا قدس سرہٗ کو کلاہ عطا کرنے اور خرقہ پہنانے کی اجازت خانوادۂ چشت اور خانوادۂ سہرورد، دونوں سے تھی، حضرت مخدوم شیخ صدرالدین راجو قتّال بخاری قدس اللہ سرہ نے اس فقیر کے شیخ کے شیخ حاجی الحرمین حضرت مخدوم شیخ سارنگ قدس سرہ کو جو مثال اوراجازت نامہ بھیجا تھا اس میں یہ لکھا تھا: وَيُلْبِسُ خِرْقَةَ مَشَايِخِ الچِشْتِ وَالسُّهْرَوَرْدِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وہ چشتی اور سہروردی مشائخ کا خرقہ پہنائیں۔ البتہ قطب عالم حضرت مخدوم شاہ مینا اکثر چشتی کلاہ عطا فرماتے تھے، اگر کوئی شخص اصرار کر کے سہروردی کلاہ طلب کرتا تو آپ سہروردی کلاہ بھی عطا فرما دیتے۔ سہروردی کلاہ عطا فرماتے وقت تُکمہ[1] ختم کردیتے اور فرماتے کہ سہروردی اور چشتی کلاہ کے مابین فرق یہی ہے۔ اگر کوئی ارادت کی غرض سے آتا اور اس کے بال ہوتے تو خادم اس کے بالوں میں مانگ نکال کر آگے بٹھا دیتا، حضرت مخدوم فرماتے: تم نے اپنے اس بھائی کو اپنی برادری میں قبول کیا؟ وہ مرید کہتا میں نے قبول کیا۔ اس کے بعد آپ فرماتے: دونوں بھائی توبہ کریں اور پھر استغفار پڑھتے: أَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِىْ لَاإِلٰهَ إِلَّاهُوَالْحَىُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ۔ اسے تین بار آپ خود بھی پڑھتے اور اس مرید سے بھی پڑھواتے۔ اس کے بعد اس مرید کے سر پر، اگرچہ وہ محلوق ہوتا، قینچی چلاتے، پہلے اس کی پیشانی کے بال کاٹتے، اس کے بعد دائیں اور بائیں طرف کے بال کاٹتے۔

قینچی چلاتے وقت یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ قَصِّرْ أَمَلَه وَاحْفَظْه عَنِ المَعَاصِى (یا اللہ! اس کی

---

(۱) گھنڈی، چہار ترکی چشتی کلاہ میں اوپر کی جانب ہوتا ہے۔

آرزوؤں کو کوتاہ فرمااوراس کو گناہوں سے محفوظ رکھ۔)

قینچی چلانے کے بعد یہ دعا پڑھتے: اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ، اللّٰهُمَّ ثَبِّتْنَا عَلٰى التَّوبَةِ وَاحْفَظْنَا عَنِ المَعَاصِى ،الحِفْظُ مِنْكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم وَأَهْلِ بَيْتِه (یااللہ! محمد اور آل محمد پر صلوات وبرکات نازل فرمااور سلامتی نازل فرما، یااللہ! ہم کو توبہ پر ثابت قدم فرما، ہم کو معصیت سے محفوظ رکھ، حفاظت تیری ہی جانب سے ہے، ہماری اس دعا کو محمد ﷺ اورآپ کے اہل بیت کے وسیلے سے قبول فرما۔)

کلاہ پہناتے وقت یہ دعا پڑھتے: إِلٰهِىْ تَوِّجْه بِتَاجِ الكَرَامَةِ وَالسَّعَادَةِ، وَاحْفَظْه عَنِ المَعَاصِى، وَثَبِّتْهُ عَلٰى دِيْنِ الإِسْلَامِ (اے میرے معبود! تو اسے تاج کرامت وسعادت عطا فرما، اسے گناہوں سے محفوظ فرمااور اس کو دین اسلام پر ثابت قدم فرما۔)

بعض کو اپنے مبارک ہاتھوں سے شیرنی کھلاتے اور یہ دعا پڑھتے: اللّٰهُمَّ ارْزُقْهُ حَلَاوَةَ الإِيْمَانِ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ (یااللہ! اپنی رحمت کے صدقے اسے ایمان کی حلاوت عطا فرما، اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم فرمانے والے!)

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ قینچی چلانا حضرت علی کی سنت ہے۔ دراصل یہ حضرت شیث علیہ السلام کی وراثت اور ان کی سنت ہے۔

مقراض رانی کی حقیقت

اس فقیر کے پردادا پیر حضرت شیخ قوام الدین عباسی لکھنوی قدس سرہ کی کتاب ارشاد المریدین میں معرفۃ المریدین السالکین کے حوالے سے لکھا ہے کہ مرید کے سر پر قینچی چلانے کی روایت حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے حضرت امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تین بال لے کر کاٹ دے۔ اس کی اصل اللہ کے نبی حضرت شیث علیہ السلام سے ثابت ہے۔ یہ ان کی سنت ہے۔ ان کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سکھایا تھا، اس پر تمام اہل سلوک اور طبقات مشائخ کا اتفاق ہے کہ جب کوئی مسلمان

کسی شیخ کی ارادت میں داخل ہونا چاہے تو شیخ کو چاہیے کہ اس کے حرکات وسکنات، قلوب ثلاثہ اور اس کے نفوس میں نظر کرے۔ پہلے یہ دیکھے کہ وہ شخص نفس امارہ میں مبتلا ہے، نفس لوامہ پر ٹھہرا ہوا ہے، یا نفس مطمئنہ سے مشرف اور مزین ہے۔ اسی طرح قلوب ثلاثہ کے اوصاف کی طرف نگاہ کرے کہ وہ قلب سلیم رکھتا ہے یا قلب منیب یا قلب شہید، اس کے بعد تصحیح ارادت کا کام قینچی چلا کر کیا جاتا ہے، اس لیے کہ مقراض اسرار الٰہی میں سے ایک سر ہے، اس راز پر کوئی مطلع نہیں ہوسکا، اگرچہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قینچی چلانا بندے اور مولیٰ کے مابین جو علائق ہیں ان کو قطع کردینے کا اشارہ ہے۔ جب قینچی کا کام اتنا عظیم ہے تو ہر کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اس کو اٹھالے۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی جیب میں ایک درہم بھی رکھتا ہو اُس کے لیے مقراض رانی حلال نہیں ہے۔ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: شَرُّ النَّاسِ وَمُضِلُّ النَّاس مَنْ هَمَّ بِالدُّنْيَا وَيَأْخُذُ الْمِقْرَاضَ، سُئِلَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: مَنْ صَاحِبُ هَمِّ الدُّنْيَا؟ قَالَ: الَّذِيْ يَطْلُبُ مِنَ الدُّنْيَا أَكْثَرَ مِنَ الكِفَافِ (حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ لوگوں میں سب سے برا اور گمراہ گروہ شخص ہے جو دنیا کی ہوس میں مقراض کو اٹھائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ دنیا کی ہوس رکھنے والا کون ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: جو کفاف سے زیادہ دنیا کا طالب ہو، یعنی جو ایک دن کی روزی سے زیادہ کا طلب گار ہو۔)

اس لیے کہ ایک دن سے زیادہ کی روزی فقیر کو بے نیاز کرنے والی ہے، اسی لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس شخص پر صدقۂ فطر واجب ہے جس کے پاس ایک دن سے زیادہ کی روزی موجود ہو۔

مقراض رانی کا طریقہ

جب مقراض رانی کا ارادہ کرے تو قبلہ کی طرف منھ کر کے بیٹھے، قینچی ہاتھ میں لے اور تین بار اللہ اکبر کہے۔ مقراض رانی کے وقت کیا پڑھے؟ اس سلسلے میں اہل سلوک کا اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ العَلِيِّ العَظِيمِ کہے۔

پہلے اس کی پیشانی کا ایک بال لے کر کہے:

ملکا بادشاہا! بندۂ کہ گریختہ از حضرت تو بودہ است امان می طلبد تا در حد بندگی در آید و چون بندگان بندگی نماید، و می خواہد کہ ہر چہ از یاد غیر تو باشد آں ہمہ عبرت او گردد۔

(اے مالک! بادشاہ! یہ بندہ جو تیری بارگاہ سے بھاگا ہوا تھا، اب امان کا طالب ہے تاکہ تیری بندگی کی حدود میں داخل ہو جائے، بندوں کی طرح اپنی بندگی کا اظہار کرے اور تیرے علاوہ غیر کی جتنی یادیں ہیں وہ سب اس کے لیے سامان عبرت بن جائیں۔)

اس کے بعد پیشانی کی دائیں طرف سے ایک بال لے کر اور ایک بال پیشانی کی بائیں طرف سے لے کر کاٹ دے، کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایسا ہی کیا ہے۔

بعض صوفیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ جس نے اپنے افعال کے عیوب اور اپنے نفس کی رعونتوں کو دیکھنے اور اس کا محاسبہ کرنے کا ادب نہیں سیکھا اور کوشش کر کے اپنے نفس کی شرارتوں اور اس کی آسائشوں کو دور کرنے کا علم نہیں سیکھا اس کی اقتدا جائز نہیں ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ جس نے اعمال و افعال انجام دینے کے بعد اپنے اعمال کو نفس کی آفتوں اور اس کے عیوب سے پاک کرنے کی کوشش نہ کی ہو اور آرائش نفس کے مکر و فریب سے پوری طاقت سے خود کو پاک وصاف نہ کیا ہو، اس کی اقتدا درست نہیں ہے۔ نفس کی رعونتیں خود پرستی ہیں، جب تک سالک خود پرستی سے اپنی بیزاری کا اظہار نہیں کر دیتا، اس وقت تک وہ خدا پرست نہیں بن سکتا۔

یا مقیم کعبہ شو یا ساکن بت خانہ باش　　　یک صفت زیں ہر دو بایدیا چنان شو یا چنین

(یا تو خانۂ کعبہ میں مقیم ہو جاؤ یا بت خانہ میں بیٹھ جاؤ، ان دو میں سے کسی ایک کو اختیار کر لو، یا ایسے ہو جاؤ یا ویسے۔)

درویش کی مثال

پیر دست گیر قطب عالم حضرت شاہ مینا فرمایا کرتے تھے کہ درویش کو سبزی فروش کی طرح ہونا چاہیے۔ سبزی فروش کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ پورے دن سودا بیچنے میں مشغول رہتا ہے اور رات کو محاسبہ کرتا ہے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ آج کچھ نفع ہوا یا نہیں؟ اگر نفع ہوتا ہے

تو وہ خوش و خرم سوجاتا ہے، ورنہ رنجیدہ اور نادم ہوتا ہے بلکہ وہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ معمول سے کم کھانا کھائے۔ اسی طرح درویش کو بھی محاسبۂ نفس کرنا چاہیے کہ آج وظائف میں کچھ اضافہ ہوایا نہیں، اگر اضافہ ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے، لیکن شرط یہ ہے کہ مغرور نہ ہو اور اگر اس میں کوئی کمی ہوئی تورات میں اس کی تلافی کی کوشش کرے، بلکہ اس میں اضافہ کرنے کی کوشش کرے، تاکہ مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاهُ فَهُوَ مَغْبُوْنٌ[1] کی وعید سے بچ سکے اور اس سے باہر نکل سکے۔

میں نے پیر دست گیر سے عرض کی: اس حدیث کے مطابق ہر روز وظائف میں اضافے سے بندے کے حق میں تکلیف مالایطاق لازم آتا ہے، پھر اس حدیث پر عمل کیسے ممکن ہوگا؟ حضرت پیر دست گیر نے جواباً فرمایا کہ پہلے اشغال و وظائف میں اضافے کی کوشش کرے، جب اس کے آگے قدرت نہ ہو اور اپنی وسعت و گنجائش کی حد تک پہنچ چکا ہو تو حضوری قلب اور ذوق و شوق میں اضافے کی کوشش کرے، یہاں تک کہ ہر روز حضوری اور ذوق و شوق میں اضافہ کرتا جائے۔

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے کہ شیخ ابو محمد سلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: كُلُّ مُرِيْدٍ لا يَصِحُّ لَه فِی الیَومِ وَالَّلیْلَةِ كَذَا وَكَذَا مَسْأَلَةً، فَإِنَّه مَاسَلَکَ الطَّرِیْقَ ہر وہ مرید جس کو ہر روز و شب کچھ احوال اور مسائل پیش نہ آئیں، وہ سالک راہ طریقت ہوا ہی نہیں، یعنی مرید کو چاہیے کہ ہر روز احکام طریقت معلوم کرتا رہے، جو علت اور بیماری یا کسی چیز کا کشف و ظہور ہو تو اسے شیخ سے بیان کرے تاکہ شیخ اس کے سوال کا جواب دے، اس کے مرض کی دوا بتائے اور اس کے کشف و شہود کو واضح فرمائے۔ اس سے اس کے حال میں ترقی ہوگی۔ اگر مرید ایسا نہیں کرتا تو وہ صاحب سلوک نہیں ہے، بلکہ راہ سلوک کے لائق بھی نہیں ہے، اس کا معاملہ آگے نہیں بڑھے گا۔

اے عزیز! یہ جان لو کہ اس راہ میں ضروری ہے کہ طبیب حاذق ہو اور وہ خود بھی صحت مند اور صحیح البدن ہو، ایسا نہ ہو کہ خود اسی کو علاج کی حاجت ہو، ورنہ جو خود بیمار ہوگا وہ دوسروں کا کیا علاج کرے گا۔ بقول شاعر: ع

---

(۱) دیلمی/الفردوس (۵۹۱۰) المقاصد الحسنۃ (۴۷۱)

طَبِیْبٌ یُدَاوِی النَّاسَ وَهُوَ مَرِیْضٌ (وہ جو مبتلا ہے، مریض ہے، وہی اس شہر کا طبیب ہے)

ایک عارف کا شعر ہے:

عالمی خفتہ است و تو خفتہ　　خفتہ را خفتہ کی کند بیدار

(دنیا سوئی ہوئی ہے اور تم بھی سوئے ہوئے ہو، بھلا ایک سویا ہوا دوسرے سوئے ہوئے کو کیسے بیدار کرے گا؟)

اس مقام پر ایک عزیز کہتے ہیں کہ جس نے دل کا طواف کر لیا اس نے مقصود کو پا لیا اور جو دل کی راہ میں غلطی کر گیا وہ ایسا دور جا پڑا کہ پھر اپنے آپ کو واپس نہیں پا سکتا۔ اسی لیے ایک عارف کا قول ہے کہ طالب مولیٰ اپنے مولیٰ کو دنیا اور آخرت میں نہ ڈھونڈے اور جنت، عرش وکرسی میں نہ تلاش کرے، مولیٰ کی راہ تو خود اس کے اندر ہے۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الذاریات:۲۱) (وہ تمھارے وجود میں جلوہ گر ہے، تم غور کیوں نہیں کرتے؟) میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ع

معشوق ہمین جاست بیائید بیائید　　(معشوق یہیں پر ہے، آجاؤ چلے آؤ)

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ فرماتے تھے: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے عمل کا حال دریافت کرنا چاہا تو ان کی زوجہ سے نکاح کر لیا تاکہ جب وہ ان کی بیوی ہو جائیں گی تو ان سے ان کے عمل کا حال بیان کر دیں گی۔ جب وہ نکاح میں آگئیں تو ان سے حضرت عمر نے پوچھا کہ حضرت ابوبکر کا کیا عمل تھا؟ ہمیں خبر کرو تاکہ ہم بھی اس مقام تک پہنچ جائیں؟ ان کی اہلیہ نے جواب دیا کہ اے عمر! میں نے فرائض وسنن کے علاوہ ابوبکر کا بظاہر صرف یہی عمل دیکھا کہ وہ بیٹھ کر سر جھکا کر مراقبے میں مشغول ہوتے، یا پیوند لگے ہوئے پرانے کپڑے پہن کر ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے، بس یہ دیکھا اور وہ جب سر اٹھاتے تو آہ کرتے اور اس سے بھنے ہوئے گوشت کی طرح جلی ہوئی بو آتی۔ صبح کے وقت بھی اٹھتے، وضو کر کے بیٹھتے اور اسی طرح سے آہ ونالہ بلند کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: اللہ کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا کہ ابوبکر کی فوقیت نمازوں اور روزوں کی کثرت کی وجہ

سے نہیں ہے بلکہ اس ایک شئ کی وجہ سے ہے جو ان کے دل میں عظمت کے ساتھ جم گئی ہے، ان کا عمل سب سے برتر تھا، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو افضل اور دوسروں کو مفضول قرار دیا۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر نے ان کی بیوی کو طلاق دے دی اور فرمایا کہ آپ سے نکاح کا میرا مقصد ان کے اشغال معلوم کرنا تھا، معلوم ہو گیا کہ ان کا جو عمل تھا وہ ہم میں سے کسی کا نہیں ہے۔

فائدہ: اوراد سے واردات تک

مرید کے لیے واجب ہے کہ اس کا ظاہر اوراد سے اور باطن ارادت سے، یعنی مقصود سے خالی نہ ہو، یہاں تک کہ اس مرید پر واردات کا نزول ہونے لگے۔ اس وقت مرید واردات کے ساتھ ہوگا، نہ صرف اوراد کے ساتھ اور نہ صرف ارادت کے ساتھ۔

یہ ہوشیار رہنے کا مقام ہے، اس مقام پر رہ نمائی کے لیے پیر و مرشد کی ضرورت ہے، تاکہ وارادات الٰہیہ کی معرفت حاصل ہو سکے۔

وارد: جو محمود خطرات دل پر اترتے ہیں ان کو وارد کہتے ہیں، مثلاً سرور و حزن اور قبض و بسط۔

ارادت: وہ کیفیت ہے جس سے مرید کا باطن ہمیشہ توفیق و اعانت الٰہی اور مقامات کی طلب میں لگا رہتا ہے۔

جب مرید ظاہری معاملات سے قلبی معاملات تک پہنچ جائے تو اس صورت میں مرید کا کام باطن کو معمور کرنا ہوتا ہے، اس کے لیے اوراد و وظائف کو چھوڑ کر فرائض و سنن پر اکتفا کرنا جائز ہوتا ہے، اس وقت وہ ارادات سے بھی رک جائے، تمام مشاغل سے خود کو الگ کر لے، ذکر قلبی کے علاوہ کسی بھی چیز کی پابندی نہ کرے، بلکہ جو چیز بھی ذکر قلبی سے غافل کرنے والی ہو اس سے رک جائے، خواہ وہ خیر ہو یا شر۔ بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ اگر اس حالت میں بھی اوراد و وظائف کی رعایت کر سکے تو یہ کمال ہے، مگر یہ نادر ہے۔

معاملہ جب مشغولیت ظاہری سے مشغولیت باطنی تک پہنچتا ہے تو ظاہری مجاہدات سے اعضا اور جوارح کو رخصت و راحت مل جاتی ہے؛ کیوں کہ جو شخص اسرار کی نگہ داشت، تزئین باطن

اور پاس انفاس میں لگا ہو، اس کو نفس کے مخالف مختلف اعمال کے ذریعے ظاہری مجاہدات کرنے کے لیے فرصت نہیں ہوگی، لہٰذا یقینی طور پر اس صورت میں اس کے اعضا اور جوارح ظاہری مجاہدات سے فارغ اور راحت و سکون میں ہوں گے اور اس وقت وہ باطن کی آبادی، احوال پر نظر اور اسرار کی حفاظت میں مشغول ہوگا؛ کیوں کہ خاصان الٰہی کو وہ اسرار عطا کیے جاتے ہیں جن سے عام لوگ محروم ہوتے ہیں۔

پاس انفاس: پاس انفاس یہ ہے کہ سانس کے باہر نکلنے اور اس کے اندر جانے کی حفاظت کرے، کوئی ایسا کام نہ کرے، کوئی ایسی بات نہ کہے جس میں بے ادبی، بے حرمتی اور بے حضوری ہو بلکہ جو بھی کہے یا کرے اس میں مکمل ادب اور حضوری ہو، سانسوں کی یہ حفاظت اس قدر ہو کہ آخر کار اس مقام تک پہنچ جائے کہ ہمیشہ اس کے ساتھ حاضر رہے، چشم زدن کے لیے بھی اس سے غافل نہ ہو؛ کیوں کہ الغَفْلَةُ مِنَ اللهِ مِنْ أَكْبَرِ الكَبَائِرِ (اللہ تعالیٰ سے غفلت کبیرہ گناہ ہے۔) اسی لیے کہا گیا ہے: الْمُخْلِصُوْنَ عَلٰى خَطَرٍ عَظِيْمٍ (مخلصین کے لیے بڑے خطرات ہیں۔) ع

نزدیکان را بیش بود حیرانی (مقربین کو حیرت و دہشت مزید ہوتی ہے۔)

مولیٰ کی رضا اور اس کی حضوری کے بغیر نہ کوئی سانس باہر آنی چاہیے اور نہ ایک قدم اٹھنا چاہیے؛ کیوں کہ: الأَيَّامُ تَمْضِي، وَالأَنْفَاسُ تُعَدُّ، وَالرَّبُّ يَنْظُرُ، فَافْعَلُوْا مَاشِئْتُمْ إِنَّه بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (دن گزرتے جا رہے ہیں، سانسوں کی گنتی ہو رہی ہے اور رب تعالیٰ دیکھ رہا ہے، اس لیے جو چاہو کرو، بلاشبہ رب تعالیٰ تمھارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔)

اگر فکر دونوں عالم سے گزر چکی ہے تو یہ عظیم کام ہے کیوں کہ قِيْمَةُ المَرْءِ عَلٰى قَدْرِ هِمَّتِه (آدمی کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کے حوصلے سے ہوتا ہے۔)

تو و طوبیٰ و ما و قامت یار فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

(تم شجر طوبیٰ کو لے کر مست رہو اور ہم اپنے محبوب کے قد رعنا کے ساتھ مگن رہیں، ہر شخص کی سوچ اس کے حوصلے کے لحاظ سے ہوتی ہے۔)

فقیر کی عبادت نفی خواطر ہے

فقیر کی عبادت خواطر کی نفی ہے، ان چاروں خواطر کی نفی جن کا بیان ماسبق میں گزر چکا ہے اور جن کی وضاحت ہو چکی ہے۔ ان میں سے جو خواطر حقانی اور ملکوتی ہوں گے وہ زائل نہیں ہوں گے اور جو خواطر شیطانی اور نفسانی ہوں گے وہ زائل ہو جائیں گے اور ایسا اس لیے کہ لطیفۂ سرّ میں جو باتیں وارد ہوتی ہیں وہ ضروری طور پر حق تعالیٰ کی جانب سے الہام ہی نہیں ہوتیں، بلکہ یہ بھی ممکن ہے وہ شیطان کے وسوسے اور نفس کی سرگوشیاں ہوں، اس لیے سالک کو چاہیے کہ نفی خواطر میں اسی طرح لگا رہے تا کہ مختلف خواطر دین واسلام کے لیے نقصان دہ نہ ہو جائیں۔

خاطر: بغیر قصد وارادہ کے دل میں گزرنے والی ہر چیز کو خاطر کہتے ہیں لیکن جماعت صوفیہ کے نزدیک جو بات حق تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہو اسی کو خاطر کہتے ہیں اور جو شیطان یا نفس کی طرف سے ہو، اگرچہ اس کو بھی خاطر کا نام دے دیا جاتا ہے، لیکن اس کا اصل نام وسوسہ ہے، جیسا کہ نفس کی طرف آنے والے خطرے کا اصل نام ''ہواجس'' ہے۔ مشائخ نے کہا ہے کہ خواطر، وساوس اور ہواجس کے مابین وہ شخص فرق کر سکتا ہے جس کا لقمہ حلال ہو، حرام کھانے والے کے دل میں گزرنے والے سارے خطرات وسوسہ ہوتے ہیں، وہ خواطر نہیں ہوتے اور جس کا لقمہ مشتبہ ہو اس کے یہاں خواطر، وساوس اور ہواجس کی آمیزش ہوتی ہے۔

مرید مبتدی کا کذب

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ جب تم مرید کو شہوتوں کا غلام اور نفس کی خواہشات اور لذتوں میں ڈوبا ہوا دیکھو تو یہ یقین سے جان لو کہ وہ اپنی ارادت کے دعوے میں جھوٹا ہے، اس لیے کہ ارادت دل کی ایک صفت ہے جو بظاہر محسوس نہیں ہوتی، اس کا علم علامت کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔

مرید کے صدق ارادت کی علامت یہ ہے کہ وہ شہوتوں کو ترک کرنے والا اور نفس کے مطالبات کی مخالفت کرنے والا ہو۔ اگر یہ باتیں اس کے اندر نہ ہوں تو یقیناً وہ اپنے دعوے میں

سچا نہیں ہے، جھوٹا ہے۔ کہتے ہیں کہ جو مرید سرکشی اور نافرمانی میں اپنے نفس کو فرعون کی طرح نہ جانتا ہو وہ توحید میں صادق نہیں ہے۔ دیکھو! فرعون نے اپنی قوم کو اپنی عبادت کی دعوت دی لیکن اس سے ہم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، لیکن یہ کافر نفس شب و روز بار بار ہم کو اپنی عبادت کی دعوت دیتا ہے، اس لیے مرید کے لیے ہر وقت لازم ہے کہ وہ نفس کو اپنا دشمن سمجھے؛ کیوں کہ جس نے نفس کو یقین سے اپنا دشمن جان لیا اس نے حق تعالیٰ کی محبت سے ابدی حصہ حاصل کر لیا اور نفس کو یقینی طور پر اپنا دشمن جاننے کی پہچان یہ ہے کہ نفس کی مراد اور اس کا مطلوب حاصل نہ ہو تو وہ زیادہ خوش نظر آئے اور اس کا مطلوب حاصل ہونے کی صورت میں اتنا خوش نظر نہ آئے۔ غور کرو، حضرت داؤد کو فرمان الٰہی ہوا: یَادَاوٗدُ دَعْ نَفْسَکَ وَ تَعَال اے داؤد! اپنے نفس کو چھوڑ کر میری طرف آؤ۔

خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی سالک کونین سے آگے گزر چکا ہو، لیکن ابھی اس کے نفس کی ایک مراد باقی ہو تو اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ انھوں نے جواب دیا: اَلْمُکَاتَبُ عَبْدٌ وَاِنْ بَقِیَ عَلَیْهِ دِرْهَمٌ (مکاتب غلام پر جب تک ایک درہم بھی باقی ہو غلام ہی رہے گا۔)

خواجہ پندارد کہ دارم حاصلی ‌‌ ‌ حاصل خواجہ بجز پندار نیست
(زعم ہے حضرت کو کچھ حاصل ہوا ‌ ‌ حاصل حضرت فقط اک زعم ہے)

نفس کی حفاظت اسی وقت ہو سکتی ہے جب اس کے مطالبات اور اس کی شہوتوں کو ترک کر دیا جائے، یہاں تک کہ جو چیز بھی نفس کو اچھی لگے اس کے برعکس کیا جائے اور ایک لمحے کے لیے بھی اس کی مراد پوری نہ کی جائے، اگرچہ وہ طاعت ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ نفس مرید کو طاعت اور نیکی کی راہ سے بھی معصیت اور گناہ کی جانب لے جاتا ہے۔

نفس کے دس اوصاف

نفس کی اصل صفات دس ہیں: (۱) بخل (۲) کبر (۳) خود پسندی (۴) ریا (۵) حسد (۶) شدت غضب (۷) حرص طعام (۸) حرص سخن (۹) مال کی محبت (۱۰) جاہ کی محبت۔ سالک

ان عادات وخصائل سے نجات پانے کے بعد راہِ اخلاص میں قدم رکھتا ہے اور نفس کی مخالفت کے بغیر ان عادات وخصائل سے نجات پانا ناممکن ہے۔ اگر نفس کو کھانا اچھا لگتا ہو تو فاقہ کشی کرے اور کھانا کسی اور کو دے دے، اگر اسے گفتگو اچھی لگتی ہو تو خاموش رہے اور اگر اُسے خاموشی پسند ہو تو گفتگو کرے۔ اسی طرح تمام باتوں میں نفس کی مخالفت کرے؛ کیوں کہ نفس کی مخالفت کے بغیر نفس کے شر سے بچنا ناممکن ہے۔

نفس کی بلائیں زیادہ ہلاکت خیز ہیں

اہل معرفت شیطان کی بلاؤں سے زیادہ نفس کی بلاؤں سے ڈرتے ہیں، اس لیے کہ اہل معرفت سے بھی نفس جدا نہیں ہوتا، اس لیے وہ یہ کرتے ہیں کہ نفس کی مراد اور اس کی مرضی کو قدموں تلے روند ڈالتے ہیں تاکہ دل کے سامنے سے نفس کا حجاب اٹھ جائے اور جب نفس کا حجاب اٹھ جاتا ہے تو نہ شیطان ان کی طرف راہ پاتا ہے، نہ دنیا اور نہ خلق ان کی جانب راہ پاتی ہے، کیوں کہ ہر شر کی جڑ نفس ہے اور جب جڑ ہی اکھیڑ دی گئی تو یقینی طور پر شاخیں خود بخود خشک ہو کر ختم ہو جائیں گی۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ سالکین وعارفین نے اپنے نفس سے ایسی جنگ کی ہے کہ اس سے کبھی صلح نہیں ہو سکتی۔ سالوں سال گزر جاتے ہیں اور سالکین وعارفین نفس کے لیے نفس کو کوئی چیز نہیں دیتے، ایک قدم بھی اس کی خواہش سے نہیں چلتے اور جس چیز میں نفس کی ذلت وخواری ہوتی ہے اس کے لیے پوری کوشش کرتے ہیں، یہاں تک کہ نفس کی صفات میں سے اگر کوئی ایک صفت بھی باقی رہتی ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ ابھی بت اور زنار باقی ہے۔ طالبان مولیٰ کے لیے جو شئے بھی حجاب بنے وہ اس کے لیے بت اور زنار ہے۔

خواجہ بایزید کا واقعہ

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے کہ ایک رات تہجد کے وقت سبحان اللہ کہنے کی مقدار، نفس نے خواجہ بایزید کو کاہلی میں گرفتار کر دیا، خواجہ نے فوراً اپنا محاسبہ کیا کہ ایسا کیوں ہوا؟ نفس کو ٹٹولا اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کا جائزہ لیا۔

ایک عابد کا واقعہ

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے کہ حقیقت سے خالی ایک فقیر ایک بیابان میں آکر مقیم ہو گیا اور ریا والی عبادت میں مشغول ہو گیا، پورا ایک سال گزر گیا اور اس نے کھانا نہیں کھایا، جب لوگ اس سے ملنے جاتے تو ملاقات نہیں کرتا، ایک سال کے بعد اس نے ملاقات کا ایک دن متعیّن کیا اور کہا کہ فلاں مقام پر آکر لوگ ملاقات کریں وہاں ملاقات ہو گی، سب لوگ اکٹھا ہو کر اس روز ملاقات کے لیے جاتے، اس دن لوگوں کا بے حد ہجوم ہوتا اور اسی امید کے ساتھ وہ پورے سال بھوکا رہتا، اس کی غذا ہی یہی بن گئی تھی۔ اچانک اس علاقے میں ایک حقیقت آشنا صاحب عرفان و ایقان درویش تشریف لے آئے۔ انھوں نے جب اس کا حال سنا تو کہا کہ یہی اس کی غذا بن گئی ہے، اس کو آفات نفس کی معرفت حاصل نہیں ہے، جب معین دن آیا وہ درویش اس فقیر کے پاس گئے اور پھر واپس چلے آئے اور لوگوں سے کہا کہ میں مخدوم کی زیارت کے لیے گیا تھا، انھوں نے فرمایا کہ آج مجھ کو ایک کام ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص مقام ہے، اس لیے آج کوئی ملنے نہ آئے۔ یہ سن کر لوگ اس روز ملاقات کے لیے نہیں گئے۔ ادھر وہ فقیر اپنی عادت کے مطابق اس روز آیا، پورے دن اور رات انتظار میں رہا لیکن کوئی شخص نہیں گیا اور جب اس روز اس کو اس کی غذا نہیں ملی تو وہ وفات پا گیا۔ لوگ جب دوسرے دن اس سے ملاقات کے لیے گئے تو اس کو مردہ پایا۔ تب اس درویش نے اس کا قصہ اور حقیقت حال بیان کیا کہ وہ فقیر حقیقت سے خالی تھا، تصوف کے احوال کی اس کو کوئی خبر نہیں تھی، وہ لوگوں کی مدح و ثنا کے دام میں گرفتار تھا، آفات نفس سے اس کو واقفیت نہیں تھی، اس کی سال بھر کی غذا یہی تھی، اسی خوشی میں وہ سال بھر گرفتار رہتا اور اس کو کھانے کی کوئی حاجت محسوس نہیں ہوتی، اب جب اس بے چارے کو اس کی غذا نہیں ملی تو اسے موت آگئی۔

شرورِ نفس

نفس کا نفاق یہ ہے کہ ظاہر و باطن یکساں نہیں ہوتا۔ نفس گندم نمائی کر کے جو فروشی کرتا

ہے۔ ہمیشہ اپنی نیکیوں کو ظاہر کرتا ہے اور اپنی خرابیوں کو چھپاتا ہے۔ اگر ایک رات میں ایک لاکھ فساد کا کام کر ڈالے اور حکم الٰہی کے خلاف اعمال انجام دے تب بھی نفس نہیں چاہتا کہ کوئی اسے جانے، البتہ! اگر کسی رات تھوڑی دیر بھی بیدار رہ جاتا ہے یا چند رکعتیں ادا کر لیتا ہے تو نفس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس بات کو سارے عالم اور سارے جہان کے لوگ جان جائیں۔ الحَائِكُ إذَا صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ يَنْتَظِرُ الوَحْيَ (کپڑا بننے والا اگر دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہے تو وحی کا انتظار کرتا ہے۔) سے اسی طرف اشارہ ہے؛ کیوں کہ کپڑا بننے والا وصف حماقت سے متّصف ہے اور نفس تمام احمقوں اور کم عقلوں سے بڑھ کر ہے۔ اس سے حماقت اور کم عقلی کے علاوہ کوئی اور کام ہو ہی نہیں سکتا۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مِنْ سَعَادَةِ الرَّجُلِ أَنْ يَكُوْنَ خَصْمُه عَاقِلًا، وَخَصْمِيْ لَاعَقْلَ لَه (انسان کے لیے یہ سعادت کی بات ہے کہ اس کا دشمن عقل مند ہو اور میرا دشمن بے عقل ہے۔) یعنی نفس ایسا دشمن ہے جو عقل سے خالی ہے۔

اے عزیز! دیکھو! اس سے بڑھ کر نفس کی کم عقلی اور حماقت اور کیا ہوگی کہ خود کو ربوبیت کے دعوے میں گرفتار کر لیتا ہے اور حکم الٰہی کی مخالفت میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ ہم نفس کے شر اور اس کی حماقت مآبی سے اللہ کی پناہ کے طالب ہیں۔

اس سے مراد شرک خفی ہے اور وہ یہ ہے کہ نفس حق تعالیٰ کے علاوہ اس کے غیر سے خوف رکھتا ہے، غیر سے امید رکھتا ہے اور غیر کی جانب نفع اور ضرر کا اعتقاد رکھتا ہے اور یہ سب شرک ہے، جب تک غیر کا خوف اور غیر سے امید کا معاملہ دل سے دور نہیں ہوگا اور جب تک حق تعالیٰ کے علاوہ غیر کو نفع دینے والا، ضرر پہنچانے والا، عطا کرنے والا اور عطاؤں کو روکنے والا سمجھتا رہے گا، اس وقت تک وہ مشرکین کے زمرے سے باہر نہیں نکلے گا اور دام شرک سے نجات نہیں پائے گا۔ اسی لیے محتسب عارفاں شیخ قوام الدین عباسی فرماتے ہیں:

توئی چون مومن مشرک موحد نیستی واللہ　　　موحد آن گہی گردی کہ رو از غیر گردانی

(تم جب تک مومن مشرک ہو بخدا تم موحد نہیں ہو، موحد تم اسی وقت بنو گے جب

غیر اللہ سے اپنا منہ پھیر لوگے۔)

پیر دستگیر قطب عالم قدس سرہ فرماتے تھے کہ ایک روز خواجہ بایزید کے پیٹ میں درد ہوا، ایک عزیز آپ کی عیادت کے لیے پہنچے، خواجہ بایزید نے فرمایا: رات کو دودھ نوش کر لیا تھا اسی وجہ سے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ ایک رات خواجہ بایزید مقام انبساط میں نعرۂ محبت بلند کر رہے تھے کہ ہاتف نے آواز دی: اے مشرک! نعرۂ محبت مت بلند کر اور یہ دعویٰ نہ کر، کیا تو دودھ والی شب کو فراموش کر گیا، جب تو نے یہ کہا تھا کہ میرا درد شکم اس دودھ کی وجہ سے ہے اور یہ نہیں کہا کہ یہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

اے عزیز! کبھی بھی نفس کو درست مت سمجھو؛ کیوں کہ وہ اسلام کا دعویٰ رکھتے ہوئے شرک نہیں چھوڑتا، نفس اور مسلمانی دونوں کے درمیان بعد المشرقین ہے۔ کہنے والے نے اچھی بات کہی:

اے دل تو دمی مطیع سبحان نشدی و ز خوئ بدت ہیچ پشیمان نشدی
درویش شدی و زاہد و دانشمند این جملہ شدی، ولی مسلمان نشدی

(۱) اے دل! تو ایک لمحہ بھی حق سبحانہ تعالیٰ کا فرماں بردار نہ ہوا اور اپنی بری خصلتوں پر پشیماں نہیں ہوا۔

(۲) تو درویش، زاہد اور عالم سب کچھ تو ہو گیا، لیکن مسلمان نہیں ہوا۔

سالک کو یہ جاننا چاہیے کہ نفس اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے دعوے میں اللہ تعالیٰ کی "ضد" اور اپنے مطالبے میں اللہ تعالیٰ کا "ند" بن جائے۔ "ضد" اس کو کہتے ہیں جو مخالف ہو اور "ند" ہم سر اور مثل کو کہتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اس بات کا مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس کی مدح و ثنا کریں اور نفس بھی لوگوں سے اسی کا طلب گار ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اس بات کا مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس کے اوامر و نواہی کی خلاف ورزی نہ کریں اور نفس بھی لوگوں سے اسی بات کا طلب گار ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اس بات کا مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس کو جود و سخا اور فضل و کرم سے متّصف کریں اور نفس بھی لوگوں

سے اسی بات کا خواہش مند ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اس بات کا مطالبہ کیا ہے کہ وہ صرف اسی کی طرف رغبت رکھیں اور صرف اسی سے خوف کھائیں اور نفس بھی لوگوں سے اس بات کا طلب گار ہے۔ یہ ساری صفتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں، بندوں کی نہیں ہیں، بندوں کے اندر ایسی صفتیں خودی اور نخوت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

دیکھتے نہیں کہ ملعون فرعون خود کو کچھ سمجھنے لگا، اس نے ان تمام صفات کو اپنے اندر تصور کر لیا اور أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ کا دعویٰ کر بیٹھا، خیال رہے! یہ نہ سمجھنا کہ یہ صفتیں اس کے اندر موجود تھیں اور ماو شما کے اندر نہیں ہیں، جس کے اندر بھی نفس ہے سب کے اندر یہ صفتیں مخفی ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ وہ آشکارا أَنَا رَبُّكُمُ الأَعْلَىٰ کا نعرہ بلند کر بیٹھا اور دوسروں نے اپنے اس دعوے کو چھپا رکھا ہے، اس لیے فرعون کا دعویٰ شرک جلی ٹھہرا اور یہ شرک خفی قرار پایا۔ اس لیے آدمی کو چاہیے کہ خود کو فرعونی دعوے میں گرفتار نہ کرے۔ اس دعوے کو ختم کرنے کی صورت صرف یہی ہے کہ نفسانیت کو جڑ سے اکھیڑ پھینکا جائے اور نفس کو مقہور کر دیا جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمام طاعتوں کی بنیاد نفس کی مخالفت ہے اور تمام گناہوں کی بنیاد نفس کی موافقت ہے۔ (۱)

ہوشیار! ہمیشہ نفس کی مخالفت کرتے رہنا، اس کی موافقت اور پیروی نہ کرنا، دیکھو، کہنے والے نے کتنی اچھی بات کہی ہے:

نفس گبری سرکش است وکشتن گبران غزا ناکشندہ نفس چون میرد بجز مردار نیست
گر حیات خوب خواہی نفس راگردن بزن زان کہ ازوی ہیچ دشمن تر درین دیار نیست

(۱) نفس سرکش کافر ہے اور کافر کو قتل کرنا جہاد ہے، جو اپنے نفس کو قتل نہیں کرتا جب وہ مرتا ہے تو خالص مردار ہوتا ہے۔

(۲) اگر اچھی زندگی چاہتے ہو تو نفس کا قلع قمع کر دو، اس لیے کہ اس ملک میں اس سے بڑھ کر کوئی دشمن نہیں۔

---

(۱) اس طرح کی کوئی روایت نہیں ملی ہے، لیکن معنی صحیح ہے ہو سکتا ہے کہ یہ کسی صوفی کا قول ہو۔

سالکین وعارفین نے اپنے سفر سلوک میں ان تمام باتوں کا مشاہدہ کیا ہے اور اپنے مشاہدے کے لحاظ سے خبر دی ہے تاکہ طالبین اس سے متنبہ ہوجائیں اوراس لیے بھی تاکہ حقیقت ومعنی سے خالی مدعیان تصوف کے لیے منع وزجر کا سبب بن جائے۔ویسے اللہ ہی اپنی محبوب اور پسندیدہ چیزوں کی توفیق عطافرمانے والا ہے۔

خزانۂ جلالی میں ہے کہ سید السادات حضرت جلال الدین بخاری قدس سرہ نے فرمایاکہ روح بادشاہ ہے، عقل اس کا وزیر، فرشتے اور خشیت الٰہی اس کے لشکر ہیں۔دوسری طرف نفس بادشاہ ہے،شیطان اس کا وزیر ہے اور ہویٰ اس کا لشکر ہے۔ان دونوں بادشاہوں میں برابر جنگ جاری ہے۔جب روح غالب ہوتی ہے تو اس شخص سے بھلائیاں، نیکیاں اور عبادتیں وجود میں آتی ہیں اور اگر معاذاللہ !نفس غالب آجاتا ہے تو اس سے فسق وفجور کا صدور ہوتا ہے اور دل کا حال یہ ہے کہ وہ ان دو فریقوں میں جس کو غالب دیکھتا ہے وہ اس کا دوست اور مددگار بن جاتا ہے۔دل کے اندر اسی تبدیلی کی صفت کے پائے جانے کی وجہ سے اس کو قلب کہا جاتا ہے۔عبادت وریاضت کے ذریعے جب روح غالب ہوجاتی ہے تو اسے پرواز کی صفت حاصل ہوجاتی ہے اور نفس اگرچہ کثیف ہے لیکن چوں کہ وہ بھی روح کے ساتھ ہے،اس لیے اس کو بھی پرواز کی قوت حاصل ہوجاتی ہے۔

حضرت سید السادات نے یہ بھی فرمایاکہ اگر روح غالب ہے تو کل بروز قیامت نفس بھی آرام اور راحت میں ہوگا، اس لیے کہ وہ روح کی صحبت میں ہے اور اگر معاذاللہ !نفس غالب ہو جائے تو باوجودیکہ روح کی یہ خواہش ہے کہ وہ نیک اعمال کرے لیکن صحبت نفس کی شامت کی وجہ سے روح کو بھی عذاب دیا جائے گا،اس لیے کہ روح اصل ہے اور اولاد آدم کا قیام اسی سے ہے۔مثال کے طور پر اگر ایک لنگڑا اور ایک اندھا کسی باغ میں چوری کرنے جائیں، اندھا، لنگڑے سے کہے کہ تم میرے کندھے پر سوار ہوجاؤ اور درخت سے پھل توڑ لو اور پھر لنگڑا ویسا ہی کرے، تو اس صورت میں مجرم دونوں ہوں گے، اس لیے کہ دونوں کے واسطے سے وہ چوری عمل میں آئی ہے۔ان میں کوئی بھی تنہا چوری نہیں کر سکتا تھا۔

فائدہ:

لباس صوفیہ

مشائخ نے کہا ہے کہ مرقعہ پہننا دو طرح کے لوگوں کے لیے ہی روا ہے، ایک ان لوگوں کے لیے جو دنیا سے منقطع ہوں اور دوسرے اُن لوگوں کے لیے جو حق تعالیٰ کے مشتاق ہوں۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ پیوند والا لباس اللہ کے ولیوں کا لباس ہے۔ اس کو پہننے کی شرط یہ ہے کہ اس لباس کو کفن سمجھے کہ اب لذتوں اور زندگی کی بہاروں کی امید منقطع ہو چکی ہے۔ دل کو زندگی کی راحتوں سے پاک کر لے اور اپنی بقیہ زندگی حق تعالیٰ کے لیے وقف کروا لے۔

نااہلوں سے خرقہ واپس لینا

شیخ علاؤ الدین سمنانی کے رسالے میں مذکور ہے کہ معاذاللہ !اگر سالک کو خرقہ پوشی کے بعد بے توفیقی حاصل ہو، وہ الٹے پاؤں پلٹنا شروع کر دے اور پھر سے بیہودگی میں لگ جائے تو شیخ پر واجب ہے کہ وہ خرقہ واپس لے لے اور اگر شیخ حاضر نہ ہو تو شیخ کا خلیفہ یا اس کے بزرگ اصحاب پر واجب ہے کہ وہ اس سے خرقہ واپس لے لیں، یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے۔

رئیس درویشاں و محتسب عارفاں شیخ قوام الدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے اندر بھی اس بات کی طاقت ہو کہ وہ ایسے لوگوں کی ناپسندیدہ روش کو بدل سکے تو وہ بدل دے، اس طرح کے لوگوں کو ان کے حال پر نہ چھوڑے۔

اے عزیز! بعض مشائخ اس بات کا دعویٰ نہیں کرتے، وہ اس دعویٰ سے پرہیز کرتے ہیں اور عام لوگوں کی طرح رہتے ہیں، وہ بے تکلف لباس اختیار کرتے ہیں اور مریدوں کو بھی اسی

بات کا حکم دیتے ہیں کہ جو لباس چاہیں پہنیں، اگر عبا مل جائے تو اسے پہن لیں اور اگر قبا مل جائے تو اسے پہن لیں، یہ طریقہ روشن اور بہتر ہے۔

مراد اہل طریقت لباس ظاہر نیست کمر بخدمت سلطان بند و صوفی باش

(اہل طریقت کا مقصود ظاہری لباس نہیں ہے، بادشاہ کی خدمت کرو اور صوفی رہو۔)

بعض مشائخ ایسے بھی گزرے ہیں جو ایک سے زیادہ کپڑے کو مکروہ سمجھتے تھے اور بعض ایک سے زیادہ کپڑا احتیاطاً روا رکھتے تھے، تاکہ اگر ایک کپڑا ناپاک ہو جائے یا اس کی طہارت مشتبہ ہو جائے تو دوسرا کپڑا پہن لیں۔ البتہ بعض مشائخ، مریدین کو پیلا لباس پہناتے ہیں اور ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ مرید متنبہ ہو جائے اور خود کو خرقہ کے لائق بنا لے۔

فائدہ: خرقۂ مشائخ کی اقسام اور ان کے لطائف

یہ بات ذہن نشین کر لو کہ بعض مشائخ نے بعض مخصوص لباس اختیار کیے ہیں، مختلف مقامات کے لیے انھوں نے مختلف لباس کو خاص فرمایا ہے، پھر ان لباسوں کے لیے مختلف شرائط رکھی ہیں۔ وہ لباس پانچ قسم کے ہیں: (۱) مُثنیٰ (۲) مُرقَّع (۳) ملمّع (۴) خشِن (۵) طلق۔

(۱) مثنیٰ وہ لباس ہے جس میں دو کپڑے ہوں، ایک باہر اور ایک اندر، اور ان دونوں کے درمیان کوئی چیز نہ ہو۔ یہ مرید کا پہلا لباس ہے۔ مرید اگر اس لباس کو پہنتا ہے تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مرید ابتدا میں دو امور میں مشغول ہے، اوامر کی ادائیگی اور نواہی سے پرہیز، گویا باطن میں جب دو چیزیں ہوں گی تو ظاہر میں اس کا لباس مثنیٰ ہوگا؛ کیوں کہ اَلظَّاهِرُ عُنْوَانُ الْبَاطِنِ۔

(۲) مرید جب اس مقام پر ثابت قدم ہو جائے تو اب وہ مرقع پہنے گا، مرقع وہ لباس ہے جس میں دو کپڑوں کے بیچ میں اون کے کپڑے یا کسی اور کپڑے کا ٹانکا لگا ہو، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس شخص کے اندر تین صفتیں ہیں: (۱) نفس الکلمہ (۲) عین الکلمہ (۳) محض الکلمہ

نفس کلمہ اوامر و نواہی کی بجا آوری میں ثبات کا نام ہے، عین کلمہ ذکر الٰہی میں انس و راحت حاصل کرنے کا نام ہے اور محض کلمہ ترقی کرنے اور مقامات طے کرنے کا نام ہے اور کلمہ سے مراد ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کا اس سے خطاب ہے۔

(۳) جب مرید اس مقام کو طے کرلیتا ہے تو اس کے لیے لباس ملمع پہننا جائز ہو جاتا ہے۔ ملمع اس لباس کو کہتے ہیں جس میں مختلف رنگ ہوں۔ یہ لباس اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس بندے نے عالم میں آشکار حق تعالیٰ کی صناعی اور اس کی صفت بدیعت کی رنگارنگی کو پہچان لیا ہے، ہر چیز کی حقیقت کو اس نے سمجھ لیا ہے اور مختلف قسم کی بلاؤں اور سختیوں سے اس کے دل کو آرام مل چکا ہے۔

(۴) اس کے بعد مرید کے لیے لباس خشن پہننا روا ہو جاتا ہے، خشن اس خرقہ کو کہتے ہیں جس میں بخیے بہت زیادہ ہوں۔ یہ لباس اس بات کا اشارہ ہے کہ سالک اب زخموں اور مصیبتوں کو قبول کرنے کے لیے تیار ہے، یعنی خرقۂ خشن میں جو بھی سوئی چبھوئی جائے گی، اس سے اس کے دل میں زخم لگے گا اور اس زخم پر وہ اپنے دل کو سکون واطمینان کے ساتھ رکھے گا۔

(۵) اس کے بعد اس کے لیے خرقۂ طلق پہننا جائز ہو جائے گا۔ خرقۂ طلق اس خرقہ کو کہتے ہیں جس میں بخیوں اور ٹانکوں کے علاوہ مختلف قسم کے نئے اور پرانے ٹکڑے بہت زیادہ ہوں۔ یہ لباس اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس بندے نے تکلف کو ترک کر دیا ہے، اس نے اپنی بشریت کو سرنگوں کر دیا ہے اور لوگوں کی ملامتوں کی طرف توجہ ترک کر دی ہے۔

یہ سارے لباس جو ہم نے بیان کیے ہیں، درویشوں نے یہ لباس اپنے مریدوں کو اس وقت تک نہیں پہنایا جب تک کہ انھیں اس لباس کے لائق نہیں پایا۔

مرید کو چاہیے کہ پہلے خود کو ان ملبوسات کے لائق بنائے، پھر انھیں پہنے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض مشائخ ابتدا میں ہی یہ لباس پہنا دیتے ہیں تاکہ خواہ مخلوق کی شرم سے یا خالق کی شرم سے یہ لباس اس مرید کے لیے قید، مصیبت اور ہوائے نفس سے پناہ کا ذریعہ بن جائے، اس کو خرقۂ تبرک کہتے ہیں۔

سید السادات حضرت جلال الدین بخاری قدس سرہ نے فرمایا کہ درویش جو بھی لباس پہنے وہ کسی نیت اور کسی معنی کے ساتھ پہنے، اس کو چاہیے کہ اگر ظاہر میں اس نے سفید پہنا ہو تو باطن کو بھی کینہ حسد، کبر، بخل اور دوسری کدورتوں سے صاف کرلے۔

لباس کبود (نیلا لباس) مصیبت والوں کا لباس ہے۔ جو ایسا لباس پہنے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے گناہوں کو اس طور سے سوچے گویا وہ ہر حال میں معصیت میں ڈوبا ہوا ہے۔ مشائخ نے فرمایا ہے جو جامۂ کبود پہن کر ہنسا، طریقت میں اس پر غسل جنابت لازم ہے۔ خرقۂ کبود وہ پہنے جو شیطانی وسوسوں اور رحمانی الہام کا فرق سمجھتا ہو۔

لباس سرخ وہ پہنے جو خود کو شہید کی طرح خون آلود اور مردہ جانتا ہو۔

جامۂ ہزار خطی وہ پہنے جس نے تمام طرق مشائخ کا سلوک طے کیا ہو اور اپنے افعال واقوال کے ذریعہ تمام اولیا کی پیروی کرتا ہو اور گلیم (کمبل) وہ پہنے جو فقر و مجاہدہ کے بوجھ سے نالاں نہ ہو۔ یہ کمبل اونٹ کے بال کا ہوتا ہے اور اونٹ پر دو تھیلا بوجھ رکھ دیا جاتا ہے، لیکن اس کی وجہ سے وہ نالاں نہیں ہوتا۔ لہٰذا جو اس کا لباس پہنے اس پر دنیا و عقبیٰ کا دو بھاری بوجھ رکھا ہو تو وہ نالاں نہ ہو۔

اونٹ کے بال کے رنگ [1] کا لباس وہ پہنے جو اونٹ کی طرح پیچھے پیچھے چل سکتا ہو، جس

---

(۱) خاکی، مائل بہ زرد، عاشق کا رنگ چوں کہ زرد ہوتا ہے، وہ محبوب کی جدائی کے غم میں پیلا پڑ تا ہے۔ ایسے طالبین مولیٰ جو وصال مولی کے حصول میں زدر ہو چکے ہیں، انھیں حق ہے کہ بظاہر بھی لباس زرد زیب تن کریں، کیوں کہ ان کی مثال اس اونٹ کی ہوتی ہے، جو اپنے آقا کے پیچھے پیچھے بصد شوق اور بغیر کسی جبر و اکراہ کے چلتا رہتا ہے۔ طالبین حق بھی آتش ارادت سے اپنی خواہشات کو بھسم کر چکے ہوتے ہیں اور اپنی زندگی کو ارادۂ مولیٰ کے تابع کر چکے ہوتے ہیں۔

مرشد گرامی شیخ ابو سعید ادام ظلہ علینا فرماتے ہیں: صوفیہ نے مرید کی مثال اونٹ سے دی ہے اور یہ انتہائی بلیغ مثال ہے۔ قرآن پاک میں ہے: اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ (الغاشیہ) کیا وہ اونٹ کی خلقت میں غور نہیں کرتے! اونٹ کی خلقت عجیب و غریب ہے، ایک صوفی کے لیے اس میں بے شمار اشارات اور عبرتیں موجود ہیں۔ طالب صادق ایک اونٹ کی طرح ہوتا ہے۔ وہ انتہائی درجہ متواضع ہوتا ہے، جسمانی ہیبت اور طاقت رکھتے ہوئے وہ اپنے آقا کا مکمل تابع ہوتا ہے اور اس کے پیچھے چلتا رہتا ہے، اس کا آقا اس پر بھاری بوجھ بھی لاد دیتا ہے جو اس کی دونوں جانب لٹکتا رہتا ہے، اسے کھانے پینے کی بھی بہت فکر نہیں ہوتی، دوسرے جانور نرم و تازہ سبزہ کھاتے ہیں جب کہ اونٹ روکھا سوکھا کانٹے دار پتے بھی کھالیتا ہے، اونٹ کے بیٹھنے کا انداز بھی انتہائی متواضع ہوتا ہے، وہ ہمیشہ دوزانو بیٹھتا ہے، اونٹ جب زیادہ بوجھل ہو جاتا ہے تو اس کا آقا اسے نغمے سناتا ہے، حدی کے مترنم اور مدھر نغمے پر اونٹ تازہ دم ہو کر بھاری بوجھ کے باوجود تیز چلنے لگتا ہے۔ طالب صادق بھی اپنے مرشد و مربی کے ہاتھ میں ایک اونٹ کی طرح ہوتا ہے، جس کی نکیل اس کے مرشد کے ہاتھ میں ہوتی ہے، وہ اونٹ کی طرح بے انتہا متواضع اور مودب ہوتا ہے، اپنے نفس سے آزاد اور حکم مرشد کے تابع ہوتا ہے، مرشد اس پر دنیا و آخرت کا بوجھ لاد

طرح اونٹ کی نکیل پکڑ کر کوئی بھی اس کو کہیں بھی لے جا سکتا ہے، اسی طرح ایسے سالک کے اوپر معصیت کے علاوہ جو بھی بار ڈالا جائے وہ اس سے سرتابی نہیں کر سکتا۔ البتہ! جامہ باجوز گرہ[1] جو ائمہ صوفیہ نے پہنا ہے اس کا راز معلوم نہیں ہو سکا۔ شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ جو لباس بنواتے اس کا راز معلوم ہوا، البتہ جامۂ باجوز گرہ راز معلوم نہیں ہو پاتا۔

ایک روز ایک صوفی جامۂ باجوز گرہ پہن کر راستے میں جا رہا تھا، اس نے ایک عورت کو دیکھ لیا، اس عورت نے کہا: اپنے اوپر اتنے اشکال رکھنے کے باوجود تم قدم حد کے باہر رکھ رہے ہو؟

ایک بار ایک درویش شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں خرقہ ہزار میخی پہن کر بہت زیادہ بول رہا تھا، شیخ نے فرمایا: اس خرقہ کو کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا: ہزار میخی، شیخ نے فرمایا: اگر تم ایک میخ (کیل) اپنے منہ میں بھی ٹھونک دیتے تو بہتر ہوتا۔

فائدہ: سنت عمامہ

سید السادات حضرت جلال الدین بخاری قدس سرہ نے فرمایا: سنت یہ ہے کہ عمامہ کھڑے ہو کر باندھے، البتہ اگر وہ ایسا شخص ہو کہ اس کے کھڑے ہونے سے پوری مجلس کھڑی ہو جائے گی تو ایسے شخص کو بیٹھ کر باندھنا چاہیے۔

پیر دستگیر قدس سرہ سماع کے بعد یا سماع کے علاوہ دوسری صورتوں میں مریدین و معتقدین کے ہجوم کے وقت دستار مبارک بیٹھ کر باندھتے، تاکہ کسی کو اٹھنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

فائدہ: متبرک ملبوسات

صوفیہ اپنے پیروں اور مشائخ کے لباس سے برکت حاصل کرتے ہیں، ان کپڑوں کو جمعہ

دیتا ہے، عبادت و ریاضت بھی کراتا ہے اور اپنی خدمت میں بھی مصروف رکھتا ہے، مگر طالب صادق اف نہیں کرتا، مرشد اسے کبھی روزے کا پابند رکھتا ہے تو کبھی روکھی سوکھی غذا دیتا ہے اور آرام و آسائش سے دور رکھتا ہے، ایسا مرید اپنے مرشد کے حضور ہمیشہ مودب اور دو زانو بیٹھتا ہے، چہار زانو یا اکڑ کر نہیں بیٹھتا، مشائخ کے یہاں نغمے کا رواج در اصل ایسے مریدین کو تازہ دم کرنے کے لیے ہوتا ہے، اسی لیے وہ فرماتے ہیں: السماع قوت الأرواح سماع روح کی غذا ہے۔ الغرض مرید صادق اور اونٹ میں بڑی مشابہتیں ہیں، بعض سالکین کا اونٹ کے رنگ والا خاکی یا مائل بہ زرد لباس پہننا اسی مناسبت کے تحت ہے۔

(۱) جوز گرہ: اخروٹ کے شکل کی ایک خوش نما اور منقش ہو، گھنڈی جو ملبوسات پر لگائی جاتی ہے۔ (فرہنگ فارسی)

اور عید کے موقع پر پہنتے ہیں؛کیوں کہ ان کے نزدیک سب سے بہترین کپڑا وہی ہے۔

فائدہ:

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ فرماتے تھے کہ جنید بغدادی قدس سرہ کے زمانے سے صوفیہ نے علما کے طریقے کے مطابق کشادہ آستین کا جبہ اور لمبی دستار باندھنے کو اختیار کر لیا ہے۔

پیر دست گیر قطب العالم فرماتے تھے کہ اس باب میں ان کا مقصود یہ ہے کہ وہ صورت میں تو فقہا ہوں لیکن حقیقت میں عرفا ہوں، خلق ان سے استفادہ کرتی ہو، محروم نہ رہتی ہو، آج کے زمانے میں تنگ آستین کے کپڑے اور چھوٹی دستار چوں کہ دنیاداروں اور فاسقوں کا لباس بن گیا ہے اسی لیے اکثر و بیشتر صوفیہ اسے پہنتے نہیں ہیں۔ اور اسی وجہ سے بعض صوفیہ جامۂ بارانی سے احتراز کرتے ہیں جو آج کل علمائے دنیا کا شعار بن گیا ہے۔

پیر دست گیر قطب العالم یہ بھی فرماتے کہ پہلے مشائخ اور علما، عوام سے جداگانہ اور امتیازی لباس کا اہتمام نہیں کرتے تھے، اور اسی وجہ سے ایک دن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو بلاوجہ حکومت کے افسر پکڑ لے گئے، کہا جاتا ہے کہ اسی روز سے عوام سے جداگانہ اور امتیازی لباس اختیار کر لیا گیا۔

اگر کوئی شخص عصفر میں رنگا ہوا یا سرخ لباس زینت کے لیے پہنتا ہے تو مکروہ ہے اور اگر ستر پوشی یا سردی اور گرمی کو دور کرنے کے لیے پہنتا ہے تو مکروہ نہیں ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ درویش کسی ایک لباس میں مقید نہیں ہوتا، یعنی درویش کو غیب سے جو لباس مل جاتا ہے وہ اسے پہن لیتا ہے؛ کیوں کہ اعتبار مرد کے باطن کا ہے اس کے ظاہری لباس کا نہیں۔

روح کا لباس

انسانی روح کا لباس عبودیت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بندہ جب تک مکمل طور سے عبودیت بجا نہیں لاتا اس وقت تک روح کا لباس نہیں ہوگا اور روح کے کمال تک رسائی حاصل

نہیں کر سکے گا۔ کہا گیا ہے کہ عبودیت عبادت سے بڑھ کر ہے، پہلے عبادت ہے اور پھر اس کے بعد عبودیت ہے، عبادت عام مؤمنین کے لیے ہے اور عبودیت خاص مومنین کے لیے۔

شیخ الاسلام شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبادت تو ہر شخص کو میسر ہے اور وہ یہ ہے کہ عمل اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہو، البتہ! عبودیت دشوار ہے، عبودیت پر کبار اولیائے کرام کو ہی قدرت حاصل ہوتی ہے، عبودیت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کے افعال سے راضی ہو جائے اور ایک قول یہ ہے: العُبُوْدِيَّةُ أَرْبَعَةٌ: الوَفَاءُ بِالعُهُوْدِ، وَ الرِّضَاءُ بِالمَوْعُوْدِ، وَالحِفْظُ لِلْحُدُوْدِ وَ الصَّبْرُ عَلَى المَفْقُوْدِ (عبودیت چار چیزوں کا نام ہے: وعدہ وفائی، رضا بالقضا، حدود کی حفاظت اور شئ مفقود پر صبر۔)

روحِ خفی کا لباس

انسان کی روح خفی کا لباس محبوبیت ہے، محبوبیت متابعت و پیروی کے ساتھ مربوط ہے، جب تک بندہ رسول مصطفیٰ ﷺ کی پیروی میں کامل نہیں ہوگا مقام محبوبیت تک رسائی حاصل نہیں کر سکے گا۔ ارشاد باری ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۱) (اے رسول! آپ کہہ دیجیے، اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم کو محبوب بنالے گا۔)

اتباعِ رسول اور صدق و اخلاص کے واقعات

روایت ہے کہ ایک تابعی انگور نہیں کھاتے تھے، لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ انگور کیوں نہیں کھاتے؟ انگور تو نبی کریم ﷺ نے تناول فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے بندوں پر انگور کے ذریعے احسان جتایا ہے اور جنت میں اس نعمت کی بشارت دی ہے۔ ارشاد باری ہے: فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّا وَّ عِنَبًا (عبس: ۲۷) (اور ہم نے زمین سے دانے اور انگور اگائے۔) انھوں نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تناول فرمایا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ آپ نے جفت عدد (جوڑا) تناول فرمایا ہے یا طاق، جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے کس طرح تناول

فرمایا ہے تب تک میں انگور کیسے کھاؤں ؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ سنت کی مخالفت ہو جائے اور آپ کے طریقے کے خلاف عمل ہو جائے۔

پیر دستگیر قطب عالم سے میں نے سنا ہے کہ ایک دن رسول کریم ﷺ نے ہجرت سے پیشتر فرمایا: ایک وقت ایسا آئے گا، جب ہم مکہ سے ہجرت کریں گے اور مکہ سے مدینے کی جانب روانہ ہو جائیں گے، چنانچہ جب آپ ﷺ نے مکہ سے باہر جانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت ابو بکر صدیق کو دروازے کے باہر کھڑا ہوا پایا، آپ نے فرمایا: اے ابو بکر! تم کو کوئی خبر نہیں تھی، پھر تم کیسے آ گئے ؟ حضرت ابو بکر صدیق نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ایک روز آپ نے فرمایا تھا کہ ایک دن ہم ہجرت کریں گے، اس دن سے آپ کے انتظار میں راتوں کو نیند نہیں آئی، ہر رات تھوڑی تھوڑی دیر بعد آپ کے کاشانۂ اقدس پر حاضر ہوتا اور آپ کا حال دریافت کرتا، یہاں تک کہ یہ وقت آ پہنچا، آپ کی رفاقت میں سفر کرنے کے علاوہ میرے لیے کوئی اور چارہ نظر نہیں آیا۔

ہر کہ او ہم رنگ یار خویش نیست عشق او جز رنگ و بوئے بیش نیست

(جو شخص اپنے یار کے رنگ میں رنگا ہوا نہیں ہے، اس کا عشق، رنگ و بو کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔)

صوفی اور تصوف کی مختلف تعریفات

بعض نے کہا ہے کہ صوفی وہ ہے جس کے پاس کسی چیز کی ملکیت نہ ہو اور اگر ملکیت ہو تو اس کی بقا نہ چاہتا ہو، یعنی وہ یہ نہ چاہتا ہو کہ اس کی دنیا برقرار رہے، جس طرح نبی کریم ﷺ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ ایک رات بھی ایسی حالت میں گزرے کہ دنیا کی کوئی چیز آپ کی ملکیت میں ہو۔

بعض مشائخ کا قول ہے کہ صوفی وہ ہے جس نے اپنے قلب کو اللہ تعالیٰ کے لیے صاف کر لیا ہو، اور حق تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو نہ چاہے، وہ جس مقام تک بھی پہنچ چکا ہو، اس سے گزر جائے، یہاں تک کہ حق تعالیٰ تک اس کی رسائی ہو جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے بارے میں فرمایا: وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (النجم: ۴۲) (بے شک آپ کے رب کی ذات ہی آپ کا مقصود و منتہا ہے۔)

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ صوفی وہ ہے جو شوق کو ایک طرف رکھ کر، دل کو آگے رکھے اور بخل کو ایک طرف رکھ کر، ایثار کو آگے رکھے ۔ بعض نے کہا کہ صوفی وہ ہے جس کو جمعیت قلبی حاصل ہو اور دوسرے کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو، سماع میں وجد ہو اور عمل میں اتباع رسول کریم ﷺ ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ صوفی وہ ہے جس کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ ہو۔ بعض نے کہا کہ صوفی وہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے انسانی لذتوں سے موت دے کر، ان سے فانی کر کے اپنے مشاہدے کے ذریعے بقا کا جام پلا دیا ہو۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں: الصُّوْفِیُّ کَالأَرْضِ صوفی مخلوق کی جفاؤں کو برداشت کرنے میں زمین کی طرح ہوتا ہے، لوگ زمین پر ہر گندی چیز ڈال دیتے ہیں لیکن زمین سے صرف عمدہ اور لطیف چیز ہی نکلتی ہے، اسی طرح صوفی سے ملاحت و لطافت سے پر کلام ہی صادر ہوتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ تواضع اور فروتنی میں صوفی زمین کی طرح ہوتا ہے؛ کیوں کہ زمین پر نیک و بد ہر طرح کے لوگ چلتے ہیں لیکن زمین تواضع کے سوا کچھ اور ظاہر نہیں کرتی، اسی طرح صوفی کے پاس بھی نیک و بد ہر طرح کے لوگ پہنچتے ہیں لیکن صوفی اخلاق اور تواضع کے علاوہ کسی اور چیز کا مظاہرہ نہیں کرتا۔

پیر دست گیر قطب عالم حضرت شاہ مینا فرماتے تھے: الصُّوْفِیُّ مَنْ صَفَا مِنَ الکَدَرِ، وَامْتَلأَ مِنَ الفِکَرِ، وَانْقَطَعَ إِلَی اللهِ مِنَ البَشَرِ، وَاسْتَوىٰ عِنْدَہ الذَّھَبُ وَالمَدَرُ (صوفی وہ ہے جو کدورتوں سے پاک ہو، فکر سے پُر ہو، انسانوں سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اس کے نزدیک سونا اور ڈھیلا دونوں برابر ہوں۔)

حضرت ابن عطا سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: تصوف طبیعت کی پاکی کا نام ہے جو انسان کے باطن میں پوشیدہ ہوتی ہے اور حسن خلق کا نام ہے جو انسان کے ظاہر میں نظر آتا ہے۔

حضرت رویم نے حضرت جنید بغدادی سے تصوف کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا

تو انھوں نے جواب دیا: اے ابو محمد ! اس کی حقیقت جاننے کی کوشش نہ کرو، ظاہر کو لے لو اور حقیقت کے بارے میں سوال مت کرو۔ ابو محمد، حضرت رویم کا نام ہے اور رویم ان کا لقب ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ رویم نے تصوف کی حقیقت جاننے پر اصرار کیا تو حضرت جنید بغدادی نے ان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ صوفیہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح قائم ہوتے ہیں کہ کسی کو ان کے قیام کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تصوف حق تعالیٰ کے ساتھ اس طرح قائم ہونے کا نام ہے کہ حق تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو اس کا علم نہ ہو۔

از کمال حال ایشاں بی خبر باشد فلک — وز سکوت و نطق ایشاں بی اثر باشد ملک

(ان کے حال کے کمال سے آسمان بے خبر ہوتا ہے اور اُن کی خاموشی و گویائی کا فرشتوں کو بھی پتا نہیں چلتا۔)

فائدہ:

اخلاقِ صوفیہ

حضرت مخدوم شاہ مینا کا حلم

پیر دست گیر قطب عالم کا حلم مشہور و معروف تھا، ایک روز ایک مست حجام ہاتھ میں ڈھیلا لیے حضرت شیخ کو گالی دیتے ہوئے آپ کے پاس آیا، برا بھلا کہنے لگا اور گالی دینے لگا۔ حضرت قطب عالم نے کچھ مال نکال کر اس کے ہاتھوں میں رکھ دیا، اس سے بغل گیر ہوئے، وہ حجام یہ دیکھ کر فوراً آپ کے قدموں پر گر پڑا اور چلا گیا۔ آپ کے حلم و تواضع کے اور دوسرے واقعات کو بیان کیا جائے تو گفتگو طویل ہو جائے گی۔

فائدہ: خواجہ چراغ دہلی کا حلم اور واقعۂ وصال

پیر دست گیر فرماتے تھے کہ ایک روز ترابی نام کا ایک ناپاک قلندر حضرت خواجہ نصیر الدین محمود بن یحییٰ (چراغِ دہلی) کے حجرۂ خاص میں داخل ہو گیا۔ حضرت شیخ نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد عین مشغولی کی حالت میں تھے کہ اس قلندر نے آپ پر چاقو سے وار کرنا شروع کیا، گیارہ زخم لگے لیکن آپ استغراق کے جس عالم میں تھے اس سے باہر نہیں نکلے، آپ کے جسم مبارک سے خون بہنے لگا، یہ دیکھ کر بعض مریدین اندر آئے اور انھوں نے اس کو سزا دینی چاہی لیکن شیخ نے اس کی حفاظت کی اور کسی کو اس سے مزاحم نہیں ہونے دیا، بیس تنکہ اس کو انعام میں اس لیے عطا کیا کہ چاقو سے وار کرتے وقت شاید اس کے ہاتھ میں کوئی تکلیف پہنچی ہو گی، اس واقعے کے بعد آپ تین سال باحیات رہے، ۱۸؍ رمضان جمعہ کی شب کو قریب تھا کہ طائر روح، قفس عنصری سے پرواز کر جائے کہ مولا

نازین الدین علی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ آپ کے اکثر مریدین صاحبان حال اور ارباب کمال ہیں ،ان میں سے کسی کو اپنی جانشینی کی بشارت عطا فرمائیں ۔ فرمایا کہ جن درویشوں کے ساتھ تم کو حسن ظن ہے،ان کے نام لکھ کر لے آؤ۔ مولانا نے اعلیٰ،اوسط اور ادنیٰ کی درجہ بندی کر کے لوگوں کے نام لکھ کر پیش کیے۔اس فہرست کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے فرمایا مولانا زین الدین!ان درویشوں سے کہو کہ دوسروں کا بار برداشت کرنے کے بجائے اپنے ایمان کی فکر کریں۔

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے کہ میں جس زمانے میں حضرت مخدوم قوام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے روضے پر مقیم تھا، مجھے ظاہری اضطراب بہت زیادہ ہوتا تھا، بعض اوقات ایسا ہوتا کہ مسافر آجاتے، کھانا تھوڑا ہوتا، میں کھانا سامنے لے کر آتا، چراغ درست کرنے کے بہانے چراغ بجھا دیا کرتا اور اندھیرے میں کھانے میں مشغول ہوتا، میں بھی کھانے میں ہاتھ ڈالتا۔ البتہ! کھانا نہیں کھاتا تھا تاکہ آنے والے سیر ہو کر کھا سکیں۔ان کے ساتھ ہاتھ لگا کر شریک رہنے میں مصلحت یہ ہوتی کہ وہ لوگ یہ سمجھیں کہ میں بھی ان کے ساتھ کھا رہا ہوں، جب کہ میں ان کے ساتھ کھانا نہیں کھاتا اور بھوکا ہی رہ جاتا۔

فائدہ: مخدوم شاہ مینا کی والدہ کا ایثار

پیر دست گیر نے یہ بھی فرمایا کہ ایک روز خواجہ قوام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے روضے پر چند مہمان آگئے، والدہ محترمہ اس وقت باحیات تھیں، میں نے جاکر عرض کیا کہ چند مہمان آگئے ہیں، ان کے لیے کچھ کھانا چاہیے، والدہ نے کہا: کھانا مل جائے گا، جاؤ اور اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ۔ جب رات بہت زیادہ گزر گئی اور کچھ نہیں آیا تو میں کھانے کی تلاش میں گیا۔ دیکھا کہ والدہ تھوڑا سا آٹا گوندھ رہی ہیں ۔ میں نے پوچھا کہ جب آٹا اتنا ہی تھا تو اس قدر تاخیر کیوں ہوئی؟ والدہ نے فرمایا: بیٹے !آٹا اتنا ہی تھا اور کوئی دوسری تدبیر بھی نہیں تھی اور تمھاری بہن کے سب بچے بیدار تھے، میں ان کو بہلاتی رہی یہاں تک کہ وہ سو گئے،اس کے بعد میں نے آٹا گوندھا ہے، اگر ان کے سامنے گوندھتی اور پکاتی تو یہ اپنا حصہ لے لیتے اور مہمانوں کے لیے اتنا تھوڑا کھانا کفایت نہیں کرتا، پکانے میں تاخیر اسی لیے ہوئی۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو میں کھانا لے کر آیا اور مہمانوں کو کھلا

دیا، البتہ! بچوں کے بھوکے رہنے کی وجہ سے دل بہت رنجیدہ ہوا۔

حضرت قطب عالم بارہا فرماتے تھے کہ ان دنوں مجھ کو جو کشادہ دستی حاصل ہے، میرا گمان ہے کہ یہ اسی رات کا صدقہ ہے اور فقر کی یہ روشنی والدہ کی خدمت کی بدولت ہے۔

اہل بیت اطہار کا ایثار

روایت ہے کہ حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما بیمار تھے۔امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی کنیز فضہ نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے ان کو صحت عطا فرمائی تو وہ تین روزے رکھیں گے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت عطا فرمائی، مرض کو صحت سے بدل دیا، تینوں نے نذر پوری کرنے میں سرعت کا مظاہرہ کیا اور نذر کی ادائیگی کی نیت سے روزہ رکھ لیا۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں افطار کے لیے کچھ نہیں تھا، دل میں یہ آیا کہ قرض لے لیا جائے، ایک یہودی سے تھوڑا سا جو قرض لے کر آئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جو کا آٹا تیار کر کے اس کی تین روٹیاں پکائیں اور افطار کے لیے سامنے رکھا، اچانک ایک مسکین پہنچا اور اس نے آواز لگائی: اے اہل بیت نبوت و رحمت! میں ایک مسکین مسلمان ہوں، مجھے کھانا کھلائیے، اللہ تعالیٰ آپ کو جنت کے دسترخوانوں پر جنتی کھانا کھلائے۔ حضرت علی نے اپنی روٹی مسکین کو دے دی، حضرت فاطمہ اور فضہ رضی اللہ عنہما نے بھی اپنی اپنی روٹیاں مسکین کو دیں۔ نذر کے مطابق انھوں نے دوسرے روز بھی روزہ رکھ لیا، پھر شام کے وقت کسی طرح کھانے کا انتظام کیا، عین افطار کے وقت ایک یتیم نے آواز لگائی: اے اہل بیت نبوت و رحمت! میں ایک یتیم ہوں، مجھے کھانا کھلائیے، اللہ تعالیٰ آپ کو جنت کے دسترخوانوں پر جنتی کھانا کھلائے۔ کچھ کھائے بغیر کھانا یتیم کو دے دیا، تیسرے روز انھوں نے پھر نذر پوری کرنے کا ارادہ کر لیا، افطار کے وقت کھانے کا انتظام کیا اور کھانے کی طرف متوجہ ہوئے، ابھی حضرت علی کھانا منہ تک لے ہی گئے تھے کہ ایک بھوکا قیدی در پر آ پہنچا اور زبانِ ملامت دراز کی: اے اہل بیت نبوت و رحمت! لوگوں نے ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا، انھوں نے ہم کو قیدی بھی بنا لیا اور کھانے کے لیے بھی کچھ نہیں دیا، مجھے کھانا کھلائیے، اللہ تعالیٰ آپ کو کھانا کھلائے، میں نبی کریم ﷺ کا اسیر اور ان کا

غلام ہوں۔ تینوں حضرات نے کھانے سے اپنا ہاتھ روک لیا اور قیدی کو پیش کر دیا۔ ان کے شان میں آیت کریمہ نازل ہوئی: وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (انسان:۸)[1]

---

(۱) اس آیت کے تحت، تفسیر مقاتل (۴۲۸/۳)، تفسير الثعلبي (۹۹/۱۰)، وتفسير القرطبي (۱۳۰/۱۹)، والتسهيل لعلوم التنزيل (۴/۱۶۷) میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے لیکن اکثر محدثین مثلاً ابن جوزی (الموضوعات، ۳۹۰/۱)، سیوطی (اللآلي المصنوعة، ۳۴۱/۱) ، ابن عراق کنانی (تنزيه الشريعة، ۱/ ۳۶۲)، حکیم ترمذی/نوادر الاصول (۲۴۴/۱) اور شوکانی (الفوائد المجموعة، ص:۳۷۶) نے درج ذیل وجوہات کی بنیاد پر اسے موضوع و بے اصل قرار دیا ہے: ۱۔ اس میں استعمال ہونے والے الفاظ رکیک ہیں اور اشعار بے کار و ناپسندیدہ ہیں۔ ۲۔ ان کے رواۃ پر کلام کیا گیا ہے، ابن معین نے اصبغ بن نباتہ کے بارے میں کہا: ”لا يساوي شيئا“ احمد بن حنبل نے محمد بن کثیر کے بارے میں کہا: ”حرقنا حديثه“ اور ابو عبداللہ سمرقندی کے تعلق سے کہا: ”لا يوثق به“۔ ۳۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایسے قبیح افعال ان نفوس قدسیہ سے صادر نہیں ہوسکتے جو قرآن واحادیث کے خلاف ہوں، قرآن میں ہے: وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ (بقرۃ:۲۱۹) وہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں، کیا خرچ کریں؟ آپ فرمادیں: عفو یعنی جو اپنے اور اہل وعیال سے زائد ہو۔ حدیث میں ہے: خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ (بخاری) سب سے بہتر صدقہ وہ ہے جو زائد ہو، خرچ کی ابتدا ان سے کرو جن کا نفقہ تمھارے ذمہ ہے۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے: كَفَى بالمرءِ إثمًا أن يضيِّعَ مَنْ يَقُوتُ (سنن ابو داوود، مسند احمد) بندے کے لیے یہ گناہ ہے کہ وہ ایسی ضرورت کی چیز خرچ کر دے جو اس کے اور اہل وعیال کے لیے تھی یعنی ضرورت سے زائد نہیں تھی۔

لیکن محدثین کا اس حدیث کو موضوع کہنا اور اس پر بعض صوفیہ کے عمل کو ناپسند قرار دینا درست نہیں ہے کیوں کہ اولاً؛ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں اس لیے کہ تنہا رکاکت لفظ موضوع ہونے پر دلالت نہیں کرتا ہے بلکہ رکاکت لفظ کے ساتھ فساد معنی بھی ہو تب وہ وضع کی علامت قرار پائے گا جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے نکت میں صراحت کی ہے۔ ثانیاً؛ اس روایت کے اسناد رجال میں کسی پر وضع یا تہمت وضع کا حکم نہیں لگا ہے، اس لیے زیادہ سے زیادہ سند کے اعتبار سے حدیث ضعیف جداً ہوگی۔ ثالثاً؛ جن آیات واحادیث کی بنیاد پر متن حدیث کو موضوع قرار دیا گیا ہے وہ آیات واحادیث ایسے لوگوں کے لیے ہیں جن کی نظر اسباب پر ہو لیکن جن کی نظر اسباب سے اٹھ کر مسبب الاسباب پر ٹک جائے، ان کی نگاہ میں اللہ کا یہ ارشاد ہے: وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ۔ (طلاق:۳) اللہ وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں بندے کا گمان بھی نہیں پہنچ سکتا، جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہے، اللہ اپنے ارادے کو پورا فرمانے والا ہے۔ اسی طرح ایک مشہور حدیث ہے: لَوْ أَنَّكُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ، تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا (سنن کبری نسائی) اگر تم اللہ پر مکمل بھروسہ کروگے تو اللہ تمھیں پرندوں کی طرح رزق دے گا جو صبح میں خالی پیٹ نکلتا ہے اور شام کو شکم سیر ہو کر لوٹتا ہے۔

صوفیہ کی اصطلاح کے مطابق تفرقہ یا تمیز کی حالت میں بندے کی نظر اسباب پر بھی ہوتی ہے اور جمع یا جمع الجمع کے مقام پر بندے کی نظروں سے اسباب اوجھل ہو جاتے ہیں، غور کریں کہ صدیق اکبر نے سارا مال اللہ کی راہ میں قربان کر دیا اور کہا: ترکت لهم الله ورسوله۔ میں نے اہل وعیال کے لیے اللہ ورسول کو چھوڑا۔

فائدہ: صوفیہ کا ایثار

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ فرماتے تھے کہ غلام الخلیل نام کا ایک شخص تھا جو صوفیہ سے اچھا اعتقاد نہیں رکھتا تھا، صوفیہ کو ایذا پہنچانے کے لیے اس نے خلیفۂ وقت کی قربت حاصل کی، یہاں تک کہ وہ وزیر بن گیا، ہمہ وقت خلیفہ کے سامنے صوفیہ کی برائی کرتا اور کہتا کہ یہ لوگ عجیب وغریب باتیں کرتے ہیں، یہ لوگ زندیقیت کی راہ دکھاتے ہیں۔ شیخ نوری، شیخ رقام اور شیخ ابو حمزہ کو پکڑ کر دارالخلافہ لے جایا گیا۔ غلام الخلیل نے کہا: یہ لوگ زندیق ہیں، امیرالمومنین اگر ان کے قتل کا فرمان صادر فرمادیں تو زندیقیت کی بیخ کنی ہو جائے گی کہ یہ اس گروہ کے سردار ہیں اور جس شخص کے ہاتھوں یہ کار خیر انجام پائے گا، میں اس کے لیے بڑے اجر و ثواب کا ضامن ہوں۔ خلیفہ نے فوراً حکم دیا کہ ان کی گردن ماردی جائے، جلاد آیا اور تینوں کا ہاتھ باندھ دیا گیا۔ جلاد نے جب شیخ رقام کے قتل کا ارادہ کیا تو شیخ نوری اٹھے اور شیخ رقام کی جگہ جلاد کی دستگاہ کے پاس شوق وطرب کے ساتھ آکر بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر لوگوں کو تعجب ہوا۔ جلاد نے کہا: اے جواں مرد! تلوار ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کے سامنے اتنی رضا ورغبت کے ساتھ آیا جائے جس طرح تم آئے ہو، ابھی تمھاری باری نہیں آئی ہے۔ انھوں نے جواب دیا: ہاں! ہماری طریقت کی بنیاد ایثار پر ہے اور میرے لیے دنیا کی عزیز ترین چیز میری جان ہے، میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان چند سانسوں کو ان بھائیوں پر خرچ کردوں۔ ہر سانس کی خدمت ہے اور ہر خدمت برائے قربت ہے اور قربت الٰہی خدمت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ مخبر نے یہ خبر خلیفہ تک پہنچائی اور اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس حالت میں ان درویشوں کی ایسی گفتگو سے خلیفہ کو تعجب ہوا اور ایک شخص کو یہ کہہ بھیجا کہ ان کے معاملے میں توقف کیا جائے۔ قاضِی القضاۃ ابوالعباس بن علی تھے۔ خلیفہ نے ان درویشوں کے حال کی تفتیش کا معاملہ ان کے سپرد کر دیا۔ وہ ان تینوں حضرات کو لے کر اپنے گھر گئے اور شریعت و حقیقت کے جو بھی احکام پوچھے ان سب میں ان تینوں کو کامل پایا تو اپنی سابقہ غفلت پر پشیمان ہوئے۔ اس وقت حضرت نوری نے فرمایا: اے قاضِی! ابھی تم نے کچھ بھی نہیں پوچھا ہے، فَإِنَّ لِلّٰہِ عِبَاداً یَأْکُلُونَ

بِاللهِ وَیَشْرَبُوْنَ بِاللهِ وَیَجلِسُونَ بِاللهِ وَیَقُومُونَ بِاللهِ یعنی اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں جن کا قیام دوست کے ساتھ ، ان کا بیٹھنا، بولنا، حرکت وسکون سب دوست کی ذات کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ اس کی ذات سے زندہ اوراس کے مشاہدے سے قائم ہوتے ہیں۔ اگر ایک لحظہ کے لیے بھی یہ مشاہدۂ حق سے محروم کردیے جاتے ہیں تو ان کی فریاد بلند ہوجاتی ہے۔ قاضی کو ان کے کلام کی دقت، لطافت اوران کے حال کی صحت پر تعجب ہوااوراس نے خلیفہ کو لکھ بھیجاکہ اگر یہ جماعت ملحد ہے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ روئے زمین پر کوئی موحد نہیں ہے۔

خلیفہ نے ان حضرات کو بلایااوران سے کہاکہ اپنی حاجت طلب کرو، انھوں نے کہا: تم سے میری حاجت صرف یہ ہے کہ تم مجھ کو فراموش کردو، نہ خود سے قریب کر کے ہمیں اپنا مقرب بناؤ اور نہ اپنے سے دور کر کے ہم کو ذلیل و رسوا کرو، تمھارے در کی ذلت ہمارے لیے تمھاری قبولیت کی طرح ہے اور تمھاری قبولیت ہمارے لیے ذلت کی طرح ہے۔ یہ سن کر خلیفہ رو پڑا اور مکمل عزت واحترام کے ساتھ ان کو واپس کر دیا۔

البتہ! یہ بات جاننی چاہیے کہ صاحب ایثار وہ شخص ہے جو اپنے اور بیگانے، آشنا اور ناآشنا کے مابین کوئی فرق نہ کرے، ایسا ایثار درجات وثواب میں مزید ترقی کا باعث بنتا ہے۔

فائدہ: فتوت ترک تکلف کا نام ہے

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ فرماتے تھے کہ ایک روز ایک درویش چند سو مریدین کے ساتھ حضرت جنید بغدادی کے پاس دور دراز سے تشریف لائے۔ حضرت نے خادم کو بلاکر ایک اونٹ ذبح کرنے کا حکم دیا تاکہ سب کے لیے کافی ہوجائے۔ دوسرے روز بھی انھوں نے ایسا ہی کیا۔ تیسرے روز بھی انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اس درویش نے جب دیکھاکہ خواجہ تکلف فرما رہے ہیں تو انھوں نے روانگی کی اجازت طلب کی اور روانہ ہوگئے۔ انھوں نے روانگی کے وقت فرمایا کہ اگر آپ میرے پاس آئیں تو میں آپ کو فتوت کے معنی بتاؤں گا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ جو طالب دین تھے، اگرچہ وہ لغت واصطلاح کے اعتبار سے فتوت کے معنی سے واقف تھے، تاہم

تیار ہوکراس درویش کے پاس تشریف لے گئے۔اس درویش نے خادم کوبلاکر کہاکہ خواجہ کے ساتھ جتنے لوگ ہیں ان کو شمار کرلو اوراتنی مقدار میں پانی بڑھادو۔جب افطار کاوقت ہواتو روٹی اور شوربا حاضر کیا گیا۔جب چند روز گزر گئے توانھوں نے فرمایاکہ میں حسب وعدہ آیا ہوں؛کیوں کہ آپ نے فرمایا تھاکہ جب تم میرے پاس آؤگے تومیں تم کو فتوت کے معنی بتاؤں گا۔اس درویش نے جواب دیاکہ میں نے آنے کے وقت ہی آپ کواس کی تعلیم دے دی تھی؛کیوں کہ صوفیہ نے فرمایاہے کہ فتوت جواں مردی کانام ہے اور جواں مردی وہ نہیں ہے جوآپ نے کیاکہ ہر روز ایک اونٹ ذبح کیااور تکلف میں پڑگئے،اگرچہ آپ تنگ نہیں آئے اور خادم یاکسی پر کوئی انکار کا خیال دل میں نہیں آیا، البتہ!جب آپ میرے پاس آئے تومیرے یہاں گوشت کی مقدار میں شوربا معمول کے مطابق تھا،جب آپ کے اصحاب آئے تومیں نے اسی گوشت میں شوربا زیادہ کردیا،اس طرح اگرآپ میرے یہاں سالہاسال رہیں تب بھی کوئی فکراور کوئی تردد نہیں ہوگا۔درویش کے لیے فتوت یہ ہے کہ جواں مردی کرے،نہ کہ تکلف میں پڑجائے اور پراگندہ خاطر ہوجائے۔

فائدہ:امام احمد بن حنبل کاواقعہ

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے کہ ایک روز امام احمد بن حنبل بیٹھ کر وضو فرمارہے تھے۔آپ کی دستار سامنے رکھی ہوئی تھی۔ایک شخص آیااور لے کر چلتا بنا۔حضرت امام نے فرمایا کہ اے عزیز!میں نے یہ دستار تم کو ہبہ کردی،تم کہ دو کہ میں نے قبول کیاتاکہ یہ تمھارے لیے حلال ہوجائے اوراگرتم نہیں کہتے ہوپھر بھی میں نے یہ دستار تم کو بخش دی،بخش دی،بخش دی۔

فائدہ:رسول اللہ ﷺ کامزاح

حضرت پیر دست گیر نے فرمایاکہ ایک مرتبہ ایک بوڑھی عورت رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آئی اور عرض کیاکہ میرے لیے جنت کی دعا کردیجیے!آپ ﷺ نے فرمایاکہ کوئی بوڑھی جنت میں نہیں جائے گی۔وہ بوڑھی عورت روتی ہوئی اپنے گھر کی طرف لوٹنے لگی۔اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ سے فرمایاکہ اس بوڑھی عورت سے کہ دو کہ کل بروز قیامت تمام

ایمان والی بوڑھی عورتوں کو جوان اور دوشیزہ بنا کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔[1]

فائدہ: حقیقت و معرفت

کچھ بندگان الٰہی ایسے ہیں جو دیکھتے ہیں کہ اشیا میں تغیر و تبدیلی اور تصرف ہوتا رہتا ہے جو کہ کسی تصرف کرنے والی اور قدرت والی ذات کے بغیر ممکن نہیں، وہ ان چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں کہ وہی کائنات میں تصرف فرمانے والا ہے، اس کی ذات قادر اور مدبر ہے، سب کو وہی قبائے وجود عطا کرتا ہے اور پھر وہی سب کو عدم کے پردے میں لے جاتا ہے ،وہی سب کو روزی عطا فرماتا ہے۔ پیر دست گیر قطب عالم بارہا یہ مصرعہ پڑھا کرتے تھے:

اگر سلطان نمی بینی بہ بین زآیات سلطانی

(اگر تم سلطان کو نہیں دیکھ سکتے تو اس کی نشانیوں کو ہی دیکھ لو۔)

ہاں !اے عزیز!شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: معشوق جتنا ہی خوب صورت ہو گا، دشمن اتنے ہی زیادہ ہوں گے۔ آدمی کو چاہیے کہ حریفوں سے خوف نہ رکھے اور خطرات کی اس وادی میں بلا خوف و خطر قدم رکھ دے، تاکہ اپنی جان کو اپنے جاناں کے حوالے کر دے، یا پھر اپنے جاناں کو اپنی جان کے نہاں خانے میں آباد کر دے:

می رو و مگو کجا می روم ‏ ‏ ‏ ‏ می جو و مگو کہ چہ می جویم
می خواہ و مگو کہ کرا می خواہم ‏ ‏ ‏ ‏ می دان و مگو کہ کرا می دانم

(۱)راہ عشق میں نکل پڑو اور یہ مت کہو کہ ارادہ کہاں کا ہے، محبوب کی جستجو جاری رکھو اور یہ مت بتاؤ کہ میں کس کی جستجو میں ہوں۔

(۲)طلب کرتے رہو اور یہ مت کہو کہ میں کس کی طلب میں ہوں، معرفت حاصل کرو اور یہ مت بتاؤ کہ مجھے کس کی معرفت حاصل ہے؟

کسی عارف کا قول ہے: میں نے ہر چیز میں اس چیز کو دیکھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ ان

---

(۱)طبرانی/المعجم الاوسط، حرف الھمزۃ(۵۵۴۵)، شمائل ترمذی(۱۹۹/۱)

کا یہ دیکھنا اوران کی یہ نظر معرفت ایقان واحسان ہے۔انھوں نے ہر چیز کو حق تعالیٰ سے پہچانا، ایسا نہیں کہ انھوں نے حق تعالیٰ کو کسی چیز کے ذریعے پہچانا ہو؛کیوں کہ اس طرح کی معرفت، استدلالی ہوگی اوران کی معرفت معرفت استدلالی کے مقام سے گزر کر معرفت شہودی تک پہنچ چکی ہے، اسی لیے وہ بول پڑے:مَارَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا وَرَأَيْتُ اللهَ فِيْهِ(میں نے جس چیز کو بھی دیکھا اس میں اللہ کا جلوہ نظر آیا۔)

ایک دوسرے عارف نے کہا:مَارَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا وَرَأَيْتُ اللهَ قَبْلَه(میں نے کسی بھی چیز کو دیکھنے سے پہلے اس میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ دیکھا۔)اس لیے کہ صانع صناعی سے سابق ہے، پہلے صانع کا وجود ہے پھر اس کی صناعی ،اس لیے کہ صناعی تو اس کا فعل ہے، مصنوع سے صناعی کا پتا ملتا ہے اور صناعی سے صانع کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔اگر صناعی سے پہلے صانع کا وجود نظر نہیں آیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ صناعی پر ہی نظر نہیں پڑی۔

ہاں ہاں !!اے عزیز!تم کو جس وقت بھی کسی چیز کا دیدار حاصل ہو،تم اس کی صناعی میں نظر کروگے تو صانع کی صناعی کی لطافت نظر آئے گی اوراس کی صناعی کی لطافت تمھیں اس کے صانع لطیف کی طرف راہ دکھادے گی، اس طرح سے تم کو اس کی صناعی کو دیکھنے سے خود صانع کا دیدار ہوجائے گا،بلکہ اس کی صناعی کو دیکھنے سے پہلے ہی صانع کا دیدار ہوجائے گا۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام یوسف علیہ السلام کی ذات میں صرف یوسف کو نہیں دیکھتے تھے،بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی تخلیق میں چوں کہ حق تعالیٰ کی صناعی کی وہ لطافت تھی جو دوسرے بھائیوں میں نہیں تھی،اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام اس کی صناعی کی لطافت کا نظارہ کیا کرتے تھے، یوسف علیہ السلام اوران کے جمال کا نظارہ نہیں کیا کرتے تھے،اس لیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے حضرت یعقوب کی محبت اگر فرزند ہونے کے ناطے ہوئی تو دوسرے فرزندوں میں حضرت یوسف کی تخصیص نہ ہوتی۔ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یوسف علیہ السلام کی طرف ان کی نگاہ خواہش کی نگاہ تھی ؛کیوں کہ انبیا کے بارے میں ایسا گمان رکھنا کفر ہے، یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ حضرت یوسف سے ان کی شیفتگی اور محبت کسی اور سبب سے تھی؛

کیوں کہ مخلوق سے محبت کی علت خدمت ہوتی ہے اور وہاں حال یہ تھا کہ دوسرے بھائی خدمت کرتے تھے اور حضرت یوسف خدمت بھی نہیں کرتے تھے۔ محبت کا سبب اگر یہ ہوتا تو دوسرے بھائی اس محبت کے زیادہ حق دار ہوتے نہ کہ حضرت یوسف۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مشاہدہ حق کے اسیر تھے اور اس کے لطف کا دیدار کیا کرتے تھے، وہ حضرت یوسف کے اسیر نہیں تھے اور نہ ان کو دیکھا کرتے تھے۔ (۱)

اس طرح کی ساری باتیں جو اس جماعت صوفیہ سے منقول ہیں وہ سب غلبۂ حال اور غلبۂ معرفت کی ہیں، جسے کم فہم لوگ اپنی کم فہمی کی وجہ سے حلول سمجھ لیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بعض نادان بے ریش لڑکوں اور خوب صورت عورتوں کی جانب نظر کرنے کو تقرب اور معرفت کا ذریعہ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اس طرح کی ساری باتیں خطا اور گمراہی پر مبنی ہیں۔

فائدہ: معرفت دل کی زندگی ہے

حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی جانب وحی کی کہ اے داؤد! تم کو معلوم ہے کہ میری معرفت کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: میں نہیں جانتا، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ دل کی زندگی میرے مشاہدے میں ہے۔ یعنی معرفت کا کمال میرے مشاہدے میں ہے۔

جس کو مقام مشاہدہ تک رسائی مل گئی اس کو معرفت شہودی ضروری حاصل ہوگئی، دل جو غائب تھا اس میں جب محبوب جلوہ فرما ہوگیا تو درمیان سے غیبت غائب ہوگئی، غائب شاہد بن گیا، بلکہ جلال و جمال کا تفکر بھی درمیان سے ختم ہوگیا، مشاہدے کی حیرت مشاہد کو وصف و بیان سے عاجز کر دیتی ہے، وہ دیکھتا ہے لیکن نہیں جانتا کہ کیا دیکھ رہا ہے، اگر اپنے مشاہدے کی خبر دنیا چاہے تو اس کی خبر نہیں دے سکتا، جب اس کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے تو وہ یہ کیسے بتا سکتا ہے کہ اس نے کیا دیکھا؟ حضرت شبلی فرماتے ہیں:

يَا دَلِيْلًا لِمَنْ تَحَيَّرَ فِيكَ   قَدْ تَحَيَّرْتُ فِيْكَ خُذْ بِيَدِى

آتش عشق در دلم چون زدی

---

(۱) صوفیہ چوں کہ ہر چیز میں حق کا نظارہ کرتے ہیں اور ہر چیز پر عارفانہ نگاہ ڈالتے ہیں، وہ اپنے حسن ظن اور حسن نظر کی بنیاد میں ہر واقعہ میں کوئی عارفانہ نکتہ نکال لیتے ہیں، ان کا یہ نکتہ حسن ظن پر مبنی ہوتا ہے۔ اس تشریح کو بھی اسی تناظر میں دیکھا جاسکتا ہے۔

(جب تونے اپنے عشق کی آگ میرے دل میں لگادی، میں تیری ذات میں حیران وسرگرداں ہوگیا، اے اپنی ذات میں حیران و سرگرداں ہونے والوں کی رہ نمائی فرمانے والے! میری دست گیری فرما۔)

بزرگوں نے فرمایاہے کہ جواپنے باطن سے مشاہدے کے لائق ہوجاتاہے وہ یہ نہیں چاہتاکہ زبان کواس کا پتا چلے۔ عاشق معشوق کواپنی نگاہوں سے بھی چھپاکر رکھتاہے اور جوشخص معشوق کواپنی نگاہوں سے چھپاکر رکھتاہووہ غیروں سے کیوں کراس کاحال بتائے گا۔

تم نے سناہوگاکہ جب حسین بن منصور کوقتل کردیاگیاتوحضرت شبلی نے فرمایاکہ میں اس رات اپنے رب سے مناجات کرتارہااور حسین کی قبر کے سرہانے صبح تک نمازاداکی۔ صبح کے وقت میں نے عرض کیا: مولیٰ! تیرابندہ موحدو مومن اورولی تھا، پھراس پر یہ کیسی بلانازل ہوئی؟ مجھے نیند آگئی۔ میں نے دیکھاکہ حق تعالیٰ کی طرف سے میری جانب فرمان آیا: هٰذَا عَبْدٌ مِنْ عِبَادِنَا أَطْلَعْنَاه عَلٰى سِرٍّ مِنْ أَسْرَارِنَا فَأَفْشَاه إِلَى الخَلْقِ فَأَنْزَلْنَابِه مَاتَرىٰ (یہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ ہے، اس کومیں نے اپنے اسرار میں سے ایک سِر پر مطلع کیاتواس نے مخلوق سے اس راز کوفاش کردیا۔ اس لیے اس پر جونازل ہوا وہ تم دیکھ رہے ہو۔)

بزرگوں نے فرمایاہے کہ جوشخص لوگوں سے حق تعالیٰ کاایساراز فاش کردیتاہے جس کوحق تعالیٰ کاخلق سے چھپانا مقصود ہوتاہے تواس پر ایسی بلااتاردی جاتی ہے کہ کونین میں بھی اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہوتی۔ ع۔ نزدیکاں رابیش بود حیرانی (مقربین کو مزید حیرانی ہوتی ہے) کے یہی معنی ہیں۔ اگر ایسے شخص پر بلانازل نہ ہوئی تویہ اس بات کی نشانی ہے کہ وہ حال اس سے چھین لیاجائے گا۔ اس حقیقت سے ہر شخص واقف ہے کہ اگر بادشاہوں کی ہم نشینی حاصل ہوتواپنی زبان کی حفاظت کرنی چاہیے؛ کیوں کہ جوشخص بادشاہوں کاراز فاش کردیتاہے، وہ صحبت وہم نشینی کے لائق نہیں ہوتا، وہ مزید رازدارانہ امور سے محروم کردیاجاتاہے۔

ایک سوال

میں نے پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ سے پوچھا کہ ایک بزرگ نے کہا: مَنْ عَرَفَ اللہَ کَلَّ لِسَانُہٗ (جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہوگئی۔) جب کہ دوسرے نے کہا: مَنْ عَرَفَ اللہَ طَالَ لِسَانُہ (جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان دراز ہوگئی۔) ان دونوں اقوال میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے؟

پہلا جواب

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: پہلے قول کا تعلق ذات سے ہے اور دوسرے کا صفات سے۔ پس معنی یہ ہوگا کہ جس کو ذات الٰہی کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے اس کی زبان گنگ ہوجاتی ہے اور جس کو صفات الٰہی کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے اس کی زبان دراز ہوجاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جس کو صفات کی معرفت حاصل ہوتی ہے وہ ابھی مقام تلوین میں ہوتا ہے اور جسے ذات کی معرفت حاصل ہوتی ہے وہ مقام تمکین میں ہوتا ہے۔

دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام مقام تلوین میں تھے، اس لیے وہ بول پڑے: رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ (پروردگار! مجھے دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔) حسین بن منصور بھی مقام تلوین پر تھے، اس لیے انھوں نے نوائے انا الحق بلند کردیا۔ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی اس طلب کو قبول نہیں کیا، بلکہ لَنْ تَرَانِیْ کے زخم سے ان کو مجروح کیا اور حسین کو تختۂ دار پر چڑھایا، اس لیے کہ اِفْشَاءُ سِرِّ الرُّبُوْبِیَّۃِ کُفْرٌ (اسرار ربوبیت کو فاش کرنا کفر ہے۔) ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ ﷺ مقام تمکین پر فائز تھے، آپ نے زبان نہیں کھولی، دیدار کا مطالبہ نہیں کیا، نتیجۃً اظہار مدعا نہ کرنے کے باوجود ان کو ان کے مدعا سے واصل کرادیا۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دیدار طلب نہیں کیا تو ان کو ہر سجدے میں مقام قاب قوسین عطا کیا گیا، کہا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مقام قاب قوسین سے باذن الٰہی واپسی کا ارادہ کیا تو فرمان الٰہی ہوا: اے محمد! جو چاہتے ہو مانگو، آپ ﷺ نے بارگاہ الٰہی میں عرض

کیا: مولیٰ! محمد کی ایک خاص حاجت ہے۔ فرمان ہوا: جو کہنا ہے کہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مقام قرب پر محمد کے باطن کو مہجوری کی بلا میں گرفتار نہ فرما۔ واہ! کیا مقام رسالت ہے! آپ کی یہ طلب بارگاہ اجابت میں قبول ہوئی اور فرمان ہوا: اے محمد! ہم نے آپ کو زمین پر آپ کے ہر سجدے میں مقام قاب قوسین عطا کیا، جہاں جبرئیل کا بھی گزر نہیں، سجدے کیجیے اور مقام قرب سے سرفراز ہوئیے۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (سجدے کرو اور مقام قرب پاؤ۔)

دوسرا جواب

پیر دست گیر قطب عالم نے دوسرا جواب یہ دیا کہ پہلے قول سے معرفت استدلالی مراد ہے اور دوسرے سے معرفت شہودی مراد ہے، یعنی جس کو حق تعالیٰ کی معرفت استدلالی حاصل ہوتی ہے، اس کی زبان دراز ہو جاتی ہے اور جس کو معرفت شہودی یقینی حاصل ہوتی ہے اس کی زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ معرفت استدلالی عام لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان دراز ہوتی ہے۔ بعض طالبان ظاہر جن کو معرفت استدلالی حاصل ہوتی ہے ان کو دیکھو گے کہ وہ بَاعَ بِیْعَ اور قَالَ قِیْلَ میں ہی اپنا وصال سمجھتے ہیں۔ ان کی زبان اتنی دراز ہوتی ہے کہ بے چارہ عارف شہودی دم نہیں مار پاتا، زبان بھی نہیں کھول پاتا۔ جس کے پاس صرف خبر ہوتی ہے وہ گفتگو کرتا ہے اور جس کے پاس معرفت ہوتی ہے اس کی جانب سے خاموشی اور صرف خاموشی ہوتی ہے۔ اگر تم غور کرو تو یہ تم پر واضح ہو جائے گا۔ (۱)

---

(۱) شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ای مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز — کان سوختہ را جان شد و آواز نیامد
این مدعیان در طلبش بی خبرانند — کان را کہ خبر شد خبری باز نیامد

فائدہ:

اصول دین کی بصیرت کے بغیر معرفت نہیں

سالک جب تک اصول دین کی معرفت وبصیرت حاصل نہیں کرے گا اسے معرفت حاصل نہیں ہوگی، اس کی عبودیت، اس کی عبادت اوراطاعت اس کے لیے نفع بخش نہیں ہوگی؛ اس لیے کہ اصول دین بنیاد ہیں اور دوسری تمام چیزیں فرع ہیں اور جب تک اصل کا وجود نہ ہو، فرع موجود ہی نہیں ہو سکتی۔ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے حکایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ورع اختیار کرو تاکہ تم کو میری معرفت حاصل ہو جائے، بھوکے رہو تاکہ تم کو میرا دیدار حاصل ہو جائے، مجرد ہو جاؤ، تاکہ تم کو میری معرفت، میری عبودیت اور میری عبادت تک رسائی حاصل ہو جائے۔

معرفت الٰہی کی بنیاد پرہیزگاری پر ہے، دیدار مولیٰ کی بنیاد بھوکے رہنے پر ہے اور معرفت، عبودیت اور عبادت تک رسائی کی بنیاد تجرید پر ہے، جب تک پرہیزگاری نہیں ہوگی اس وقت تک معرفت حاصل نہیں ہوگی، جب تک بھوکا رہنا نہیں پایا جائے گا، اس وقت تک دیدار الٰہی حاصل نہیں ہوگا اور جب تک تجرید نہیں ہوگی اس وقت تک معرفت اور عبودیت وعبادت حاصل نہیں ہوگی۔ یوں ہی جب تک اصول دین نہیں ہوں گے اس وقت تک عبودیت وعبادت کی معرفت درست نہیں ہوگی۔ مقولہ مشہور ہے: ثَبِّتِ الجِدَارَ ثُمَّ انقُش (پہلے دیوار مضبوط کرلو پھر اس میں بیل بوٹے بناؤ۔) بہت سے جوگی اور راہب جو اصول دین اور حصول ایمان کے بغیر ریاضت ومجاہدہ کرتے ہیں، اگرچہ ان کو کشف غیوب بلکہ عالم طیر وسیر حاصل ہو جاتا ہے لیکن معرفت شہودی تک ان کی رسائی نہیں ہو پاتی اور مقام عبودیت وعبادت ان کو حاصل نہیں ہو پاتا۔

فائدہ: علم کے درجات

اس علم کے چند درجات ہیں:

پہلا درجہ علم الیقین ہے۔ علم الیقین وہ علم ہے جو اشیا میں نظر کرنے اور پھر ان کے توسط سے استدلال کرنے سے حاصل ہوتا ہے کہ اگر کوئی چیز ہے تو کوئی اس کا خالق، مدبر اور منتظم بھی ہوگا، پھر یہ کہ وہ خالق بالذات قدرت کا مالک ہوگا۔ یہ عام لوگوں کا درجہ ہے۔

دوسرا درجہ عین الیقین کا ہے۔ عین الیقین وہ علم ہے جو خالق کی صفات کے مشاہدے اور ان صفات کے ظہور سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ خواص کا درجہ ہے۔

تیسرا درجہ حق الیقین کا ہے اور حق الیقین وہ علم ہے جو ذات خالق کے ظہور، اس سے اتصال ووصال اور ذات مع الصفات کی تجلی سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ خواص الخواص کا درجہ ہے۔

علم الیقین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص بطور عادت یقین سے یہ جانتا ہے کہ سمندر میں پانی ہوتا ہے، یعنی دوسروں سے سنتا ہے یا قرینہ اور استدلال سے جانتا ہے کہ سمندر میں پانی ہے۔ عین الیقین کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر کے ساحل تک چل کر گیا، سمندر کی سیر کی اور اپنی نگاہوں سے سمندر کو دیکھا اور حق الیقین کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے سمندر میں غوطہ لگا کر غسل کیا اور اس سے پانی پیا۔ اسی طرح جو دوسروں سے سنتا ہے یا غور و خوض کرتا ہے کہ اللہ موجود ہے اور وہ ایک ہے تو وہ علم الیقین رکھتا ہے کہ اسے دور سے اس بات کی خبر ہے کہ سمندر میں پانی ہوتا ہے، وہ شخص جو کشف روح اور کشف خفی تک رسائی حاصل کرلیتا ہے اور اس پر صفات کی تجلی ہوجاتی ہے، اس کو عین الیقین حاصل ہے، وہ صاحب مکاشفہ اور صاحب مشاہدہ ہوچکا ہے، لیکن ابھی بھی وہ دریا کے کنارے ہی ہے، البتہ! وہ شخص جس کو تجلی ذات اور مشاہدۂ ذات تک رسائی حاصل ہوچکی ہے، وہ صاحب وصال واتصال ہے، وہ ذات الٰہی کے دریائے معرفت میں غوطہ زن ہے اور وہ اس دریائے ناپیدا کنار سے سیراب ہورہا ہے۔

فائدہ: حضرت مخدوم شاہ میناقدس سرہ کا ایک وظیفہ

پیر دست گیر قطب عالم مخدوم شاہ میناقدس سرہ کی عادت تھی کہ قیلولہ کے وقت اور رات میں مکمل حضوری کے ساتھ اسے پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم فرماتے تھے:

قبول کردم دین مسلمانی را وآنچہ در وست وبیزارم از کفر و کافری وآنچہ در وست: ”وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ وَأَقُوْلُ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَه لَا شَرِيْكَ لَه وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُه وَرَسُوْلُه“

(میں نے دین اسلام اور اس کی تمام باتوں کو قبول کیا اور میں نے کفر اور اس کی تمام باتوں سے براءت کا اظہار کیا۔ میں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہوئے اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔)

اس کے بعد تین مرتبہ یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ أَنْ أُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَأَنَا أَعْلَمُ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَالَا أَعْلَمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ وَأَقُوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ الله. (اے اللہ! میں دیدہ ودانستہ تیری ذات کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے سے تیری حفاظت چاہتا ہوں اور میں اپنے نادانستہ گناہوں سے تیری بارگاہ میں استغفار کرتا ہوں، میں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہوئے شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔)

فائدہ: مولانا حسن کا واقعہ

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے کہ حضرت مولانا حسن رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد لوگوں نے ان کو خواب میں دیکھا، ان سے پوچھا کہ نکیرین کا سوال کیسا رہا؟ مولانا حسن نے جواب دیا: جب نکیرین آئے اور پوچھا: مَنْ رَبُّكَ؟ میں نے کہا: یہ مَنْ کیسا ہے؟ فرشتے حیران ہوگئے۔ بارگاہ الٰہی میں انھوں نے عرض کیا کہ یہ بندہ ایسی بات کہہ رہا ہے جسے ہم نہیں جانتے، حکم ہوا کہ حسن بندۂ عارف ہے، اس کو چھوڑ دو۔

ایک اور واقعہ

پیر دست گیر حضرت قطب عالم نے یہ بھی فرمایا کہ ایک بزرگ سے نکیرین نے سوال کیا: مَنْ رَبُّكَ ؟ ان بزرگ نے کہا: مَن رَبُّكَ یعنی میرا رب وہ ہے جو تمھارا رب ہے۔ فرشتے ان کا مطلب نہیں سمجھ سکے، عاجز و درماندہ ہو کر اُنھوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ فرمان ہوا: اس نے جیسا چاہیے تھا ویسا ہی جواب دیا ہے۔ تم لوگ اس کو کہاں سمجھ سکتے ہو۔ وہ نیک بخت بندہ ہے، اس کو چھوڑ دو تاکہ آرام کرے۔

فائدہ: معرفت کسے کہتے ہیں؟

معرفت چشم دل سے باطن میں دیدار کا نام ہے، نہ کہ ظاہر میں چشم سر سے، کیوں کہ ایسا دیدار آخرت میں ہی حاصل ہوگا۔ حق تعالیٰ بعض حجابات کو اٹھا دیتا ہے اور عارفین کو پردے کے پیچھے سے اپنے نور ذات اور نور صفات کا مشاہدہ کراتا ہے تاکہ ان کو حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور ان کو نوع بنوع انوار و تجلیات کا دیدار ہو، وہ عاشقوں کے دلوں کو حجاب میں ہی زندہ رکھتا ہے، سارے حجابات اس لیے نہیں اٹھاتا، تاکہ لوگ خاکستر نہ ہو جائیں۔ كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيًا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الخَلْقَ [۱] (میں ایک مخفی خزانہ تھا، پھر میں نے چاہا کہ میری معرفت لوگوں کو حاصل ہو، تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔) اس میں یہی معرفت مراد ہے۔

بعض صوفیہ نے زبان حال سے کہا ہے گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) اگر میرے حسن ذات کا ظہور بلا حجاب ہو تو ساری مخلوق فنا ہو جائے گی۔

(۲) البتہ! حجاب ایک لطیف شئے ہے، اس سے عاشقوں کے دلوں کو حیات حاصل ہوتی ہے۔ [۲]

---

(۱) عجلونی/کشف الخفاء، حرف الکاف (۲۰۱۶) ابن تیمیہ نے کہا کہ اس کی کوئی سند نہیں ملی۔ ابن حجر اور زرکشی بھی اسی طرف گئے ہیں، ملا علی قاری نے فرمایا: اس کا معنی صحیح ہے اور ”وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون“ سے مستفاد ہے۔

(۲) یہ درج ذیل عربی شعر کا ترجمہ ہے۔

جب حق تعالیٰ نے کوہ طور پر کشف حجاب کرنے کے لیے اپنی تجلی ڈالی تو پہاڑ اپنی گرانی اور مضبوطی کے باوجود ریزہ ریزہ ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبرانہ قوت کے باوجود زمین پر بے ہوش ہوکر گر پڑے۔

پیر دست گیر قطب عالم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس دن کے بعد جس کپڑے کا بھی حجاب بناتے وہ جل جاتا، یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جاؤ، خرقہ پوشوں کے کپڑے کا حجاب تیار کرو کہ یہ خرقہ پوش اس نور کی طاقت رکھتے ہیں، ان کی پرورش اسی نور سے ہوئی ہے اور ان کے قلوب اس نور سے منور و مجلّٰی ہیں۔

اس مقام پر بہت سی باتیں ہیں، لیکن شریعت بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتی، یہ سانس روک لینے کا مقام ہے۔ اس لیے اب خاموشی، خاموشی اور صرف خاموشی۔

فائدہ: توحید کے درجات

واضح رہے کہ توحید کے چار درجے ہیں:

(۱) توحید کا پہلا درجہ یہ ہے کہ آدمی زبان سے لاالٰہ الا اللہ کہے اور اس کا دل اس سے غافل ہو یا اس کا منکر ہو، جیسے منافقین کی توحید

(۲) دوسرا درجہ یہ ہے کہ لفظ کے مفہوم کی دل سے تصدیق کرے، جیسے عام مسلمانوں نے تصدیق کی ہے، اس کو اعتقاد کہا جاتا ہے۔

(۳) تیسرا درجہ یہ ہے کہ کشف کی راہ سے اور نور حق کے واسطے سے توحید کا مشاہدہ کرے، یہ مقربین کا مقام ہے۔ یہ اس طرح سے کہ چیزوں کی کثرت کو دیکھے، لیکن کثرت کے باوجود اس کی نظر اس پر ہو کہ ہر چیز اس ایک قہار سے صادر ہوئی ہے۔

(۴) چوتھا درجہ یہ ہے کہ وجود میں ایک کے علاوہ کوئی اور نظر نہ آئے، یہ صدیقین

وَلَوْ إِنِّی ظَهَرْتُ بِلَا حِجَابٍ لَقَدْ مَاتَ الخَلَائِقُ أَجْمَعِيْنَا

وَلٰکِنَّ الحِجَابَ لَطِيْفُ مَعْنىً بِهِ يُحْيِى قُلُوْبُ العَاشِقِيْنَا

کا مشاہدہ ہے۔ صوفیہ اس کو فنافی التوحید کہتے ہیں، اس لیے کہ وہ ایک کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھتا، وہ خود اپنے آپ کو بھی نہیں دیکھتا اور جب ایک میں مستغرق ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو بھی اس حالت میں نہیں دیکھتا تو وہ اپنے نفس سے الگ ہو کر اس کی توحید میں فانی ہو جاتا ہے، یعنی وہ اپنے آپ کو دیکھنے سے فانی ہو جاتا ہے۔

تمثیلی طور پر اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ پہلی توحید اخروٹ کا وہ چھلکا ہے جو اخروٹ کے اوپر ہوتا ہے، دوسری توحید اخروٹ کا وہ چھلکا ہے جو پہلے والے چھلکے کے نیچے ہوتا ہے، تیسری توحید اخروٹ کا مغز ہے اور چوتھی توحید وہ روغن ہے جو اخروٹ کے اندر سے نکلتا ہے۔

اس لیے حقیقی موحد وہ ہے جو اپنے آپ سے فانی ہو، اس کی کوئی آرزو نہ ہو اور ذات واحد کے علاوہ اسے کچھ بھی نظر نہ آئے۔

منقول ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ بندہ جب تک ہر دعوے کو ترک نہیں کر دیتا اور تمام خواہشات سے اجتناب نہیں کر لیتا اس وقت تک مقام توحید تک اس کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ فرماتے تھے کہ توحید کا دعویٰ اسی کو زیب دیتا ہے جس کی زبان سے تلخ اور شیریں کا احساس اٹھ جائے۔

حضرت پیر دست گیر قدس سرہ نے فرمایا کہ ہر نام اپنے تلفظ کے وقت ہونٹ اور منھ کا محتاج ہے لیکن لفظ ھُو میں کسی کی حاجت نہیں، اس لیے جس طرح ھُو کے تلفظ میں کسی بھی دانت کی حاجت نہیں، اسی طرح ھُو پکارنے والے کو چاہیے غیر سے کوئی تعلق اور کوئی وجہ سکون نہ رکھے۔

ایک درویش کا واقعہ

ایک درویش راہ سے گزر رہا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہاں سے آرہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ھُو، پھر لوگوں نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ھُو، لوگوں نے پوچھا آپ کا مقصود کیا ہے؟ انھوں نے کہا: ھُو، لوگوں نے پوچھا کہ آپ کا معبود کون ہے؟ انھوں نے

کہا: ھُو۔ لوگوں نے جو بھی سوال کیا انھوں نے یہی جواب دیا: ھُو، ھُو

از بس کہ دو دیدہ درخیالت دارم　　در ہر چہ نظر کنم توئی پندارم

(میری نگاہ تصور تیرے خیال میں اس قدر ڈوبی ہوئی ہے کہ جس چیز کو بھی دیکھتا ہوں تو ہی تو نظر آتا ہے۔)

توحید کے بارے میں حضرت علی کا فرمان

امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لوگوں نے توحید کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ توحید یہ ہے کہ تم یہ اعتقاد رکھو کہ اس کے بارے میں جو کچھ تمھاری سمجھ میں آئے اللہ تعالیٰ کی ذات اس کے ماسوا ہے۔ ایک عارف فرماتے ہیں:

آن عقل کجا کہ در کمال تو رسد　　آن روح کجا کہ در جلال تو رسد

گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال　　آن دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

(۱) وہ عقل کہاں جس کی تیرے کمال تک رسائی ہو، وہ روح کہاں جس کی تیرے جلال تک رسائی ہو۔

(۲) میں مانتا ہوں کہ تو نے اپنے جمال سے پردہ اٹھا لیا ہے، لیکن وہ نگاہ کہاں جس کی تمھارے جمال تک رسائی ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا قَدَرُوا اللہَ حَقَّ قَدْرِہٖ (الحج: ۷۴) أی ما عَرَفُوا اللہَ حَقَّ مَعرِفَتِہٖ (ان کو اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت حاصل نہیں ہوئی۔ دیکھو! تنہا انسان ہی اپنے عجز کا معترف نہیں ہے بلکہ ملک، فلک، عرش و کرسی، لوح و قلم، اٹھارہ ہزار عالم، سب کے سب عاجز و درماندہ ہیں، کیسی اس کی عزت و عظمت ہے، کیسا اس کا جلال و جمال ہے!! شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

گر صد ہزار قرن ہمہ خلق کائنات　　فکرت کنند در صفت عزت خدا

آخر بعجز معترف آیند کہ ای اللہ دانستہ شد کہ ہیچ ندانستہ ایم ما[1]

(۱)اگرلاکھوں صدیوں تک کائنات کی ساری مخلوق اللہ کی صفت عزت وعظمت میں غوروفکر کرے۔

(۲)توآخر کاروہ اپنے عجز کااعتراف کرتے ہوئے یہ پکار اٹھے گی کہ اے معبود!یہ بات معلوم ہوگئی ہم کوکچھ معلوم نہیں۔

کسی نے کیاہی اچھی بات کہی:

اللہ اکبر ایں چہ بزرگی وکبریا ست کان برتر از احاطۂ وہم و خیال ما ست
نی در حریم قدس وی، اوہام را گذر نے در قضا وقدر وی، افہام را قوا ست
ذاتی کہ لائح است صفات جلال او با ایں چنین صفات سزاوار کبریا ست
معبود لم یزل متعالی ز ابتدا موجود لایزال منزہ ز انتہا ست
ذاتش بہ ہیچ وجہ تناہی پذیر نیست زین روبری زصورت وپاک از جہات وجاست

(۱)اللہ اکبر!اس کی کیسی عظمت اور کبریائی ہے کہ وہ ہمارے وہم وخیال کے احاطے سے برترہے۔

(۲)اس کے حریم قدس میں نہ طائراوہام پرمار سکتاہے اورنہ اس کے مسئلۂ قضاوقدر میں عقل وفہم کومجال دم زدن ہے۔

(۳)وہ ایسی ذات ہے جس کی صفات جلال ظاہرہیں اوران صفات کی بناپروہ کبریائی کے لائق بھی ہے۔

(۴)وہ ایسامعبودازلی ہے کہ وہ ابتداسے پاک ہے اوروہ ایساموجودازلی ہے کہ اس کے لیے کوئی انتہانہیں ہے۔

(۵)اس کی ذات کسی بھی طرح عیب تناہی کوقبول کرنے والی نہیں ،اسی لیے وہ صورت

---

(۱)شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ کے اشعار ہیں۔(دیوانِ عطار)

سے پاک اور مکان وجہت سے منزہ ہے۔

پیر دست گیر قطب عالم فرمایا کرتے تھے: یقین کے کئی درجات ہیں: اسم، رسم، علم، عین، حق اور حقیقت حق۔ اسم یقین اور رسم یقین عام مومنین کو حاصل ہوتا ہے، جو ایمان غیبی سے بہرہ ور ہوتے ہیں، علم یقین اولیا کو حاصل ہوتا ہے، عین یقین خواص اولیائے کرام کو حاصل ہوتا ہے، حق یقین انبیائے کرام کو حاصل ہوتا ہے اور حقیقت حق ہمارے آقا محمد مصطفیٰ ﷺ کو حاصل ہے۔

صوفیہ کے نزدیک مشہور ہے کہ جب حق الیقین تک ان کو رسائی حاصل ہو جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں: کُلٌّ مِنَ اللہِ وَکُلٌّ إِلَی اللہِ وَکُلٌّ للہِ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے، اللہ کی طرف جانے والی ہے اور اللہ کے لیے ہے۔ وہ جو کچھ بھی دیکھتے ہیں نور ذات الٰہی کا پرتو دیکھتے ہیں، ذرات عالم میں سے کسی ایک ذرے کو بھی اللہ تعالیٰ کا غیر اور اس کے سوا نہیں جانتے، وہ سب کو اسی کا مشتاق اور طالب جانتے ہیں۔ ہر ایک کا مبدا و معاد اللہ سے اور اللہ ہی کی طرف راجع سمجھتے ہیں۔ فَمِنہُ المَبدَأُ و اِلَیہِ المَعادُ وکُلٌّ اِلَیہِ یَشتَاقُ (اس لیے کہ اسی سے ابتدا ہے اور اسی کی طرف انتہا ہے اور سب اسی کے مشتاق ہیں) ؎

رفتم بہ کلیسای ترسا و جہود   ترسا و جہود را ہم رخ بتو بود

(میں عیسائیوں اور یہودیوں کے عبادت خانوں میں گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ بھی تیری ہی طرف متوجہ ہیں۔)(۱)

ایک دوسرے عارف فرماتے ہیں:

کعبہ و دیر توئی دیر کجا غیر کجا   نیست غیر از تو کسے، غیر کرامی شمری

(کعبہ اور دیر تو تو ہی ہے، دیر کہاں ہے اور غیر کہاں ہے، جب تیرے علاوہ کوئی موجود ہی

---

(۱) رباعیات ابوسعید ابوالخیر میں یہ رباعی اس طرح ہے:

رفتم بہ کلیسای ترسا و یہود   دیدم ہمہ با یاد تو در گفت و شنود

با یاد وصال تو بہ بتخانہ شدم   تسبیح بتان زمزمہ ذکر تو بود

دیکھیے: ganjoor.net رباعیات ابوالخیر، رباعی نمبر: ۲۶۹

نہیں تو تو غیر کسے بتا تا ہے۔

فائدہ: دین خیر خواہی کا نام ہے

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے۔ یعنی جو شخص مسلمانوں کی خیر خواہی میں مشغول ہے وہ دیندار ہے اور جو مسلمانوں کی بد خواہی میں مصروف ہے وہ دیندار نہیں ہے۔

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:

مرا پیر دانای مرشد شہاب دو اندرز فرمود بر روی آب

یکی آن کہ بر خویش خود بین مباش دگر آن کہ بر غیر بدبین مباش

(۱) جب ہم کشتی پر سوار تھے تو مجھ (شیخ سعدی) سے میرے مرشدِ دانا شیخ شہاب الدین سہروردی نے دو نصیحتیں کیں۔

(۲) ایک یہ کہ خود پرست مت بنو اور دوسری یہ کہ دوسروں کے عیوب نہ تلاش کرو۔

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ رب تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیدار سے منع کرنا ہمارے رسول ﷺ کی دل جوئی کے لیے تھا۔ روایتوں میں آیا ہے کہ جب حضرت جبریل امین علیہ السلام نے یہ آیت کریمہ آپ تک پہنچائی اور انھوں نے یہ تلاوت کی: وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَ کَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ (الاعراف: ۱۴۳) تو جب تک وہ آگے بڑھتے اتنے لمحے کے لیے آپ ﷺ کا روئے مبارک زرد پڑ گیا اور دل اس طرف گیا کہ کسی نے مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، لیکن جب آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل سے آگے لَنْ تَرٰىنِیْ کی تلاوت سنی تو آپ کا چہرۂ مبارک اپنی اصل حالت پر واپس آ گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: اب جا کر میرے دل کو سکون ملا۔

فائدہ: تقویٰ کی اہمیت

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے: جو صلاح و تقویٰ کو اپنا شعار بنا لیتا ہے حق تعالیٰ بعض علوم، بغیر سیکھے اس کو عطا فرما دیتا ہے۔ اس کی فہم ایسی ہو جاتی ہے کہ جس چیز

کو غیر صالح اور غیر متقی پورے دن میں نہیں سمجھ سکتا وہ ایک لمحے میں سمجھ لیتا ہے۔

تمام اعمال صالحہ کے ساتھ تقوی

اللہ تعالیٰ نے تمام اعمال واقوال کو تقویٰ کے ساتھ مقرون کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ (الانعام:۷۲)

نماز قائم رکھو، اللہ سے ڈرو اور اس کے عذاب سے بچو۔

پیر دست گیر قطب عالم نے فرمایا کہ ایک بزرگ خراسان سے سنام پہنچے، انھوں نے پوچھا کہ کوئی یہاں متقی عالم ہے جس کی زیارت کر سکوں؟ لوگوں نے سعد الدین مفسر کا پتہ بتایا۔ جب وہ ان کے دروازے کے پاس آئے دیکھا کہ دیوار پر گوبر کا لیپ لگایا جا رہا ہے۔ وہ لوٹ گئے اور کہا کہ یہ کیسا متقی عالم ہے جو اس ناپاکی سے اپنے در و دیوار کو آلودہ کیے ہوئے ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ پاکی والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

فائدہ: اثر کے لیے طویل صحبت چاہیے

پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے کہ نیک لوگوں کی صحبت میں دیر تک رہنا چاہیے تا کہ اس کا اثر ظاہر ہو، جب کہ برے انسان کی صحبت بہت جلد اثر دکھاتی ہے، اس لیے بروں کی صحبت سے جلدی چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے تا کہ ان کی صحبت اثر انداز نہ ہو اور نیکوں کے ساتھ دیر تک رہنا چاہیے یہاں تک کہ ان کی صحبت کے اثرات ظاہر ہو جائیں۔ صحبت خواہ اچھی ہو یا بری، مجموعی طور پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے فرمایا: الصُّحْبَةُ تُوَثِّرُ[1] صحبت اثر رکھتی ہے۔ لوگ بعض صحبتوں کی برکت سے نہال ہوتے ہیں اور بعض صحبتوں کی نحوست سے برباد ہوتے ہیں۔ اگر صحبت اچھی ہوگی تو صحبت پانے والا نہال ہو جائے گا اور اگر بری ہوگی تو صحبت میں بیٹھنے والا برباد ہو جائے گا۔ عقل مندوں کو بروں کی صحبت سے بڑی کوفت اور بڑی تکلیف ہوتی

---

(۱) ان الفاظ سے کوئی حدیث نہیں ہے لیکن اس کا معنی صحیح ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (توبۃ:۱۱۹)

ہے۔ پیر دست گیر نے یہ مصرع بھی پڑھا:

روح را صحبت ناجنس عذابی است الیم (صحبت نامحرماں ہے اک عذاب جاں گسل)

نیز آپ نے یہ شعر بھی پڑھا:

آب را بین کہ چون ھمی نالد دمبدم از زمین نا ھموار

(پانی کو دیکھو کہ وہ ہر لمحہ کس طرح ناہموار زمین کی صحبت پر فریاد کرتا ہے۔)

کافروں، ظالموں اور فسادیوں کے ساتھ کسی شدید حاجت کے بغیر رہنا جائز نہیں، جتنی حاجت ہو اتنی ہی رخصت ہے۔ تفاسیر میں آیا ہے کہ کافروں کی صحبت نقصان دہ ہے، ان کی الفت و محبت کے ساتھ دین کی حفاظت دشوار ہے، کافروں کی صحبت اور ان کے ساتھ رہنا کسی شدید حاجت کے علاوہ کسی اور صورت میں جائز نہیں، اگر کوئی مسلمان طبیب حاذق نہ ملے تب کافر کے پاس جائیں اور اپنی نبض اور اپنی رپورٹ دکھائیں، جبکہ کسی سودے کے لیے کسی کافر کے پاس جانے کی حاجت ہو تب اس کے پاس جائیں اور اس سے سودے کی خریداری کریں، اسی طرح اگر کسی مال کو مسلمان پرکھ نہ سکیں تو اس وقت اس کو ان کافروں کو دکھائیں جو اسے پرکھ سکتے ہوں۔

خران را کسی در عروسی نہ خواند مگر آن زمان کاب و ھیزم نماند

(گدھوں کو شادی کے موقع پر اسی صورت میں لایا جاتا ہے جب کہ پانی اور لکڑی ختم ہو چکی ہو۔)

لہٰذا جب ان کی صحبت منع ہے تو ان سے محبت تو بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَلَیۡسَ مِنَ اللّٰهِ فِیۡ شَیۡءٍ اِلَّاۤ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً (آل عمران:۲۸) اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص یہ کام کرے گا یعنی جو کفار سے دوستی کرے گا، اس کے لیے حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی حصہ نہیں ہے، یعنی حق تعالیٰ کے ثواب سے اس کا کوئی حصہ نہیں، سوائے ان لوگوں کے جو ان سے خوب پرہیز کرتے ہیں اور خوف کھاتے ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ سوائے ان لوگوں کے جو کافروں سے بچتے ہیں اور اس چیز سے خوف کھاتے ہیں جو ان کے لیے خوف والی ہوتی ہے، اس لیے وہ دوستی کا اظہار کرتے ہیں، لیکن ان کے دل میں کفار کے لیے

کوئی جگہ نہیں ہوتی، اس صورت میں یہ رخصت ہوگی اور اسے نفاق نہیں کہا جائے گا، اس لیے کہ نفاق یہ ہے کہ نیکوں کے ساتھ دوستی کا اظہار کیا جائے اور دل میں دشمنی چھپا کر رکھی جائے۔

البتہ بروں کے ساتھ یہ عمل حکمت ہے اور ان کے ساتھ معاشرت کے آداب میں سے ہے؛ کیوں کہ ظاہر و باطن میں ان کے ساتھ یکساں برتاؤ دین کو ضرر رساں ہے۔ لہٰذا ابتلا کو اس کی رخصت ہے۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے داخل ہونے کی اجازت طلب کی، آپ نے ناگواری کا اظہار فرمایا، پھر وہ شخص داخل ہوا، ہمارے نبی ﷺ نے اس کے ساتھ خوش کلامی فرمائی اور کشادہ روئی کا مظاہرہ کیا، جب وہ شخص لوٹ گیا تو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یارسول اللہ! جب وہ شخص آپ کے سامنے آیا تو آپ نے ناگواری کا اظہار کیا، اس کے بعد جب وہ اندر داخل ہو گیا تو اس سے آپ نے خوش خلقی کا مظاہرہ کیا، یہ کیسا عمل تھا اور ایسا کس لیے آپ نے کیا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ پہلے والا عمل واقعہ اور حقیقت کے بیان کے لیے تھا تاکہ اس کا حال معلوم ہو جائے اور دوسرے والے عمل سے مصلحت کا اظہار کیا تاکہ وہ بدزبانی نہ کرے اور پھر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ فَرَقَه النَّاسُ اتِّقَاءَ عَنْهُ(۱) وہ برا شخص ہے جس کے شر سے بچنے کے لیے لوگ کترائیں اور دور ہوں۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں مذکورہ بالا مفہوم کی صراحت ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب لم یکن النبی ﷺ فاحشا ولا متفحشا (۶۰۳۲) سنن ترمذی، ابواب البر والصلہ، باب ماجاء فی المداراۃ (۱۹۹۶) بہ الفاظ: إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهِ۔

فائدہ:

منامات، انوار ولوامع

خواب کی تعبیر کون کرے گا؟

یہ بھی جان لو کہ خواب کی تاویل وتعبیر ہر شخص کا کام نہیں ہے۔اس کے لیے ایک شیخ کامل وعارف چاہیے، جو ان ظہور پذیر اشیا اور طفلان طریقت کے خواب کی تشریح وتعبیر کر سکے، روحانی ادراکات کو نفسانی آلائش سے الگ کر سکے، حق کو باطل سے جدا کر سکے اور طالب کے معاملے کو آگے بڑھا سکے۔

بعض خلوت گزیں حضرات نے پیر دست گیر قطب عالم سے آکر کہا کہ کبھی خواب میں اور کبھی بیداری اور نیند کی حالت میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہم ہوا میں اڑ رہے ہیں، اونچے مقام پر یا گنبد کے اوپر بٹھایا گیا ہے،اس کی وجہ سے ہمیں بہت خوف لاحق ہوتا ہے۔پیر دست گیر نے فرمایا کہ یہ ہوائی مادے سے گزرنے کا لازمہ ہے، اس پر توجہ نہیں دینی چاہیے اور اس کو کچھ نہیں سمجھنا چاہیے، یہ سب بالکل ہیچ ہے، طالب کا مقصود ابھی آگے ہے۔

کسی نے پیر دست گیر سے عرض کیا کہ میں یہ دیکھتا ہوں کہ پورا کمرہ عطریات اور خوشبوؤں سے پر ہے، یہاں تک کہ پورا منھ خوشبو سے بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔اس پر پیر دست گیر نے فرمایا کہ یہ سب کچھ نہیں ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ذکر میں مشغول رہنا چاہیے اور لاحول پڑھنا چاہیے۔

کسی نے آکر پیر دست گیر سے کہا کہ جب میں کسی کے ساتھ تواضع کرتا ہوں یا قرآن پڑھتا ہوں تو اپنے آگے پیچھے ایک نور درخشاں دیکھتا ہوں؟ اس پر پیر دست گیر نے فرمایا کہ قرآن

کا نور ہوتا ہے، ذکر کا نور ہوتا ہے، وضو کا نور ہوتا ہے، ہر نیکی کا ایک الگ نور ہوتا ہے، یہ سب طفلان طریقت کی غذائیں ہیں جن کے ذریعے اطفال طریقت کی پرورش ہوتی ہے، ہمت اس سے آگے بڑھانی چاہیے تاکہ نور حقیقی تک رسائی حاصل ہو جائے۔

صاحب مرصاد العباد فرماتے ہیں کہ بہتا ہوا صاف پانی دیکھے، چشمے، حوض، تالاب، دریا، سبزہ زار، باغ و باغیچہ، محلات، صاف آئینے، عمدہ قیمتی جواہر، بیش قیمت موتیاں، چاند، ستارے اور صاف آسمان کو دیکھے تو یہ سب قلبی صفات و مقامات ہیں، اگر بے انتہا محل، لامتناہی عوالم، پرواز، عروج، آسمان و زمین کا سمٹنا، ہوا پر چلنا، بے رنگ و بے کیفیت عالم دیکھے، معانی کا کشف، علوم لدنی، بے رنگ ادراکات، جسمانیت سے تجرد و علاحدگی اور روحانیت کی تجلی دیکھے تو یہ روحانیت کی صفتیں اور روح کے مظاہر ہیں، اگر مناظر ملکوت، فرشتوں اور ہاتف غیبی کے مشاہدے ہوں، جنت و دوزخ، عرش و فلک جو عالم ملکوت کی اہم ترین مخلوقات میں ہیں، ان کو دیکھے تو ابھی وہ ملکوتی صفات طے کر رہا ہے اور صفات حمیدہ سے آراستہ ہو رہا ہے اور اگر عالم غیب کے انوار کا مشاہدہ ہو، الوہیت کے مکاشفات ہوں، الہامات، اشارات، مکالمات ہوں اور صفات ربوبیت کی تجلیاں نظر آئیں تو وہ ابھی مقام فنا و بقا اور مقام وصول میں ہے اور حق تعالیٰ کے اخلاق سے خود کو آراستہ کرنے میں لگا ہے۔

ہر قسم کے احوال و وقائع میں سے کچھ کو ذکر کر دیا گیا تاکہ باقی کو اس پر قیاس کر لیا جائے۔

خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور تعجب سے کہنے لگا کہ میں آج شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تھا۔ ان کے اصحاب کے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھا رہا تھا۔ اس درمیان آپ کچھ لمحوں کے لیے مدہوش ہو گئے اور جب اپنی حالت کی طرف لوٹے تو فرمایا کہ ابھی میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے میرے منھ میں لقمہ ڈالا۔ یہ سن کر خواجہ یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تِلْكَ خِيَالَاتٌ تُرَبَّى بِهَا أَطْفَالُ الطَّرِيْقَةِ یعنی یہ وہ نمود و ظہور ہیں جن کے ذریعے اطفال طریقت کی پرورش کی جاتی ہے۔

فائدہ: خواب کی تعبیر کس سے پوچھے؟

خواب دیکھنے والا اپنے خواب کی تعبیر کسی نادان سے نہ پوچھے اور نہ ہی دشمن سے خواب بتائے اور نہ اس سے تعبیر معلوم کرے، اس لیے کہ وہ اپنے مطلب کے لحاظ سے تعبیر کرے گا اور اچھے خواب کو بری تعبیر کے ذریعے برائی کے کھاتے میں ڈال دے گا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو تین بار أَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ پڑھے اور ہر بار بائیں طرف تھوک دے، اس تعوّذ کے ساتھ تھوک ڈال کر وہ شیطان کو دھتکارتا ہے اور اس کو سنگسار کرتا ہے۔ ایسا خواب کسی سے نہ بتائے اور نہ اس کی تعبیر کسی سے معلوم کرے، تاکہ مذکورہ خواب اس کے لیے نقصان دہ نہ ہو اور اس کو مشقت و تکلیف میں نہ ڈالے۔

حکایت

حکایت ہے کہ خواجہ ربیع جو ایک شیخ کامل تھے، ان کے ایک مرید کو خواب میں شیطان نظر آیا۔ اس نے یہ دیکھا کہ شیطان اس کے پیر کے بارے میں کہہ رہا ہے کہ ربیع جہنمی ہے، لوگ اس سے کیا نیکی تلاش کرتے ہیں۔ مذکورہ مرید شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کی مجلس میں آیا، اس کی حالت یہ تھی کہ وہ دہشت زدہ اور حیران تھا اور اس خوف ناک خواب کی وجہ سے اس کے حواس گم تھے۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے ایک خوف ناک خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر میں نے کسی سے نہیں پوچھی ہے۔ اس نے اپنا خواب بیان کیا اور جب وہ اس کے بیان سے فارغ ہوا تو حضرت ربیع نے تین بار أعوذ باللہ پڑھا اور ہر بار بائیں طرف تھوکا اور اس خواب دیکھنے والے سے کہا کہ تم نے خواب میں جس کو دیکھا ہے وہ شیطان ہے اور اس نے تم کو یہ خواب اس لیے دکھایا تاکہ تمھارا اعتقاد تم سے چھین لے اور ارادت کی نعمت سے تم کو محروم کردے۔ ایسے خواب پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے اور محال کو واقعہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ وہی خواب دیکھنے والا شخص پھر دوسرے روز حضرت ربیع علیہ الرحمۃ کے پاس پہنچا۔ اس نے دوسرا خواب دیکھا تھا۔ اس نے خواب بیان کیا کہ آج رات میں نے دیکھا کہ ایک کالا کتا ہے جس کو زنجیر میں جکڑ کر میرے سامنے

لایا گیا ہے اور اس کی پیشانی پر تین تازہ داغ پڑے ہوئے ہیں۔ حضرت ربیع نے فرمایا کہ کالا کتا وہی شیطان تھا۔ اس نے کل رات تم کو تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ میرے تین بار تعوذ پڑھنے اور تھوکنے کے سبب اس کی پیشانی پر تین تازہ داغ پڑ گئے تھے۔

اگر اچھا خواب دیکھے تو اس کو اپنے باطن میں اچھی طرح محفوظ کر لے، دوستوں سے اس کو بتائے، اس کی تعبیر معلوم کرے اور اگر خواب برا ہو تو اس کو خواب پریشاں سمجھے، تعوذ پڑھ کر اور بائیں طرف تھوک کر اس کو دفع کر دے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اس طرح کے خواب کا کوئی اثر یا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

اسی طرح نیک فال کو پسند کرے، اس سے خوشی حاصل کرے اور برے فال کی طرف توجہ نہ کرے اور اپنے کو پراگندہ خاطر نہ کرے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: لَا طِيَرَةَ وَخَيْرُهَا الفَالُ [1] بدشگونی جائز نہیں، البتہ خوش شگونی اچھی چیز ہے۔

فائدہ: مشائخ کرام کے غیبی واقعات

پیر دست گیر قطب عالم نے فرمایا کہ حضرت سید محمد بندہ رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظ میں آیا ہے کہ مولانا فخر الدین بجنوری کو شیخ الاسلام شیخ نظام الدین اولیا سے ارادت تھی، لیکن ان کو ہمارے خواجہ [حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہ] سے جیسی عقیدت تھی وہ بہت کم مریدوں کو اپنے پیروں سے ہوتی ہے۔ اودھ میں ہمارے خواجہ کے ساتھ بہت دن رہے تھے۔ ان کو ہمارے خواجہ کے آغاز حال سے مکمل طور سے اطلاع و واقفیت تھی۔ مولانا شہاب الدین کنتوری کو آپ نے یاد دلایا اور فرمایا کہ آپ کو یاد ہے کہ اس رات جب ہمارے خواجہ ہمارے درمیان سے غائب ہو گئے تھے، رات کے آخری حصے میں لنگی باندھے ہوئے ہاتھ میں تلوار اور ڈھال لیے ظاہر ہوئے۔ میں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ایک جہاز غرق ہو گیا تھا، ہم کو حکم ہوا کہ جاؤ، جا کر جہاز کو ڈوبنے سے بچا لو۔

---

(۱) بخاری، کتاب الطب، باب الطیرہ (۵۷۵۴)، مسلم، کتاب السلام، باب الطیرہ والفال وما یکون فیہ من الشوم (۱۱۰)

ایک روز مجھ سے فرمایا: مولانا! جاؤ شراب خانے سے میرے لیے شراب لے آؤ۔ میں ایک گھڑا راب لے کر آیا۔ انھوں نے مجھ سے کہا مجھ کو دو۔ پھر فرمایا کہ پی جاؤ۔ جب میں نے اسے پیا تو دیکھا کہ میرے حلق سے جو کچھ اتر رہا تھا وہ خالص شہد تھا جس میں کسی چیز کی کوئی ملاوٹ نہیں تھی۔

مولانا محمود کا واقعہ

پیر دست گیر یہ بھی فرماتے کہ مولانا محمود نام کے ایک شخص تھے جو نیک اور صالح انسان تھے، حافظ قرآن اور عالم دین تھے۔ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سے نسبت و ارادت حاصل تھی۔ ہوا یہ کہ مولانا کی بیوی سے جِنوں کو محبت تھی۔ ایک بار اُن کی بیوی کے یہاں لڑکی کی ولادت ہوئی، اچانک وہ گہوارے سے چلانے لگی، گھر کے لوگوں نے تفتیش حال کی تو دیکھا کہ اس کے بازو کے اطراف میں دانت کا اثر نظر آ رہا ہے، اس کی ماں کے بازو پر بھی اس کا اثر تھا۔ خواجہ کی بارگاہ میں اس واقعے کو بیان کیا۔ ہمارے خواجہ نے اس کو تعویذ دیا، عورت نے بازو پر تعویذ باندھ لیا۔ صبح ہوئی تو دیکھا کہ بازو سے تعویذ غائب ہے۔ پھر شیخ کی بارگاہ میں واپس آئے اور عرض کی کہ حضور! تعویذ تو رات میں کوئی لے گیا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: ہاں، مولانا! واپس جاؤ۔ مولانا واپس گھر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جِن واپس آکر فریاد کر رہا ہے، آہ و نالہ کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ جاؤ شیخ سے عرض کرو کہ جِن کا گروہ توبہ کر رہا ہے، وہ اب اس گھر میں دوبارہ نہیں آئیں گے، اگر کوئی جِن اس کے بعد آئے گا تو وہ ہم میں سے نہ ہوگا۔ کسی نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ اس نے کہا کہ ہم کو حضرت خواجہ کے در پر تھوڑی دیر بیٹھنے کی اجازت ہے، آج حضرت نے فرمایا کہ جو جن و پری میرے چوکھٹ پر ہیں ان کو چوکھٹ پر بیٹھنے نہ دیا جائے، میں جا رہا ہوں، تمھارے گھر واپس نہیں آؤں گا۔ تم جاکر حضرت شیخ کی بارگاہ میں عرض کر دو۔ مولانا واپس حضرت کی بارگاہ میں پہنچے۔ حضرت شیخ کی بارگاہ سے رخصت ہوتے وقت واقعہ بتانا چاہا تو حضرت نے فرمایا کہ مولانا! جاؤ اور واقعہ بیان نہیں کرنے دیا۔

ایک جوان کا واقعہ

پیر دست گیر نے یہ بھی فرمایا کہ سید محمد حسینی گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظ میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک جوان تھا، جو صالح، تندرست اور توانا تھا، اس کی شادی ہوگئی، کئی روز ہوگئے، مگر ایک بار بھی اپنی بیوی سے صحبت کرنے پر قادر نہیں ہوسکا، گھر کے سارے لوگوں کو حیرت ہوئی کہ ایسا جوان طاقت ور لڑکا آخر کیا وجہ ہے کہ وہ ازدواجی تعلق قائم کرنے سے عاجز ہے۔ شادی کے بعد وہ لاغر نظر آنے لگا، اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ لوگوں نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ مجھ پر ایک ایسی بلا آئی ہے کہ میں کسی سے نہیں بتا سکتا۔ اس نے اپنے کسی قریبی سے بتایا کہ جب رات ہوتی ہے تو ایک شخص آتا ہے اور میرے دونوں ہاتھوں کو پیچھے کی طرف مضبوطی سے باندھ دیتا ہے اور میری بیوی سے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اگر میں کسی وقت بیوی سے قریب ہونا چاہتا ہوں تو وہ فوراً کہیں نہ کہیں سے ظاہر ہوتا ہے اور زور سے مجھ کو اس طرح مارتا ہے کہ کئی دنوں تک میرا سر درد کرتا رہتا ہے، ہمارے گھر والوں کو خواجہ نظام الدین اولیا سے نسبت تھی، یہ واقعہ ہم نے حضرت خواجہ کی بارگاہ میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ تمھارے درمیان کوئی شخص ایسا ہے جو کشمیری دروازے کے باہر سوئے، وہ شخص جو اِس مصیبت میں گرفتار تھا اس نے کہا کہ میں ہی کشمیری دروازے کے باہر سوؤں گا۔ حضرت نے ایک تحریر اس کے ہاتھ میں دی اور ایک رات مقرر کی اور اس رات کو وہاں جانے کے لیے کہا۔ حضرت نے کس رات کا نام لیا تھا وہ مجھے صحیح سے یاد نہیں، غالباً اتوار یا منگل کی رات کو کہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے تم کو خوف ناک آواز سنائی دے گی، اس کے بعد ہاتھی کی طرح خوف ناک صورت ظاہر ہوگی، اسی طرح کچھ بندر کی صورتیں اور کچھ شیر وغیرہ کی شکلیں ظاہر ہوں گی لیکن تم بالکل نہ ڈرنا، اس کے بعد ایک سفید پوش شخص سفید لباس میں گھوڑے پر سوار ہوکر ظاہر ہوگا، اس کے اردگرد اس کے لشکر ہوں گے، وہ سب کے سب سفید لباس میں ملبوس ہوں گے اور انسانوں کی شکل میں ہوں گے، تم کاغذ کھول کر اپنے ہاتھ پر رکھ لینا اور پھر اسے دکھانا۔ جس رات کے بارے میں حضرت شیخ نے فرمایا تھا اس رات وہ جوان کشمیری دروازے کے بیرونی گنبد میں

ٹھہرا۔ رات کا جب کچھ حصہ گزر گیا تو اسی طرح خوف ناک آوازیں سنائی دینے لگیں، وہ سمجھ گیا کہ یہ وہی چیز ہے جس کا حضرت شیخ نے تذکرہ فرمایا تھا اور پھر ویسا ہی سب کچھ ظاہر ہوا۔ وہ لیٹا ہوا سب کچھ دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس میں سے ایک جوان سفید پوش گھوڑے پر سوار اور اس کے ساتھ سفید پوش پا پیادہ افراد ظاہر ہوئے۔ جب اس جوان نے اس کو دیکھا تو کاغذ کو کھول کر ہاتھ میں لے لیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پیدل چلنے والوں میں سے ایک نے دیکھا کہ ایک آدمی ہاتھ میں کاغذ لیے کھڑا ہے تو اس نے اس سوار سے کہا کہ یہاں ایک جوان کھڑا ہے، وہ سوار رکا، اس نے جوان کو بلایا اور اس کے ہاتھ سے کاغذ لے کر پڑھا، خط پڑھتے ہی وہ گھوڑے سے نیچے آگیا، غیاث پور (حضرت سلطان جی کی بستی) کی طرف منہ کر کے اس نے سر زمین پہ رکھا اور کہا: اے جوان! جو تمھارے ساتھ یہ حرکت کر رہا ہے اس کو تم پہچانتے ہو؟ اس نے کہا کہ ہاں! اگر اس کو دیکھ لوں تو پہچان لوں گا۔ اس نے کہا کہ جو لوگ آگے بڑھ گئے ہیں سب کو واپس بلاؤ۔ سب کو واپس کیا گیا اور ایک ایک کر کے سب کو اس جوان کے سامنے پیش کیا۔ ایک شخص کے علاوہ کوئی بھی نہیں بچا۔ اس نے سب کو دیکھا لیکن کسی کو نہیں پہچانا۔ اس سوار نے کہا کہ کسی کو پہچان کیوں نہیں رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ اگر اس شخص کو دیکھ لوں گا تو پہچان لوں گا، تلاش کیا گیا کہ کوئی بچ تو نہیں گیا، پتا چلا کہ ایک شخص رہ گیا ہے۔ اس سوار نے کہا کہ اس کو بھی لایا جائے شاید وہی ہو، اس کو لایا گیا وہ اپنا چہرہ چھپائے ہوئے ظاہر ہوا۔ اس نے کہا کہ چہرہ کھولو، چہرہ کھولتے ہی اس جوان نے اس کو پہچان لیا اور کہا کہ یہی شخص ہے، یہی وہ شخص ہے۔ اس سے سوار نے کہا: سنو! وہ حضرت خواجہ نظام الدین کے غلاموں کا گھر ہے، تم اس کام سے باز آجاؤ۔ اس نے کہا کہ میں ہرگز باز نہیں آؤں گا، میں اس عورت پر عاشق ہوں۔ سوار نے کہا: اگر تم باز نہیں آؤ گے تو میں تمھاری گردن ماردوں گا۔ اس نے کہا کہ اس کے علاوہ کوئی اور چارہ بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ جب تک قالب میں جان موجود ہے میں باز نہیں آؤں گا۔ اس کے بعد کسی خاص جلاد کو اس نے بلا کر کہا کہ اس کی گردن ماردو۔ اس نے تلوار نکال کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ پھر سوار نے کہا کہ اے جوان! جاؤ حضور کی بارگاہ میں میرا اسلام پہنچا دینا اور عرض کرنا کہ آپ کا فرمان ملا اور جس

بدبخت نے حضور کے خادموں کے گھر میں بے ادبی کی تھی ہم نے اس کی گردن ماردی۔ وہ جوان گھر واپس آیا اور جیسا کہ ازدواجی تعلق ہونا چاہیے ویسا ہوا۔ اس کے بعد حضرت کی بارگاہ میں وہ مذکورہ واقعہ سنانے کی غرض سے گیا۔ حضرت خواجہ قدس سرہ نے اس کے پہنچنے کے ساتھ ہی گفتگو کا آغاز کر دیا، اس کو روک دیا اور بیان نہیں کرنے دیا۔ فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ یہ قوت کیسے حاصل ہوتی ہے؟ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہوجاتا ہے ہر شے اس کی ہوجاتی ہے۔ جو شخص رب العزت کا ہوجاتا ہے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہ وہ سودا نہیں جس میں کسی نقصان کا وہم بھی ہو، اس میں سراسر نفع ہی نفع ہے۔ جو شخص اللہ کی عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں کرتا بلکہ جہنم کے خوف اور جنت کی حرص کی وجہ سے کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتا۔

احیا میں مذکور ہے کہ حدیث قدسی ہے: أَبْغَضُ عِبَادِيْ إِلَيَّ مَنْ عَبَدَنِيْ بِخَوْفِ جَحِيْمٍ وَبِطَمْعِ جَنَّةٍ[1] میرے نزدیک سب سے ناپسندیدہ بندہ وہ ہے جو جہنم کے خوف اور جنت کی خواہش کی وجہ سے میری عبادت کرتا ہے۔ اس لیے کہ وہ جنت اور جہنم کا بندہ ہے۔ وہ اللہ کا بندہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ تمھارا معبود وہی ہے جو تمھارا مقصود ہے۔ مَعْبُوْدُکَ مَقْصُوْدُکَ

یہ بھی فرمایا کہ میں نے شیخ ابوعلی فارمدی کی مجالس میں لکھا دیکھا کہ شیخ ابوعلی کہا کرتے کہ اگر خلقت کے لیے کوئی ایسا سوراخ ہوتا جس سے وہ خدا تعالیٰ کی عبادت و اطاعت سے بھاگ سکتے تو اس سوراخ میں بہت ہجوم ہوتا۔ مردان الٰہی اور حق تعالیٰ کے بندے تو صرف نیک لوگ ہی ہیں۔ جو شخص اپنی خواہشات میں مبتلا ہے وہ اپنے نفس کا بندہ ہے، اللہ کا بندہ نہیں ہے۔

کرامات حضرت مخدوم شاہ مینا

مؤلف کہتا ہے کہ ایک روز میں والدین کی قدم بوسی اور رشتہ داروں سے ملاقات کے لیے حضرت قطب العالم رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ سے رخصت ہوکر اپنے وطن ''انام'' (اُناوَ) کے

---

(۱) ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت احیاء العلوم میں بھی نہیں ملی، لیکن اسی معنی کی دو اسرائیلی روایتیں ہیں جو حضرت داود سے منقول ہیں۔ (کتاب المحبۃ والشوق والانس والرضا، ۳۰۶/۴)

لیے روانہ ہوا۔ بارش کا زمانہ تھا۔ جب قصبہ موہان کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ پانی بہت زیادہ برسا ہے اور خوف ناک سیلاب کی شکل میں بہہ رہا تھا، پار ہونا ممکن نہیں تھا۔ چند قدم ہی بڑھے تھے کہ گھوڑے سے گر گیا اور ڈوبنے لگا۔ فوراً پیر دست گیر قطب عالم کو یاد کیا اور ان کو شفیع بنایا۔ میں نے دیکھا کہ پیر دست گیر حاضر ہوئے اور انھوں نے میرا پاؤں پکڑ کر پانی سے باہر کر دیا، دوسرے ساتھی جو تیرنا جانتے تھے انھوں مجھے روانہ کر دیا۔

ایک مرتبہ اس فقیر کو رمضان مبارک کے مہینے میں شدید بخار تھا، چند روز کا فاقہ کیا تھا، بخار غالب تھا، ۱۸ر رمضان کو میری حالت بہت زیادہ خراب ہوگئی، نہ زمین پر آرام ملتا اور نہ چارپائی پر قرار حاصل ہوتا، کبھی زمین پر لیٹتا تو کبھی چارپائی پر چلا آتا، یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ حضرت قطب عالم کی بارگاہ میں ایک شخص کے ذریعے اپنی پریشانی کہلوا بھیجی۔ حضرت قطب عالم اس وقت حضرت مخدوم شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے کھانے کے انتظام میں مصروف تھے۔ مجلس میں ایک سیر کی مقدار میں چند روٹیاں روغن اور شکر میں خوب تر کر کے آئی ہوئی تھیں۔ آپ نے انہی روٹیوں میں سے ایک روٹی میرے پاس یہ کہہ کر بھیج دی کہ میں پوری روٹی کھالوں اور کچھ بھی نہ چھوڑوں۔ چند روز سے میرا فاقہ تھا، بخار کا غلبہ تھا اور برا حال تھا۔ کھانے کی بالکل رغبت نہیں تھی، لیکن آپ کے حکم اور آپ سے حسن اعتقاد کی وجہ سے تھوڑی دیر جبر کر کے میں نے کھالیا۔ جیسے ہی کھانے سے فارغ ہوا فوراً نیند آگئی۔ ابھی نیند میں ہی تھا کہ حضرت قطب عالم نے سماع کا آغاز فرمادیا۔ میں بیدار ہوگیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ شدید بخار اب غائب ہو چکا ہے، اٹھ کر وضو کیا اور مجلس سماع میں حاضر ہوا۔ حضرات صوفیہ سماع سننے میں مصروف تھے۔ میں کھڑا تھا۔ یہاں تک کہ قوالوں نے یہ شعر پڑھنا شروع کیا:

رفتم بہ کلیسای ترسا و جہود　　ترسا و جہود را ہمہ رخ بتو بود

(میں عیسائیوں اور یہودیوں کے عبادت خانوں میں گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ بھی تیری ہی

طرف متوجہ ہیں۔)[1]

اس شعر سے مجھ کو ذوق حاصل ہوا اور میں بھی جا کر سماع سننے لگا۔ حضرت قطب عالم کو میری کمزوری کا خیال آیا تو مجھ کو اپنے حجرے میں لے گئے اور سکون عطا فرمایا۔ سماع سے فارغ ہو کر اپنے سرِ مبارک سے سیاہ دستار اتار کر عطا فرمائی۔

حضرت قطب عالم کے اس طرح کے واقعات بہت ہیں ۔ جو واقعات میرے ساتھ ہوئے اس مختصر کتاب میں ان سب کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے، آپ کے مریدوں اور دوسرے لوگوں سے سنے ہوئے واقعات تو الگ ہیں۔

شیخ شہاب الدین سہروردی اور ایک فلسفی

پیر دست گیر قطب عالم حضرت مخدوم شاہ مینا قدس سرہٗ فرماتے تھے: فوائد الفواد میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک فلسفی خلیفہ کی بارگاہ میں آیا، وہ اپنی کتابیں ساتھ لے کر آیا اور اس خلیفہ کو راہ حق سے بھٹکانے کی کوشش کی ۔ خلیفہ نے بھی اس کے علم کو سیکھنے کے لیے رغبت کا اظہار کیا۔ یہ خبر شیخ شہاب الدین سہروردی کو پہنچائی گئی۔ شیخ نے توجہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اگر خلیفہ فلاسفہ کی طرف مائل ہوگا تو ایک جہان ظلمت و تاریکی میں ڈوب جائے گا۔ یہ کہہ کر آپ اٹھے اور خلیفہ کے محل پر آگئے ۔ اس وقت وہ خلیفہ اسی فلسفی کے ساتھ خلوت میں تھا اور اس کے علم اور اس کی بحث میں مشغول تھا۔ خلیفہ کو خبر پہنچائی گئی کہ شیخ شہاب الدین سہروردی تشریف لائے ہیں ۔ اس نے شیخ کو اندر بلایا۔ جب شیخ اندر تشریف لائے آپ نے اس خلیفہ اور حکیم سے پوچھا کہ اس وقت تم دونوں کس بحث میں لگے تھے؟ خلیفہ نے کہا کہ ہم دوسری گفتگو کر رہے تھے ۔ اس نے فلاسفہ کی بحث کا تذکرہ نہیں کیا۔ شیخ نے جب اس پر زور دیا کہ بتاؤ تم لوگ کس بحث میں تھے؟ جب شیخ نے بہت

---

(۱) رباعیات ابوالخیر میں یہ رباعی اس طرح ہے:

رفتم بہ کلیسای ترسا و یہود   دیدم ہمہ با یاد تو در گفت و شنود
با یاد وصال تو بہ بت خانہ شدم   تسبیح بتان زمزمہ ذکر تو بود

دیکھیے: ganjoor.net رباعیات ابوالخیر، رباعی نمبر: ۲۶۹

اصرار کیا تو اس حکیم نے کہا کہ ہم اس وقت یہ بحث کر رہے تھے کہ آسمان کی حرکت طبعی ہے۔ رکت کی تین قسمیں ہیں: حرکت طبعی، حرکت ارادی اور حرکت قسری۔ حرکت طبعی یہ ہے کہ اپنی طبیعت سے کوئی شئے متحرک ہو، مثلاً پتھر کو ہاتھ سے پھینکا جائے تو وہ پھر زمین پر ہی آکر گرے گا، حرکت ارادی یہ ہے کہ کوئی شے اپنے ارادے سے جس طرف چاہے حرکت کرے اور حرکت قسری یہ ہے کہ اس کو دوسرا کوئی حرکت میں لائے، مثلاً ایک پتھر کو ہوا میں پھینکا جائے تو اس کو حرکت قسری کہتے ہیں۔ جب اس کی قوت کم ہو جاتی ہے تو وہ اپنی طبعی خاصیت کے مطابق زمین پر آگرتا ہے۔ اس کو حرکت طبعی کہتے ہیں۔ ابھی ہم اسی بحث میں تھے کہ آسمان کی حرکت طبعی ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ نہیں، ایسا نہیں ہے، اس کی حرکت حرکت قسری ہے۔ اس نے کہا کہ وہ کیسے؟ شیخ نے فرمایا کہ اس صورت اور اس ہیئت کا ایک فرشتہ آسمان کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حرکت و گردش میں رکھتا ہے۔ اس کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔ یہ سن کر فلسفی ہنسنے لگا۔ اس کے بعد شیخ خلیفہ اور اس حکیم کو چھت کے نیچے سے باہر لے کر آئے۔ اس کے بعد آسمان کی طرف چہرہ کیا اور دعا کی: مولیٰ! جو تو اپنے بندوں کو دکھاتا ہے وہ ان کو بھی دکھا دے۔ اس کے بعد انھوں نے خلیفہ اور فلسفی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آسمان کی طرف دیکھو، ان دونوں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو انھوں نے اپنی آنکھوں سے اس فرشتے کو دیکھا جو آسمان کو گردش اور حرکت دے رہا تھا۔ یہ دیکھ کر خلیفہ اس فلسفی کے مذہب سے برگشتہ ہو گیا اور دین اسلام میں راسخ اور پختہ ہو گیا۔ وَالحمدُللہ رَبِّ العَالَمِین

فائدہ: ایک فقیہ ہزار جاہل عابد سے افضل ہوتا ہے

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ فرماتے تھے کہ ایک روز ایک جاہل نے ایک عالم سے بحث کی کہ ایک فقیہ ہزار جاہل عابد کے بالمقابل شیطان پر زیادہ بھاری کیسے ہو سکتا ہے؟ عالم نے کہا کہ اگر تم کو یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی تو میرے ساتھ آؤ، میں تم کو دکھاتا ہوں۔ وہ عالم پہلے ایک جاہل عابد کے پاس گیا، خادم کو آواز دی اور اس سے کہا کہ عابد سے کہو کہ حق تعالیٰ نے اس کو سلام بھیجا ہے، اس نے تمھاری نیکی قبول کر لی ہے، اس نے تمھارے پاس جبریل کو بھیجا ہے، وہ

جاہل عابد جلدی سے پورے اکرام و تعظیم کے ساتھ باہر نکلا۔ اس سے فارغ ہوکر ایک فقیہ کے پاس گئے جو مست پڑا ہوا تھا۔ اس سے انھوں نے کہا کہ جبرئیل تمھارے پاس آئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجا ہے، تمھارے علم کو اس نے اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نواز دیا ہے، یہ سنتے ہی وہ فقیہ مارنے کے لیے تیار ہوگیا، ہاتھ میں پتھر اٹھاکر بولا: دور ہوجاؤ، میرے پاس سے دفع ہوجاؤ، رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے پاس جبرئیل نہیں آئے اور نہ آئندہ وہ کسی اور کے پاس آئیں گے۔ وہ جاہل بہت شرمندہ ہوا اور عالم کو اس تفہیم سے خوشی ہوئی۔

ایک جاہل صوفی اور ایک عالم

خزانۂ جلالی میں ہے: ایک عالم اور ایک جاہل درویش کی آپس میں بڑی دوستی تھی۔ شب و روز ایک ساتھ ہی رہتے تھے۔ ایک لمحے کے لیے بھی جدا نہیں ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی ضرورت کے لیے عالم کو سفر کرنا پڑا۔ وہ بادشاہ کے پاس چلا گیا اور ایک مدت کے بعد واپس آیا۔ اس درویش کے بارے میں معلوم کیا تو لوگوں نے بتایا کہ وہ صحرا میں جاکر گوشہ نشیں ہوگیا ہے۔ اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔ خلق خدا اس کی طرف ٹوٹی پڑ رہی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرے پاس جبریل آتے ہیں۔ یہ سن کر عالم نے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰه پڑھا اور کہا کہ وہ جاہل ہے، اس کو شیطان نے راہ سے بھٹکایا ہوگا۔ اس کے بعد وہ اس درویش کے پاس گیا۔ اس سے حال پوچھا۔ اس نے کہا کہ اللہ کا فضل ہے، حال اچھا ہے، میرے پاس جبرئیل آئے اور انھوں نے مجھ تک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پہنچایا کہ اے فلاں! تم نے میری اتنی عبادت کی کہ میں تم سے راضی ہوگیا ہوں، اب نماز، روزے اور دوسری شرعی ذمہ داریاں تم سے ساقط کردی ہیں۔ روزانہ جبریل دو وقت آتے ہیں اور میرے پاس جنت کا کھانا پہنچاتے ہیں۔ جب اس عالم نے اس جاہل کی یہ بات سنی تو اُس نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں آج تمھارے ساتھ رہ جاؤں تاکہ میں تمھارے حال کا معائنہ کروں اور تمھارے ساتھ جنت کا کھانا کھالوں۔ اس جاہل درویش نے اجازت دے دی۔ اس کے بعد وہ عالم کلمۂ تحویل لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰه کے ذکر میں مشغول ہوگیا۔ شیطان سامنے آیا، مگر وہ اندر داخل نہیں ہوسکا تو تھوڑی دیر کے لیے اس نے ذکر بند کردیا، تب شیطان

داخل ہوا۔ اپنے ہاتھ میں ایک طبق لیے ہوئے بڑی تعظیم سے اندر داخل ہوا۔ جب عالم کی نظر اُس پر پڑی تو وہ پھر سے ذکر میں مشغول ہوگیا۔ شیطان کے ہاتھ سے طبق چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ عالم نے جب نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ وہ کھانا در اصل گندگی اور نجاست تھی جو جاہل کی نظر میں کھانا معلوم ہوتا تھا۔ شیطان غائب ہوگیا۔ اس عالم نے جاہل سے کہا کہ وہ شیطان ہے جس نے تم کو راہ سے بھٹکا دیا ہے۔ چلو اٹھو، یہاں سے باہر نکلو، اس کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے باہر نکالا۔ جاہل نے قرآن وغیرہ جو کچھ سیکھا تھا سب بھول چکا تھا۔ عالم نے پھر سے اس کو تعلیم دی۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: لَوْ لَاأَهْلُ المَنَابِرِ لَاحْتَرَقَ أَهْلُ الْقُرىٰ (۱) علما نہ ہوتے تو بستی والے جل جاتے۔ مشائخ نے فرمایا ہے: مَااتَّخَذَاللہُ وَلِیًّا جَاھِلًا اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو اپنا دوست اور ولی نہیں بناتا۔

اس کے بعد حضرت سید السادات قدس سرہ نے ارشاد فرمایا: جس درویش کے پاس علم نہ ہو اُس کو اپنے شیخ کی صحبت میں یا صالح عالم کی صحبت میں رہنا چاہیے، تاکہ راہ سے بھٹکنے نہ پائے۔

فائدہ: احکام شریعت کبھی ساقط نہیں ہوتے

محققین اور عارفین کا مذہب یہ ہے کہ بندہ کا قرب جس قدر بڑھے گا وہ اسی قدر اوامر اور آداب شریعت کی پاس داری زیادہ کرے گا۔

سقوط احکام کی ایک تاویل

شرح تعرف میں ہے: اگر یہ بات جماعت صوفیہ کے کسی بزرگ سے صحت کے ساتھ ثابت ہو جائے اور اس کا ثبوت مل جائے کہ انھوں نے یہ بات کہی ہے کہ بندہ قرب کے کسی ایسے مقام تک پہنچتا ہے جہاں اس سے عمل ساقط ہو جاتا ہے تو اس کی ایک تاویل ہے جو حسب ذیل ہے، جب کہ حقیقی علم صرف اللہ عزوجل کو حاصل ہے۔

ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے خوف، اس کی عظمت، اس کے

---

(۱) فوائد تمام، نسخۂ نافع بن ابی نعیم القاری، از عبداللہ ابن عمر (۱۱۴۳)

جلال، اس کی ہیبت یا محبت اور اس طرح کے اسباب کی بنا پر مغلوب الحال ہوجاتا ہے اور اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ خطاب اور امرالٰہی کا تعلق اس سے ختم ہوجاتا ہے۔ یہاں عمل کا ساقط ہونا خطاب اور امرالٰہی کے ساقط ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ اس کے مقام کی بزرگی کی وجہ سے نہیں اور ترک عمل کرنے کی وجہ سے وہ مشکور و ماجور نہیں بلکہ معذور ہوگا۔

نیز اس سے خطاب و امرالٰہی کے ساقط ہونے کا تعلق بھی شریعت سے ہے اور وہ یہ کہ جب تک بندہ عقل و تمیز کی قوت رکھنے والا اور اختیار والا ہوگا، احکام شرعیہ کے سلسلے میں اس کی گرفت کی جائے گی اور جب اس کی عقل زائل ہوجائے، وہ اختیار اور تمیز کی حد سے باہر نکل جائے تو شرعی ذمہ داریاں اس سے ساقط ہوجائیں گی۔

دونوں باتوں کا تعلق شریعت سے ہے، زوال شریعت سے نہیں، بلکہ شریعت نے اس کو ایک حال میں مکلف و مخاطب اور مامور رکھا اور اس وقت احکام شرعی پر عمل کی صورت میں اس کو مشکور و ماجور قرار دیا، اور ایک خاص حال میں اپنے امر و خطاب کو اس سے اٹھالیا اور اس وقت ترک عمل پر اس کو معذور قرار دیا۔ اس لیے اوامر و نواہی کا ساقط ہونا کسی بڑے مقام کے حصول کا سبب نہیں ہے بلکہ ان کے ساقط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ ایسی مغلوبیت کے عالم میں پہنچ گیا ہے کہ اس سے اس خاص حالت میں خطاب الٰہی کا تعلق ختم ہوجاتا ہے، اس لیے اس ترک عمل کی وجہ سے وہ معذور ہے، مشکور و ماجور نہیں ہے۔ شریعت میں اس کی ایک اصل بھی موجود ہے۔

ابوحامد دوستاں کا واقعہ

بتایا جاتا ہے کہ مرو میں ایک بزرگ تھے۔ ان کو ابوحامد دوستاں کہا جاتا تھا۔ ان پر یہ حالت (ترکِ نماز کی) طاری ہوئی جو اُن کے لیے کرامت تھی۔ لوگ ان کو ابوحامد دوستاں اس لیے کہتے تھے کہ لفظ دوستاں ان کی زبان پر بہت آتا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے: دوستاں چنیں گویند، دوستاں چنیں کردند۔ (دوست ایسا کہتے ہیں، دوست نے ایسا کیا۔) یہاں تک کہ یہ لفظ ان کا لقب بن گیا۔ ابوحامد دوستاں کا حال آخر میں ایسا ہوگیا کہ انھوں نے نماز ترک کردی۔ دراصل یہ ان کی طرف سے نماز کا ترک نہیں تھا، بلکہ ان کے دل میں ایسی عظمت غالب آگئی تھی کہ وہ

معذور تھے۔ وہ جب طہارت حاصل کر کے قبلہ کی طرف رخ کرتے، ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہنا چاہتے تو اللہ کہہ پاتے اور اکبر کہنے سے پہلے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑتے۔ ظاہر ہے یہ حالت ان کے دل میں بیٹھی ہوئی انتہائی تعظیم کی وجہ سے تھی۔ وہ توہین شریعت کی غرض سے ایسا نہیں کرتے تھے۔

سقوط احکام کی دوسری تاویل

شرعی امور کی پابندی ساقط ہونے کی ایک دوسری تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ بندہ ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں عمل تو ساقط نہیں ہوتا، البتہ! عمل کی مشقت اور تکلیف ساقط ہو جاتی ہے۔ یہ بات ایک مثال سے واضح ہوگی۔ کسی کو ایک شخص سے محبت ہے اور اس کی خدمت میں اس کو اتنی لذت ملتی ہے جتنی دوسروں کو بڑی نعمتیں پا کر حاصل ہوتی ہے۔ جب یہ محبت اور پختہ ہو جاتی ہے اور محبوب کا مشاہدہ ہونے لگتا ہے تو محبوب کے دیدار سے سارے کام بھلے معلوم ہونے لگتے ہیں۔ تکلیف لذت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ محنت راحت میں بدل جاتی ہے۔ عمل کی مشقت باقی نہیں رہ جاتی۔ عام آدمی کاہلی کرتا ہے۔ وہ عمل سے گریزاں ہوتا ہے اور خاص لوگ نشاط و چستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ سرعت و سبقت دکھاتے ہیں۔ اس لیے بزرگوں نے یہ فرمایا ہے کہ جس کی شخصیت دل پر گراں ہوتی ہے اس کی خدمت جسم پر بھی گراں ہوتی ہے اور جو دل سے عزیز ہوتا ہے اس کی خدمت جسم پر بھی آسان ہوتی ہے۔

فائدہ:

نوافل، اوراد اور دعائیں

نماز اشراق کا وقت اور رکعتیں

جو شخص چاشت کے وقت عبادت کرے گا، نماز چاشت ادا کرے گا، اس کے درجات میں ترقی ہوگی اور وہ ثواب کا مستحق ہوگا۔

اشراق کا وقت طلوع آفتاب سے شروع ہوکر دو نیزے کے برابر آفتاب کے بلند ہونے تک رہتا ہے۔

اشراق کے وقت طالب مولیٰ چار رکعت ادا کرے، یہ متوسط درجہ ہے۔ اشراق کی نماز کم سے کم دو رکعت ہے اور زیادہ سے زیادہ دس رکعت، پہلی دو رکعتیں شکرانے کے طور پر پڑھے، پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی اور دوسری رکعت میں اٰمن الرسول پڑھے۔ اس کے بعد استعاذہ کی دو رکعتیں پڑھے، پہلی رکعت میں سورۂ فلق، اور دوسری میں سورۂ ناس پڑھے۔ اس کے بعد دو رکعتیں استخارہ کی پڑھے، پہلی رکعت میں قُلْ یَاأَیُّہَاالْکَافِرُوْنَ اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھے، اس کے بعد استحباب کی دو رکعتیں ادا کرے، پہلی رکعت میں سورۂ واقعہ اور دوسری رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الاَعْلیٰ پڑھے۔

اس مقام پر پیر دست گیر قطب عالم فرماتے تھے کہ اگر کوئی سورۂ واقعہ اور سبح اسم نہ پڑھ سکے تو پہلی رکعت میں اِنا انزلنا اور دوسری رکعت میں اِنا اعطینا ک الکوثر پڑھے۔

اس کے بعد دو رکعت دن کی نعمت ملنے کے شکریے میں ادا کرے، دونوں رکعتوں میں

پانچ بار سورۂ اخلاص پڑھے، ہر دو رکعت میں سلام پھیرنے کے بعد درود پڑھے اور وہ دعائیں پڑھے جو عارف باللہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ کے اوراد[1] میں مذکور ہیں۔

خزانہ میں مذکور ہے: حضرت سید السادات مخدوم جہانیاں کے بعض اصحاب نے نماز اشراق کی ادائیگی میں کاہلی کی تو آپ نے فرمایا کہ کم سے کم دو رکعت نماز سورج نکلنے کے بعد ادا کرو۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اشراق کے بعد رضائے والدین کے لیے دو رکعت نمازِ ارضائے والدین ادا کرو۔ ہر رکعت میں ایک بار آیت الکرسی اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھو، سلام کے بعد درود پڑھو اور پھر یہ دعا پڑھو:

اَللّٰھُمَّ صَلَّیْتُ ھٰذِہِ الصَّلَاۃَ قَدْ جَعَلْتُ ثَوَابَھَا لِوَالِدَیَّ، یَاعَلِیْمُ یَاقَدِیْرُ اِغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَارْحَمْھُمَا وَتَجَاوَزْ عَنْھُمَا وَأَرْضِھِمَا عَنِّیْ إِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَيْءٍ قَدِیْرٌ

(یا اللہ! میں نے یہ نمازیں پڑھیں اور اس کا ثواب اپنے والدین کو بخش دیا، اے علیم و قدیر! میری مغفرت فرما، میرے والدین کی مغفرت فرما، ان دونوں پر رحم فرما اور ان کو درگذر فرما اور ان دونوں کو مجھ سے راضی فرما، واقعی تو ہر چیز پر قادر ہے۔)

صلاۃ الحرز

دو رکعت صلاۃ الحرز ادا کرے، سورۂ فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں سورۂ یٰسٓ اور دوسری رکعت میں سورۂ ملک پڑھے اور اگر یہ دونوں سورتیں یاد نہ ہوں تو ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد تین بار سورۂ اخلاص پڑھے، یہ نماز اس دن کے گناہوں اور آفتوں سے محفوظ رکھے گی۔ مغرب کے بعد بھی دنیا کی باتیں کرنے سے قبل صلاۃ الحرز دو رکعت ادا کرے اور پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی اور سورۂ کافرون ایک بار پڑھے اور دوسری رکعت میں لَوْ أَنْزَلْنَا ھٰذَا الْقُرْآنَ سورۂ حشر کی آخری آیت تک اور ایک بار سورۂ اخلاص پڑھے اور پھر یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اکْسِرْ شَھْوَتِیْ عَنْ کُلِّ مَحْرَمٍ، وَازوِ حِرْصِیْ عَنْ کُلِّ مَأْثَمٍ، وَامْنَعْنِیْ عَنْ

---

(۱) حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ کا مجموعۂ اوراد جو اورادالشیخ بہاء الدین یا کتاب الاوراد کے نام سے معروف ہے۔

أَذىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ، بِفَضْلِكَ وَكَرَمِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

(یااللہ! میرے لیے ہر حرام کی شہوت کو توڑ دے اور ہر گناہ کی حرص کو میرے دل سے دور کردے اور کسی بھی مسلمان کو تکلیف دینے سے مجھ کو محفوظ رکھ، اپنے فضل وکرم کے صدقے، اے تمام رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم فرمانے والے۔)

اس نماز کی برکت سے اللہ رات کے تمام گناہ اور رات کی تمام آفتوں سے محفوظ فرمادے گا۔

مسبعات عشر

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ صبح وشام مسبعات کی اسی طرح پابندی کرے جس طرح اوراد میں لکھا ہے۔

شیخ شیوخ العالم شیخ شہاب الدین سہروردی عوارف میں فرماتے ہیں: جب سورج نکلنے کے قریب ہوجائے تو مسبعات عشر پڑھ کر ہدایت طلب کرے۔ یہ حضرت خضر علیہ السلام کی تعلیمات میں سے ہے۔ انھوں نے ابراہیم تیمی کو اس کی تعلیم دی تھی، وہ کہتے ہیں کہ حضرت خضر نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کی مداومت سے تمام متفرق اذکار کی برکتیں ملیں گی۔ یہ دس چیزیں ہیں جو سات سات بار پڑھی جاتی ہیں:

(۱) سورۂ فاتحہ (۲) قل اعوذ برب الناس (۳) قل اعوذ برب الفلق (۴) سورۂ اخلاص (۵) سورۂ کافرون (۶) آیت الکرسی (۷) سُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُ للہِ وَلَاإِلٰہَ إِلَّااللہُ وَاللہُ أَکْبَرُ (۸) نبی کریم ﷺ پر درود (۹) اپنے لیے، والدین کے لیے، مومنین اور مومنات کے لیے استغفار (۱۰) اور پھر یہ دعا: اَللّٰھُمَّ یَا رَبِّ افْعَلْ بِیْ وَبِہِمْ عَاجِلًا وَآجِلًا فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالآخِرَةِ مَا أَنْتَ لَہ أَھْلٌ، وَلَاتَفْعَلْ بِنَا یَا مَوْلَانَا مَا نَحْنُ لَہ أَھْلٌ، إِنَّكَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ جَوَادٌ کَرِیْمٌ بَرٌّ رَؤفٌ رَحِیْمٌ[1]

(یااللہ! میرے رب! میرے ساتھ اور میرے والدین، مومنین ومومنات کے ساتھ،

---

(۱) عوارف المعارف، باب:۵۰، ص:۳۹۴

دین ودنیااور آخرت کے حوالے سے، حال ومستقبل میں وہ سلوک فرما جو تیرے شایان شان ہے، اے ہمارے مولیٰ! تو ہمارے ساتھ وہ سلوک نہ فرما جس کے ہم مستحق ہیں، یقیناً تو بہت بخشنے والا، حلیم ہے، جوادو کریم ہے، بھلائی فرمانے والا، بہت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔)

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا: اگر کسی کے لیے صبح وشام مسبعات عشر پڑھناممکن نہ ہوسکے تو یہی کلمات پڑھ لے:

اللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّىْ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَأَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، مَا شَاءَ اللهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ، اعْلَمُ أَنَّ اللهَ تَعَالٰى عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ، وَأَنَّ اللهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْمًا، اللّٰهُمَّ إِنِّىْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِىْ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا، إِنَّ رَبِّىْ عَلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ (۱)

(یااللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے تجھی پر توکل کیا، تو عظمت والے عرش کا مالک ہے، اللہ نے جو چاہا ہوا اور جو نہیں چاہا نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ جو بلند اور عظمت والا ہے، اس کی طاقت وقوت کے بغیر کوئی طاقت اور کوئی قوت نہیں، میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر شئے کو محیط ہے، یااللہ! میں اپنے نفس کے شر سے اور ہر جاندار کے شر سے جو تیری گرفت میں ہے، تیری پناہ چاہتا ہوں۔ بے شک میرے رب کی راہ، صراط مستقیم ہے۔)

شیخ عبداللہ یافعی کی روایت

عارف باللہ شیخ عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ارشاد میں مذکور ہے: اسی طرح ان دس اذکار کو سات سات مرتبہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے قبل پڑھے:

(۱) سورۂ فاتحہ، (۲) آیۃ الکرسی، (۳) قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ، (۴) قُلْ هُوَاللهُ أَحَدٌ، (۵) قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، (۶) قُلْ أَعُوْذُبِرَبِّ النَّاسِ، (۷) سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَاإِلٰهَ إِلَّا

(۱) بیہقی/الاسماء والصفات، از ابودرداء (۳۴۴) بیہقی نے کہا کہ اس کے بعض الفاظ حضرت ابوذر سے بھی مروی ہیں۔

اللہُ وَاللہُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللہِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ،(۸)اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الأُمِّيِّ وَعَلٰى آلِه وَصَحْبِه وَسَلِّمْ،(۹)اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ، وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ، الأَحْیَاءِ مِنْھُمْ وَالاَمْوَاتِ،إِنَّکَ مُجِیْبُ الدَّعْوَاتِ،(۱۰) اللّٰھُمَّ یَارَبِّ افْعَلْ بِنَاوَبِہِمْ عَاجِلًا وَآجِلًافِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالآخِرَةِ مَاأَنْتَ لَه أَھْلٌ ،وَلَاتَفْعَلْ بِنَایَامَوْلَانَا مَانَحْنُ لَه أَھْلٌ، إِنَّکَ جَوَادُکَرِیْمٌ رَؤُوْفٌ رَحِیْمٌ(۱)

قطب عالم مخدوم شاہ میناکی تطبیق

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ فرماتے تھے کہ عوارف اور شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہ کے اوراد سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد معوذتین پڑھے،اس کے بعد سورۂ اخلاص، پھر سورۂ کافرون، پھر آیت الکرسی، جب کہ شیخ عبداللہ یافعی کی الارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی پڑھے، پھر سورۂ کافرون، پھر سورۂ اخلاص اور پھر معوذتین۔ ان دونوں اقوال کی رعایت کرتے ہوئے پیر دست گیر صبح کے وقت شیخ عبداللہ یافعی کی ارشاد کے مطابق پڑھا کرتے اور عصر کے بعد عوارف کے مطابق اور مریدوں اور طالبین کو بھی اسی طرح پڑھنے کے لیے کہتے۔

آپ یہ بھی فرماتے کہ مسبعات عشر پڑھ کر جو شخص ۲۱ / بار یَاجَبَّارُ پڑھ لے وہ کسی ظالم کے ہاتھوں گرفتار نہیں ہوگا۔

فوائد الفواد میں ہے کہ حاجت برآری کے لیے بھی مسبعات عشر کا ورد آیا ہے۔ بندے نے عرض کی کہ ہر دن دو معین وقت میں ہی پڑھا جائے؟ آپ نے فرمایا: اگر کوئی دینی یا دنیاوی مسئلہ درپیش ہو تو اس خاص مسئلے کی نیت سے علاحدہ بھی پڑھا جائے تو اس مہم کے لیے بھی کافی ہوگا۔

صلاۃ التسبیح

اگر صلاۃ التسبیح ادا کرے، جیسا کہ شیخ بہاء الدین کے اوراد میں مذکور ہے، تو اچھی بات ہے۔

---

(۱) امام عبداللہ یافعی/الارشاد والتطریز/(ص:۳۸-۳۷)

اس نماز کی فضیلت اوراس کا ثواب بے شمار ہے۔ بعض مشائخ نے صلاۃ التسبیح میں قراءت کا طریقہ، اوراد شیخ بہاء الدین میں مذکور طریقے سے الگ بیان کیا ہے۔ خزانۂ جلالی میں وہ دونوں طریقے مذکور ہیں، اس کے اندر فوائد، جامع صغیر اور کفایہ کے حوالے سے لکھا ہے:

رُوِیَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّه قَالَ لِفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَلَا أُعْطِيْكَ، أَلَا أَمْنَحُكَ؟ قَالَ الفَضْلُ: حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّه يُعْطِيْ شَيْئًا مِنَ الْمَالِ، فَقُلْتُ: نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ! فَقَالَ: صَلِّ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، وَسَبِّحْ بَعْدَ فَرَاغِكَ يَعْنِيْ مِنَ الْقِرَاءَةِ خَمْسَ عَشَرَةَ مَرَّةً، وَفِي الرُّكُوْعِ عَشَرًا، وَفِی الْقَوْمَةِ عَشَرًا، وَفِی السَّجْدَتَيْنِ عَشَرًا عَشَرًا، وَفِی الْجَلْسَةِ بَيْنَهُمَا عَشَرًا، وَبَعْدَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَّةِ قَبْلَ الْقِيَامِ عَشَرًا، وَذٰلِكَ خَمْسَةٌ وَسَبْعُوْنَ تَسْبِيْحَةً فِیْ كُلِّ رَكْعَةٍ، يَفْعَلُ كَذٰلِكَ فِیْ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ (۱)

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا میں تم کو عطا نہ کردوں، کیا میں تم کو عنایت نہ کردوں؟ حضرت فضل فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سمجھا کہ آپ مجھے کچھ مال عطا کریں گے۔ میں نے کہا: ہاں، یارسول اللہ! تو آپ نے فرمایا: چار رکعت نماز پڑھو اور قراءت سے فارغ ہونے کے بعد ۱۵؍ مرتبہ تسبیح پڑھو، رکوع میں ۱۰؍ بار تسبیح پڑھو، قومہ میں ۱۰؍ بار پڑھو، دونوں سجدوں میں ۱۰، ۱۰؍ بار پڑھو، جلسہ میں ۱۰ بار پڑھو اور دوسرے سجدے کے بعد کھڑے ہونے سے پہلے ۱۰؍ بار پڑھو، اس طرح ایک رکعت میں کل ۷۵؍ تسبیحات ہوئیں۔ اسی طرح چاروں رکعت میں کرو۔

فتاویٰ مسعودی میں لکھا ہے: عَنِ ابْنِ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ: يَا عَمَّاهُ! أَلَا أُعْطِيْكَ أَلَا اَمْنَحُكَ أَلَا أُجِيْزُكَ أَلَا أُحِلُّ لَكَ عَشَرَ خِصَالٍ إِذَا أَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَ اللهُ ذَنْبَكَ أَوَّلَه وَآخِرَه، قَدِيْمَه وَجَدِيْدَه،

---

(۱) یہ روایت بھی آنے والی روایت کا حصہ ہے جسے حضرت عبداللہ ابن عباس نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے۔

خَطَأَہ وَعَمَدَہ، صَغِيْرَہ وَكَبِيْرَہ، سِرَّہ وَعَلَانِيَّتَہ؛ أَنْ تُصَلِّيَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ[۱]

حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ چچا! کیا میں آپ کو عطا نہ کردوں، کیا میں آپ کو نہ دے دوں، کیا آپ کو اجازت نہ دے دوں، دس باتیں بتا نہ دوں کہ اگر آپ ان کو کرلیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اول و آخر، قدیم و جدید، دانستہ و نادانستہ، صغائر و کبائر، پوشیدہ اور اعلانیہ سارے گناہ بخش دے گا، وہ یہ ہے کہ آپ چار رکعت نماز ادا کریں۔

اس کے بعد فتاویٰ مسعودی میں بھی فوائد، جامع صغیر اور کفایہ کی روایت مذکور ہے۔ اس کے بعد آگے یہ روایت مذکور ہے: ثُمَّ قَالَ: إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُصَلِّيَهَا فِي كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ سَنَةٍ، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِيْ عُمْرِكَ مَرَّةً (پھر اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم اسے ہر روز پڑھ سکو تو پڑھ لو، اگر یہ نہ ہو سکے تو جمعہ جمعہ پڑھ لیا کرو، یہ بھی نہ ہو سکے تو مہینے میں ایک مرتبہ، یہ بھی نہ ہو سکے تو سال میں ایک بار اور یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر میں ایک بار پڑھ لو۔)[۲]

البتہ! فتاویٰ ملتقط اور تحفہ میں جامع صغیر کے الفاظ، کتاب الصلاۃ میں اس طرح مذکور ہیں: صلاۃ التسبیح کی صورت یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کہے، پھر ثنا پڑھے، پھر ۱۵/ مرتبہ سُبْحَانَ اللهِ وَالحَمْدُ للهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ پڑھے، پھر تعوذ پڑھ کر سورۂ فاتحہ پڑھے اور کوئی بھی سورت ملائے پھر ۱۰/ بار تسبیح پڑھے، پھر رکوع میں ۱۰/ بار پڑھے، پھر رکوع سے سر اٹھا کر ۱۰/ بار پڑھے، پھر پہلے سجدے میں ۱۰/ بار، جلسے میں ۱۰/ بار اور دوسرے سجدے میں ۱۰/ بار پڑھے اور پھر جب نماز سے فارغ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرے۔

یہ روایت پہلی والی روایت سے مختلف ہے، البتہ! قوت القلوب کے الفاظ جو باب الجمعہ

(۱) سنن أبي داود، باب صلاۃ التسبیح (:۱۲۹۷) سنن ابن ماجہ (۱۳۸۶)
(۲) سنن ابی داود، باب صلاۃ التسبیح (۱۲۹۷) سنن ابن ماجہ (۱۳۸۶)

میں مذکور ہیں ،وہ اس طرح ہیں : دو مرتبہ صلاۃ التسبیح پڑھنا مستحب ہے،ایک مرتبہ دن میں اورایک مرتبہ رات میں اور یہ چار رکعت میں کل تین سو تسبیحات ہیں۔

پھر جب نماز سے فارغ ہوجائے تو نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے اور یہ دعا کرے:

اللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُكَ تَوْفِیْقَ أَھْلِ الھُدیٰ، وَأَعْمَالَ أَھلِ الیَقِیْنِ، وَمُنَاصَحَةَ أَھْلِ التَّوْبَةِ، وَعَزْمَ أَھْلِ الصَّبْرِ، وَجِدَّ أَھْلِ الخَشْیَةِ، وَطَلْبَةَ أَھْلِ الرَّغْبَةِ، وَتَعَبُّدَ أَھْلِ الوَرَعِ، وَعِرْفَانَ أَھْلِ العِلْمِ حَتّٰی أَلْقَاكَ، وَأَسْأَلُكَ اللّٰھُمَّ مَخَافَةً تَحْجِزُنِیْ عَنْ مَعَاصِیْكَ حَتّٰی اَعْمَلَ بِطَاعَتِكَ وَعَمَلًا أَسْتَحِقُّ بِه رِضَاكَ وَحَتّٰی أُنَاصِحَكَ فِی التَّوْبَةِ خَوْفًا مِنْكَ، وَحَتّٰی أُخْلِصَ لَكَ النَّصِیْحَةَ حُبًّا لَكَ، وَحَتّٰی أَتَوَكَّلَ عَلَیْكَ فِی الأُمُوْرِ حُسْنَ ظَنٍّ بِكَ یَا خَالِقَ النُّوْرِ![1]

(یااللہ!میں تجھ سے ہدایت والوں کی توفیق ،یقین والوں کے عمل، توبہ والوں کے خلوص،صبروالوں کے عزم، خشیت والوں کی سنجیدگی،رغبت والوں کی طلب،ورع والوں کی عبادت گزاری اور اہل علم کے عرفان کا سوال کرتا ہوں یہاں تک کہ میں تجھ سے ملوں،میں تجھ سے ایسے خوف کا سوال کرتا ہوں جو مجھے گناہوں سے روک دے تاکہ میں ایسی بندگی کرسکوں جس سے میں تیری رضا کا مستحق ہوجاؤں اور تیرے خوف سے میری توبہ خالص ہوجائے،تاکہ میں خالص تیری محبت میں تیری نصیحت و خیر خواہی کروں اور تمام امور میں تجھ پر توکل کروں،تجھ سے حسن ظن رکھتے ہوئے،اے نور کے خالق!)

عمدۃ الابرار اور شیخ کبیر الدین قدس سرہ کے اوراد میں اس پر یہ اضافہ ہے:

یَا وَلِیَّ الْمُؤْمِنِیْنَ أَخرِجْنَا مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَی النُّوْرِ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا إِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِه مُحَمَّدٍ وَآلِه أَجْمَعِیْنَ

---

(۱)ابونعیم/حلیۃ الاولیاء(۲۵/۱)طبرانی/المعجم الاوسط،باب الالف(۲۳۱۸)ازابن عباس،ان دونوں روایتوں میں یہ دعا مذکور ہے لیکن قراءت کی تفصیل نہیں ہے۔

(اے مومنوں کے والی! ہم کو تاریکی سے نور کی طرف نکال دے، اے ہمارے رب! ہمارے نور کو مکمل فرمادے اور ہم کو بخش دے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کریم اپنے رسول محمد ﷺ پر اور ان کی تمام آل پر رحمتیں نازل فرمائے۔)

حضرت سید السادات شیخ جلال الدین بخاری نے فرمایا کہ عراق اور یمن کے بعض درویش پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں قُل ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ، تیسری رکعت میں سورۃ الفلق اور چوتھی میں سورۂ ناس پڑھتے ہیں۔

چاشت کا وقت اور رکعتیں

چاشت کا وقت طلوع آفتاب سے لے کر زوال تک ہے۔

چاشت کے وقت بارہ رکعتیں ادا کرے اور چاشت کی کم سے کم رکعت دو ہے۔ بعض علما کے نزدیک چاشت کی کم سے کم رکعت چار ہے اور زیادہ سے زیادہ آٹھ، ظاہر روایت چار رکعت کی ہے، اس میں جو چاہے پڑھے سب جائز ہے، البتہ! مستحب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں والشمس، دوسری رکعت میں واللیل، تیسری رکعت میں والضحیٰ اور چوتھی رکعت میں الم نشرح پڑھے۔

خزانۂ جلالی میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آٹھ رکعت نماز چاشت ادا کی ہے، محدثین بھی آٹھ رکعت ادا کرتے ہیں اور شیخ شیوخ العالم شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ بارہ رکعت ادا فرماتے تھے۔

حضرت جلال الدین بخاری نے ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بارہ رکعت بھی ادا فرمائی ہے۔ جیسا کہ اوراد میں مذکور ہے اور اس کی کم سے کم رکعتیں چار ہیں۔

نماز زوال

سالک کو چاہیے کہ نماز زوال بھی ادا کرے، اس لیے کہ یہ وقت بھی متبرک ہے۔ صراط مستقیم میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس وقت چار رکعتیں ادا فرماتے اور فرماتے تھے: ھٰذِہٖ سَاعَۃٌ

تُفتَحُ فِیْھَا اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَیَصْعَدُ فِیْھَا العَمَلُ الصَّالِحُ[1] یہ نزول رحمت کا وقت ہے؛ کیوں کہ اس وقت زوال کے بعد رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

خزانۂ جلالی میں ہے کہ سید السادات حضرت جلال الدین بخاری نے فرمایا کہ زوال کے بعد چار رکعت نماز ادا کرے اور ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد پچاس بار سورۂ اخلاص پڑھے اور اگر اتنا نہ ہو سکے تو دس بار اور اگر اتنا بھی نہ ہو سکے تو تین بار۔ اس کے بعد دعا پڑھے:

اللّٰھُمَّ إِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ، وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ، وَفَجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ، وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ ذَھَابِ الدَّوْلَةِ وَتَغَيُّرِ النِّعْمَةِ، وَتَحَوُّلِ العَافِيَّةِ وَمِنْ غَلَبَةِ الشَّقَاوَةِ عَلَى السَّعَادَةِ- اللّٰھُمَّ إِنَّا نَسأَلُكَ زِيَادَةً فِی الدِّيْنِ، وَبَرَكَةً فِی العُمْرِوَالرِّزْقِ، وَالتَّوْبَةَ قَبْلَ المَوْتِ، وَدَرَجَةً عِنْدَ المَوْتِ، وَمَغْفِرَةً بَعْدَ المَوْتِ، وَالفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ يَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

(یا اللہ! ہم تیری نعمت کے زوال سے، تیری عطا کردہ عافیت کے ختم ہو جانے سے، اچانک تیرے عذاب سے اور تیری تمام ناراضیوں سے تیری پناہ مانگتے ہیں، ہم اثر و رسوخ کے ختم ہو جانے، نعمت کے بدل جانے، عافیت میں تبدیلی اور سعادت پر شقاوت کے غلبے سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔ یا اللہ! ہم دین میں اضافے، عمر، رزق میں برکت، موت سے قبل توبہ، موت کے وقت عزت، موت کے بعد مغفرت، حصول جنت اور جہنم سے نجات کے طلب گار ہیں۔ اے تمام رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم فرمانے والے۔)

نماز برائے دفع عسرت

اس کے بعد تنگی کی دوری کے لیے چار رکعت ادا کرے، سورۂ فاتحہ کے بعد ہر رکعت میں آیت الکرسی، العلی العظیم تک، سورۂ اخلاص اور قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ المُلْکِ سے بِغَیرِ حِسَابٍ (آل عمران: ۲۶-۲۷) تک پڑھے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے، اور ہر رکعت اسی طرح پوری کرے:

---

(۱) مسند احمد، حدیث ابی ایوب انصاری، (۳۵۵۱) طبرانی/المعجم الاوسط (۴۴۱۲)

اللّٰھُمَّ یَا فَارِجَ الھَمِّ، وَیَا کَاشِفَ الغَمِّ، یَا مُجِیْبَ دَعْوَاتِ الْمُضْطَرِّیْنَ، یَا رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَالآخِرَۃِ وَرَحِیْمَھُمَا، أَنْتَ تَرْحَمُنِیْ فَارْحَمْنِیْ بِرَحْمَۃٍ تُغْنِیْنِیْ بِھَا عَنْ رَحْمَۃِ مَنْ سِوَاکَ (اے اللہ! اے مصیبتوں کو ختم کرنے والے، پریشانیوں کو دور کرنے والے، پریشان حالوں کی دعا قبول کرنے والے، دنیا و آخرت کے رحمن و رحیم، تو ہی مجھ پر رحم فرماتا ہے، مجھ پر ایسی رحمت نازل فرما، جو مجھے تیری رحمت کے سوا ہر رحمت سے بے نیاز کر دے۔)

یہ نماز عارف باللہ شیخ صدر الدین قدس سرہٗ سے مروی ہے۔

صلاۃ الخضر

ظہر کی فرض نماز سے پہلے جو سنت ہے اس کی پابندی کرے اور نماز ظہر کے بعد دس رکعت صلاۃ الخضر ادا کرے، اگر حافظ قرآن ہو تو ہر رکعت میں قرآن کا ایک جز پڑھے ورنہ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ سے لے کر سورۂ ناس تک ہر رکعت میں ایک سورت پڑھے۔

جو شخص اس نماز کو ادا کرے گا جب تک حضرت خضر سے ملاقات نہیں کر لے گا اس وقت تک اس کو موت نہیں آئے گی۔

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اس نماز کو نماز خضر اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ نماز حضرت خضر علیہ السلام سے مروی ہے۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہ کے اوراد میں مذکور ہے کہ ظہر کی نماز اور عصر کی نماز کے مابین دس رکعت ادا کرے اور قرآن کا جو بھی حصہ پڑھنا چاہے پڑھے اور اگر ان رکعتوں میں سورۂ زمر سے سورۂ فتح تک کی قراءت کرے تو بہتر ہے، یا پھر اَلَم تَرَ کَیفَ سے آخر قرآن تک ہر رکعت میں ایک سورت پڑھ لے، اس کا بہت ثواب ہے۔ اس کے بعد دعائے بدرقہ ایمان پڑھے۔[1]

---

(۱) **دعائے بدرقہ ایمان:** لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَا شَرِیکَ لَکَ لَبَّیْکَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَا شَرِیکَ لَکَ، آمَنْتُ باللہ وَکَفَرْتُ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَاسْتَمْسَکْتُ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی، أَشْھَدُ أَنَّ وَعْدَکَ حَقٌّ وَلِقَاءَکَ حَقٌّ وَأَشْھَدُ أَنَّ الْجَنَّۃَ حَقٌّ، وَالنَّارَ حَقٌّ وَأَشْھَدُ أَنَّکَ أَحَدٌ صَمَدٌ وِتْرٌ فَرْدٌ، لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَکَ کُفُوًا أَحَدٌ، وَأَشْھَدُ أَنَّ السَّاعَۃَ آتِیَۃٌ لَا رَیْبَ فِیھَا،

کنوز جلالی میں لکھا ہے: ظہر کی نماز کے بعد جو دس رکعتیں صلاۃ الخضر ادا کرتے ہیں، وہ آیتیں جو تہجد کی نماز میں وارد ہیں، انھیں اس نماز میں بھی پڑھیں۔

پہلی رکعت میں رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (البقرۃ:۱۲۷) (اے ہمارے پروردگار! ہماری دعائیں قبول فرما، تو ہی دعائیں سننے والا اور دلوں کا درد جاننے والا ہے۔)

دوسری رکعت میں رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرۃ:۲۰۱) (اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں اچھا رکھ اور آخرت میں اچھا رکھ اور ہمیں عذاب جہنم سے محفوظ فرما۔)

تیسری رکعت میں رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ (البقرۃ: ۲۵۰) (پروردگارا! ہمیں صبر کی توفیق عطا فرما، ہمارے قدم کو ثابت رکھ اور کفار کے بالمقابل ہماری مدد فرما۔)

چوتھی رکعت میں رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران:۸) (مولیٰ! ہدایت عطا فرمانے کے بعد ہمارے دلوں میں کجی اور گمرہی نہ ڈال، ہمیں اپنی خاص رحمت کا حصہ عطا فرما، تو ہی سب کچھ عطا فرمانے والا ہے۔)

پانچویں رکعت میں رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَ اعْفُ عَنَّا وَ اغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ (البقرۃ:۲۸۶) (مولیٰ ہماری بھول چوک پر ہماری گرفت نہ فرما، پرورگار! ہم پر ویسا بوجھ نہ لاد جیسے تو نے ہم سے پہلے کی قوموں کو گراں بار کیا، مولیٰ! ہمیں ہماری طاقت سے زیادہ مکلف نہ بنا، ہمیں معاف فرما، ہمیں بخش دے، ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا حامی و ناصر ہے، مولیٰ! کفار کے بالمقابل ہماری مدد فرما۔)

چھٹی رکعت میں رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَ اتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ (آل عمران:

وَأَنَّ اللهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ وَأَشْهَدُ أَنَّ كُلَّ مَعْبُوْدٍ مِنْ دُوْنِ عَرْشِكَ إِلَى قَرَارِ الْأَرْضِيْنَ بَاطِلٌ غَيْرَ وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ، رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ (جواہر خمسہ، پہلا جوہر، ص:۳۷)

۵۳)(پروردگار! ہم تیری نازل کردہ باتوں پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے پیغمبر کی اطاعت کی، لہٰذا اب ہمارا شمار حق کی شہادت دینے والوں میں فرمادے۔)

ساتویں رکعت میں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران: ۱۹۱) (مولیٰ! اسے تونے بے وجہ نہیں پیدا کیا، تیرے لیے پاکی ہے، ہمیں عذاب جہنم سے محفوظ فرما۔)

آٹھویں رکعت میں رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (آل عمران: ۱۹۳)(اے پروردگار! ہم نے ایک منادی حق کو سنا جو ایمان کی ندا لگاتے ہوئے یہ کہہ رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ، تو ہم ایمان لے آئے، پروردگار! اب تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری خطاؤں کو مٹا دے اور ہمارا حشر صالح لوگوں کے ساتھ فرما۔)

نویں رکعت میں رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (آل عمران: ۹)(پروردگار! تو لوگوں کو اس دن جمع فرمانے والا ہے جو دن یقینی ہے، بے شک اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔)

دسویں میں رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران: ۱۴۷)(اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو اور ہماری زیادتیوں کو بخش دے، ہمیں ثابت قدم رکھ اور کفار کے بالمقابل ہماری مدد فرما۔)

صلاۃ الفتح

پیر دستگیر قطب عالم قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ جو شخص دس رکعت صلاۃ الخضر کے بعد چار رکعت صلاۃ الفتح ادا کرے تو حق تعالیٰ اس کے اوپر نعمتوں کے دروازے کھول دے گا۔ اس کا طریقہ یہ ہے:

پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ ۱۳/ بار، دوسری میں ۱۱/ بار، تیسری میں ۹/ بار اور چوتھی میں ۷/ بار پڑھے۔ سلام پھیر کر درود پڑھے اور سجدے میں جاکر یہ دعا تین بار پڑھے:

يَا مُفَتِّحُ فَتِّحْ، يَا مُسَبِّبُ سَبِّبْ، يَا مُفَرِّجُ فَرِّجْ، يَا مُسَهِّلُ سَهِّلْ يَا مُيَسِّرُ يَسِّرْ، يَا مُتَمِّمُ تَمِّمْ، يَا رَبِّ إِنِّىْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ

(اے باب رحمت کھولنے والے! کھول دے، اے اسباب پیدا کرنے والے! سبب پیدا فرمادے، اے مصیبتیں دور کرنے والے! مصیبت دور فرمادے، اے آسانیاں پیدا کرنے والے! آسان فرمادے، اے مشکلیں حل کرنے والے! ہماری مشکلیں حل فرمادے، اے امور مکمل کرنے والے! ہمارے امور کو مکمل فرمادے، اے مولیٰ! میں مغلوب ہوں، میری مدد فرما۔)

اس کے بعد بیٹھ جائے اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھے: اِلٰهِي ضَاقَتِ الْمَذَاهِبُ إِلَّا إِلَيْكَ، وَخَابَتِ الْآمَالُ إِلَّا لَدَيْكَ، وَانْقَطَعَ الرَّجَاءُ إِلَّا عَنْكَ، وَبَطَلَ التَّوَكُّلُ إِلَّا عَلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ وَلَا مَفَرَّ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، رَبِّ لَاتَذَرْنِىْ فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ

(میرے معبود! تیرے سوا سارے راستے تنگ ہو گئے، تیری بارگاہ کے علاوہ ہر جگہ سے آرزوئیں ختم ہو گئیں اور امیدیں منقطع ہو گئیں، تیری ذات کے سوا کسی پر اعتماد نہیں رہا، تیری بارگاہ کو چھوڑ کر کوئی جائے پناہ، جائے نجات اور جائے قرار نہیں رہی۔ اے میرے رب! مجھے تنہا نہ چھوڑ، تو تمام مہربانوں میں سب سے زیادہ مہربان ہے۔)

حق تعالیٰ نعمتوں کے دروازے اس پر کھول دے گا۔ یہ نماز حضرت خواجہ نظام الدین قدس سرہ کے اوراد میں مذکور ہے۔

سنت عصر

جب عصر کی نماز کا وقت آجائے تو فرض سے قبل چار رکعت سنت کی پابندی کرے اور ان کو غنیمت جانے، اگرچہ یہ سنت غیر موکدہ ہے۔

وظیفہ مابین عصر و مغرب

پیر دست گیر قطب عالم سے میں نے سنا ہے، آپ نے فرمایا: فوائد الفواد میں ہے کہ اگر کوئی شخص رنج و بلا میں گرفتار ہو جائے اور وہ مصیبت کسی صورت سے دفع نہ ہو سکے تو بروز جمعہ

عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک کسی اور کام میں مشغول نہ ہو اور صرف یا اللہ یا رحمن یا رحیم کا ورد کرے، یقیناً اس رنج و بلا سے نجات پائے گا۔

عصر، مغرب اور عشا میں وصل

خزانۂ جلالی میں ہے کہ حضرت سید السادات نے فرمایا: حضرات مشائخ نے فرمایا کہ جو شخص نماز عصر، مغرب اور عشا کے مابین مواصلت کرتا ہے، یعنی نماز عصر پڑھ کر اسی مقام پر مشغول رہتا ہے یہاں تک کہ مغرب کی نماز کا وقت آجاتا ہے، پھر وہ مغرب ادا کرتا ہے اور اُس کے بعد بھی وہیں مشغول رہتا ہے یہاں تک کہ عشا کی نماز کا وقت آجاتا ہے، پھر وہ عشا کی نماز ادا کرتا ہے اس کے بعد وہ پھر وہیں مشغول ہو جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے اندر کی کدورتوں کو اپنے فضل و کرم سے محو فرما دیتا ہے اور اس کے دل کو مصفّٰی کر دیتا ہے۔

مغرب کے وقت ٦ / رکعت نمازِ اوابین ادا کرے۔ یہ کم سے کم رکعت ہے اور اگر بیس رکعت ادا کرے تو بہتر ہے۔ یہ سب حدیث میں وارد ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مغرب کی نماز کے بعد ٦ / رکعت ادا کرے گا اس کے لیے وہ ٦ / رکعتیں شب قدر کی رکعتوں کی طرح ہوں گی۔ (١)

برہانیہ میں ہے کہ مغرب کے بعد ٦ / رکعتیں تین سلام سے ادا کرنا مستحب ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ صَلّٰی سِتَّ رَكَعَاتٍ بَعْدَ صَلاةِ المَغْرِبِ كَتَبَ اللهُ لَه مِنَ الأَوَّابِيْنَ جس نے مغرب کی نماز کے بعد ٦ /

---

(١) تخریج احادیث احیاء علوم الدین، کتاب الاذکار والدعوات (١١٥٦) بہ الفاظ: مَنْ صَلَّى سِتّ رَكْعَات بعد المْغرب عدلت لَهُ عبَادَة سنة أَو كَأَنَّهُ صلى لَيْلَة الْقدر۔ ان الفاظ سے حدیث نہیں ملی، لیکن عراقی نے کہا: اس کو ترمذی (۴۳۵) اور ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، (١١٦٧) بہ الفاظ: مَنْ صَلَّى بَعْدَ المَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيمَا بَيْنَهُنَّ بِسُوءٍ عُدِلْنَ لَهُ بِعِبَادَةِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے، اس روایت کے یہ الفاظ: كَأَنَّهُ صلى لَيْلَة الْقدر کعب احبار کا قول ہے۔

رکعتیں ادا کیں اس کو اللہ تعالیٰ نے اوابین میں لکھ لیا۔ [1]

قوت القلوب میں ہے: بندہ مغرب کے بعد ۶/ رکعتیں پڑھے اور مستحب یہ ہے کہ اس عمل سے پیشتر نہ کوئی گفتگو کرے اور نہ کوئی کام کرے۔

فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ صَلّٰی بَیْنَ صَلاۃِ الْمَغْرِبِ وَالعِشَاءِ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً حَفِظَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَہ وَاَھْلِہ وَمَالِہ وَدِیْنِہ وَآخِرَتِہ [2]

جس نے مغرب اور عشا کی نماز کے مابین ۲۰/ رکعتیں ادا کیں اللہ تعالیٰ اس کی، اس کے اہل وعیال، مال ودولت اور اس کے دین وآخرت کی حفاظت فرمائے گا۔

شرعۃ الاسلام میں ہے: مغرب وعشا کے مابین نماز سنت محمودہ ہے اور وہ صلوٰۃ اوابین ہے۔

البتہ یہ ذہن نشیں کرلیں کہ مغرب وعشا کے مابین بیس رکعت نماز اس طرح ادا کرے: (۱) نماز فردوس، دو رکعت (۲) نماز نور، دو رکعت (۳) نماز استحباب، دو رکعت (۴) نماز شکر شب، دو رکعت (۵) نماز برائے نور قبر، دو رکعت (۶) نماز برائے حفاظت ایمان، دو رکعت۔

اس کے بعد آٹھ رکعتیں ادا کرے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص تین بار پڑھے یا ایک ہی بار پڑھ لے، اس طرح اوابین کی بیس رکعتیں مکمل ہوجائیں گی۔ اس کے بعد اوراد میں مذکور دعائیں پڑھے۔ ان سب کی ترتیب اوراد شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہ میں مذکور ہے۔ البتہ! خواجہ نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے اوراد میں لکھا ہے کہ ۸/ رکعت نماز اوابین ادا کرے، ان میں چھ رکعت تین سلام سے پڑھے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص تین بار پڑھے، اس کے بعد ایمان کی حفاظت کے لیے دو رکعت ادا کرے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص چھ بار اور معوذتین ایک ایک بار پڑھے۔

---

(۱) ان الفاظ سے حدیث نہیں ملی۔ لیکن ابن المبارک نے الزھد والرقائق (۱۲۵۹) میں مرسلا ان الفاظ سے نقل کیا: مَنْ صَلَّى مَا بَيْنَ الْمُغْرِبِ إِلَى صَلَاةِ الْعِشَاءِ، فَإِنَّهَا صَلَاةُ الْأَوَّابِينَ

(۲) سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ (۱۳۷۳) مسند ابی یعلی (۴۹۴۸) بہ الفاظ: مَنْ صَلَّى، بَيْنَ الْمُغْرِبِ وَالْعِشَاءِ، عِشْرِينَ رَكْعَةً بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ

مخدوم شاہ مینا کا معمول

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ اپنے مریدوں کو کلاہ عطا کرنے کے بعد تربیت کے وقت یہ آٹھ رکعتیں پڑھنے کا حکم دیتے تھے اور تین سلام سے پڑھی جانے والی چھ رکعتوں کو شیخ نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے اوراد میں مذکور طریقے پر ادا کرنے کا حکم دیتے، البتہ! اس کے بعد والی دو رکعت کے بارے میں فرماتے تھے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص سات بار، قُلْ اَعُوْذُ بِرَب الفلق ایک بار اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سات بار سورۂ اخلاص اور ایک بار قل اعوذ برب الناس پڑھے۔ یہی طریقہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے اوراد میں مذکور ہے۔

شیخ نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے اوراد میں لکھا ہے کہ اس کے بعد دو رکعت صلاۃ البروج، اس کے بعد دو رکعت صلاۃ شکر اللیل، اس کے بعد دو رکعت صلاۃ النور، دو رکعت صلاۃ الکوثر، دو رکعت صلاۃ الفردوس اور دو رکعت صلاۃ حفظ الایمان ادا کرے۔

پیر دست گیر حضرت قطب عالم فرماتے تھے کہ مغرب کی سنت کے بعد دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں اس کا ہدیہ پیش کرے، پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد والضحیٰ اور دوسری میں فاتحہ کے بعد الم نشرح پڑھے اور پھر سلام کے بعد اس طرح دعا کرے:

اَللّٰھُمَّ أَجزِہِ عَنَّا مُحَمَّدًا ﷺ مَاھُوَ أَھْلُہ وَمُسْتَحِقُّہ وَبَلِّغْ رُوْحَہ مِنَّا التَّحِیَّۃَ وَالسَّلَامَ

(یا اللہ! ہماری طرف سے حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں اس نماز کا وہ ثواب عطا فرما، جن کے وہ اہل اور مستحق ہیں اور ان کی روح کو میری جانب سے سلام و تحیت پیش فرما۔)

صلاۃ المعرفۃ

پھر دو رکعت صلاۃ المعرفۃ بھی ادا کرے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص پندرہ بار پڑھے، یہ نمازیں گفتگو سے پہلے ہونی چاہیے، جب اس نماز کو ادا کرنے والا قیامت کے روز لوگوں کے سامنے آئے گا تو سب لوگ یہ کہیں گے کہ یہ شخص صدیقین میں سے ہے، جب صدیقین کے پاس سے گزر جائے گا تو لوگ کہیں گے کہ یہ شہیدوں میں سے ہے اور جب شہیدوں

کے پاس سے گزر جائے گا تو کہیں گے کہ یہ پیغمبروں میں سے ہے [1] اور وہ جب وہاں سے گزر جائے گا تو اس کے لیے کوئی حجاب نہیں رہ جائے گا، یہاں تک کہ وہ عرش الٰہی کے نیچے سے گزر جائے گا۔

صلاۃ الحرز

صلاۃ الحرز بھی گفتگو سے قبل ادا کرے، پہلی رکعت میں آیت الکرسی اور ایک بار سورۂ الکافرون پڑھے اور دوسری رکعت میں لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ سورۂ حشر کے آخر تک ایک بار اور سورۂ اخلاص ایک بار پڑھے اور پھر یہ دعا پڑھے:

اللّٰهُمَّ كَسِّرْ شَهْوَتِيْ عَنْ كُلِّ مُحَرَّمٍ، وَازْوِ حِرْصِي عَنْ كُلِّ مَأْثَمٍ، وَامْنَعْنِي عَنْ أَذٰى كُلِّ مُسْلِمٍ بِفَضْلِكَ وَكَرَمِكَ يَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

یا اللہ! یا ارحم الراحمین! اپنے خاص فضل وکرم سے میرے اندر سے ہر حرام کی شہوت کو توڑ دے، ہر گناہ کی خواہش کو مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس بات سے محفوظ فرما دے کہ مجھ سے کسی بھی مسلمان کو تکلیف پہنچے۔

جو شخص یہ نماز ادا کرے گا ستر ہزار نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی، ستر ہزار درجات اس کو عطا کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اسے اس رات شیاطین، ظالموں، کاہنوں، ساحروں اور حاسدوں کے شر سے محفوظ فرما دے گا۔

صلاۃ ہلاہل

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ صلاۃ اوابین کے بعد دو رکعت ’’صلاۃ ھلاہل‘‘ بھی ادا فرماتے تھے، پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی اور سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (غافر: ۲، ۳) ایک بار اور پھر سورۂ اخلاص ایک بار پڑھتے۔ سلام کے

(۱) [اور جب شہیدوں کے پاس سے گزر جائے گا تو کہیں گے کہ یہ پیغمبروں میں سے ہے۔] نسخۂ رام پور (۲۴۷) میں یہ عبارت نہیں ہے۔ نسخۂ کاکوری اور فوائد سعدیہ (۲۳۸) میں ہے۔

بعد سات بار اَستَغفِرُاللہَ، سات بار لَآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور سات بار درود شریف پڑھتے۔ اس کے بعد سجدے میں ستر بار ''یاوھابُ'' کہتے، اس کے بعد مصلّیٰ کا کنارہ پکڑ کر یہ کہتے:

''رفتم بر ہوا، گرفتم دامن مصطفی، رہا نکنم تا نکنی حاجتم روا''

(میں خواہشات میں ڈوبا ہوا ہوں، لیکن دامن مصطفی ﷺ کو تھام رکھا ہے، مولیٰ! جب تک تو میری حاجتیں پوری نہیں فرماتا، میں اس دامن کو نہیں چھوڑوں گا۔)

یہ کہنے کے بعد جو کچھ اپنی حاجت ہوتی اللہ سے طلب فرماتے اور وہ حاجت پوری ہوتی۔ لِلّٰہِ الحَمْدُ عَلیٰ ذٰلِکَ، المَنَّۃُ لِلّٰہِ وَالعَظَمَۃُ لِلّٰہِ

فائدہ: صلاۃِ خمسہ کے فضائل

جس زمانے میں یہ فقیر حصول علم میں مشغول تھا، پڑھنے میں زیادہ سے زیادہ جد وجہد کرتا تھا، جس زمانے میں علم الاصول میں اصول الشاسی پڑھ رہا تھا تو اوراد کا بھی شغل رکھتا تھا۔ ایک روز میں صبح کے وظیفے میں پڑھی جانے والی دعائے مطول لکھ رہا تھا۔ اس میں صلوات خمسہ بھی تھا۔ اس وقت مجھے اس کے نہ پڑھنے پر اپنی محرومی کا احساس ہوا اور میں نے اپنے دوستوں اور ہم عصروں کے مابین اس درود کے بڑے فضائل و مناقب بیان کیے۔ میں نے کہا کہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمیشہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی دائیں جانب جگہ دیتے تھے، لیکن ایک دن خلاف عادت آپ نے ایک صحابی کو ان کی جگہ دے دی۔ صحابۂ کرام کو بڑا تعجب ہوا۔ انھوں نے اس صحابی کو دی گئی اس خاص فضیلت کی وجہ جاننا چاہی، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ مجھ پر کثرت سے درود و سلام پڑھتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! شاید ان کے پاس دوسرے کوئی کام نہیں ہیں اور وہ درود پڑھنے کے سوا کوئی اور مشغلہ نہیں رکھتے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کے پاس اور دوسرے کام بھی ہیں لیکن وہ کبھی کبھی 'صلاۃ خمسہ' پڑھ کر مجھے یاد کر لیا کرتا ہے۔ اس کی یہ رفعت و عزت اسی سبب سے ہے۔

حضرتِ مصنف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

میں نے یہ بھی بیان کیا کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا، ان کا حال دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا اور آپ کو کیا انعام ملا؟ انھوں نے فرمایا: 'صلاۃ خمسہ' کی طرح نہ کسی علم نے نفع پہنچایا اور نہ کسی عمل نے، اللہ تعالیٰ نے اس درود کے بدولت جو میں نبی کریم ﷺ پر پڑھا کرتا تھا، میری مغفرت فرمادی۔

اس دن جب رات ہوئی اور میں سونے کے لیے بستر پر آیا، تھوڑی دیر سو کر بیدار ہوا، وضو کر کے تہجد ادا کی اور پھر سبق پڑھنے میں مشغول ہو گیا، مطالعے کے دوران ہی آنکھ لگ گئی، میں نے خواب میں دو لوگوں کو دیکھا، ایک نے دوسرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: یہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ میں حضرتِ مصطفی ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوا۔ میں نے جمال جہاں آرا کی زیارت کو سعادت دارین سمجھا، اپنی خوش بختی خیال کرتے ہوئے اپنے حقیر چہرے کو آپ کے پائے اقدس پر رکھ دیا اور پاے مبارک کے بوسے کو دولتِ کونین جانا۔ نبی کریم ﷺ نے فارسی زبان میں ارشاد فرمایا: "بل تو این را بخوانی" (تم اسے پڑھا کرو):

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى أَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا أَمَرْتَنَا بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا يَنْبَغِي الصَّلَاةُ عَلَيْهِ-

(اے اللہ! محمد ﷺ پر اتنی رحمتیں نازل فرما جتنے لوگ ان پر درود پڑھتے ہیں اور اتنی رحمتیں نازل فرما جتنے لوگ درود نہیں پڑھتے، ان پر ایسی رحمتیں نازل فرما جیسی تو چاہے، ان پر ایسی رحمتیں نازل فرما جیسا کہ تو نے ہمیں درود پڑھنے کا حکم دیا ہے اور ان پر ایسی رحمتیں نازل فرما جیسا کہ ان پر نزول رحمت چاہیے۔)

خوابوں اور بشارتوں کے بیان کی حکمت

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ:۱۱) (اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو) کے مطابق

میں نے اس بشارت کو تحریر میں لانا اور بیان کرنا ضروری سمجھا۔ میری کوشش یہ ہے کہ ہر کوئی مذکورہ درود پاک کو پڑھے۔ اسلاف کی عادت رہی ہے کہ وہ طالبین کی ترغیب کے لیے بعض غیبی واقعات اور منامات کا انکشاف کر دیتے ہیں، تاکہ طالبان مولیٰ، اس شاہ راہ پر گامزن ہو جائیں۔

امام احمد بن حنبل کا واقعہ

امام معظم احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے رب کو خواب میں ایک ہزار مرتبہ دیکھا، میں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی: نجات کیسے ملے گی؟ اللہ تعالیٰ نے ہر بار فرمایا: تلاوت قرآن کے ذریعے، میں نے عرض کی: سمجھ کر پڑھنے سے، یا بغیر سمجھے پڑھنے سے بھی نجات مل جائے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سمجھ کر پڑھے یا بغیر سمجھے دونوں صورت میں نجات مل جائے گی۔

حضرت جنید کا واقعہ

ایسے ہی حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں ننانوے مرتبہ اپنے رب کا دیدار کیا۔ ہر مرتبہ میں نے عرض کیا: اے اللہ! نجات کیسے حاصل ہوگی؟ ارشاد باری ہوا اس دعا کے پڑھنے سے:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، اَللّٰهُمَّ صَغِّرِ الدُّنْيَا بِأَعْيُنِنَا وَعَظِّمْ جَلَالَكَ فِي قُلُوْبِنَا وَوَفِّقْنَا لِمَرْضَاتِكَ وَثَبِّتْنَا عَلٰى دِيْنِكَ وَطَاعَتِكَ، يَا ذَا الجَلَالِ وَالأِكْرَامِ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

(اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اے اللہ! ہماری نگاہوں میں دنیا کو حقیر بنا دے اور اپنے جلال کی عظمت ہمارے دلوں میں بٹھا دے، ہمیں ان کاموں کی توفیق عطا فرما جن میں تیری رضا ہے، ہمیں دین پر اور فرماں برداری پر ثابت قدمی عطا فرما، اے کرامت و بزرگی والے، اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے، اپنی رحمت کے صدقے ہماری دعا کو قبول فرما۔)

پیر دستگیر قطب عالم قدس سرہٗ کی یہ عادت تھی کہ آپ ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے۔ فقیر کا بھی یہ معمول ہے کہ فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھتا ہے۔

صاحب ہدایہ کا واقعہ

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: خواب میں مجھے رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی، دیکھا کہ صحابہ حاضر خدمت ہیں اور آپ ارشاد فرما رہے ہیں: ہزاروں لوگوں کی وفات ہو رہی ہے لیکن کوئی بھی ایمان کے ساتھ نہیں آرہا ہے، میں نے دوڑ کر آپ کے قدم مبارک پر اپنا سر ڈال دیا، عرض کی: آخر ایمان کی سلامتی کی کیا صورت ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری وصیت پر دھیان رکھو اور اس دعا کی پابندی کرو، جب میں بیدار ہوا تو میں نے وہ دعا سبز رنگ کی تحریر میں اپنے ہاتھ پر لکھی ہوئی دیکھی، وہ دعا یہ ہے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ، بِعِزَّتِكَ يَاعَزِيْزُ، وَبِقُدْرَتِكَ يَاقَدِيْرُ، وَبِحَمْدِكَ يَاحَمِيْدُ، وَبِحِكْمَتِكَ يَاحَكِيْمُ، وَبِعَظَمَتِكَ يَاعَظِيْمُ، وَبِرَحْمَتِكَ يَارَحِيْمُ، وَبِفَضْلِكَ يَارَحْمٰنُ، وَبِمِنَّتِكَ يَامَنَّانُ، وَبِعَفْوِكَ يَاعَفْوَانُ، تَحْفَظُ عَلَيَّ الإِيْمَانَ فِي آنَاءِاللَّيْلِ وَأَطْرَافِ النَّهَارِ قَائِمًا وَقَاعِدًا، وَ رَاكِعًا وَ سَاجِدًا، يَقْظَانًا وَ نَائِمًا، حَيًّا وَ مَيِّتًا عَلٰى كُلِّ حَالَةٍ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

(اے اللہ! تو پاک ہے، اے عزت والے! اپنی عزت کے صدقے، اے قدرت والے! اپنی قدرت کے صدقے، اے حمد والے! اپنی حمد کے صدقے، اے حکمت والے! اپنی حکمت کے صدقے، اے عظمت والے! اپنی عظمت کے صدقے، اے رحمت والے! اپنی رحمت کے صدقے، اے رحمٰن! اپنے فضل کے صدقے، اے احسان والے! اپنے احسان کے صدقے، اے معاف فرمانے والے! اپنے خزانۂ عفو کے صدقے، رات میں اور دن کے اوقات میں، کھڑے، بیٹھے، رکوع کی حالت میں، سجدے کی حالت میں، بیداری کی حالت میں اور نیند کی حالت میں، زندہ اور مردہ، ہر حالت میں ہمارے ایمان کی حفاظت فرما، اپنی رحمت کے صدقے، اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم فرمانے والے۔)

امام اعظم کا واقعہ

ایسے ہی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے رب کو ننانوے مرتبہ دیکھا، ایک مرتبہ مجھے رب تعالیٰ کا دیدار ہوا تو میں نے عرض کی: مخلوق تیرے عذاب سے نجات

کیسے پائے گی؟ رب تعالیٰ نے فرمایا: جو شخص یہ دعا صبح و شام پڑھے گا وہ نجات پائے گا:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ،سُبْحَانَ اللهِ الآبِدِ الْأَبَدِ،سُبْحَانَ اللهِ الْوَاحِدِ الْأَحَدِ، سُبْحَانَ اللهِ الْفَرْدِ الصَّمَدِ، سُبْحَانَ اللهِ رَافِعِ السَّمٰوَاتِ بِلَا عَمَدٍ، سُبْحَانَ اللهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَ لَا وَلَدًا،سُبْحَانَ اللهِ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَه كُفُوًا أَحَدٌ، وَصَلَّى اللهُ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَعَلىٰ آلِه وَأَصْحَابِه أَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ-

(اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ پاک ہے، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے، اکیلا اور یکتا ہے، یگانہ اور بے نیاز ہے، آسمان کو بغیر ستون کے بلند فرمانے والا ہے، جس کے لیے نہ بیوی ہے نہ اولاد، جو نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کوئی اس کا بیٹا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے، اللہ تعالیٰ محمد ﷺ پر رحمتیں نازل فرمائے، ان کی آل اور ان کے تمام صحابہ پر رحمتیں نازل فرمائے۔ اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے، اپنی رحمت کے صدقے ہماری دعا کو قبول فرما۔)

پیر دستگیر قطب عالم قدس سرہٗ کا معمول تھا کہ آپ صاحب ہدایہ اور امام اعظم کی دعا کو صبح و شام کے اوراد کے بعد پڑھتے تھے، یہی فقیر کا بھی معمول ہے۔ میں بھی ان دونوں دعاؤں کی پابندی کرتا ہوں۔

حضرت ممشاد دینوری کا واقعہ

اسی طرح حضرت ممشاد دینوری فرماتے ہیں:

میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔ میں نے عرض کی:

یا رسول اللہ! کیا آپ سماع کو ناپسند فرماتے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا نہیں! البتہ، ان سے کہو کہ سماع کا آغاز و اختتام تلاوت قرآن پر کیا کریں۔

میں نے عرض کی: حضور! لوگ مجھے ایذا دیتے ہیں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابو علی! ان کو برداشت کرو۔

طالبِ صادق کا معمول کیسا ہو؟

طالب صادق جب نیند سے بیدار ہو تو دل کو حق تعالیٰ سے لگائے رکھے، حشر کو یاد کرے اور وہ دعائیں جو شیخ کبیر حضرت بہاء الدین قدس سرہ کے اوراد میں مذکور ہیں ان کو پڑھے، اس کے بعد وضو کرے اور وہ دعائیں جو اوراد میں لکھی ہیں، ان کو پڑھے، اس کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو اور پھر دو رکعت صلوٰۃ احیاء اللیل ادا کرے۔ اور اوراد میں مذکور ہے: تسبیحات اور دعائیں پڑھے، اس کے بعد چھ سلام سے بارہ رکعتیں ادا کرے، ہر دو رکعت کی ادائیگی کے بعد تھوڑی دیر بیٹھے، تسبیح و استغفار اور درود پڑھے، ان سے فارغ ہو کر جو مناجات اوراد میں مذکور ہیں ان کو پڑھے۔

تہجد کے وقت کی دعا

جو شخص تہجد کے وقت دس بار یہ دعا: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ ضَيْقِ الدُّنْيَا وَمِنْ ضَيْقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (یا اللہ! میں دنیا کی تنگی اور روز قیامت کی دشواری سے تیری پناہ مانگتا ہوں) پڑھے گا، حق سبحانہ وتعالیٰ اس کو دنیا اور عقبیٰ کی تنگی سے محفوظ رکھے گا، اس میں اول وآخر درود شریف ملا لے۔

تہجد سے فارغ ہو کر اگر وتر ادا کر لی ہو تو اس کا اعادہ کرے اور جس کو تہجد میں بیدار ہو جانے کا یقین ہو، اس کے لیے آخر شب تک وتر کو موخر کرنا مستحب ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے: اجْعَلُوْا آخِرَ صَلاتِكُم وِتْرًا[1] وتر کو اپنی آخری نماز بناؤ۔ بعض صوفیہ نے امیدوں کو کوتاہ کرنے کی وجہ سے وتر جلدی ادا کرنے کا معمول ہے اور پھر تہجد کے بعد اس کا اعادہ کرتے ہیں۔

صلاۃ الوتر

ایک روایت کے مطابق وتر کی پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ، دوسری میں سورۂ کافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھے، ایک دوسری روایت کے مطابق پہلی رکعت میں سورۂ قدر، دوسری میں سورۂ کافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھے اور ایک تیسری روایت کے مطابق پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ، دوسری میں سورۂ کافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھے۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الحلق والجلوس في المسجد (۴۷۲) مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ اللیل مثنی مثنی (۱۵۱)

وتر کی تینوں رکعتوں میں قراءت واجب ہے۔

وتر سے فارغ ہو کر دو سجدہ کرے اور اس میں تسبیح پڑھے، اس کا بڑا ثواب ہے۔

فتاویٰ حجۃ میں ہے: اللہ کے رسول ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

مَا مِنْ مُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ سَجَدَ بَعْدَ الوِتْرِ سَجْدَتَيْنِ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ خَمْسَ مَرَّاتٍ: سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبَّنَا وَرَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ، ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَه يَقْرَأُ آيَةَ الكُرْسِيِّ مَرَّةً، ثُمَّ يَسْجُدُ وَيَقُوْلُ خَمْسَ مَرَّاتٍ: سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبَّنَا وَرَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ، وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِه أَنَّه لَايَقُوْمُ مِنْ مَقَامِه حَتّٰى يَغْفِرَ اللّٰهُ لَه، وَأَعْطَاهُ اللّٰهُ ثَوَابَ مِأَةِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ، وَثَوَابَ الشُّهَدَاءِ، وَبَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْهِ أَلْفَ مَلَكٍ يَكْتُبُوْنَ لَه الحَسَنَاتِ، وَكَأَنَّمَا أَعْتَقَ مِأَةَ رَقَبَةٍ، وَاسْتَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَه، وَيَشْفَعُ يَوْمَ القِيٰمَةِ فِي سِتِّيْنَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَإِذَا مَاتَ مَاتَ شَهِيْدًا[1]

جو بھی ایمان والا یا ایمان والی وتر کے بعد دو سجدے کرے اور سجدے میں پانچ مرتبہ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبَّنَا وَرَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوحِ پڑھے، پھر سر اٹھا کر آیت الکرسی ایک بار پڑھے، پھر دوسرا سجدہ کرے اور پانچ بار سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبَّنَا وَرَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوحِ پڑھے تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، اس کے اپنی جگہ سے کھڑا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے گا، اس کو سو حج اور عمرہ کا ثواب اور شہیدوں کا ثواب عطا فرمائے گا، اس کی طرف ایک ہزار فرشتوں کو بھیجے گا جو اس کی نیکیاں لکھیں گے، گویا اس نے سو غلام آزاد کر دیے ہوں، اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا، وہ قیامت کے روز ساٹھ جہنمیوں کا شفیع ہو گا اور جب اس کو موت آئے گی تو وہ مقام شہادت سے سرفراز ہو گا۔

اس کے بعد دو رکعت بیٹھ کر ادا کرے؛ کیوں کہ بیٹھ کر دو رکعت کا ثواب ایک رکعت کے برابر ہے، پہلی رکعت میں إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ اور دوسری میں أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھے، ان

---

(۱) نزہۃ المجالس و منتخب النفائس (۲/۷۴۳)

دونوں رکعتوں میں نفل کے علاوہ کوئی اور نیت نہ کرے۔

قوت القلوب میں ہے: رسول اللہ ﷺ وتر کے بعد بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے اور بعض روایتوں میں ”مربعًا“ (چہار زانو بیٹھ کر) کا لفظ آیا ہے۔

عوارف میں ہے: وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھے، ان دونوں رکعتوں میں سورۂ زلزال اور سورۂ تکاثر پڑھے۔

صلاۃ مسعودی میں ہے: خواجہ امام زاہد رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح سند سے ایک حدیث مروی ہے کہ جو شخص وتر کے بعد دو رکعت نماز ادا کرے، ہر رکعت میں ایک بار سورۂ فاتحہ، ایک بار شَھِدَ اللّٰہُ (آلِ عمران:۱۸) پڑھے اور یہاں سے پڑھے: اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ (آلِ عمران:۱۶) اور اس کے آخر میں وَأَنَا عَلٰی ذٰلِکُمْ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ (انبیا:۵۶) پڑھے تو یہ نماز اس کے بقائے ایمان کا سبب ہے، اس نماز کو گھر میں پڑھے، یہ زیادہ بہتر ہے۔ اگر طالب علم اسے حافظے کی نیت سے پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو قوت حافظہ عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد طلوع فجر تک ذکر میں مشغول رہے، پھر نماز فجر ادا کرے، نماز فجر کے بعد پھر ذکر میں مشغول ہو جائے اور اشراق تک مشغول رہے۔

بعض صوفیہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اوراد میں مذکور دعاؤں میں مشغول رہتے ہیں، البتہ! ذکر اولیٰ اور بہتر ہے۔

فجر کی نماز کے بعد کا وظیفہ

فجر کی نماز کے بعد بات کرنے اور پہلو بدلنے سے قبل دس بار لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ آخر تک پڑھے۔ حدیث میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص فجر کی نماز کے بعد گفتگو کرنے اور پہلو بدلنے سے قبل دس بار لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ آخر تک پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں ہر بار دس نیکی لکھ دے گا، اس کو ہر بار کے بدلے جنت میں داخل فرمائے گا، اس میں اس کے لیے ہر بار ایک درجہ

اور ایک مقام ہوگا، ہر بار کے بدلے غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا فرمائے گا، اس روز وہ شیطان کے مکر سے حق تعالیٰ کی حفاظت و پناہ میں ہوگا اور شرک وغیرہ کوئی گناہ اس سے صادر نہیں ہوگا۔[1]

صلاۃ تنجینا

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ کا یہ ہمیشہ کا معمول تھا کہ دعا کے بعد دس بار مذکورہ کلمہ توحید اور یہ دعا بلند آواز سے پڑھتے:

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِي الْغُدُوِّ وَالْآصَالِ، صَلَاةً تُنَجِّيْنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ الْأَهْوَالِ وَالْآفَاتِ وَتَقْضِيْ لَنَا بِهَا جَمِيْعَ الْحَاجَاتِ، وَتُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ السَّيِّآتِ، وَتَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَكَ أَعْلَى الدَّرَجَاتِ، وَتُبَلِّغُنَا بِهَا أَقْصَى الْغَايَاتِ مِنْ جَمِيْعِ الْخَيْرَاتِ فِي الْحَيٰوةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ، بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

اِلٰهِي بِحُرْمَةِ الْحُسَيْنِ وَأَخِيْهِ وَجَدِّهِ وَأَبِيهِ وَأُمِّهِ وَبَنِيْهِ، نَجِّنِيْ مِنَ الْغَمِّ الَّذِيْ أَنَا فِيْهِ، نَجِّنِيْ مِنَ الْغَمِّ الَّذِيْ أَنَا فِيْهِ نَجِّنِيْ مِنَ الْغَمِّ الَّذِيْ أَنَا فِيْهِ وَصَلَّى اللهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ أَجْمَعِيْنَ.

(اے اللہ! ہمارے سردار جناب محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کی آل پر صبح وشام رحمتیں نازل فرما، ایسی رحمتیں کہ جن کے توسط سے تو ہمیں تمام آلام ومصائب سے نجات بخش دے، ہماری ساری حاجتیں پوری فرمادے، تمام گناہوں سے ہمیں پاک فرمادے، اپنی بارگاہ میں ہمیں اعلیٰ منازل عطا فرما اور زندگی اور بعد وفات ہمیں ہر قسم کی بھلائیوں سے اعلیٰ حصہ عطا فرما، اپنی خاص رحمت سے، اے سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان! حضرت امام حسین، ان کے برادر گرامی، ان کے نانا جان، ان کے والد بزرگوار، والدہ اور اولاد کے صدقے، مجھے اس غم سے

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب الدعوات (۳۴۷۴) بہ الفاظ: مَنْ قَالَ فِي دُبُرِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَهُوَ ثَانٍ رِجْلَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَتَكَلَّمَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ عَشْرَ مَرَّاتٍ، كُتِبَتْ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ، وَمُحِيَ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ، وَرُفِعَ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ، وَكَانَ يَوْمَهُ ذَلِكَ كُلَّهُ فِي حِرْزٍ مِنْ كُلِّ مَكْرُوهٍ، وَحُرِسَ مِنَ الشَّيْطَانِ، وَلَمْ يَنْبَغِ لِذَنْبٍ أَنْ يُدْرِكَهُ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ إِلَّا الشِّرْكَ بِاللهِ

آزاد فرما جس میں میں مبتلا ہوں ۔ ہمیں اس غم سے آزاد فرما جس میں میں مبتلا ہوں ۔ مجھے اس غم سے آزاد فرما جس میں میں مبتلا ہوں ۔ اللہ کی رحمتیں ہوں اس کی عظیم ترین تخلیق جناب محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کی تمام آل اور متبعین پر)

پیر دست گیر فرماتے کہ یہ دعا حضرت مخدوم شیخ قوام الدین کے معمولات میں بھی رہی ہے۔

پیر دست گیر اس فقیر کو اکثر امامت کے لیے پیش فرماتے، ادب کا خیال رکھتے ہوئے میں چاہتا کہ سلام پھیر کر پیچھے آ جاؤں تو آپ اشارے سے منع فرماتے، یہاں تک کہ میں آپ کے آگے ہی بیٹھ کر دس مرتبہ لَاإِلٰهَ إِلَّااللهُ وَحْدَه لَا شَرِيْكَ لَه، لَه الْمُلْکُ وَلَه الحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيْتُ وَهُوَحَيٌّ لَايَمُوْتُ بِيَدِه الخَيْرُ وَهُوَعَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ پڑھتا اور اس کے بعد مذکورہ دعا پڑھتا پھر آپ کی قدم بوسی کر کے خلوت خانے میں چلا جاتا اور وہاں مشغول ہو جاتا۔

ایک کفن چور کا واقعہ

منقول ہے کسی زمانے میں ایک کفن چور تھا جس نے چالیس سال اپنی عمر کفن چوری میں گزاری، آخر کار جب اس کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں آرام کر رہا ہے، لوگوں کو حیرت ہوئی اور اس سے پوچھا کہ تم تو کفن چراتے تھے پھر تم نے ایسا کون سا عمل کیا کہ تم کو یہ سعادت حاصل ہو گئی؟ اس نے جواب دیا: میرے اندر ایک عادت تھی، وہ یہ کہ صبح کے وقت جب اذان ہوتی تو میں فجر کی نماز ادا کرتا، پھر وہیں بیٹھ کر سورج نکلنے کا انتظار کرتا، اس کے بعد اشراق کی نماز ادا کرتا، اس کے بعد میں کفن چرانے کے کام میں مشغول ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ چوں کہ تھوڑے عمل کو قبول کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے، اسی لیے اس نے اس نماز کی برکت سے میرے برے اعمال کو معاف کر دیا اور مجھے یہ درجہ عطا فرمایا۔

فائدہ: تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو

اپنے گھر میں تحیۃ الوضوء کی دو رکعت اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد تحیۃ المسجد کی دو رکعت کی پابندی کرے۔

ترغیب الصلوٰۃ میں ہے: اگر گھر میں تحیۃ الوضوادانہیں کی اور مسجد پہنچ کر دو رکعت تحیۃ الوضوادا کرلی تو دونوں ادا ہوگئی۔ تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد کی ادائیگی میں بہت ثواب ہے اور اس کے بے شمار درجات ہیں۔

منقول ہے کہ رسول مصطفی ﷺ نے معراج کی رات حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے نعلین کی آواز جنت میں سنی، جب آپ معراج سے لوٹے، تو فجر کی نماز کے بعد آپ نے حضرت بلال سے ان کی فضیلت و شرف کی وجہ پوچھی کہ تم کو کس نیکی کی بنا پر یہ فضیلت حاصل ہوئی؟ انھوں نے جواب دیا: یارسول اللہ! میرے پاس کوئی نفع بخش اور فضیلت والا عمل نہیں، البتہ میں وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرتا ہوں، شاید مجھ کو یہ فضیلت اسی وجہ سے حاصل ہوئی ہے، میں اس کو اپنے تمام اعمال میں سب سے نفع بخش عمل سمجھتا ہوں۔ (۱)

معدن المعانی میں آیا ہے: ایک مرتبہ مکروہ اوقات میں نفل کی ادائیگی کا ذکر آیا، نصر اللہ بن مولانا عالم نے عرض کی کہ مکروہ اوقات میں نفل کی ادائیگی ہے یا نہیں؟ بندگی مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا: ظاہر الروایۃ کے مطابق مکروہ ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں لکھا ہوا ہے، البتہ! اہل تصوف شکرانے کی دو رکعت اور تحیۃ الوضو تمام اوقات میں ادا کرتے ہیں اور مریدوں کو اس کا حکم بھی دیتے ہیں اور یقیناً ان کے پاس اس کی کوئی اصل اور منقول دلیل موجود ہے۔

اس مفہوم میں انھوں نے ایک حکایت نقل فرمائی کہ ملتان میں فجر کی سنت سے قبل مریدین دو رکعت پڑھتے تھے، ایک دن ایک طالب علم مسجد میں آیا اور اس نے دیکھا کہ مریدین آکر فجر کی سنت سے پہلے دو رکعت پڑھنے میں لگ گئے، ایک دن وہ طالب علم حضرت مخدوم شیخ رکن الدین کی مجلس میں آیا، مریدین بھی حاضر تھے، اس طالب علم نے شیخ سے کہا کہ آپ کے مریدین فجر کی سنت سے قبل دو رکعت نفل پڑھتے ہیں، جب کہ یہ مکروہ ہے، ان کو احکام شریعت سے کوئی واقفیت ہی نہیں ہے۔ شیخ رکن الدین نے فرمایا کہ ہاں! میں بھی ادا کرتا ہوں، تو بے ہودہ گوئی کر رہا ہے۔

---

(۱) بخاری، کتاب التہجد، باب فضل الطہور باللیل والنہار (۱۱۴۹) مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل بلال (۲۴۵۸)

آپ نے یہ بھی حکایت بیان کی کہ اسی طرح یہ بھی آیا ہے کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک اُمی مرید تھا، آپ نے اس کو بھی دو رکعت فجر کی سنت سے قبل ادا کرنے کا حکم دیا، ایک روز وہ شیخ کی خدمت میں آکر عرض گزار ہوا: مجھے طلبہ تکلیف دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دو رکعت جو تم فجر کی سنت سے پہلے ادا کرتے ہو یہ کہاں سے ثابت ہے؟ میں ان کو کیا جواب دوں؟ شیخ نے فرمایا کہ ان کو جواب دے دو کہ یہ صلاۃ العاشقین (عاشقوں کی نماز) ہے۔

فائدہ: مہینوں کی مشغولیت

اسی طرح سالک کو چاہیے کہ عشرۂ ماہ محرم، عاشورا، ماہ صفر، ماہ رجب، لیلۃ الرغائب [1]، استفتاح [2] شب معراج، شعبان، شب براءت، ماہ رمضان، شب قدر، شب عید الفطر، یوم ترویہ، صلوٰۃ التعریف اور شب قربانی کے سلسلے میں جو اشغال و عبادات کتاب الاوراد میں مذکور ہیں ان کی پابندی کرے، ان کی بھی بڑی فضیلت ہے۔

فائدہ: محرم کا کھچڑا

واضح ہو کہ عاشورا کے دن جو مختلف غلوں اور دانوں کو ملا کر پکایا جاتا ہے، یہ جائز ہے۔

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ فرماتے تھے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام طوفان کے بعد کشتی سے نیچے اترے تو آپ نے فرمایا: غلہ کی جنس سے جس کے پاس جو کچھ بچا ہو وہ لے کر آؤ، سب لوگ لے کر آئے، تمام قسم کے دانوں کو ایک جگہ جمع کر کے پکایا گیا، وہ دن عاشورا کا دن تھا، اس طرح عاشورہ کے روز تمام قسم کے دانوں (اناج) کو ایک ساتھ پکانا حضرت نوح علیہ السلام کی سنت ہے۔

فائدہ: عاشورا کی نوافل و دعا

اوراد میں لکھا ہے کہ عاشورا کے دن جب سورج بلند ہو جائے تو دو رکعت نماز ادا کرے۔

---

(۱) ماہ رجب کے پہلی جمعرات کی شب کو لیلۃ الرغائب کہتے ہیں۔
(۲) ۱۵ رجب کو یوم الاستفتاح کہتے ہیں۔

پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی اور دوسری رکعت میں سورۂ حشر کی آخری آیتیں پڑھے، سلام کے بعد درود پڑھے اور پھر آخر تک یہ پوری دعا پڑھے:

یَا أَوَّلَ الأَوَّلِینَ، یَا آخِرَ الآخِرِینَ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنتَ، خَلَقتَ أَوَّلَ مَا خَلَقتَ فِی هٰذا الیَومِ[1] وَتَخلُقُ آخِرَ مَا تَخلُقُ فِی هٰذا الیَومِ، أَعطِنِی فِیهِ خَیرَ مَا أَولَیتَ فِیهِ أَنبِیَائَکَ وَأَصفِیَائَکَ مِن ثَوَابِ البَلَایَا، وَأَسْهِمْ لِی مَا أَعطَیتَهُم فِیهِ مِنَ الکَرَامَةِ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ عَلَیهِ الصَّلاةُ وَالسَّلامُ

(اے وہ ذات جو سارے پہلوں سے پہلے اور آخروں سے آخر ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، جسے سب سے پہلے پیدا کیا اسے اِسی دن کیا اور جسے تو سب سے آخر میں پیدا کرے گا اسے اِسی دن پیدا کرے گا، حضرت محمد ﷺ کے صدقے اس دن مجھے مصیبتوں کا وہ بہترین اجر عطا فرما جسے تو نے اپنے انبیا اور اصفیا کو عطا فرمایا ہے اور مجھے وہ کرامت بخش دے جو تو نے ان کو بخشا ہے۔)

اوراد میں لکھا ہے: جو شخص عاشورا کے روز یہ دعا پڑھ لے اس کو اس سال موت نہیں آئے گی اور اگر موت آنے والی ہوگی تو اسے پڑھنے کی توفیق نہیں ملے گی:

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ، سُبحَانَ اللهِ مِلْءَ المِیزَانِ وَمُنتَهَی العِلمِ وَمَبلَغَ الرِّضَاءِ وَزِنَةَ العَرشِ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَیٰ مِنَ اللهِ إِلَّا إِلَیهِ، سُبحَانَ اللهِ عَدَدَ الشَّفعِ وَالوَترِ وَعَدَدَ کَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ، وَأَسأَلُه السَّلَامَةَ بِرَحمَتِه وَلَاحَولَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ العَلِیِّ العَظِیمِ، وَهُوَ حَسْبِی وَنِعْمَ الوَکِیلِ، نِعمَ المَولٰی وَنِعمَ النَّصِیرِ، وَصَلَّی اللهُ عَلٰی خَیرِ خَلقِه مُحَمَّدٍ وَآلِه أَجمَعِینَ

(اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے، اسی کے لیے پاکی ہے میزان کے برابر، بے شمار علم و رضا اور عرش کے وزن کے برابر، اللہ کے عذاب سے پناہ و نجات صرف اسی کے دامن رحمت میں ہے۔ اللہ کے لیے پاکی ہے تمام جفت و طاق عدد کے برابر، اللہ

---

(۱) فوائدِ سعدیہ میں اس کے بعد والی عبارت نہیں ہے۔ یہاں صرف ''الخ'' ہے۔

کے کمال والے کلمات کے برابر، اس کی رحمت کے صدقے میں اسی سے سلامتی کا طلب گار ہوں، خدائے بزرگ و برتر کے علاوہ کوئی طاقت و قوت والا نہیں، وہی میرے لیے کافی ہے، وہ کتنا اچھا کارساز، مولی و مددگار ہے، اللہ تعالی اپنی سب سے بہتر مخلوق محمد ﷺ اور ان کی تمام آل پر صلاۃ نازل فرمائے۔)

فائدہ: ماہِ رجب کی نوافل

سالک کو چاہیے کہ ماہ رجب میں نماز خواجہ اویس قرنی بھی ادا کرے۔ فوائد الفواد میں لکھا ہے: خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی نماز کا تذکرہ آیا تو خواجہ نظام الدین اولیا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ نماز ۳/ ۴/ ۵/ رجب کو ادا کی جاتی ہے اور ایک روایت کے مطابق ۱۳/ ۱۴/ ۱۵/ کو ادا کی جاتی ہے۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ تیرہ، یا چودہ یا پندرہ رجب کو بزرگوں نے یہ نماز ادا کی ہے۔ اس کے بعد اس کی بہت زیادہ فضیلت بیان فرمائی۔ (۱)

اوراد میں ہے: ماہ رجب کی پہلی جمعرات کو روزہ رکھے اور شب جمعہ میں مغرب کی نماز کے بعد چھ سلام سے بارہ رکعتیں ادا کرے۔

صلاۃ الرغائب کی جماعت

پیر دست گیر قطب عالم نے یہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کی ہے اور اس میں بلند آواز سے قراءت کی ہے۔ نماز نفل کی جماعت مکروہ نہیں ہے۔ خلاصہ میں ہے:

اِنَّ التَّطَوّعَ بِالجَماعۃِ اِذا کَانَ عَلی سَبِیلِ التَّداعِی ، یُکرَہ، کذا فِی الأَصلِ لِلصَّدرِ الشَّھِیدِ -رَحِمَہُ اللہُ-، أَمّا اِذا صَلُّوا بِجَماعۃٍ بِغَیرِ أَذانٍ وَاِقامَۃٍ فی ناحِیَۃِ المَسجِدِ ، لایُکرَہُ

نفل با جماعت اگر اعلان عام اور دعوت عام کے طور پر ہو تو مکروہ ہے۔ ایسا ہی صدر شہید کی اصل میں ہے، البتہ! اگر بغیر اذان و اقامت کے مسجد کے کونے میں جماعت سے پڑھ لیں تو مکروہ نہیں ہے۔

---

(۱) فوائد الفواد، ج:۱، مجلس:۲۱، ص:۳۰۷؛ البتہ فوائد الفواد میں آخری والی روایت میں بجائے ۱۳ یا ۱۴ یا ۱۵ کے ۲۳ یا ۲۴ یا ۲۵ ہے۔

فائدہ: شب معراج

شب معراج کے سلسلے میں اختلاف ہے، اکثر نے ۲۷/رجب کا قول کیا ہے، جب کہ بعض نے ۱۸/رمضان کہا ہے۔

فتاویٰ صوفیہ میں لکھا ہے کہ روضہ میں مذکور ہے: نبی کریم ﷺ کو شب جمعہ ماہ رجب کی ستائیسویں تاریخ کو معراج ہوئی۔ حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سترہ رمضان کی شب کو معراج ہوئی۔

جو شخص شب معراج میں بارہ رکعتیں پڑھے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور قرآن کی کوئی سورت پڑھے، ہر دوسری رکعت میں تشہد پڑھے اور آخر میں سلام پھیرے، اس کے بعد سُبْحَانَ اللهِ وَالحَمْدُ للهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ سو مرتبہ کہے، پھر سو مرتبہ استغفار کرے، پھر اپنے لیے دنیا و آخرت کی کوئی بھی دعا کرے اور پھر صبح کو روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ معصیت سے تعلق رکھنے والی دعا کے علاوہ اس کی ہر دعا قبول فرمالے گا۔

فائدہ:

شیخ ضیاء الدین سنامی کے رسالے میں ہے: کاغذ، مٹی اور لکڑی کی تصویریں بنانا اور بے حاجت مسلمانوں کے شہر میں شب براءت اور اس کے بعد دن میں شور شرابے کے ساتھ ڈھول بجانا، لکڑی وغیرہ کی کشتی بنانا، اس پر لباس ڈالنا، قندیل اور چراغ لٹکانا، کشتی کے نیچے مچھلی کی تصویر بنانا، راتوں میں آتش بازی کرنا، یہ سب بدعتیں ہیں۔

رسالہ میں یہ بھی لکھا ہے: اس رات لوگوں کو چاہیے کہ غسل کریں، صبح روزے کی نیت کریں اور ۱۵ویں شعبان کے دن روزہ رکھے، ایسا کرنے والا گویا ابھی ہی شکم مادر سے نکلا ہے۔ ایک آنکھ میں تین بار سرمہ لگائے، دوسری میں دو بار لگائے، اگلے سال تک اس کی آنکھوں میں تکلیف نہیں ہوگی اور عبادت میں سستی محسوس نہیں ہوگی۔ اس رات میں برتنوں کو ہلا دے تاکہ دوسرے سال تک برکت ہوتی رہے، اس رات گھر میں کوئی غلہ پکائے، گوشت سے پرہیز کرے، ہر دانے پر دس

نیکی ملے گی، دس برائیوں سے طہارت حاصل ہوگی اور جنت میں دس درجے حاصل ہوں گے۔

فائدہ: ماہ رمضان کی فضیلت

ماہ رمضان میں طاعت وعبادت اور تلاوت قرآن میں مشغول رہنا چاہیے ،آخری عشرے کا اعتکاف سنت ہے، اس کی پابندی کرنی چاہیے ،خاص طور سے شب قدر بڑی عظمت وبرکت والی رات ہے۔

شب قدر

شب قدر کے سلسلے میں علما کا اختلاف ہے، بعض کا قول ہے کہ شب قدر سال میں کبھی بھی ہو سکتی ہے، کبھی رمضان میں ہوتی ہے اور کبھی غیر رمضان میں، بعض کہتے ہیں کہ شب قدر رمضان میں ہوتی ہے لیکن یہ پتا نہیں کہ کون سی رات میں ہوتی ہے، آگے پیچھے ہوتی رہتی ہے، بعض نے کہا کہ ماہ رمضان کی پہلی شب میں ہوتی ہے، بعض نے کہا کہ سترہویں شب میں، بعض نے کہا اٹھارہویں شب میں ، بعض نے کہا انیسویں شب میں ، بعض نے کہا اکیسویں شب میں، بعض نے کہا تئیسویں شب میں ، بعض نے کہا پچیسویں شب میں ، بعض نے کہا ستائیسویں شب میں اور بعض نے کہا انتیسویں شب میں، اکثر کا قول یہ ہے کہ ستائیسویں شب میں ہے۔

فائدہ: نماز عرفہ

نمازِ عرفہ ۹/ ذی الحجہ کو جس طرح اوراد میں مذکور ہے ادا کرے۔

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ کبھی عید گاہ جاکر یہ نماز ادا کرتے اور اکثر خانقاہ میں ہی جماعت کے ساتھ ادا کرتے۔

نماز عرفہ کی ادائیگی ایک مستحب عمل ہے۔ فتاویٰ حجۃ اور جامع صغیر خانی میں ہے: عرفہ منانے کی کوئی اصل نہیں ہے، عرفہ کا عمل یہ ہے کہ صالحین کی ایک جماعت یوم عرفہ کے موقع پر ہر شہر میں جمع ہو کر تکبیر و تہلیل بلند کرتے ہیں، جس طرح عرفات میں حجاج تہلیل و تکبیر بلند کرتے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں ،یعنی سنت سے ثابت نہیں ہے، لیکن فی نفسہ یہ دین داری، نیکی اور

عرفات کی جانب اشتیاق کے مظاہرے کی ایک صورت ہے۔

حضرت مخدوم شاہ مینا کا معمول

پیر دست گیر قطب عالم اس نماز میں بلند آواز سے قراءت کرتے تھے اور یہ مکروہ نہیں ہے۔ جیسا کہ اوراد میں مذکور ہے۔

نیز پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ یہ نماز برہنہ سر ادا کرتے تھے اور یہ بھی ممنوع نہیں ہے؛ کیوں کہ محیط، ذخیرہ خلاصہ، نصاب، خانیہ، تجنیس، مزید، فتاویٰ ظہیریہ، قنیہ، وقایہ وغیرہ دوسری کتابوں میں ہے: اِنَّما یکرَہُ الصلاۃُ اِذا صَلّی حاسِرَ الرَّأسِ تکاسُلاً وَ تَساهُلاً وَتَنَعُّماً أَو تَهاوُناً، أَمّا اِذا صَلّیٰ خُشوعاً وَ تضَرُّعاً ، فَلابأسَ بِه، بَل هُوَ حَسَنٌ؛ وَلَفظُ الذخیرَۃِ وَالخُلاصۃِ: بَل یَستَحِبُّ ذٰلك، لِأَنَّ مبنی الصلاۃِ عَلی الخُشوعِ ننگے سر اس صورت میں نماز مکروہ ہوگی جب کہ سستی اور تساہلی اور عیش و عشرت کی وجہ سے ہو، البتہ اگر خشوع و تضرع کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھے تو کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ مستحسن ہے اور ذخیرہ و خلاصہ کے الفاظ میں یہ مستحب ہے؛ کیوں کہ نماز کی بنیاد ہی خشوع پر ہے۔

فائدہ:

ولی کی پہچان

پیر دست گیر قطب العالم بارہا فرماتے تھے کہ ولی کی علامت یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر اللہ کی یاد آجائے اور غیر کی یاد دل سے نکل جائے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میرے اولیا اور محبوب بندے وہ لوگ ہیں جو میرے ذکر میں رہتے ہیں اور میں ان کے ذکر میں رہتا ہوں۔

ولایت کے تین درجات

محتسب عارفاں شیخ قوام الدین عباسی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ولی کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وہ ولایت جو محض ایمان سے حاصل ہوتی ہے، جس میں عمل صالح سے آراستگی، حرام چیزوں اور گناہوں سے اجتناب نہیں ہوتا۔ اللہ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (البقرۃ:۲۵۷) اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا ولی ہے۔ یہ ولایت کفر کی عداوت سے نکالنے والی اور حق تعالیٰ کی محبت عطا کرنے والی ہے۔

۲۔ ولایت کے لحاظ سے ولی وہ ہے جو مسلسل اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگا ہو، اس میں گناہوں کا خلل نہ ہو، یہ عام ولی کی علامت ہے، ان کو علم شریعت یا اصطلاحی زبان میں عالم باللہ کہتے ہیں اور اس معنی کے علاوہ دوسرے معنی پر اس کا اطلاق نہیں کرتے۔ جو ایسا نہیں ہیں ان کو فاسق اور ظالم کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسے لوگوں کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو بخش دے۔

۳۔ ولایت کا تیسرا درجہ جو نبوت کے بعد ہوتا ہے، وہ اجتبا، اختصاص اور اصطفا والی ولایت ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَهۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ (الشوریٰ: ۱۳) (اللہ جسے چاہتا ہے اپنے لیے چن لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے اپنی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔) اس ولایت میں بندے کا باطن کائنات کے ملاحظے سے پاک ہوجاتا ہے اور ایسا شخص سراپا طاعت وبندگی اور بے گناہ بن جاتا ہے۔

کیا ولی کو اپنی ولایت کا علم ہوتا ہے؟

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بعض مشائخ کے نزدیک یہ بات جائز ہے کہ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہو، اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نوازش اور نعمت ہے، لہٰذا جس طرح وہ دوسری نعمتوں کو جانتا ہے اسی طرح اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس نعمت کو بھی جانے۔ اس لیے کہ یہ شکر میں اضافے کا باعث ہوگا۔

اس کے برخلاف بعض دوسرے مشائخ کا خیال ہے کہ ولی کو اپنی ولایت کا علم نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہو تو وہ بے خوف ہوکر بیٹھ جائے گا، انجام کا خوف ختم ہوجائے گا اور اس میں بہت بڑا خطرہ ہے۔

فائدہ: ابدال کی جماعت میں شامل کرنے کا طریقہ

پیر دست گیر قطب عالم قدس سرہ فرماتے تھے کہ ابدال جب کسی کو اپنی جماعت میں شامل کرنا چاہتے ہیں تو یہ حضرات دل کی صفائی کے لیے زعفران کو دودھ میں ملاکر پینے کے لیے دیتے ہیں ،اس کا واضح اثر ہوتا ہے، ان کے پاس چند درہم کی مقدار کی ایک چیز پانی کی طرح ہوتی ہے، اس کے کئی رنگ ہوتے ہیں ، سفید، سرخ، زرد اور سیاہ ، سیاہ رنگ والا خوش منظر ہوتا ہے، اس میں ایسی خوش بو ہوتی ہے کہ کوئی خوش بو اس کی طرح نہیں ہوتی اور اس سے حلق میں ایسی حلاوت ہوتی ہے کہ بہت کم کسی شئے میں ایسی حلاوت پائی جاتی ہے۔ اس میں ایک قلبی فرحت حاصل ہوتی ہے کہ اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیا ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ بنی اسرائیل کے میدان تیہ میں سات آٹھ درخت ہیں، یہ اسی کا پھل ہے۔

خاتمہ

اے عزیز! زمین عاجزی کی جگہ ہے، تکبر کی جگہ نہیں ہے، اس خاک دان گیتی کے باشندے اگر خود بینی اور خود نمائی سے کام لیں تو یہ قابل افسوس ہے۔

هر کرا زیر خاک باید بود — روز و شب ترس ناک باید بود
در زمین جسم خاک خواهد شد — بر زمین هم چو خاک باید بود
با نعالش شریک باید شد — در نعالش شراک باید بود
هر کرا آرزو ست منزل قدس — از همه لوث پاک باید بود
از دمی تا دمی که درپس اوست — یاید و یا نه شاک باید بود
شاخ بن را که رسته از خاک است — نرم چون برگ تاک باید بود
مطلب جای مرتفع که ترا — سالها در مغاک باید بود

۱۔ جس کو بھی مٹی کے اندر جانا ہے، اس کو ہر وقت خوف زدہ رہنا چاہیے۔
۲۔ زمین میں جسم مٹی بن جائے گا، اس لیے زمین کے اوپر خاک بن کر ہی رہنا چاہیے۔
۳۔ اس کے جوتوں کے صف میں رہے، اور اس کے جوتے کا تسمہ بن کر رہے۔
۴۔ جس کو بھی منزل قدس کی تمنا ہے، اس کو تمام آلائشوں سے پاک رہنا چاہیے۔
۵۔ ایک سانس کے بعد دوسری سانس آئے یا نہ آئے، اسے شک میں رہنا چاہیے۔
۶۔ جو شاخ زمین سے اگی ہے، اسے برگ انگور کی طرح نرم رہنا چاہیے۔
۷۔ بلندی کی طلب مت کرو، کیوں کہ سالہا سال قبر کے گڈھے میں رہنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ مجمع السلوک کے اس انتخاب سے فراغت حاصل ہوئی، اس ذات گرامی پر صلاۃ و سلام نازل ہو جن کو ایسا کلام عطا کیا گیا جو حق و باطل کے مابین فیصلہ کرنے والا ہے اور ان کی بہترین آل و اصحاب پر۔ اس کام سے ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ / [دسمبر ۱۸۲۶ء] میں فراغت ملی۔